

صحیح بخاری کا مطالعہ

(بخاری کی کچھ کمزور احادیث کی تحقیق و تنقید)

شبیر احمد ازہر



جملہ حقوق محفوظ ہیں

مطابع : سنج شکر پرنٹرز

تاسیخ اشاعت : ۲۰۰۵

قیمت : ۳۹۵ روپے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مطالعہ بخاری حصہ اول میں نے حرف بحرف پڑھا
چند ایسی روایات پر جن کو صحیح بخاری میں جگہ نہیں
ملنی چاہیے تھی۔ حضرت مولانا شبیر احمد ازہر صاحب
مدظلہ نے جس علمی اور محدثانہ طرز پر مدلل گفتگو
کی ہے وہ ان ہی کا حصہ ہے۔ پھر انداز بیان ایسا اختصار
فرمایا ہے کہ اس سے ہر عام و خاص استفادہ کر سکتا ہے۔
خدا کرے یہ کتاب جلد پایہ تکمیل کو پہنچ جائے
اس سے قرآن حکیم کی کتنی ہی اہم آیات کا صحیح مفہوم بھی
واضح ہوا جن کو سمجھنے میں ناقابل اعتبار روایات
رکاوٹ بنتی چلی آرہی ہیں اس کتاب کو پڑھ کر بے حد
مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ اس مبارک سعی کو قبول فرمائے
(آمین)

محمد فاروق خان

۲۸ اکتوبر ۱۹۷۲ء

مدیر رسالہ کائنات دہلی

دفتر مکتبہ جماعت اسلامی دہلی

4

X

فہرست

حصہ اول

- دیباچہ ۱۵
- (۱) لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ کے متعلق سعید بن جبیر سے مروی حدیث ۱۷
- (۲) تحویل قبلہ کے متعلق براء بن عازب کی حدیث جو ابواسحاق سمیعی سے مروی ہے ۲۵
- زہیر بن معاویہ کی روایت ۲۶
- اسرائیل کی روایت ۲۷
- ابوالاحوص کی روایت ۲۹
- زکریا بن ابی زائدہ کی روایت ۲۹
- تمیہات ۳۰
- ابوبکر بن عیاش کی روایت ۳۵
- قاضی شریک کی روایت ۲۹
- اسماعیل بن ابی خالد کی روایت ۲۹
- سفیان ثوری کی روایت ۳۳
- (۳) لبس البرہان تاتوا البیوت من ظہورہا کے متعلق حدیث براء بن عازب جو ابواسحاق سمیعی سے مروی ہے ۴۷
- (۴) الیوم اکملت لکم دینکم کے محل نزول و روز نزول کے متعلق طارق بن شہاب بجلی سے مروی حدیث عمر ۵۰
- طارق بن شہاب کون تھا ۵۲
- (۵) غزوہ بدر سے متعلق طارق بن شہاب کی روایت کی ہوئی حدیث عبداللہ بن مسعود ۶۱
- (۶) حضرت علی کی منقبت میں ایک جھوٹی حدیث، صلح حدیبیہ کے متعلق جو براء بن عازب سے مروی ہے اور دختر ہمزہ کے جھوٹے قصہ پر مشتمل ہے ۶۳
- اس حدیث کے مضامین کا جائزہ ۷۲
- (۷) و اذا راو تجارة او لہوا انفضوا الیہا کے شان نزول کے متعلق حدیث جابر ۷۸
- (۸) فما لکم فی المناقین فتنین کے شان نزول کے متعلق عدی بن ثابت رافضی کی روایت کی ہوئی حدیث ۸۳
- (۹) حضرت علی کی منقبت اور حضرت خالد بن ولید کی منقبت میں بریدہ سے مروی حدیث جس میں ایک لونڈی کا قصہ مذکور ہے ۸۷
- (۱۰) عمار بن یاسر کے متعلق جھوٹی حدیث جو عکرمہ نے روایت کی ہے ۱۰۲
- (۱۱) ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا ماتین کے متعلق عکرمہ کی حدیث ۱۱۰
- (۱۲) کیا قحط میں حضرت عمر حضرت عباس کے وسیلہ سے دعا مانگا کرتے تھے ۱۱۶
- (۱۳) تیغم کے متعلق حضرت عمار بن یاسر کی

۲۰۶	عمرہ بنت عبد الرحمن کی روایت	۱۱۹	حدیث اور عمر و عمرار رضی اللہ عنہما کا قصہ
(۲۲)	صحیح بخاری میں ہے کہ ازواج مطہرات میں	(۱۳)	تیمم میں ایک ضرب ہے یاد اور کہنیوں
۲۰۹	سب سے پہلے حضرت سوہ کی وفات ہوئی	۱۲۶	پہنچوں تک مسح کیا جائے یا.....
(۲۳)	حضرت انس سے مروی حدیث کہ نبی	(۱۵)	تیمم کے متعلق عبد اللہ بن مسعود
کریم ﷺ ایک ہی رات میں تمام بیویوں سے		۱۲۸	ابو موسیٰ اشعری کا مناظرہ
ہمسٹری کے بعد ایک ہی غسل فرماتے تھے ۲۱۵		(۱۶)	واقم الصلوٰۃ طرفی النهار و زلفا
(۲۴)	وما لتنزل الا ہامو ربک کے شان	من اللیل کے شان نزول کے متعلق قصہ ۱۳۲	
نزول کے متعلق حدیث بن عباس ۲۲۲		(۱۷)	حمدا کثیرا طیباً مبارکاً فیہ کہنے کی فضیلت
(۲۵)	شہد کی کہانی۔ روایت مروہ ۲۲۵	اور اس کے محل کے متعلق مختلف احادیث ۱۳۱	
روایت عبید بن عمیر ۲۳۱		رفاعہ بن رافع کی حدیث ۱۳۱	
(۲۶)	حدان خصمان اخصموانی رکھم کے	حماد بن سلمہ کی روایت ۱۳۳	
شان نزول کے متعلق قیس بن عباد بصری کی		خلف بن خلیفہ کی روایت ۱۳۴	
روایت کی ہوئی حدیث ۲۳۴		(۱۸)	الک کی کہانی جو جھوٹ ہی جھوٹ ہے ۱۳۶
(۲۷)	ان شاء اللہ کہنے کی فضیلت میں حضرت	روایت زہری ۱۴۴	
سلیمان علیہ السلام کے متعلق ابو ہریرہ سے		روایت ابواسامہ ۱۷۰	
مروی حدیث۔ اعرج کی روایت ۲۵۲		روایت مسروق ۱۷۸	
طاؤس کی روایت ۲۵۳		(۱۹)	کیا ہڈی اور سوکھے ہوئے گوشت سے جنات
محمد بن سیرین کی روایت ۲۵۶		کو غذا ملتی ہے؟ ابو ہریرہ سے مروی حدیث ۱۸۵	
(۲۸)	خدمت نبوی میں جنات کے حاضر	(۲۰)	حضرت عمر کی حدیث و الفت رہی
ہونے کی روایت ۲۵۸		فی ثلاث ۱۹۰	
(۲۹)	سجدہ سورۃ النجم کے متعلق بخاری کی	(۲۱)	عذاب قبر کے متعلق ایک یہودیہ کی کہانی ۱۹۹
روایت کی ہوئی حدیث زید بن ثابت ۲۷۱		مسروق کی روایت ۱۹۹	
(۳۰)	حتى یبین لکم الخیط الابيض من	عروہ بن زبیر کی روایت ۲۰۲	
الخیط الاسود من الفجر کے متعلق		سعید کی روایت ۲۰۳	
ابوحازم کی روایت ۲۷۳		جرہ جنت دجاہ کی روایت ۲۰۴	
(۳۱)	ابواسحاق سمیع کی روایت ۲۷۶	ذکوان کی روایت ۲۰۶	

فہرست

حصہ دوم

پیش لفظ	۳	(۸) حضرت عمرو ہشام بن حکیم کے درمیان
(۱) ابن صیاد کی کہانی	۵	سورۃ الفرقان کی قراءت میں..... ۵۵
ابن صیاد کے متعلق ابو ذر غفاری کی طرف		(۹) ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس
منسوب حدیث	۷	ان کے رضاعی بھائی کے آنے کا قصہ جو غلط ہے ۵۸
ابوبکر ثقفی کی طرف منسوب حدیث	۹	(۱۰) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سلیمان
ابوسعید خدری کی طرف منسوب حدیث	۱۳	بن یسار کے آنے کی روایت جو قطعاً غلط ہے ۶۰
حضرت جابر کی طرف منسوب حدیث	۲۵	(۱۱) رسول اللہ ﷺ کا عبد اللہ بن ابی کے پاس
عبداللہ بن عمر سے مروی حدیث	۳۳	جانا حدیث انس، حدیث قطعاً باطل موضوع ہے ۶۱
حدیث ابن عمر جو زہری سے مروی ہے	۳۶	(۱۲) یا ایہا الذین امنوا شہادۃ..... حدیث ۶۳
حضرت عبداللہ بن مسعود کی طرف منسوب حدیث ۴۳		عطاء بن یسار نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے
(۲) نماز فجر کے بعد طواف کر کے سورج نکلنے		اذا سالتم اللہ فاسألوه الفردوس ۶۷
سے پہلے دو گانہ طواف ادا کر لینے کا مسئلہ	۴۴	لا یستوی القاعدون من المؤمنین۔ حدیث ۷۱
(۳) روزہ عاشوراء کے متعلق سعید بن جبیر کی		(۱۵) سفر جہاد میں روزہ رکھنے کی فضیلت ۷۷
روایت کی ہوئی حدیث ابن عباس	۴۵	(۱۶) ابو ہریرہ سے مروی حدیث کہ ایک نبی کو
(۴) شب قدر کے متعلق ابن عباس کی حدیث		ایک حیوٹی نے کاٹ لیا تو اس..... ۷۹
جو ابو مجلز و عکرمہ سے مروی ہے	۴۹	(۱۷) عبداللہ بن عمر کی طرف منسوب حدیث ۸۱
(۵) مکہ مکرمہ پر چڑھائی کرنے والے لشکر کے		(۱۸) ہشام بن عروہ کی روایت جس میں مذکور
وہنس جانے کی حدیث	۵۰	ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر لبید بن اعصم خزر جی
(۶) یہ حدیث کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی		جاوہر..... ۸۵
تو آپ کی زرہ تیس صاع جو.....	۵۲	(۱۹) کسی جوٹھی کی بتائی ہوئی بات کے کبھی صحیح
(۷) اختلاف قراءۃ کے متعلق عبداللہ بن مسعود		ثابت ہو جانے کی توجیہ..... ۸۷
کی حدیث	۵۴	

(۳۳) اتباع الانصار کے متعلق حدیث ۱۳۳

(۳۴) ایک انصاری شخص کی رسول اللہ ﷺ سے کسی

عہدے پر لگانے کی درخواست بروایت آدہ ۱۳۴

(۳۵) یوثرون علی انفسہم ولو کان بہم

خصاصۃ کا شان نزول پر ۱۳۶

(۳۶) کیا صفا و مروہ کی سعی بین میلین اخصرین

کے درمیان دوڑنا سنت نہیں ہے؟ ۱۳۰

(۳۷) مسروق سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ

کو جنات کے آنے کی اطلاع..... ۱۳۱

(۳۸) عبد اللہ بن عمر کی طرف منسوب ایک جھوٹا

قصہ جس میں یاسجج امرئجج مذکور ہے ۱۳۲

(۳۹) ابوطالب پر سے تخفیف عذاب کے

متعلق دو متعارض حدیثیں۔ حدیث عباس ۱۳۷

حدیث ابوسعید خدری ۱۳۹

(۴۰) وما جعلنا الرؤیا التي..... ۱۴۰

(۴۱) الذين جعلوا القرآن عضین کی تفسیر ۱۴۲

(۴۲) لا یستوی القاعدون من المؤمنین

غیر اولی الضرر و المجاہدون کی تفسیر ۱۴۳

(۴۳) ایاس بن بکیر رضی اللہ عنہ کے بدوی

ہونے کی دلیل ۱۴۴

(۴۴) ابن عباس کی حدیث بروایت عکرمہ

حضرت جبریل کے متعلق ۱۴۵

(۴۵) سورۃ الفتح کی ابتدائی آیتوں کے متعلق

عکرمہ کی روایت ۱۴۶

(۲۰) حمید بن ہلال کی حدیث جس میں مذکور ہے کہ

حضرت انس نے بنی قریظہ پر فوج کشی..... ۹۱

(۲۱) سات حروف پر قرآن نازل..... ۹۳

(۲۲) خیمہ جنت کے متعلق حدیث..... ۹۵

(۲۳) اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھنے سے

غضب فرو ہو جانے کی حدیث ۹۶

(۲۴) عبد اللہ بن مسعود و عمار بن یامر و حذیفہ بن

یمان کی منقبت میں اور سورۃ اللیل..... ۹۹

(۲۵) گرگٹ کے متعلق صحیح بخاری کی حدیث ۱۰۱

(۲۶) ابو ہریرہ سے مروی حدیث لو لا بنو

اسرائیل لم یخزن اللحم ولو لا حواء

لم یخزن انشی..... ۱۰۸

(۲۷) حضرت آدم کے قد کی لمبائی اور سلام

و تحیت کے متعلق حدیث ابو ہریرہ ۱۰۹

(۲۸) ابوسعید خدری کی حدیث کہ قیامت میں

امت محمدیہ نوح کے حق میں گواہی دے گی ۱۱۱

(۲۹) حدیث ابوسعید خدری کہ ۱۱۰ اہل جہنم میں

سے ۱۰۰۰ شخص یا جوج ماجوج سے ہوں گے ۱۱۴

(۳۰) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ آزر

کے اخروی مآل کے متعلق حدیث ابو ہریرہ جو

ابن ابی ذؤب سے مروی ہے ۱۱۶

(۳۱) کریم کی حدیث کہ رسول اللہ ﷺ

خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو..... ۱۱۹

(۳۲) ایک چتکبرے، ایک گنبجے اور ایک اندھے

کی آزمائش کا قصہ ۱۲۰

(۵۶) (۵۶) لا انهم يشنون صدورهم ليستخفوا

منه الاية کے متعلق ابن جریج کی ابن عباس کی

طرف منسوب غلط روایت ۱۷۳

(۵۷) (۵۷) کا ہن کی بات صحیح ثابت ہو جانے کی

توجیہ میں ابو ہریرہ کی طرف منسوب غلط حدیث ۱۷۵

ابن عیینہ کی تلمیذ اور فضول گوئی ۱۷۶

اس حدیث کے متعلق بحث اول ۱۷۷

بحث ثانی۔ آیت کی صحیح تفسیر ۱۷۸

بحث ثالث فزع کو فزع پڑھنا قطعاً غلط ہے ۱۷۹

(۵۸) (۵۸) ولا تكون كالتي نقضت غزلها من بعد

قوة انکالا کی تفسیر میں ابن عیینہ کی فضول گوئی ۱۸۱

(۵۹) (۵۹) ولا تجهر بصلاصك ولا تخافت

بها وابتغ بين ذلك سبيلا کی تفسیر ۱۸۲

(۶۰) (۶۰) ای آیت کے متعلق عروہ بن زبیر کی تفسیر ۱۸۳

اس آیت کی صحیح تفسیر ۱۸۴

(۶۱) (۶۱) قیامت کے دن موت کو ذبح کرنے کی حدیث

جو بطریق اعمش ابو سعید خدری سے عروہ سے ۱۸۵

(۶۲) (۶۲) لرادك المي معاد کی تفسیر ۱۸۷

(۶۳) (۶۳) واهية النفس عورتوں کے متعلق ام المؤمنین

عائشہؓ کی حدیث جو عروہ نے غلط نقل کر دی تھی ۱۸۹

(۶۴) (۶۴) عروان و عبدالرحمن بن ابی بکر کا جھوٹا قصہ

جسے بخاری نے صحیح باور کر کے درج صحیح کر دیا ہے ۱۹۱

(۶۵) (۶۵) لات کے متعلق ابن عباس کی طرف

منسوب غلط قول ۱۹۲

(۴۶) (۴۶) عبداللہ بن ثعلبہ بن ضمیر کے چہرے پر

رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پھیرنے کی حدیث ۱۵۰

(۴۷) (۴۷) سنن ابو جلیلہ کے متعلق زہری کی غلط روایت

جسے بخاری نے درج صحیح کر دیا ہے ۱۵۲

(۴۸) (۴۸) عبداللہ بن عباس سے عروہ کی حضرت عمر کا

قول علی اقصانا و ابی اقرانا ۱۵۵

(۴۹) (۴۹) عدت وفات کے متعلق عبداللہ بن ابی ملیکہ

کی غلط بیانی جو بخاری نے درج صحیح کر دی ہے ۱۵۸

(۵۰) (۵۰) ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف

منسوب اتباع تشابہات کے متعلق غلط حدیث جس

کی عبداللہ بن ابی ملیکہ نے روایت کی ہے ۱۵۸

(۵۱) (۵۱) حسبنا الله و نعم الوكيل کے متعلق بخاری

کی روایت کا ہوئی غلط حدیث ۱۶۱

(۵۲) (۵۲) ان الذين توفاهم الملائكة ظالمي

انفسهم کے متعلق عکرمہ کی ابن عباس سے غلط

روایت ۱۶۳

(۵۳) (۵۳) متعہ جائز ہونے کے متعلق عبداللہ بن مسعود

کی طرف منسوب جھوٹی حدیث جو صحیح بخاری میں

تین جگہ درج ہے اور صحیح مسلم میں بھی ہے ۱۶۵

(۵۴) (۵۴) قل هو القادر على ان يبعث عليكم

عذابا من فوقكم الاية کے متعلق حضرت جابر کی

طرف منسوب موضوع حدیث ۱۷۰

(۵۵) (۵۵) ان يكن منكم عشرون صابرون

يغلبوا مائتين کے متعلق عمرو بن دینار کی حضرت

ابن عباس سے جھوٹی روایت ۱۷۲

- (۶۶) و آخرین منهم لما يلحقوا بهم کے متعلق ابوالغیث کی روایت کی ہوئی حدیث ۱۹۵
- (۶۷) کیا عبداللہ بن مسعود معوذتین کی قرآنیت سے منکر تھے ابن عیینہ کی غلط بیانی ۱۹۸
- (۶۸) عبداللہ بن مسعود کا شہر حمص میں ایک شرابی کو حد مارنے کا قصہ بروایت علقمہ۔ یہ قصہ غلط ہے ۲۰۳
- (۶۹) سورۃ الاخلاص کی فضیلت ۲۰۶
- (۷۰) حمہ کے متعلق سلمہ بن اکوع کی طرف منسوب جھوٹی حدیث ۲۰۷
- (۷۱) کیا لوہے کی انگوٹھی کو مہر بتایا جاسکتا ہے ۲۱۲
- (۷۲) واہبۃ النفس کے متعلق ہبل بن سعد ساعدی کی حدیث جس کی ابو حازم نے روایت کی ہے ۲۱۳
- اس قصہ کے غلط ہونے کے دلائل ۲۱۹
- (۷۳) حدیث ام زرع ۲۲۲
- اس قصہ کی حقیقت ۲۳۶
- (۷۴) ابو حازم سلمہ بن دینار کی ہبل بن سعد ساعدی سے روایت کی ہوئی ایک لغو باطل حدیث جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ سے ۲۳۸
- ابن حجر نے یہ لکھ مارا کہ اس عورت نے جو اھوذ باللہ منک ۲۴۰
- جونہی کا قصہ ۲۴۱
- بخاری نے کتاب الطلاق میں ذکر کر کے شدید و فاش غلطی کی تھی یہ غلطی دراصل زہری کی تھی ۲۴۵
- (۷۵) ابو ظہیان رافعی کا گھڑا ہوا قصہ کہ حضرت عمر نے ایک پاگل عورت کو رجم کر دیے کا ۲۴۷
- (۷۶) صلہ رحم کے متعلق حضرت عائشہ کی طرف منسوب ایک لغو حدیث ۲۴۸
- حضرت انس سے عروہ کی حدیث کہ کوئی باندی بھی رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی لے جاتی ۲۵۰
- (۷۷) ہشام بن عروہ کی بے ہودہ روایت ۲۵۲
- (۷۸) ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول نزوحنی رسول اللہ ﷺ و انا بنت ۲۵۲
- (۷۹) بخاری کی ذکر کی ہوئی ابن صیاد کے متعلق باطل حدیث جو ابن عباس کی طرف منسوب ہے ۲۵۶
- (۸۰) ابو ہریرہ سے عروہ کی باطل حدیث کہ زینب کا اصل نام برہ تھا ۲۵۷
- (۸۱) ابو ہریرہ سے عروہ کی باطل حدیث کہ ۲۵۸
- (۸۲) ابو ہریرہ کی طرف منسوب موضوع حدیث جس میں مذکور ہے ما زال عبدی ۲۶۱
- (۸۳) عطاء بن یسار کی روایت جو ابوسعید خدری کی طرف منسوب ہے کہ ۲۶۳
- (۸۴) یزید الرشک کی روایت کی ہوئی مہمل و موضوع حدیث جو عمران بن حصین سے عروہ ہے اور ۲۶۵
- (۸۵) شادی شدہ زانیہ کو کوڑے مارنے پھر سنگسار کرنے کا قصہ جو شیعہ ۲۷۱
- (۸۶) حضرت سعد بن ابی وقاص سے عروہ حدیث اعظم المسلمین جرم الخ ۲۷۹

(۸۷) بخاری نے کہا ہے و قد كتب عمر الى عامله في الجارود حالاً نكح عمره جارود کے بارے میں نہیں بلکہ قدامہ بن مظعون کے بارے میں لکھا تھا ۲۸۰

(۸۸) مجادلہ کے متعلق بخاری نے ام المومنین عائشہ کی جو حدیث نقل کی ہے قاصد و مہمل ہے ۲۸۱
(۸۹) ابن عمر کی حدیث کن فی الدنیا کاتک غریب کی بخاری نے جو اسناد نقل کی ہے صحیح نہیں ہے ۲۸۳
(۹۰) حدیث انس عن ابی بن کعب کسانوی

هذا من القرآن حتى نزلت الهاکم ۲۸۵
(۹۱) نذر کے متعلق ابو ہریرہ سے مروی غلط حدیث
بروایت ۲۸۷ مام بن منہ

(۹۲) ریشم کے متعلق مسدود سے سنی ہوئی بخاری کی حدیث عن ابی عثمان قال کنا مع عتبة فكتب اليه عمر الخ ۲۸۹

(۹۳) صفیہ بنت شیبہ کی حدیث اولم النبی ﷺ علی بعض نسائه بمدین من شعیر۔

مرسل اور غیر صحیح ہے ۲۹۲

(۹۴) ابن ابی ملیکہ کی غلط بیانی کہ حضرت عائشہ اذا تلقونه بالاستکم میں تلقونه پڑھتی تھیں ۲۹۲

(۹۵) و علی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین کے منسوخ ہونے کے متعلق حدیث ۲۹۴

(۹۶) ایک صحابی کی طرف منسوب قول کہ و ان

تبدوا ما فی اللہ منسوخ ہے ۲۹۸

12

X

حصہ اول

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مطالعہ بخاری حصہ اول میں نے حرف بحرف پڑھا
چند ایسی روایات پر جن کو صحیح بخاری میں جگہ نہیں
ملنی چاہیے تھی۔ حضرت مولانا شبیر احمد ازہر صاحب
مدظلہ نے جس علمی اور محدثانہ طرز پر مدلل گفتگو
کی ہے وہ ان ہی کا حصہ ہے۔ پھر انداز بیان ایسا اختیاً
فرمایا ہے کہ اس سے ہر عام و خاص استفادہ کر سکتا ہے۔
خدا کرے یہ کتاب جلد پائیہ تکمیل کو پہنچ جائے
اس سے قرآن حکیم کی کتنی ہی اہم آیات کا صحیح مفہوم بھی
واضح ہوا جن کو سمجھنے میں ناقابل اعتبار روایات
رکاوٹ بنتی چلی آرہی ہیں اس کتاب کو پڑھ کر بے حد
مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ اس مبارک سعی کو قبول فرمائے
(آمین)

محمد فاروق خان

۲۸ اکتوبر ۱۹۷۲ء

مدیر رسالہ کائنات دہلی

دفتر مکتبہ جماعت اسلامی دہلی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ
عَلَى مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

أَمَّا بَعْدُ

شخین معنی امام محمد بن اسماعیل بخاری اور امام مسلم بن حجاج قشیری
اس امت کے گرامی مرتبہ محسنین میں سے ہیں۔ امام بخاری نے الْجَامِعُ الصَّحِيحُ الْمُسْنَدُ
میں جسے صحیح بخاری کہا جاتا ہے اور امام مسلم نے صحیح مسلم میں صرف وہی حدیثیں
ثبت فرمائی ہیں جو ان کے نزدیک صحیح تھیں۔ صحیح احادیث کا التزام کر کے عالی مرتبہ
شخین نے علمائے معاصرین اور بعد میں آنے والے مصنفین و محدثین کیلئے نہایت
اچھی مثال پیش کر دی تھی اور تحقیق کی وہ صحیح راہ دکھادی تھی جس پر چلنے سے
سنت نبویہ کی غل و غش سے حفاظت ہو سکتی تھی۔

لیکن شخین رحمہما اللہ کی یہ مبارک سنی بہر کیف ایک انفرادی سنی تھی ضرورت
اس کی مقتضی تھی اور مقتضی ہے کہ جیسے حضرت ابو بکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما
کی سرکردگی میں قرآن کریم کو یکجا کرنے اور ایک مصحف میں ثبت کرنے کا کام اجتماعی
طور پر ہوا تھا۔ اسی طرح احادیث صحیحہ کو یکجا کرنے کا کام امت مسلمہ کے کسی متفق علیہ
امیر المؤمنین کی نگرانی میں اجتماعی طور پر انجام دیا جائے۔ اللہ ہی جانے کہ وہ وقت
سید کب آئے گا۔ اس وقت تک علم و تحقیق کے سلسلہ میں انفرادی کوششیں ہی
ہوتی رہیں گی اور ایسی ہر کوشش نقد و نظر کی محتاج رہے گی۔

بہمہ فضل و کمال بہمہ جلالت قدر امام بخاری و امام مسلم رحمہما اللہ عن الخطا
نہ تھے۔ بحمد اللہ مجھے صحیح بخاری و صحیح مسلم سے بڑا شیف رہا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ
شخین رحمہما اللہ تعالیٰ سے متعدد حدیثوں میں کلمی اور متعدد حدیثوں میں جزوی چوک ہو گئی ہے

خیال ہوا کہ دو کتابیں لکھوں ایک صحیح بخاری کے متعلق ایک صحیح مسلم کے متعلق اور اس چوک اور علمی لغزش کی نشاندہی کروں۔ صحیح بخاری سے متعلق کتاب کے تین حصے ہوں گے۔ حصہ اول میں وہ حدیثیں ذکر کروں گا جنہیں درج صحیح کرنے میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے میری نظر میں کئی چوک ہوئی ہے۔ حصہ دوم میں جزوی چوک والی حدیثیں مذکور ہوں گی۔ اور حصہ سوم میں امام ممدوح کے عقیدے کے ہوئے کچھ تراجم کچھ اجتہادات اور تفسیری شواہد اختیارات سے بحث کروں گا اللہ تعالیٰ نے ”صحیح بخاری کا مطالعہ“ نامی اس کتاب کی تکمیل کرا دی تو اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ ”صحیح مسلم کا مطالعہ“ تالیف کروں گا۔

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الْكَرِيمُ

شبیر احمد ازہر میرٹھی

۲ محرم ۱۴۱۳ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

① لَا تَحْرُكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتُجَاجِلَ بِهِ

کے شان نزول کے متعلق سعید بن جبیر

ابن بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔ حدیثنا موسیٰ بن اسماعیل
قال اخبرنا ابو عوانہ قال حدیثنا موسیٰ بن ابی عائشۃ قال حدیثنا
سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی قوله تعالیٰ
لَا تَحْرُكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتُجَاجِلَ بِهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يُجَالِجُ مِنَ التَّنْزِيلِ شِدَّةً وَكَانَ مَحَايِرُكَ شَفِيعَةً فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَإِنَّا
أَحْرَكْهُمَا لَكَ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْرُكُهُمَا - وَقَالَ سَعِيدٌ
أَنَا أَحْرَكْهُمَا لَكَ كَمَا رَأَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَحْرُكُهُمَا فَحَرَّكَ شَفِيعَةً فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى
لَا تَحْرُكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتُجَاجِلَ بِهِ إِنْ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ - قَالَ جَمْعُهُ لَكَ
وَتَقْرَأَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ قَالَ فَاسْتَمِعْ لَهُ وَأَنْصِتْ لَنُخْبِرَكَ إِنَّا عَلَيْنَا
بَيَانَهُ ثُمَّ إِنْ عَلَيْنَا أَنْ تَقْرَأَهُ فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذَلِكَ
إِذَا اتَّاهُ جِبْرِيلُ اسْتَمَعَ فَإِذَا انْطَلَقَ قَرَأَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا قَرَأَهُ -

(صحیح البخاری ص ۳ بدر الوحی - الحدیث الرابع) ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے
بیان کیا کہ ہمیں ابو عوانہ نے بتایا کہ ہم سے موسیٰ فرزند ابو عائشہ نے بیان کیا کہ ہم
سے سعید بن جبیر نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد لَا تَحْرُكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتُجَاجِلَ بِهِ کے
متعلق عبد اللہ بن عباس کا یہ قول بیان کیا کہ آغاز امر میں وحی نازل ہوتے وقت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ زحمت اٹھاتے تھے کہ جب جبریل علیہ السلام جس
آیت کی آپ کو تلقین فرماتے تو اس کا ایک ایک لفظ آپ جب جبریل کے ساتھ ہی پڑھتے

تھے۔ تاکہ کوئی لفظ جھوٹے نہ پائے (مثلاً جبریل نے "قل یا ایہا الکفرین لا تعبدون" متعبدون، تعلقین کرتے ہوئے قل کہا تو آپ نے بھی فوراً قل کہا جبریل نے کہا یا ایہل آپ نے بھی یا ایہل کہا جبریل نے کہا کافرون تو آپ نے بھی فرمایا کافرون) سورۃ القیامہ کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی اخذ کرنے کا صحیح ڈھنگ بتایا کہ ایک ایک لفظ جبریل کیساتھ پڑھنے کے لئے زبان نہ بلائیے خاموشی و توجہ سے پوری بات سنیں جب وحی پوری ہو چکے تب پڑھا کیجئے۔ اس کا ذمہ ہم لیتے ہیں کہ کوئی لفظ آپ سے نہ جھوٹے گا پوری وحی آپ کے سینہ میں ہم جمع کر دیں گے۔ اس فہمائش کے بعد آپ کا یہ ہی عمل رہا کہ غور و توجہ سے پوری وحی سماعت فرماتے اور جتنی بھی آیات نازل ہوتیں اچھی طرح لفظ بہ لفظ آپ کو یاد ہو جاتیں۔ جبریل وحی کی تعلقین کمر کے چلے جانے کو پوری وحی حرف بحرف آپ اسی طرح پڑھتے جس طرح جبریل نے آپ کو پڑھ کر سنائی تھی۔

ابو ہوانہ راوی نے جس کا نام وضاح بن عبداللہ یسکری ہے یہ حدیث موسیٰ بن ابی عائشہ سے سنی تھی موسیٰ بن ابی عائشہ کا بیان ہے کہ یہ حدیث بیان کرتے ہوئے عبداللہ بن عباس نے سعید بن جبیر سے فرمایا تھا کہ دیکھو میں تمہیں اپنے ہونٹ ہلا کر دکھاتا ہوں جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آغاز امر میں حضرت جبریل کے ساتھ ایک ایک لفظ پڑھتے ہوئے ہونٹ ہلاتے تھے اور سعید بن جبیر نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے کہا کہ دیکھو میں تمہیں اپنے ہونٹ ہلا کر دکھاتا ہوں جیسے عبداللہ بن عباس نے مجھے اپنے ہونٹ ہلا کر دکھائے تھے۔ اس پر یہ بجا اشکال سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس لبہائے مبارک جبریل کے ساتھ ساتھ لفظ لفظ پڑھنے کی وجہ سے ہلے ہوئے کیسے دیکھے تھے جب سورۃ القیامہ نازل ہوئی ہے تو ابن عباس

پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ سے ہجرت فرمائی ہے تو ابن عباس
 اپنی عمر کے تیس سال میں تھے انہیں ہوش مند ہونے کے بعد پہلی بار حضور اکرم صلی اللہ
 علیہ وسلم کو دیکھنے کا موقع ذی قعدہ ۳۷ھ میں میسر ہوا تھا جب آپ عمرۃ القضا
 کے لئے مکہ تشریف لے گئے تھے اور اس روایت کے بموجب رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کا خیال خد کرتے ہوئے ہوتوں کو ہلانا نبوت کے ابتدائی دور کی بات ہے
 جسے عبداللہ بن عباس نے یقیناً نہیں دیکھا کیونکہ وہ پیدا ہی نہیں ہوئے تھے
 پھر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سعید بن جبیر سے یہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ رانا
 احوکھمالک کہا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحکو کھما (میں تمہیں اپنے
 ہونٹ ہلا کر دکھاتا ہوں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہونٹ ہلایا کرتے
 تھے) ہرگز نہیں ہمیں یقین ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے سعید بن جبیر سے
 یہ نہیں کہا تھا۔ اور غالباً سعید بن جبیر نے بھی موسیٰ بن ابی عائشہ سے یہ فضول
 اور غلط بات نہیں کہی ہوگی کہ "احوکھمالک کیا رأیت ابن عباس یحکو کھما بلکہ یہ خود
 موسیٰ بن ابی عائشہ کا ہی طبع زاد اضافہ ہے۔ بہر کیف یہ بات بالکل غلط ہے اور حضرت
 ابن عباس اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اسکی نسبت صحیح نہیں ہے۔ یہ الگ
 بات ہے کہ غور و فکر اور عقل سے کام نہ لینے والے مؤلفین نے اسی غلط اضافہ کی
 وجہ سے اس حدیث کا لقب "حدیث مسلسل بتحویل الشفتین" رکھ دیا ہے۔
 رہا اس کا مضمون تو اسے صحیح قرار دینے کا مجھے کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ سورۃ القیامہ
 مکی دور کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے اور جب یہ سورۃ شریفہ نازل ہوئی ہے تو
 عبداللہ بن عباس پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ سوال یہ ہے کہ انہیں یہ بات کس سے معلوم
 ہوئی تھی کہ ابتدائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل کے ساتھ وحی کا
 لفظ لفظ پڑھا کرتے تھے۔ اور سورۃ القیامہ کی اس آیت یعنی لا تحول بہ لسانک
 لتعجل بہ ان علینا جمدہ وقرآنہ نے نازل ہو کر آپ کو اس سے روکا اور پابند کیا
 کہ پوری وحی خاموشی و توجہ کے ساتھ سنا کریں۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ابن عباس نے

واقعہ یہ بات کسی سے بھی نہیں سنی نہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ کسی صحابی سے
 ورنہ وہ ضرور بتاتے کہ مجھے یہ بات فلاں معلوم ہوئی تھی پس جبکہ یہ قصہ یعنی آغاز
 امر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بوقت نزول وحی حضرت جبریل کے ساتھ ایک
 ایک لفظ کو الگ الگ بولنا جیسا کہ نو آموز مجہ اپنے معلم کے ساتھ ایک ایک لفظ
 بولتا ہے پھر سورۃ الفیامہ کی اس آیت "لا تخرت بہ لسانک" میں آپ کو اخذ وحی کا
 صحیح طریقہ سکھایا جانا نہ عبد اللہ ابن عباس کا چشم دید ہے نہ گوش شنید یعنی نہ خود
 ابن عباس اس کا مشاہدہ کیا تھا نہ انہیں کسی اور ہستی سے اس قصہ کا علم
 ہوا تھا پھر ان کا علم و تقویٰ انہیں یہ اجازت کیسے دے سکتا تھا کہ وہ اللہ کے
 رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسی بے اصل بات بیان کریں اور سورۃ الفیامہ
 کی ان آیات کا وہ شان نزول بتائیں جو ان آیتوں کو ماقبل و مابعد سے بالکل کاٹ
 کر رکھ دے۔ تو کیا سعید بن جبیر نے یہ غلط بیانی کر ڈالی تھی اور یہ قصہ گھڑ
 لیا تھا؟ نہیں وہ نیک و ثقہ شخص تھے کذاب دروغ باف نہ تھے۔ بات
 یہ ہوئی کہ کسی شخص نے حضرت ابن عباس کی طرف منسوب کر کے سعید بن جبیر سے
 یہ حدیث بیان کر دی تھی سعید نے غور و فکر سے کام نہ لیا اس شخص پر اِستِمال
 کر کے حضرت ابن عباس کی طرف منسوب کر کے یہ حدیث روایت کر ڈالی۔ اور
 یہ اس لئے کہ سعید بن جبیر نے بہت سی حدیثیں حضرت عبد اللہ بن عباس سے
 براہ راست اور بدون واسطہ سنی تھیں اور بہت سی حدیثیں دیگر اشخاص نے
 انہیں ابن عباس کی طرف منسوب کر کے بتائی تھیں سعید نے ہر دو قسم کی حدیثوں کی
 روایت کی ہے مگر جب وہ پہلی قسم کی کوئی حدیث روایت کرتے جسے موصوف نے
 براہ راست ابن عباس سے سنا ہوتا تو حدیثی ابن عباس یا سمعت ابن عباس یا انجری
 ابن عباس کہہ کر اسے بیان کرتے تھے۔ اور دوسری قسم کی کوئی حدیث روایت کرتے
 ہوئے یا تو اس شخص کا نام بتاتے مثلاً "حدیثی عن ابن عباس یا

حدیثی بجاہد عن ابن عباس یا اس شخص کا نام ذکر نہ کرتے بس عن ابن عباس کہہ دیتے۔ یہ حدیث بھی اسی قسم کی ہے اس کے کسی بھی طریق میں سعید بن جبیر سے کوئی ایسا لفظ مروی نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ سعید یہ قصہ براہ راست حضرت ابن عباس سے سنا تھا۔ ہر طریق کی اسناد میں سعید بن جبیر عن ابن عباس ہے۔

اس حدیث کی اسناد کا مدار موسیٰ بن ابی عائشہ ہے۔ موسیٰ سے ابو عوانہ و سفیان بن عیینہ و اسحاق بن یونس و جریر بن عبد الحمید اور ابو یحییٰ التیمی پانچ اشخاص نے اس کی روایت کی ہے۔ ابو عوانہ کی روایت صحیحین و مسند احمد میں ہے۔ سفیان بن عیینہ کی روایت صحیح بخاری و سنن ترمذی میں ہے۔ جریر کی روایت صحیحین میں ہے۔ اور ابو یحییٰ کی روایت ابن ابی حاتم کے حوالہ سے حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں نقل کی ہے لیکن کسی بھی روایت میں یہ مذکور نہیں کہ سعید نے حدیثی یا اخباری سے سنا یا ابن ابی بن عباس کہا ہو۔ ہر طریق کی اسناد میں ہمیں "عن ابن عباس" ملتا ہے۔ علاوہ بریں یہ حقیقت ہے کہ سعید بن جبیر کی یہ نسبت مکرمہ اور بجاہد حضرت عبد اللہ بن عباس سے زیادہ مستفید ہوئے ہیں اور ان کے ملازم صحبت رہے ہیں۔ اور بھی بہت سے ہند گان خدا نے ابن عباس سے حدیثیں اور آیات قرآن کی تفسیریں سنی ہیں لیکن سعید بن جبیر اس حدیث کی روایت میں متفرد ہیں۔ ان کے علاوہ کسی نے بھی ابن عباس سے اس قصہ کی روایت نہیں کی اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ حضرت ابن عباس نے یہ قصہ بیان نہیں کیا تھا کسی نے خواہ مخواہ اسے ابن عباس کی طرف منسوب کر کے سعید بن جبیر سے بیان کر دیا تھا۔ اور سعید نے اس پر اعتما د کر کے اس کا نام بھی ذکر نہیں کیا اور بس ابن عباس کی طرف منسوب کر کے اس کی روایت کر دی۔

یہ تو اس میں اسناد کے لحاظ سے خامی ہے کہ اس کی اسناد متصل نہیں بلکہ فواصل واقع منقطع ہے رہا اس کا متن تو اس میں دوز بردست خرابیاں ہیں۔ اول یہ کہ اس کی روایت

ضمیر غائب جو ان آیات میں سات بار آئی ہے ”لا تحرك به لسانك لتعجل به
ان علينا جمعه وقرآنه فاذا قرآنه فاتبع قرآنه ثم ان علينا بيانہ“ قرآن کی
طرف راجع ہے۔ حالانکہ سابقہ آیات میں قرآن کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ اسکی طرف
ان ضمیروں کا راجع ہونا درست ہو قرآن کی طرف یہ ضمیریں راجع ماننے کے لئے
کوئی قرینہ چاہیے لفظی ہو یا معنوی اور یہاں کوئی قرینہ نہیں ہے۔

دوم یہ کہ ”لا تحرك به لسانك لتعجل به“ کو اس معنی و مطلب پر حمل کیا
جائے۔ جو اس حدیث میں مذکور ہے تو اسے پھیلی اور بعد کی آیتوں سے
کوئی ربط نہیں اور قرآن تو بہت بڑی چیز ہے ایسی بے ربطی تو کسی عقلمند
انسان کے کلام میں بھی نہیں ہو سکتی پس یہ حدیث سند کے لحاظ سے
منقطع اور متن کے لحاظ سے منکر ہے نہ اس کی اسناد صحیح ہے نہ اس کے
متن میں کوئی معقولیت ہے۔

محدثین کے اصطلاح میں صحیح حدیث وہ ہے جسکی اسناد متصل ہو اور راوی
سب کے سب ثقہ و ضابط ہوں اور اس کی اسناد یا متن میں نہ کوئی شذوذ ہو
نہ کوئی علت ہو۔ اور سعید بن جبیر کی روایت کردہ اس حدیث کی اسناد متصل
نہیں بلکہ منقطع ہے کہ اس میں سعید بن جبیر و ابن عباس کے درمیان واسطہ ہے
جو مذکور نہیں ہے۔ اور اس کے متن میں دو زبردست علت قاصدہ ہیں۔
لہذا اصول حدیث کی رو سے یہ حدیث صحیح نہیں ہے اگرچہ امام بخاری اور
امام مسلم نے اس کی تخریج فرمائی ہے۔

بحدیث سورۃ القیامہ کی آیات مذکورہ کی صحیح تفسیر میں نے ”مفتاح القرآن“
میں ثبت کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ”لا تحرك به لسانك“ میں خطاب
روز قیامت کو جھٹلانے والے انسان سے ہے کہ اے انسان روز قیامت
کے متعلق ”ایان یوم القیامۃ“ ایاں مسرہا، ”منیٰ هذا الوعد ان کتم

صِدِّیقین، اے ابوبابا وانا ان کا نام صدیقین، جیسے الفاظ زبان پر نہ لا، تیری بکواس کی وجہ سے منظم میں تبدیلی نہ ہوگی، اس بکواس سے تو چاہتا ہے کہ روز قیامت کو جلد پالے اور مجھے یقین دلانے کی غرض سے اللہ اسے ابھی آئے تو ایسا نہ ہوگا۔ اللہ نے اس کے لئے جو وقت ٹھہرا دیا ہے اسی وقت پر اسے آنا ہے جب وہ آجائے گا تو تیرا کچا چٹھا تیسرے سامنے رکھ دیا جائے گا دنیا میں تیسرے عمل کی تفصیلات کو اعمال نامے میں درج اور جمع کر کے رکھنا اور قیامت کے دن اس کی خواندگی ہمارے ذمہ ہے۔ دنیا میں تو ہماری اتاری ہوئی کتاب کی پیروی کرنے سے تو بھاگتا ہے لیکن قیامت کے دن تجھے ہماری خواندگی کی پیروی کرنی پڑے گی یعنی تیسرے اعمال کی جو تفصیل اور سزا کی جو تجویز ہم تجھے سنائیں گے اس کی تجھے پیروی کرنی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ او روز قیامت کو جھٹلانے والے اور "آیات یوم القیامۃ" کہنے والے انسان۔

”لَا تَخْرُجْ مِنْهُ لَسَانُكَ لِتَعْجَلَ بِهِ“ اس کے ساتھ اپنی زبان نہ ہلانی ایسا نہ کہہ تاکہ تو اسے جلد پالے۔ بہ کی ضمیر مجرور یوم القیامہ کی طرف راجع ہے۔ ”و ان علینا جمعہ وقرآنہ“، بیشک ہم پر لازم ہے اسے اکٹھا کرنا اور اسے پڑھنا ضمیر غائب مضاف الیہ ”ما قدم و آخر“ کی طرف راجع ہو ”فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ“، پس جب ہم اسے پڑھیں گے تب پیروی کر اس کی خواندگی کی دنیا میں تو حکم حق کا اتباع تیسرے اختیار میں ہے مگر اس دن اختیار میں نہ ہوگا۔ مفسرین نے سورۃ طہ کی آیت ”وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا“ کو بھی سعید بن جبیر کی روایت کردہ اس حدیث کی عینک ہی دیکھا دکھایا اور سمجھا سمجھایا ہے حالانکہ اس آیت کا معنی و مطلب یہ ہے کہ کفار نے کہا تھا کہ یہ قرآن اگر

واقعی اللہ کی کتاب ہے تو یک بارگیوں نہ اتار دیا گیا۔ وقال الذین کفروا
 لولا نزل علیہ القرآن جملةً واحدة (الفتح) ہو سکتا تھا کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہو جاتی۔ اس آیت میں اسی کی
 پیشش بندی فرما کر آپ کو بتایا گیا کہ کفار کی اس ہرزہ سرائی سے آپ متاثر
 نہ ہوں۔ قرآن حکیم اپنے وقت پر پورا ہو گا آپ اللہ کے آخری نبی ہیں قرآن
 کی وحی آپ ہی کی طرف ہو رہی ہے اور آپ ہی کی طرف ہوتی رہے گا۔
 تا آنکہ یہ کتاب عظیم انتہا کو پہنچ جائے۔ یہ مطلب ومعنی بحمد اللہ میں نے تفسیر
 مفتاح القرآن میں پوری تفصیل و وضاحت کے ساتھ بدیہ ناظرین کو دیا ہے۔
 اگر سعید بن جبیر نے یہ حدیث روایت کرنے کی غلطی نہ کی ہوتی تو قرآن
 پڑھنے یا سننے والے کسی شخص کا بھی ذہن سورۃ القیامہ کی آیت "لا تحرك
 باہ لسانك لتعجل باہ" اور سورہ طہ کی آیت "ولا تعجل بالقراءات" میں اس بے اصل بات کی طرف نہ جاتا۔ سعید بن جبیر کی روایت مذکورہ ہی ان
 آیات کا صحیح مطلب سمجھنے سے مانع ہوئی ہے۔

(۲) تحویل قبلہ کے متعلق برابر بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث

اس حدیث کو ذکر اور اس پر کلام کرنے سے پہلے میں ناظرین کے علم میں
 دو ضروری باتیں لے آنا چاہتا ہوں۔ اول یہ کہ حضرت برابر بن عازب
 رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث صرف ابواسحاق سمیعی صمدانی کوئی نے روایت
 کی ہے۔ ابواسحاق کا اصل نام عمرو بن عبد اللہ بن عبید ہے۔ حضرت
 عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے دو سال قبل پیدا ہوئے اور بقول ابن
 عیینہ ۱۲۶ھ میں بقول یحییٰ القطان ۱۲۷ھ میں اور بقول عمر بن فلاس
 ۱۲۹ھ میں وفات پائی۔ ابو بکر بن ابی شیبہ نے کہا ہے کہ ابواسحاق کی عمر ۹۶

سال ہوئی جلیل القدر وثقہ محدث تھے صحابہ کرام میں سے حضرت برادر بن عازب
 وجابر بن سمرہ و حارثہ بن وھب خزاعی رضی اللہ عنہم اور بہت سے تابعین سے
 حدیثیں سنی تھیں۔ کثیر التعداد محدثین نے ان سے علمی استفادہ کیا
 اور حدیثیں روایت کی ہیں لیکن بڑھاپے میں ان کی عقل قوت و حفظ میں بہت
 فتور آگیا تھا کچھ کا کچھ بیان کر دیتے۔ زمیر بن معاویہ و شعبہ زکریا بن ابی زائدہ۔ و
 سفیان بن عیینہ اور اسماعیل بن ابی خالد نے ابواسحاق سے ان کے آخر زمانہ میں
 حدیثیں سنی تھیں اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔ اور ان کے پوتے اسرائیل
 بن یونس نے ان سے ہوشمندی کے زمانہ میں بھی کچھ حدیثیں سنی تھیں اور بخوط الحواشی
 کے زمانہ میں بھی۔ اس لئے زمیر بن معاویہ و شعبہ و زکریا و ابن عیینہ گوشت وثقہ محدث
 تھے لیکن جو حدیثیں ان لوگوں نے ابواسحاق سے سُن کر روایت کی ہیں۔ ان میں
 بکثرت غلط سلط اور بے سرو پا باتیں پائی جاتی ہیں۔ یہی حال اسرائیل کی روایت
 کردہ حدیثوں کا ہے۔ ہاں سفیان بن یثیر ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابواسحاق سے
 اس زمانہ میں حدیثیں سنی تھیں جب وہ صحیح الحواشی تھے اور عقل و حفظ میں فتور نہ آیا تھا
 دوم یہ کہ تحویل قبلہ کے متعلق حدیث برادر بن عازب ابواسحاق سبیعی سے
 آٹھ اشخاص نے روایت کی ہے۔ زمیر بن معاویہ ۱۔ اسرائیل بن یونس
 ۲۔ سفیان ثوری ۳۔ ابوالاحوص ۴۔ زکریا بن ابی زائدہ ۵۔ ابوبکر بن عیاش
 ۶۔ قاضی شریک ۷۔ اسماعیل بن ابی خالد احمری ۸۔ ان میں سے زمیر و اسرائیل
 و سفیان ثوری و ابوالاحوص و زکریا ثقہ ہیں۔ اور ان سے روایت کرنے والے بھی
 ثقہ ہیں اور اسماعیل بھی ثقہ ہے مگر اسماعیل سے اسکی روایت مورخ محمد بن
 اسحاق نے کی ہے جو ثقہ نہ تھا ضعیف و غلط بیان اور بات کا بتنگڑ بنا دینے
 والا آدمی تھا رہے ابوبکر بن عیاش اور قاضی شریک تو یہ دونوں بے حد ضعیف الحدیث
 تھے۔ ہم ان آٹھوں اشخاص کی روایات نقل کر دینا چاہتے ہیں تاکہ ناظرین

ابو اسحاق کی بیان کردہ اس حدیث کو اچھی طرح سمجھ لیں۔



زمین برین معاویہ کی وایت



امام بخاری کا بیان ہے۔ حدثنا عمر بن خالد قال حدثنا زهير قال حدثنا
 ابو اسحاق عن البراء بن عازب بن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اول ما قدم المدينة
 نزل علی اجداده واولوالہ من الانھما واندہ صلی قبل بیت المقدس ستۃ
 عشر شہرا ووسعدہ عشر شہرا وکان یعجبہ ان تكون قبلتہ قبل البیت
 واندہ صلی اول صلاۃ صلاھا صلوۃ العصر و صلی معہ قوم فخرج رجل
 من صلی معہ فمر علی اهل مسجد و ہم راكعون۔ فقال اشھد باللہ
 لقد صلیت مع رسول اللہ قبل مکۃ فداروا کما هم قبل البیت۔ وکان
 الیہود قد اَعْجَبَہم اذ کان ید صلی قبل بیت المقدس و اهل الکتاب۔
 فلما ولی وجہہ قبل البیت انکروا ذلک۔ قال زھیر حدثنا ابو اسحاق
 عن البراء فی حدیثہ ہذا انہ مات علی القبلة قبل ان تحول رجال قتلوا

حدثنا عمر بن خالد قال حدثنا زهير قال حدثنا
 ابو اسحاق عن البراء بن عازب بن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اول ما قدم المدينة
 نزل علی اجداده واولوالہ من الانھما واندہ صلی قبل بیت المقدس ستۃ
 عشر شہرا ووسعدہ عشر شہرا وکان یعجبہ ان تكون قبلتہ قبل البیت
 واندہ صلی اول صلاۃ صلاھا صلوۃ العصر و صلی معہ قوم فخرج رجل
 من صلی معہ فمر علی اهل مسجد و ہم راكعون۔ فقال اشھد باللہ
 لقد صلیت مع رسول اللہ قبل مکۃ فداروا کما هم قبل البیت۔ وکان
 الیہود قد اَعْجَبَہم اذ کان ید صلی قبل بیت المقدس و اهل الکتاب۔
 فلما ولی وجہہ قبل البیت انکروا ذلک۔ قال زھیر حدثنا ابو اسحاق
 عن البراء فی حدیثہ ہذا انہ مات علی القبلة قبل ان تحول رجال قتلوا

امام بخاری کا بیان ہے۔ حدثنا عمر بن خالد قال حدثنا زهير قال حدثنا
 ابو اسحاق عن البراء بن عازب بن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اول ما قدم المدينة
 نزل علی اجداده واولوالہ من الانھما واندہ صلی قبل بیت المقدس ستۃ
 عشر شہرا ووسعدہ عشر شہرا وکان یعجبہ ان تكون قبلتہ قبل البیت
 واندہ صلی اول صلاۃ صلاھا صلوۃ العصر و صلی معہ قوم فخرج رجل
 من صلی معہ فمر علی اهل مسجد و ہم راكعون۔ فقال اشھد باللہ
 لقد صلیت مع رسول اللہ قبل مکۃ فداروا کما هم قبل البیت۔ وکان
 الیہود قد اَعْجَبَہم اذ کان ید صلی قبل بیت المقدس و اهل الکتاب۔
 فلما ولی وجہہ قبل البیت انکروا ذلک۔ قال زھیر حدثنا ابو اسحاق
 عن البراء فی حدیثہ ہذا انہ مات علی القبلة قبل ان تحول رجال قتلوا

فلم ندر ما نقول فيهم فانزل الله تعالى
 "وما كان الله ليضيع ايمانكم -

نمازبان مسجد کعبہ کی طرف گھوم گئے اور
 یہود کو یہ بات بڑی اچھی لگی تھی کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس
 کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں کیونکہ
 یہود کا قبلہ بھی بیت المقدس ہی تھا پس

صحیح بخاری ص ۱۰
 کتاب الایمان

جب آپ نے خانہ کعبہ کو قبلہ بنایا تو یہود نے اسے غلط قرار دیا اور اس پر معترض ہوئے
 زہیر بن معاویہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں ابواسحاق نے ہزار بن عازب کا یہ قول بھی
 نقل کیا تھا کہ تو مل قبلہ سے پہلے ہم میں سے چند اشخاص کی وفات ہو گئی تھی اور
 چند اشخاص قتل بھی ہو گئے تھے۔ اور وہ بیت المقدس کی ہی طرف رخ کر کے
 نمازیں پڑھتے رہے تھے۔ تو ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ ان کے بارے میں
 کیا کہیں (کہ ان کی وہ نمازیں صحیح و مقبول ہوئیں یا نہیں) اس کے متعلق اللہ نے
 "وما كان الله ليضيع ايمانكم" نازل فرما کر ہمیں مطمئن کر دیا۔

● (۲) اسرائیل کی روایت ●

صحیح بخاری کتاب الصلوة باب لتوجه نحو القبلة حيث كان
 میں اسرائیل کی روایت ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے "عن ابی اسحاق
 عن البراء قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی نحو بیت المقدس
 ستة عشر شهرا او سبعة عشر شهرا۔ وكان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 يحب ان يوجه الى الكعبة فانزل الله عز وجل "قد نرى تقلب وجهك
 في السماء فلنولينك قبلة ترضاها فتوجه نحو القبلة وقال السفهاء
 من الناس وهم اليهود "ما ولهم عن قبلتهم التي كانوا عليها قل لئن
 المشرق والمغرب بيهدى من يشاء الى صراط مستقيم"

فصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجل ثم خرج بعد ما صلی فمر علی قوم من الانصاری
 فی صلاة العصر یصلون نحو بیت المقدس فقال هو لیشهد انه صلی مع
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانه توجه نحو الکعبة فتحرف القوم حتی توجهوا
 نحو الکعبة۔ (صحیح البخاری ص ۵۷ طبع الہند)

ابو اسحاق سبئی نے حضرت برار بن عازب سے روایت کی ہے۔ برار بن عازب
 نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے ۱۶ یا ۱۷ ماہ
 نماز پڑھی اور آپ چاہتے تھے کہ خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا
 حکم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ”قد نری تقلب وجهک فی السماء فلنُبک
 قبلۃ ترضاہا۔“ نازل فرما کر (آپ کی خواہش پوری کر دی اور خانہ
 کعبہ کو قبلہ مقرر کر دیا) پس آپ اسی قبلہ یعنی خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے
 نمازیں پڑھنے لگے اور اس پر کم عقل لوگوں یعنی یہود نے اعتراض کیا کہ مسلمانوں
 کو اس قبلہ سے جس پر وہ تھے کس چیز نے پھیر دیا (حکم ہوا کہ اسے نبی) تو کہہ
 پر رب اور نبی اللہ کی ہی ملک ہیں۔ وہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے پر
 ڈال دیتا ہے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کعبہ کی طرف رخ کر کے عصر کی
 نماز پڑھنے والوں میں سے ایک شخص کا افسار کے ایک گروہ پر گزر ہوا وہ بیت المقدس
 کی طرف رخ کیے ہوئے نماز عصر میں مشغول تھے۔ اس شخص نے بلند قسم کھا کر کہا کہ
 اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کی ہے
 یس کر سب لوگ کعبہ کی طرف پھر گئے۔ اس وقت وہ رکوع کی حالت میں تھے
 اسرائیل کی روایت امام بخاری نے کتاب اخبار الاحادیث میں بھی تخریج کی ہے
 اس میں ہے ”وصلی معہ رجل المصر ثم خرج فمر علی قوم من الانصاری فقال
 هو لیشهد انه صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانه قد وجه الی الکعبة فاعرفوا
 وہم رکوع الخ (صحیح البخاری ص ۱۰۷ طبع الہند)



(۳) ابوالاخوین کی روایت



امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ ابوبکر بن ابی شیبہ کے واسطہ سے اس کی تخریج کی ہے۔ "عن ابی اسحاق عن البراء بن عازب قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی بیت المقدس ستہ عشر شہرا حتی نزلت الآیۃ التی فی سورۃ البقرہ "وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره" فنزلت بعد ما صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانطلق رجل من القوم فمر بناس من الانصار و هم یصلون فحدثهم بالحدیث فولوا وجوههم قبل البیت (صحیح مسلم - ص ۲۰۰)

ابو اسحاق نے براء بن عازب سے روایت کی ہے براء نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے ۱۶ ماہ نماز ادا کی ہے یہاں تک کہ سورۃ البقرہ کی آیت نازل ہوئی جس میں ہر جگہ خانہ کعبہ کو قبلہ بنانے کا حکم ہے یہ آیت آپ پر نماز عصر کے بعد اتری یعنی نماز عصر تو آپ نے بیت المقدس کی سمت ہی پڑھی تھی اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی تو حاضرین میں سے ایک شخص کا انصار کے ایک گروہ پر گزر ہوا جو نماز میں مشغول تھے اس نے لوگوں سے بیان کیا کہ اللہ نے اپنے رسول اور مسلمانوں کو خانہ کعبہ کی سمت نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ سب نماز میں ہی کعبہ رخ ہو گئے۔

زکریا بن ابی زائدہ کی روایت



اس کی تخریج تسائی نے کی ہے ان الفاظ کے ساتھ عن البراء بن عازب قال قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ فصلى نحو بیت المقدس ستہ عشر شہرا

ثم انه وجَّله الى الكعبة فمرَّ رجل قد كان صلى مع النبي صلى الله عليه وسلم على قوم من الانصار فقال اشهد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد وجه الى الكعبة فاخرجوا الى الكعبة (سنن نسائي ص ۱۶۷). (كتاب القبلة - باب استقبال القبلة)

برادر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آکر ۱۶ ماہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی پھر آپ کو خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیدیا گیا۔ آپ نے اس حکم کے تحت خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرمائی ایک شخص کا جس نے یہ نماز آپ کے ساتھ ادا کی تھی انصار میں سے ایک گروہ پر گزر ہوا۔ اس نے کہا میں اللہ کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہو گیا ہے۔ یہ سن کر وہ لوگ کعبہ کی طرف پھر گئے۔

تنبیہات

(۱) زمہیر واسرائیل کی روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۶ یا ۱۷ ماہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھنے کے بعد جو سب سے پہلی نماز کعبہ کی طرف رخ کر کے پڑھی ہے وہ نماز عصر تھی جو آپ نے اپنی مسجد میں ادا فرمائی تھی۔

اسکے معنی یہ ہیں کہ تحویل قسبہ کا حکم اس نماز عصر سے پہلے ہوا تھا۔ لیکن ابوالاحوص کی روایت میں جو صحیح مسلم میں ہے یہ تصریح کہ یہ حکم اس نماز کے بعد ہوا تھا اس کے معنی یہ ہیں کہ سب سے پہلی نماز جو آپ نے کعبہ کی طرف رخ کر کے ادا فرمائی تھی وہ نماز مغرب تھی۔ تینوں راوی ثقہ ہیں اور کوئی دلیل ایسی نہیں ہے کہ جس کی بنا پر ہم زمہیر و اسرائیل کی بیان کردہ بات کو یا ابوالاحوص کی بیان کردہ بات کو ترجیح دیں۔ یہ کھلا ہوا تعارض خود ابواسحاق کا طرف سے ہے۔ ابواسحاق نے زمہیر و اسرائیل سے جو بیان کیا تھا ابوالاحوص سے اس کے خلاف بیان کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہی جانے کہ برادر بن عازب رضی اللہ عنہ نے فی الواقع کیا بیان کیا تھا۔ ابواسحاق کو ان کی بتائی ہوئی

بات صحیح طور پر یاد نہ تھی۔ (۲) زہیر کی روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے تو یہود کو یہ بات بڑی اچھی لگی تھی کیونکہ ان کا قبہ بھی بیت المقدس ہی تھا مگر جب آپ نے حکم حق خانہ کعبہ کو قبہ قرار دیا تو انہیں برا لگا اور لگے اس پر اعتراض کرنے۔

لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ نامعقول بات حضرت برار نے بیان نہ کی ہوگی۔ اس لئے کہ یہود من حیث القوم اول روز سے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ مدینہ منورہ آپ کے تشریف لانے پر انہوں نے طے کر لیا تھا کہ ہمیں اس شخص کی کوئی بات ماننی نہیں ہے۔ آپ سے بغض و کینہ رکھتے ہیں قوم یہود نے کفار مکہ کو بھی مات کر دیا تھا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آنے کے بعد ڈیڑھ سال تک بیت المقدس کو قبہ بنائے رکھا ہوتا تو وہ آپ کے اس عمل کو مزید طعن و تشنیع کا حصہ بنا لیتے اور لوگوں سے کہتے کہ ہماری نقالی کے سوا ان صاحب کے پاس ہے ہی کیا۔ (۳) نیز زہیر کی روایت میں حضرت برار بن عازب کا یہ قول مذکور ہے کہ ۱۶ یا ۱۷ ماہ کی اس مدت میں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا قبہ بیت المقدس تھا متعدد مسلمان وفات پا گئے تھے اور متعدد مسلمان قتل ہو گئے تھے۔ پھر جب بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ قبہ قرار پایا تو ہمیں ان قتل ہو جانے اور مرجانے والے مسلمانوں کے متعلق فکر و تردد ہوا کہ ان کے بارے میں کیا کہیں۔ اس فکر و تردد کو رفع کرنے کی غرض سے ارشاد۔ **وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ إِيْمَانَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرُؤُوفٌ** سہحیم نازل ہوا۔ اس کے متعلق میں دو باتیں عرض کرتا ہوں۔ اول یہ کہ قول قبلہ غزوہ بدر سے قبل کا واقعہ بتایا جاتا ہے اور جنگ بدر پہلے نہ مدینہ منورہ میں کوئی مسلمان قتل ہوا تھا نہ مدینہ منورہ سے باہر کسی علاقہ میں پھر حضرت برار بن عازب یہ غلط اور خلاف واقع بات کیسے بیان کر سکتے تھے۔

دوم یہ کہ اطاعت موجودہ حکم کی ہی کی جا سکتی ہے نہ کہ اس حکم کی جو ہوا آیا ہی نہ ہو۔

ہر حکم نفاذ کے بعد ہی فرماں برداری و نافرمانی کی کسوٹی بننا ہے۔ موجودہ حکم کی تعمیل کرتا ہوا ہوشیاری سے رخصت ہوا ہو تو بلاشبہ وہ فرمانبرداری کرتا ہوا رخصت ہوا ہے۔ اس کے مرجع جانے کے بعد حاکم اس حکم کے بجائے دوسرا حکم نافذ کرے تو مرنے والے شخص کے متعلق کسی بھی عقلمند کو شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس نے جو موجودہ حکم کا زمانہ نہ پانے کی وجہ سے اس پر عمل نہ کیا تو وہ حاکم کا فرمانبردار سمجھا جائے یا نافرمان۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کرنے والے جو مومنین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ کیا ان کے مومن و فرمانبردار بننے میں اس وجہ سے شبہ کیا جاسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد نہ پانے کی وجہ سے انہوں نے آپ کی پیروی نہیں کی تھی، اور ظاہر ہے کہ براہین عازب رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام عقل سے بے بہرہ نہ تھے کہ اتنی موٹی بات بھی ان کی سمجھ میں نہ آتی۔ یقین کیجئے کہ براہین عازب نے یہ بات نہیں کہی تھی۔ ابواسحاق سبسی نے ہی ہوش و حواس اور عقل میں فتور آجانے کی وجہ سے یہ بے ہودہ بات کہی تھی اور اسے براہین عازب کی طرف منسوب کر دیا تھا۔

(۴) جملہ روایات کے مطابق ابواسحاق کی اس حدیث میں مذکور ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم آجانے پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پہلی نماز روکعبہ ہو کر پڑھی تھی اور اس میں جو حضرات صحابہ آپ کے مقتدری تھے تو ان میں سے ایک صاحب نماز سے فارغ ہو کر چلے تو ایک جگہ انھوں نے دیکھا کہ انصاری مسلمانوں کی ایک جماعت نماز ادا کر رہی ہے اور حسب دستور وہ لوگ کعبہ کی طرف پشت اور بیت المقدس کی طرف رخ کئے ہوئے تھے۔ اس شخص نے یہ آواز بلند کر کے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہے اور میں خود اس نماز میں شریک تھا۔ اس وقت وہ لوگ رکوع کی حالت میں تھے۔ یہ سنتے ہی سب کے سب کعبہ کی سمت گھوم گئے۔

ناظرین سمجھنے کی کوشش کریں اس بیان میں دو قصور ہیں۔

اول یہ کہ اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ حکم تحویل آجانے پر آپ نے اپنی مسجد میں تو نماز روکعبہ

ہو کر پڑھائی تھی لیکن عام مسلمانوں کو یہ وقت اس حکم سے آگاہ فرمادینے کا اہتمام نہیں فرمایا۔ ابواسحاق کی اس حدیث میں یہ بھی مذکور نہیں کہ آپ نے مسجد میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ حاضرین غائبین کو آگاہ کر دیں نہ یہ کہ آپ نے مدینہ میں اس کی عام سناری کرائی تھی۔ جیسے شراب کی حرمت کے موقع پر آپ نے منادی کرائی تھی کہ ”الا ان الخمر قد حرمت“ سنو شراب حرام کر دی گئی ہے۔

دوم یہ کہ اس حدیث کی رو سے اس منبر نے انہیں صرف فعل نبوی کی خبر دی تھی یہ تو نہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم لیکر آیا ہوں کہ ہر شخص رو بکعبہ ہو کر نماز پڑھے۔ اس نے تو انہیں صرف آپ کے عمل کی اطلاع دی تھی اسے انہوں نے تشریح پہنچی کیسے حمل کو لیا۔ اس کے متعلق صحیح و بے غبار حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ نماز فجر میں۔ بینما الناس بقاء فی صلوۃ الصبح اذ جاءهم امت فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد انزل علیہ اللیلۃ قرأت وقد امر ان یتقبل الکعبۃ فاستقبلوها وكانت وجوههم الی الشام فاستداروا الی الکعبۃ (صحیحین۔ صوطانسی۔ دارمی۔ مسند احمد۔)

یعنی بیت المقدس کا طرف رخ کئے ہوئے تھے۔ یہ حکم سن کر وہ نماز کی حالت میں ہی کعبہ کی سمت گھوم گئے۔

(۵) اس حدیث میں ابواسحاق نے حضرت برادر بن عازب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کے زمانہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی خواہش یہ ہی رہتی تھی کہ بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کو ہمارا قبلہ قرار دیا جائے۔

سوال یہ کہ حضرت برادر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خواہش کا علم کیسے ہوا؟

زبان مبارک سے تو آپ نے کبھی اس خواہش کا اظہار فرمایا نہ تھا صحیح تو کہہا
کسی ضعیف حدیث میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے کہ آپ نے یہ فرمایا ہو کہ میرا جی چاہتا
ہے کہ خانہ کعبہ کو قبلہ بنا دیا جائے۔

اس سوال کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خواہش کا ذکر گو
کسی حدیث میں نہیں آیا لیکن اس کا سیراغ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ”فلنولينك
قبلة ترضاها“ سے لگا ہے یہ فرما کر اللہ نے آپ کو قبلہ اور بشارت دی تھی کہ
ہم ضرور بالضرور آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں۔ پھر
علی الفور ”قول وجهك شطر المسجد الحرام وحيثما كنتم فولوا وجوهكم
مشرقة“ فرما کر آپ کی یہ خواہش پوری کر دی اور آپ کو اور تمام اہل ایمان کو خانہ
کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیدیا۔ لیکن یہ مطلب عربیت کے لحاظ سے غلط ہے
اگر ”قبلة ترضاها“ سے پہلے لفظ الی یا اور کوئی لفظ جو سمت و جہت کے معنی
پر دلالت کرے ہوتا تو یہ مطلب صحیح ہوتا۔ توضیح اس کی یہ ہے کہ فعل ”ولینک“
کے لغت عرب میں دو معنی آتے ہیں۔

(۱) والی و حاکم بنادینا: اس معنی میں اس کا استعمال متعدی بدو مفعول ہوتا ہے
اور دونوں منصوب ہو کر کرتے ہیں جیسے ولی السلطان فلاناً تملک القریۃ۔
(سلطان نے فلاں شخص کو اس بستی کا والی بنا دیا۔) (۲) پھیر دینا: اس معنی میں
اس کا استعمال ہو تو وہ چیز جس کی طرف پھیر دینے کا ذکر ہو سمت و جہت پر دلالت
کرنے والے کسی لفظ کے ساتھ ذکر کی جاتی ہے جیسے الی یا غویا شطریا قبل یا
تلقا جیسے ولیت زیداً الی ذاک المكان (میں نے زید کو اس جگہ کی طرف
پھیر دیا۔ اور جس چیز سے پھیر دینے کا ذکر ہو اُسے عن کے ساتھ لایا جاتا ہے
جیسے ولیت زیداً عن الشمال نحو الجنوب۔ (میں نے زید کو شمال سے جنوب
کی طرف پھیر دیا) اس معنی میں اس کا استعمال متعدی بدو مفعول ہو کر نہیں ہوتا۔ لہذا

فلنولينك قبلته ترضاها، کا یہ ترجمہ غلط ہے کہ ہم ضرور ضرور تجھے تیرے پسندیدہ قبلہ کی طرف پھیر دیں گے۔ اس کا صحیح و درست ترجمہ یہ ہے کہ ہم ضرور ضرور تجھے والی بنا دیں گے اس قبلہ کا جسے تو نے (ہمارے حکم سے) اختیار کر رکھا ہے۔ اس اس ارشاد کا پس منظر یہ ہے کہ اہل کتاب کو خانہ کعبہ کے قبلہ ہونے پر اس جہت سے بھی اعتراض تھا کہ مشرکین نے اسے بت خانہ بنا رکھا تھا خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کے تعلق سے بڑا کربانیکہز قلق لاحق تھا کہ حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام نے اللہ کی عبادت کرنے والوں کے لئے جو گھر تعمیر کیا تھا اس پر مشرکین مسلط ہیں۔ ان کے لرزہ خیز مظالم نے اہل ایمان کو اس میں عبادت کرنے سے محروم اور مکہ سے ہجرت کر جانے پر مجبور کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی و بشارت دی کہ ہم آپ کی یہ بے چینی ضرور رفع کر دیں گے۔ آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سکون بخشیں گے اور قبلہ مکہ کو مشرکین کے قبضہ سے واکذار کر کے آپ کو اس کا والی بنا دیں گے۔ آپ مطمئن رہیں۔ اہل کتاب کے طعن و اعتراض کو خاطر میں نہ لائیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ”قد فری قلبی و جمعت فی السماء و فلنولينك قبلته ترضاها، اسی تسلی و بشارت پر مشتمل ہے۔

۵ ابوبکر بن عیاش کی روایت

ابن جریر طبری نے اس کی تخریج کی ہے قال البراء صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نحو بیت المقدس سبعۃ عشر شہرا و کان یشتہی ان یصرف الی الکعبۃ فبینا نحن نصلی	برادر بن عازب نے ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رستہ مہینے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی اور آجکی خواہش رہتی تھی کہ آپ کو کعبہ کی طرف متوجہ کر دیا جائے۔

ذات یوم مرتباً ما رَفَعَالِ الْاَهْلُ
عَلِمْتُمْ اَنْ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
قَدْ صَرَفَ اِلَى الْكَعْبَةِ - قَالَ وَقَدْ
صَلَّیْنَا دُكْعَتَیْنِ اِلَى هَهْنَا وَصَلَّیْنَا
دُكْعَتَیْنِ اِلَى هَهْنَا (تفسیر ابن جریر ج ۵ ص ۵)

پس اس دوران میں کہ ہم ایک گھنٹہ دن
بیت المقدس کی طرف رخ کر کے ہوئے
نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص کا ہم پر
گزر ہوا اس نے کہا کیا آپ لوگوں کو اس کا
علم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کی
طرف متوجہ کر دیا گیا ہے یعنی اللہ نے آپ کو حکم دیدیا کہ بیت المقدس کی بجائے
خانہ کعبہ کو قبلہ بنائیں۔ براہ کا بیان ہے کہ اس نماز کی دو رکعتیں ہم نے بیت المقدس
کی طرف رخ کر کے پڑھی تھیں اور دو رکعتیں کعبہ رخ ہو کر۔

حدثنا علقمہ بن عمرو الدارمی
ثنا ابوبکر بن عیاش عن ابی اسحاق
عن البراء قال صلینا مع رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نحو بیت المقدس
ثمانیۃ عشر شہراً - وصرفت القبلة
الی الکعبۃ بعد دخوله الحجاز
المدينة بشہرین وکان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی الی
بیت المقدس اکثر قلب وجہہ
فی السماء و حکم اللہ من قلب نبیہ
صلی اللہ علیہ وسلم ان یتہوی الکعبۃ
قتیبہ کے وقت میں جو لکھا جا چکا ہے ناظرین اسے اس روایت پر بھی
چسپاں کر لیں۔ اسی کے ساتھ یہ واضح رہے کہ ابن جریر نے ابوبکر بن عیاش کی
پوری روایت ذکر نہیں کی پوری روایت سنن ابن ماجہ میں ہے، ہم سے علقمہ دارمی نے
بیان کیا کہ ہم سے ابوبکر بن عیاش نے ابواسحاق
سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا اس نے
حضرت براء بن عازب سے روایت کی کہ براء نے
کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ
بیت المقدس کی طرف رخ کر کے اٹھارہ ماہ
نماز پڑھی اور آپ کے مدینہ تشریف لانے
کے دو ماہ بعد کعبہ کو قبلہ قرار دیدیا گیا تھا۔
(پھر اٹھارہ ماہ کہاں ہوئے یہ تو صرف
دو مہینے ہوئے) اور رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم جب بیت المقدس کی طرف رخ کر کے
نماز پڑھا کرتے تھے تو آسمان میں

فصعد جبریل فجعل رسول الله
 صلى الله عليه وسلم يتبعه بمروه
 وهو يصعد بين السماء والأرض
 ينظر ما يأتيه به فانزل الله
 "قد نرى قلب وجهك في السماء
 الآية - فاتانا آت فقال ان القبلة
 قد صرفت الى الكعبة وقد صلينا
 الى بيت المقدس ركعتين ونحن
 ركوع فتحولنا فبنينا على ما مضى
 من صلاتنا - فقال رسول الله
 صلى الله عليه وسلم يا جبريل
 كيف حالنا في صلاتنا الى بيت المقدس
 فانزل الله عز وجل وما كان الله
 ليضيع ايمانكم -

(سنن ابن ماجه طبع الهند ص ۷۲ باب القبلة)

اپنے چہرے کو بہت اُلٹتے پلٹتے رہتے تھے
 اور اللہ نے اپنے نبی کی یہ دلی بات جان
 لی کہ آپ بیت المقدس کی بجائے کعبہ کو
 قبلہ بنانے کے خواہش مند ہیں۔ تو
 ایک دن جبریل نے اوپر پرواز کی تو
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھنے
 لگے اس حال میں کہ وہ آسمان و زمین کے
 درمیان پرواز کر رہے تھے۔ اس
 انتظار میں کہ دیکھے جبریل کیا حکم لیکر
 آتے ہیں۔ اس پر اللہ نے یہ آیت
 اتاری "قد نرى قلب وجهك في السماء
 في السماء" پس ہمارے پاس ایک
 شخص نے آکر بتایا کہ قبلہ کعبہ کی طرف
 پھیر دیا گیا ہے۔ اس وقت ہم بیت المقدس
 کی طرف رخ کر کے دو رکعت پڑھ چکے تھے

اور رکوع کی حالت میں تھے تو ہم نمازیں ہی کعبہ کی طرف پھر گئے اور جو دو رکعت
 ہم پڑھ چکے تھے ان ہی پر بنا کر لی یعنی از سر نو نماز نہ پڑھی پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
 فرمایا اے جبریل جو نمازیں ہم نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی ہیں ان میں
 ہمارا کیا حال ہوگا یعنی آیا وہ ہو گئیں یا ہمیں ان کی قضا کرنی چاہیے۔ اس پر اللہ نے
 یہ ارشاد نازل فرمایا "وما كان الله ليضيع ايمانكم" (اللہ ایسا نہیں ہے کہ تمہارے
 ایمان کو ضائع کر دے۔) یہ روایت غلط بیانیوں اور فضول باتوں کی بے ہودہ
 معجون ہے اور اس کی دلیل یہ کہ عموماً راویانِ احادیث عقل و فہم سے بے بہرہ تھے۔

نقل کرنے کیلئے عقل کی ضرورت کے قائل نہ تھے۔ اس روایت میں مذکور ہے کہ حضرت برار بن عازب وغیرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھارہ مہینے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھی تھیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کے دو ماہ بعد خانہ کعبہ کو قبلہ قرار دیا گیا تھا۔ پھر اٹھارہ مہینے کہاں ہوئے یہ تو صرف دو ماہ ہوئے یہ بات نقل کرتے ہوئے نہ ابن ماجہ نے کچھ عقل سے کام لیا نہ ان کے شیخ علقمہ بن عمرو دارمی نے نہ ان کے شیخ ابوبکر بن عیاش نے پھر اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہوئے اپنے چہرے کو آسمان میں بہت اٹھتے پلٹتے رہتے تھے کیا یہ ممکن ہے کہ زمین پر کھڑا ہوایا بیٹھا ہو کوئی انسان خواہ وہ اللہ کا نبی ہی کیوں نہ ہو آسمان میں اپنا چہرہ اٹھتے پلٹے !

پھر اس میں مذکور ہے کہ جب ربیعہ بن جبریل علیہ السلام نے آسمان کی طرف پرواز کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھتے رہے کہ کیا حکم لیکر آتے ہیں یعنی ان راویوں نے حضرت جبریل کو بمنزلہ کبوتر قرار دیدیا کہ جیسے کوئی کبوتر باز اڑتے ہوئے کبوتر کا منظرہ کرتا ہے اسی طرح معاذ اللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ربیعہ کو دیکھ رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ کبوتر اس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبریل علیہ السلام پر خالص دروغ بافی ہے۔

پھر اس میں مذکور ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم آجانے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے بیت المقدس کی طرف پڑھی گئی نمازوں کے متعلق دریافت کیا۔ بدعت راوی نے یہ نہ سوچا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس غلط بات کی نسبت کر کے آپ کی شان میں کیسی شدید گستاخی کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اس کی روایت کے مطابق برار بن عازب اور دیگر نمازیوں کی راست فکری و شرعی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے تحویل قبلہ کا حکم سن کر از سر نو نماز نہیں پڑھی بلکہ

اُن دو رکعتوں پر بنا کی جو انہوں نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی تھیں۔
لیکن اس بیخبت راوی نے بکواس کئے ہر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان نمازوں کے
متعلق تردد ہوا جو آپ نے اور اہل ایمان نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے اس
حکم سے پہلے پڑھی تھیں اور اس کے متعلق آپ نے حضرت جبریل سے دریافت
کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ بیان کر کے راوی نے ابو اسحاق ہو یا ابو بکر بن عیاش
راست فکری ورشد میں برابر بن عازب اور ان کے ساتھیوں کو حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم پر ترجیح دی ہے۔ حالانکہ برابر بن عازب اس وقت ۹ یا ۱۰ سال کے
کم سن لڑکے تھے۔

قاضی شریک کی وایت

تفسیر ابن جریر میں ہے اور کافی مختصر ہے۔ اس میں صرف یہ مذکور ہے کہ ”سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ،، میں السفهاء سے مراد اہل کتاب ہیں اور وما كان الله ليضيع إيمانكم میں ایمان سے مراد وہ نمازیں ہیں جو اہل ایمان نے تحویل قبلہ سے پہلے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی تھیں۔

۷
اسماء عیسیٰ بن ابی خالد کی وایت

عن البراء قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي نحو بيت المقدس ويكثر النظر الى السماء ينتظر امر الله فانزل الله قد نرى قلبك وجهك في السماء

حضرت براء بن عازب نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہوئے آسمان کی طرف بکثرت دیکھتے تھے۔

حضرت براہین عازب نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہوئے آسمان کی طرف بکثرت دیکھتے تھے۔

فقال رجال من المسلمين وددنا
لو علمنا من مات منا قبل ان نصرف
الى القبلة وكيف بصلواتنا نحو بيت المقدس
فانزل الله "وما كان الله ليضيع ايمانكم"
وقال السفهاء من اليهود وهم اهل
الكتاب ما ولتهم من قبلتهم التي
كانوا عليها فانزل الله "سيقول
السفهاء من الناس (تفسير ابن كثير)
(رج اص ۱۸۹)

آپ کو اللہ کے حکم کا انتظار رہتا تھا۔
یعنی خانہ کعبہ کو قبلہ بنانے کے حکم کی
آمد کے آپ منتظر رہتے تھے۔ اس پر
اللہ نے یہ آیت اتاری "قد نرى
تقلب وجهك في السماء" (اور
آپ کو اور تمام مومنین کو حکم دیدیا کہ خانہ
کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کریں)
یہ حکم آجانے پر کچھ مسلمانوں نے کہا کہ
ہماری خواہش ہے کہ کاش ہمیں اپنے

ان لوگوں کا علم ہو جاتا جو تحویل قبلہ کے حکم سے پہلے مر گئے ہیں اور اپنی نماز کا پستہ
چل جاتا جو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے ہم نے پڑھی ہے اس پر اللہ نے
ارشاد "وما كان الله ليضيع ايمانكم" نازل فرمایا۔ اور تحویل قبلہ کا حکم
آجانے پر یہودیوں سے کم عقل لوگوں نے کہا حالانکہ وہ اہل کتاب ہیں۔ کہ انہیں
کس چیز نے پھیر دیا۔ ان کے قبلہ سے جس پر وہ تھے۔ اس پر یہ ارشاد نازل
ہوا۔ سيقول السفهاء الآية اس روایت میں ہرزہ سرائیاں کی گئی ہیں۔
(۱) تقلب وجهك کا معنی بکثرت دیکھنا اور فی السماء کو الی السماء کے
معنی میں بتایا ہے۔ اور نہایت افسوس کی بات ہے کہ مترجمین نے ابن اسحاق
کی روایت کے مطابق ہی آیت شریفہ کا غلط سلسلہ ترجمہ کر ڈالا ہے اور وہی ترجمہ
و مطلب لوگوں میں معروف ہو چکا ہے۔ آیت شریفہ قد نرى تقلب وجهك
فی السماء فلنولينك قبلة ترضىٰها کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے (اے نبی
ہم تیرے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں پس ہم یقیناً
تجھے اسی قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں گے جسے تو پسند کرتا ہے۔

اس ترجمہ میں تین فاش و صریح غلطیاں ہیں۔ اول یہ کہ تَقَلَّبَ وَجْہ کے معنی نہ بکثرت دیکھنا ہیں نہ چہرہ اوپر کو اٹھانا۔ منشور و منظوم کلام عرب سے تَقَلَّبَ وَجْہ کے اس معنی کا سراغ نہیں لگ سکتا۔ تَقَلَّبَ وَجْہ کے یہ معنی بتانا اتنا ہی غلط ہے جتنا یہ غلط ہے کہ کوئی شخص ”ایک نعبد و ایک نستعین“ کے معنی یہ بتائے کہ حضرت نوح کی عمر پندرہ سو سال ہوئی تھی۔ لنت عرب میں تَقَلَّبَ الٹنے پلٹنے اور کمر وٹ بدلنے کے معنی میں ہے۔ اور تَقَلَّبَ وَجْہ (چہرے کا الٹنا پلٹنا) کنایہ ہے بے چینی اور قلق و اضطراب سے دوم یہ کہ فی السماء کا صحیح ترجمہ ہے ”آسمان میں“ اس کا ترجمہ ”آسمان کی طرف“ کرنا قطعاً غلط ہے یہ ترجمہ الی السماء کا ہونا ہے اور ظاہر ہے کہ آیت شریفہ میں الی السماء نہیں ہے بلکہ فی السماء ہے۔ نیز مترجمین نے فی السماء کو تَقَلَّبَ سے متعلق سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ اس کا تعلق فعل نوری سے ہے۔ سوم یہ کہ فلنولینک قبلۃ کا ترجمہ یہ کرنا کہ ہم یقیناً تجھے قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں گے، غلط ہے۔ اگر قرآنی عبارت میں سمت کے معنی پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ ہوتا۔ مثلاً الی قبلۃ یا شطر قبلۃ یا نحو قبلۃ ہوتا تو یہ ترجمہ صحیح ہوتا۔

فلنولینک قبلۃ کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ہم تجھے یقیناً قبلہ کا والی و حاکم بنادیں گے پس قد نری تقلب وجهک فی السماء و فلنولینک قبلۃ ترضہا کا معنی و مطلب یہ کہ اے نبی آپکی بے چینی ہماری نظر میں ہے ہم عالم بالا میں اپنے مرکز حکومت آسمان میں ہی دیکھ رہے ہیں کہ خانہ کعبہ پر مشرکین کے قابض ہونے کی وجہ سے آپکو بڑا اضطراب و قلق ہے پس ہم جلد ہی آپ کی یہ بے چینی دور کر دیں گے آپکو اس قبلہ کا جسے آپ ہمارے حکم سے اختیار کئے ہوئے ہیں والی و حاکم بنادیں گے۔

(۲) اس روایت کے مطابق آیات کے نزول کی ترتیب یہ ہے کہ اولاً آیت قد نری تقلب وجہک فی السماء فلنولينک قبلة ترضها فول وجہک شطر المسجد الحرام وحيث ما كنتم فولوا وجوهکم شطره۔ نازل ہوا اسکے بعد وما كان اللہ ليضیع ايمانکم ان اللہ بالناس لرؤف رحيم کا نزول ہوا پھر آیت سيقول السفهاء من الناس ما ولہم عن قبلتہم الٰتی كانوا علیہا اتري۔ حالانکہ حقیقت برعکس ہے۔ اس رکوع کی پہلی آیت سيقول السفهاء وعبہ دوسری آیت وکذا لک جعلناکم اُمَّةً وسطاً ہے۔ جس کے آخر میں وما كان اللہ ليضیع ايمانکم ان اللہ بالناس لرؤف رحيم ہے۔ تیسری آیت قد نری تقلب وجہک ہے راوی نے اللہ کی پکڑ سے بے خوف ہو کر انا پ شناس جو منہ میں آیا بک ڈالا۔ یقیناً کوئی ہوشمند و ذی علم مسلمان اس ترتیب نزول کا قائل نہیں ہو سکتا جو اس روایت میں مذکور ہے۔

(۳) اس روایت میں مذکور ہے کہ جب تحویل قبلہ کا حکم آگیا اور مسلمان بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھنے لگے تو اس پر یہود نے اعتراض کیا اور کہا ”ما ولہم عن قبلتہم الٰتی كانوا علیہا“، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ”سيقول السفهاء“ جو ”حالانکہ یہ بات سراسر غلط ہے۔ ظاہر ہے کہ تحویل قبلہ پر یہود کے اعتراض کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ہوتی تو قال السفهاء ”بوتا بصیغہ ماضی“ ”سيقول السفهاء“ نہ ہوتا۔ سيقول تو مستقبل کا صیغہ ہے۔ قال السفهاء کے معنی ہیں ”کہا یہ قوفوں نے اور سيقول السفهاء کے معنی ہیں“ ”کہیں گے بے وقوف لوگ“

سفیان ثوری کی روایت

⑧

حدیثنا ابواسحاق قال سمعت
الہرار قال صلینا مع النبی صلی اللہ
علیہ وسلم نحو بیت المقدس
ستہ عشر او سبعة عشر شہرا ثم
صرفہ نحو القبلة (صحیح بخاری ص
۶۴۵ طبع الہند)

ہم سے ابواسحاق سبعی نے بیان کیا کہ
میں نے ہرار بن عازب سے سنا کہ ہم یمن
انصار مدینہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ یعنی آپ کی موجودگی میں ۱۶ یا ۱۷
ماہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے
نماز پڑھی پھر اللہ نے آپ کو اصل قبلہ

یعنی خانہ کعبہ کی طرف پھیر دیا یعنی حتماً حکم دے دیا کہ
کعبہ رخ ہو کر نماز پڑھی جائے

سفیان ثوری رحمہ اللہ نے ابواسحاق سبعی سے حدیثیں ان کے ہوش و
حواس اور حفظ و ضبط میں فتور آنے سے قبل سنی تھیں۔ لہذا یہ حدیث
صحیح و قابل اعتماد ہے اور اس میں وہ فضولیات اور الٹی سیدھی غلط سلط
باتیں نہیں ہیں جو ابواسحاق کے ان تلامذہ کی روایات میں ہیں جنہوں نے
ابواسحاق سے یہ حدیث ان کے محبوظ الحواس ہونے کے زمانہ میں سنی تھیں
اور سفیان ثوری کی اس روایت میں ہرار بن عازب رضی اللہ عنہ کا یہ قول جو
مذکور ہے کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۱۶ یا ۱۷ ماہ بیت المقدس
کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ خود حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے بھی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے مدینہ میں نماز پڑھی تھی بلکہ
یہ عمل مدینہ میں رہنے والے انصاری مسلمانوں کا عطاء بیعت عقبہ اولی کے
موقع پہ لہل مدینہ میں سے جو سات حضرات مشرف بہ اسلام ہوئے تھے

ان کی گزارش کے مطابق آپ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ منسلک
 و مبلغ کی حیثیت سے بھیج دیا تھا۔ انہوں نے یثرب پہنچ کر بڑی تندہی و جاں
 فشانی کے ساتھ تبلیغ حق فرمائی ان کی اور نو مسلم انصار کی کوششیں بڑی
 مبارک و ثمر بار ہوئیں اور ایک سال کے اندر مدینہ کے ایک ایک گھر میں اسلام ایک
 محبوب و پسندیدہ دین کی حیثیت سے داخل ہو گیا۔ مدینہ میں ان مسلمان ہو جانے
 والے اشخاص کو حضرت مصعب نے نماز اور اس کے اوقات کی تعلیم دی تھی
 لیکن وہ اس حکم سے واقف نہ تھے کہ نماز کعبہ رخ ہی پڑھنی چاہیے ان حضرات
 نے اسلام اور یہود کے دین کو یکساں ہی خیال کیا تھا کیونکہ یہود بھی بیت پرستی
 نہ کرتے تھے اور ان میں سے جو لوگ نماز پڑھتے تھے بیت المقدس کی طرف
 رخ کر کے پڑھتے تھے۔ انصاری مسلمانوں نے بھی یہود کی دیکھا دیکھی
 بیت المقدس کو ہی قبلہ قرار دے لیا تھا حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت
 کر کے مدینہ تشریف لے آئے مگر کعبہ مکرمہ کو قبلہ بنانے کا صریح حکم نازل نہ ہونے
 تک آپ نے انصاری مسلمانوں کے اس طرز عمل یعنی بیت المقدس کی طرف
 رخ کر کے نماز پڑھنے کو منع نہیں فرمایا حالانکہ خود آپ نے کبھی کوئی فرض نماز
 بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نہیں پڑھی۔ آپ نے اوائل ہجرت میں
 مقام قبا میں قیام کے زمانہ میں مسجد نبویؐ تو وہ کعبہ رخ ہی تھی جیسے دنیا
 بھر کی تمام مسجدیں کعبہ رخ ہوتی ہیں۔ پھر آپ مدینہ تشریف لے گئے تو چند
 روز آپ نے وہ مسجد نبویؐ جسے مسجد نبوی کہا جاتا ہے۔ وہ بھی اول روز سے
 کعبہ رخ ہی رہی ہے۔ اور یہ قطعاً واضح بات ہے کہ بیت المقدس تینہ منور
 سے سمت شمال میں ہے۔ اور کعبہ جہت جنوب میں۔ اور مسجد قبا و مسجد نبویؐ کی
 تعمیر آیات قبلہ کے نزول سے بہت پہلے ہو چکی تھی۔ اب ظاہر ہے کہ رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ میں بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے

ہوتے تو یہ دونوں مسجدیں بیت المقدس کے رخ پر تعمیر کی جاتیں یعنی ان کی دیوار قبلہ سمت شمال ہوتی پھر تخیل قبلہ کا حکم آجانے پر وہ مسجدیں کی جاتی اور سمت جنوب تعمیر کی جاتی۔ اور ایسا ہوا ہوتا تو ضرور منقول ہوتا کیونکہ مسجد نبوی کے تمام تعمیری تغیرات آغاز بنا سے لیکر آج تک بطریق متواتر منقول ہوتے چلے آ رہے ہیں پس یہ حقیقت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ جس رخ پر مسجد نبوی آج ہے آغاز میں بھی اسی رخ پر تھی مسجد نبوی و مسجد قبلہ کا ہمیشہ سے کعبہ رخ ہونا اس حقیقت کا قطعی ثبوت ہے کہ آپ نے اور آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والے مہاجرین نے کبھی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے کوئی فرض نماز ادا نہیں کی اور ہمیشہ آپ کا قبلہ خانہ کعبہ ہی رہا ہے۔

لیکن مدینہ تشریف لے آنے پر تقریباً ۱۰ ماہ تک آپ نے ان انصاری مسلمانوں کو جو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے اس سے منع نہیں فرمایا اور یہ حکم نہیں دیا کہ کعبہ رخ ہو کر نماز پڑھا کر و اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صریح حکم آنے کے بعد ہی آپ لوگوں کو کسی کام سے منع فرماتے تھے۔ مثلاً آپ نے کبھی شراب نہیں پی۔ ظہور نبوت سے پہلے بھی ہمیشہ اس سے مجتنب رہے۔ اور نبوت کے بعد بھی لیکن آپ نے لوگوں کو شراب پینے کی ممانعت بھی نہیں فرمائی اس لئے بہت سے مسلمان شراب پیتے رہے حتیٰ کہ اس کے متعلق اللہ کا صاف و صریح حکم نازل ہوا تب آپ نے اس کی حرمت کا اعلان کر دیا۔ یا جسے پہلے حالت نماز میں لوگ باہم بات چیت بھی کر لیتے تھے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دوران نماز کسی سے بات نہیں کی مگر آپ نے چونکہ اس سے منع نہیں کیا تھا اسلئے لوگوں نے آپ کے منع نہ کرنے کا مطلب یہ ہی سمجھ رکھا تھا کہ نماز دوران بات چیت کرنا جائز ہے تا آنکہ اس کے متعلق صریح حکم نازل ہوا تب آپ نے دوران نماز کلام کرنے سے منع فرمایا۔ اسی طرح قبلہ کا

معاملہ ہوا کہ حکم آنے سے پہلے آپ نے انصاری مسلمانوں کو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے منع نہیں فرمایا۔ جب حکیم آگیا تب اسکی مانعت فرمائی اور سب لوگ اس سے باز آ گئے۔ پس قبلہ کی تویل ان انصاری مسلمانوں کے لحاظ سے ہوئی ہے نہ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لحاظ سے۔

لہذا برادر بن عازب کا یہ کہنا کہ "ہم نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آیا، انا ماہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہے۔" یہ معنی رکھتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہم نے ایسا کیا ہے۔

اس پوری تحقیق سے روز روشن کی طرح آشکارا ہو جاتا ہے کہ ابواسحاق سبیہی کی بیان کردہ یہ حدیث جس کی روایت ابواسحاق سے اسرائیل و ذہیر بن معاویہ نے (صحیحین) اور ابوالاؤص نے (صحیح مسلم) اور زکریا بن ابی زائدہ نے (سنن نسائی) کی ہے اور بخاری و مسلم نے اسے صحیح گمان کر لیا تھا قطعاً صحیح حدیث نہیں ہے۔ حضرت برادر بن عازب کی اس حدیث کے متعلق جو تحقیقی حقائق ناظرین کے سامنے رکھے گئے ہیں ان کے ساتھ یہ حقیقت بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کے وقت برادر بن عازب نابالغ اور تقریباً ۹ سالہ بچے تھے۔ اکابر صحابہ میں سے کسی سے بھی یہ حدیث مروی نہیں ہے۔

آخر میں یہ عرض ہے کہ آیات قبلہ کی صحیح تفسیر جانتے کیلئے ہر پڑھے لکھے شخص کو تفسیر مفتاح القرآن ج ۱ کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیئے۔ اسی میں تویل قبلہ کے متعلق سیر حاصل کلام کیا گیا ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ بِانْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا

(۳) کے متعلق ابواسحاق کی روایت کردہ حدیث

برادر بن عازب

حضرت برادر بن عازب رضی اللہ عنہ سے ابواسحاق سبعی کو فی نے اس سے
شعبہ بن حجاج واسرائیل بن یونس نے یہ حدیث روایت کی ہے۔
شعبہ کی روایت

كَانَتِ الْأَنْصَارُ إِذَا أَحْجُوا
فَرَجَعُوا الْمَرْيِئَ خُلُوعًا
الْبُيُوتَ الْأَمِنْ ظُهُورِهَا
فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ
فَدَخَلَ مِنْ بَابٍ
فَقِيلَ لَهُ فِي ذَلِكَ
فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ
انصار یعنی اوسے و خنزرجی مسلمانوں کی
عادت تھی کہ جب حج کر کے واپس
ہوتے تو گھروں میں ان کی پشت سے
ہی داخل ہوتے دروازوں سے
نہ آتے پس ایک انصاری شخص
حج کر کے آیا تو وہ اس پرانی رسم کے
برخلاف گھر کے دروازے سے داخل
ہوا اس کے متعلق اس پر اعتراض
کیا گیا تو یہ آیت اتری

(صحیح بخاری کتاب المناسک ص ۲۴۲ طبع الہند اواخر مہج مسلم۔)

کتاب التفسیر واللفظ (اسرائیل کی روایت)

عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانُوا إِذَا أَحْرَمُوا
فِي الْجَاهِلِيَةِ اتَّوَالِ الْبَيْتِ مِنْ
بَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ سَمِعَ رُوِيَ عَنْهُ كَرْمَانِ
جَاهِلِيَّتِ فِي جَبَلِ لُؤْ (حج یا عمرہ کا)

ظہور خانزل اللہ، ولیسک
 البربان تاتوا البیوت من
 احرام باندھ لیتے تو گھر میں اس کی
 پشت سے آتے دروازے سے نہ آتے
 اس کے متعلق اللہ نے یہ ارشاد نازل فرمایا۔
 ظہور حصا۔

(صحیح بخاری کتاب التفسیر سورة البقرة - تفسیر ابن جریر طبری)
 یہ حدیث برابر بن عازب سے صرف ابواسحاق نے اور ابواسحاق سے شعبہ
 اسرائیل دو شخصوں نے روایت کی ہے۔ راوی صحابی ایک ہے اور اس سے
 روایت کرنے والا شخص ایک ہے معنی ابواسحاق۔ اس سے روایت
 کرنے والے دو شخص ہیں شعبہ و اسرائیل پس ضروری ہے کہ دونوں شخصوں کا
 بیان یکساں اور ہم آہنگ ہو۔ ان کے بیان میں اختلاف اور تناقض و تعارض نہ
 ہو۔ لیکن یہ دونوں روایتیں آپس میں مخلیف بھی ہیں اور ان میں ٹکراؤ بھی
 ہے۔ شعبہ نے جو بیان کیا ہے اسرائیل کا بیان اس سے الگ ہے اور دونوں
 کی روایتوں کے مضمون میں ایسا ٹکراؤ ہے جسے دور کرنا ناممکن ہے۔
 دیکھئے شعبہ کی روایت میں خاص انفار کا ذکر ہے کہ وہ جب حج کر کے وطن
 واپس آتے تو اپنے گھروں میں دروازوں سے داخل نہ ہوتے۔ ظاہر ہے کہ
 یہ احرام کی حالت نہ ہوتی تھی کیونکہ احرام تو حج یا عمرہ یا تاجہ ^{اداکرے اور مکہ میں داخل ہونے کے لئے باندھا} و عمرہ سے فارغ ہو کر احرام
 کھول دیا جاتا ہے۔ مکہ مکرمہ سے وطن واپس آنے کیلئے احرام نہیں باندھا
 جاتا نہ آج تک کسی نے باندھا۔ اور اسرائیل کی روایت میں عموم کے ساتھ
 اہل جاہلیت کا ذکر ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ دستور تھا کہ احرام
 باندھ لیتے تو پھر گھر میں دروازے سے داخل نہ ہوتے پشت سے آتے
 پس یہ حج و عمرہ سے قبل اور حالت احرام کی بات ہوئی۔ وحدت مخرج کے
 باوجود شعبہ و اسرائیل کی روایتوں کا یہ ٹکراؤ یہ ناقابل حل متعارض اس بات کی
 دلیل ہے کہ ابواسحاق نے شعبہ سے کچھ بیان کر دیا تھا اور اسرائیل کو کچھ اور بتا دیا تھا

دولوں نے ابواسحاق سے یہ حدیث اس کی مجبوظ الخواصی کے زمانہ میں کہنی تھی رہے وابل علم و روایت جنہوں نے ابواسحاق سے اس کی جوانی یا کہولت کے زمانہ میں یعنی مجبوظ الخواصی سے پہلے استفادہ احادیث کیا تھا تو ان میں سے کسی نے بھی ابواسحاق سے یہ حدیث روایت نہیں کی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ حدیث حضرت برادر بن عازب کی بیان کی ہوئی نہیں ہے ابواسحاق نے غلطی سے اسے برادر بن عازب کی طرف منسوب کر دیا تھا۔ اس حدیث میں شیعہ و اسرائیل کی روایتوں کے ناقابل حل تعارض پر امام بخاریؒ کی نظر نہیں پڑی۔ اسی لئے دولوں ہی روایتیں درج صحیح فرمادیں حالانکہ دولوں ہی روایتیں نادرست و ناقابل التفات ہیں۔

علاوہ بریں شیعہ والی روایت میں مذکور ہے کہ ایک انصاری مسلمان حج کر کے آیا تو وہ پرانی رسم کے برخلاف گھر میں دروازے سے داخل ہو گیا لوگوں نے اس کے اس فعل پر اعتراض کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا۔

سوال یہ ہے کہ یہ واقعہ کس سنہ میں پیش آیا تھا جبکہ ہجرت کے بعد حاصل اسلام پہلی بار سنہ میں مدینہ سے حج کیلئے گئے تھے اور ان کے امیر الحج حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے پس اگر یہ واقعہ اسی سال کا سمجھا جائے تو لازم آتا ہے کہ سنہ ۹ھ کے اواخر یا سنہ ۱۰ھ کے اوائل میں یہ آیت نازل ہوئی ہو۔ حالانکہ تمام مفسرین و اہل علم اس پر متفق ہیں کہ یہ آیات سنہ ۱۰ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی تھیں۔ اس آیت کی صحیح تفسیر مفتاح القرآن تفسیر سورۃ البقرہ میں پڑھنی چاہیے یہاں میں صرف یہ کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ گھر میں پشت کی طرف سے آنا کنایہ ہے کسی کام کو بے ڈھنگے پن کے ساتھ کرنے سے اور گھر میں دروازے سے آنا کنایہ ہے کام کو صحیح ڈھنگ کے ساتھ انجام دینے سے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کے ارشاد
 الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ
 نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا
 کے محل نزول و روز نزول کے متعلق

طارق بن شہابؓ بجلی کی روایت کردہ حدیث

ابوالعمیس یعنی عتبہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود کوفی نے بیان کیا کہ
 اخبرنا قیس بن مسلم عن طارق بن شہاب عن عمر بن الخطاب
 ان رجلا من اليهود قال له يا امير المؤمنين آية في كتابكم
 تقرؤونها لو علينا معشر اليهود نزلت لاتخذنا ذلك
 اليوم حيدا . قال آية ؛ قال اليوم اكملت لكم دينكم
 واتممت نعمتي ورضيت لكم الاسلام دينًا قال عمر
 قد عرفنا ذلك اليوم والمكان الذي نزلت فيه على النبي
 صلى الله عليه وسلم (نزلت عليه) وهو قائم بعرفة يوم جمع
 (صحيح بخاری ص ۱۱ طبع الهند)

قیس بن مسلم نے طارق بن شہابؓ بجلی سے روایت کی ہے
 اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بتایا کہ ایک یہودی نے ان سے کہا کہ
 اے امیر المؤمنین آپ حضرات یعنی مسلمانوں کی کتاب قرآن میں ایک آیت ہے
 جسے آپ لوگ پڑھتے ہیں (لیکن اسکی عظمت و اہمیت کا احساس نہیں
 رکھتے) اگر وہ ہم گروہ یہود پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس کے روز نزول کو
 تہوار کا دن بنا لیتے (اور سالانہ اس دن جشن منایا کرتے)

حضرت عمرؓ نے فرمایا وہ کون سی آیت ہے! یہودی نے کہا: اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ
 وَاَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِينًا حضرت عمرؓ نے فرمایا وہ
 دن اور وہ جگہ ہمیں خوب معلوم ہے جس دن اور جس جگہ یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ یہ آیت
 جمعہ کے دن نازل ہوئی تھی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ عرفات میں
 یعنی حجۃ الوداع کے موقع پر کھڑے ہوئے تھے۔

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اس آیت شریفہ کے اُترنے کا دن
 تو ہم مسلمانوں کا سب سے بڑا سالانہ تہوار ہے۔ جمعہ کا دن یوں بھی اہل اسلام
 کے لئے ہفتہ کی عید ہے۔ اور میدانِ عرفات میں ہر سال نویں ذی الحجہ کو حرم
 و بیرون حرم اور عرب و عجم سے آئے ہوئے بے شمار مسلمانوں کا اجتماع ہوتا ہے
 پس ہمیں الگ سے جشن کے طور پر اس کا یومِ نزول منانے کی ضرورت نہیں
 اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس کے روزِ نزول و مکانِ نزول کو ہمارا سب سے بڑا تہوار اور
 روزِ جشن بنا دیا ہے۔

اسی حدیث کی بنا پر لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "اَلْيَوْمَ
 اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِينًا"
 و ذی الحجہ کو حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات میں بروز جمعہ نازل ہوا تھا۔
 مگر حقیقت یہ ہے کہ لوگوں نے نہ اس کی اسناد کو پرکھا نہ اس کے متن کو اور
 اس کے راوی طارق بن شہابؒ بجلی کو خوش گمانی کی بنا پر ثقہ سمجھ لیا۔
 حالانکہ وہ ثقہ نہ تھا اولاً میں طارق بن شہاب کے متعلق کچھ وضاحتیں کروں گا
 پھر اس حدیث کی اسناد کے متعلق بتاؤں گا کہ متقل ہے یا مرسل پھر اس کے
 متن پر کلام کروں گا۔

طارق بن شہاب

کوئی تابعی ہے جسے حضرت عمر کے عہد میں
تبشہر کوفہ بسا تو طارق کے والد شہاب نے

کوفہ کی سکونت اختیار کر لی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے اواخر میں
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بیت المال کی دیکھ بھال اور اصل کوفہ کو
تعلیم دین دینے کی خاطر کوفہ بھیج دیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد
میں بھی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ میں ہی رہے۔ طارق بن شہاب کا شمار
بھی ان کے اصحاب و تلامذہ میں ہوتا ہے ان کے علاوہ اور بھی متعدد صحابہ کرام
سے اس نے حدیثیں روایت کی ہیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس نے نہ کوئی
حدیث سنی ہے نہ ان سے آگے ملاقات ثابت ہے بقول خلیفہ بن خثیم
۸۲ھ اور بقول عمرو بن علی ۸۲ھ میں اور بقول ابن نمیر ۸۲ھ میں طارق
کا انتقال ہوا (تہذیب التہذیب)

طارق سے جو حدیثیں مروی ہیں ان کا مطالعہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ
شخص بڑے اصل اور بڑے سرو پا اور غیر معقول باتیں صحابہ کرام کی طرف منسوب
کر کے روایت کر ڈالتا تھا۔ اور اپنے منقلب اس نے قیس بن مسلم سے یہ
لاف زنی بھی کی تھی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور ابوبکر و عمر
رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت میں چالیس سال زائد جہادوں میں شریک رہا ہوں
چنانچہ ابن سعد نے لکھا ہے۔ اخبرنا یحییٰ بن عباد و ابوداؤد الطیالسی
قالا اخبرنا شعبۃ عن قیس بن مسلم قال سمعت طارق بن شہاب
يقول رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وغزوت في خلافة أبي
بكر وعمر بضعا واربعين بين غزوة وسرية (طبقات ابن سعد ج ۹ ص ۶۶)
(۶۶ طبع بیروت)

اب ظاہر ہے کہ جس شخص نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جہاد و قتال میں

حصہ لیا ہو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کم سے کم تیرہ سال کا ضرور ہو گا کیونکہ پندرہ سال سے کم عمر والے لڑکے کو شرکت جہاد کی اجازت نہیں ملتی تھی اور یقیناً بارہ یا تیرہ سال کا لڑکا باشعور ہوتا ہے۔ ایسی ہی کم عمر حضرت عبداللہ بن عباس کی تھی پھر کیا وجہ ہے کہ طارق بن شہاب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو کیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی کوئی حدیث روایت نہیں کی نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا کوئی حدیث سنا نا ثابت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ لوگوں میں اپنی قدر و قیمت بڑھانے کے لئے ہی اس نے یہ دروغ گوئی کی تھی۔

(یہ حدیث سند کے لحاظ سے متصل نہیں بلکہ مرسل ہے)

قیس بن مسلم سے یہ حدیث (۱) سفیان ثوری (۲) مسعر بن کدام (۳) ادریس بن یزید اور (۴) ابوالعمیس روایت کی ہے۔ سفیان ثوری کی روایت یہ ہے۔ عت قیس بن مسلم عن طارق بن شہاب ان اناساً من الیہود قالوا لوزلت ہذہ الایۃ فینا لا نخذنا ذالک الیوم عیداً الخ قیس نے طارق سے روایت کی ہے کہ چند یہودیوں نے کہا کہ اگر یہ آیت ہم میں نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس دن کو تہوار بنا لیتے۔

صحیح بخاری ص ۳۲ کتاب المغازی باب حجة الوداع

مسعر کی روایت یہ ہے "عن قیس بن مسلم عن طارق بن شہاب قال قال رجل من الیہود لعمر یا امیر المؤمنین الخ قیس نے طارق سے روایت کی ہے کہ ایک یہودی شخص نے حضرت عمر سے کہا الخ

(صحیح بخاری ص ۱۰۷۹ اول کتاب الاعتصام)

ادریس کی روایت یہ ہے۔ عن طارق بن شہاب قال قال الیہود لو علینا معشر الیہود نزلت ہذہ الایۃ الخ طارق کا بیان ہے کہ یہودیوں نے کہا الخ

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۲۰ طبع الہند)

ثوری و مسعودیس تینوں کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ طارق بن شہاب نے چند یہودیوں یا ایک یہودی اور حضرت عمر کا یہ مکالمہ نقل کیا تھا۔ لیکن اس نے یہ نہیں بتایا کہ اسے یہ قصہ کس سے معلوم ہوا تھا نہ یہ بتایا کہ میں اس وقت حضرت عمر کی مجلس میں حاضر تھا پس طارق کا بیان کردہ یہ قصہ ان تینوں روایتوں کے مطابق مرسل ہے یعنی طارق نے اسے کسی سے سنا تھا مگر کس سے؟ اس کا اس نے کوئی ذکر نہیں کیا۔ اور ابوعمیس کی روایت میں ہے۔ اخبرنا قیس بن مسلم عن طارق بن شہاب عن عمران دجلا من الیہود قال لہ ! امام بخاری رحمہ نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ قیس طارق سے اور طارق نے حضرت عمر سے روایت کی ہے، اور گمان کر لیا کہ طارق نے یہ قصہ خود حضرت عمر سے سنا تھا۔ حضرت عمر نے اسے بتایا تھا کہ ایک یہودی نے ان سے کہا تھا انہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی پر سفیان ثوری و مسعودیس کی روایت کو حمل کر لیا۔

لیکن امام بخاری کا یہ گمان اصول کے خلاف ہے۔ تین ثقہ راویوں کی روایت یہ بتا رہی ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اور طارق نے اس شخص کا نام ذکر نہیں کیا تھا جس سے اسے یہ قصہ معلوم ہوا تھا۔ اور ایک راوی نے اپنی اسناد میں عن عمر کہا ہے نو اس ایک شخص کی روایت کو تین اشخاص کی روایت پر حمل کرنا چاہیے نہ کہ تین شخصوں کی روایت کو ایک کی روایت پر۔ عن کا لفظ کبھی روایت کے معنی میں آتا ہے اور کبھی متعلق کے معنی میں مثلاً اخبرنی عبد الرحمن عن عبد اللہ انہ قال سأسافرالی مکہ یوم الخميس (مجھے عبد الرحمن نے عبد اللہ سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ عبد اللہ نے کہا کہ میں پنجشنبہ کے دن مکہ کی طرف سفر کروں گا) اس جملہ میں عن کی روایت کے معنی میں ہے یعنی عبد الرحمن کو یہ بات عبد اللہ سے معلوم ہوئی تھی۔

اخبرني عبد الرحمن عن عبد الله انه سافر الى مكة يوم الخميس
 (مجھے عبد الرحمن نے عبد اللہ کے متعلق بتایا کہ اس نے بروز پینچشنبہ مکہ
 کی طرف سفر کیا) اس جملہ میں عن متعلق کے معنی میں ہے روایت کے معنی
 میں نہیں ہے۔ یعنی یہ جملہ یہ نہیں بتاتا کہ عبد الرحمن کو یہ بات عبد اللہ سے معلوم
 ہوئی تھی۔ ابو عمیس کی روایت میں عن صحرا اسی معنی میں ہے۔
 امام بخاری سے چوک ہو گئی کہ اسے روایت کے معنی میں سمجھ لیا۔ پس
 طارق بن شہاب کی روایت کردہ یہ حدیث مرسل ہے۔ معلوم نہیں کہ اس نے
 یہ قصہ کس سے سنا تھا۔ اور کسی حدیث کے صحیح ہونے کی ایک ضروری
 شرط یہ بھی ہے کہ اس کی اسناد متصل ہو مرسل یا منقطع نہ ہو۔ پس یہ
 حدیث صحیح الاسناد نہیں ہے۔ امام بخاری نے غلط فہمی کی وجہ سے
 اسے متصل الاسناد گمان کر لیا تھا۔

پھر ابو عمیس اور مسمر کی روایت بتاتی ہے کہ حضرت عمر سے یہ بات کہنے والا
 ایک یہودی تھا اور ثری کی روایت میں ہے کہ متعدد یہودی لوگ تھے۔
 اور پس بیزید کی روایت میں بھی ابیغہ جمع یہود کا ذکر ہے۔ یہ اختلاف
 قیس بن مسلم کی جہت سے ہے۔ اور نہیں کہا جاسکتا کہ دراصل طارق نے
 کیا ذکر کیا تھا؟ ایک یہودی کا یا چند یہودیوں کا۔ قیس نے کبھی کچھ کہہ دیا
 کبھی کچھ۔ طارق بن شہاب کے علاوہ یہ قصہ قبصہ بن ذویب اور
 محمد بن کعب قرظی سے بھی مروی ہے۔ قبصہ کی روایت یہ ہے۔ نو مسلم یہودی
 قال کعب لوان شبر هذه الامه
 نزلت عليهم هذه الاية فنظروا
 ذلك يوم الذي انزلت فيه
 عليهم فاتخذوه عيداً يجمعون
 کعبا جبار نے کہا اس امت کے علاوہ
 کسی اور امت پر یہ آیت اتری ہوتی تو
 وہ اس دن کو دھیان میں رکھتے اور
 اسے جشن کا دن مناتے جس میں

فیہ ۔ فقال عمر ای امة یا کعب؟
 فقال " الیوم اکملت لکم دینکم
 واتممت علیکم نعمتی ورضیت
 لکم الاسلام دینا
 فقال عمر قد علمت الیوم
 الذی انزلت فیہ والکائنات
 الذی انزلت فیہ یوم جمعة
 و یوم عرفة ۔ وکلاهما بحمد اللہ
 سب جمع ہو کر دادِ مسرت دیتے ۔
 یہ سن کر حضرت عمر نے کہا " کوئی آیت
 اے کعب اس نے کہا " الیوم اکملت
 حضرت عمر نے فرمایا مجھے وہ دن بھی معلوم ہے
 جس میں یہ آیت اتری تھی اور وہ جگہ بھی جہاں
 اتری تھی وہ تجمہ کا دن اور عرفہ
 کا دن تھا۔ اور یہ دونوں دن بحمد اللہ
 ہمارے تہوار ہیں ۔

لنا عید (تفسیر ابن جریر سورۃ السائدہ -)

یہ حدیث ضعیف الاسناد ہونے کے علاوہ مرسل بھی ہے۔ کیونکہ قبصہ بن ذؤب
 کی حضرت عمر سے روایت مرسل ہے قبصہ فتح مکہ کے سال یعنی ۶۱۰ء میں پیدا ہوئے
 اور حضرت عمر کی شہادت کے وقت ۱۲ سال کے نابالغ بچہ تھے۔ حضرت عمر سے
 قبصہ نے کوئی حدیث نہیں سنی۔ اور حضرت عمر کی باوقار مجلس میں اتنے کم سن بچے
 نہیں جاتے تھے۔ محمد بن کعب قرظی کی روایت یہ ہے

عیسیٰ بن جاریہ انصاری کا بیان ہے کنا جلدوسا فی الدیوان فقال لنا
 یا اهل الاسلام لقد انزلت
 علیکم امة لو نزلت علینا
 لاتخذنا ذلک الیوم وتلک
 الساعة عیدا ما بقی منا
 اثنان ۔ الیوم اکملت لکم الایة
 فلم یحبہ احد منا فلقیت
 محمد بن کعب القرظی
 ہم دیوان میں بیٹھے ہوئے تھے تو
 ہم سے ایک عیسائی بولا۔ اے مسلمانو
 تم پر ایک آیت ایسی اتری ہے کہ اگر
 وہ ہم پر اتری ہوتی تو ہم اس دن
 اور اس گھڑی کو تہوار بنا لیتے
 جب تک ہم میں دو شخص بھی دنیا میں
 رہتے برابر اس تہوار کو مناتے

فسألتہ عن ذلک - فقال الآ

رد تم علیہ - فقال قال حمز

بن الخطاب نزلت علی النبی

صلی اللہ علیہ وسلم وهو

واقف علی الجبل لیوم

عرفہ فلا یزال ذلک لیوم

حید المسلمین ما بقی منهم

احد (تفسیر ابن جریر الطبری)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پراتری جب کہ آپ عرفہ کے دن پہاڑ پر ذکر و دعا

کے لئے کھڑے ہوئے تھے محمد بن کعب نے کہا تو وہ دن مسلمانوں کا تہوار ہے

جب تک ایک مسلمان بھی زندہ زمین پر باقی ہے۔

اس کا راوی عیسیٰ بن عمار یہ انصاری مدنی نہایت ضعیف و مفکر الحدیث

شخص تھا اور محمد بن کعب قرظی یہ ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے

آخری ایام میں پیدا ہوا تھا لہذا حالہ حضرت عمر کے متعلق جو اس نے کہا ہے وہ

مرسل ہے الغرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور کسی یہودی کا یہ مکالمہ کسی بھی صحیح و سلی

غبار اسناد کے ساتھ مروی نہیں ہے

اور نے عمار بن ابی عمار مولائے بنی ہاشم نے ایسا ہی قصہ حضرت عبداللہ بن

عباس کی طرف منسوب کر کے لوگوں میں پھیلا یا تھا۔ اس کی تخریج ترمذی و ابن

جریر طبری نے تفسیر سورۃ المائدہ میں کی ہے۔

عن عمار بن ابی عمار قال قرأ ابن

عباس "الیوم اکملت لکم دینکم

و اتممت علیکم نعمتی و رضیت

لکم" (الیوم اکملت لکم

تو ہم میں سے کسی نے اس عیسائی کو

جواب نہ دیا۔ پھر میری محمد بن کعب قرظی

سے ملاقات ہوئی تو میں نے اس کے

متعلق پوچھا۔ اس نے کہا تم نے اُسے

جواب کیوں نہیں دیا۔ یہ کہہ کر اس نے

کہا کہ حضرت عمر نے فرمایا ہے کہ یہ آیت

کے دن پہاڑ پر ذکر و دعا

کے لئے کھڑے ہوئے تھے محمد بن کعب نے کہا تو وہ دن مسلمانوں کا تہوار ہے

جب تک ایک مسلمان بھی زندہ زمین پر باقی ہے۔

نكتم الاسلام ديناً، وعنده يهودى
 فقال لو انزلت هذه الآية
 علينا لاتخذنا يومها عيداً
 فقال ابن عباس فانها نزلت
 في يوم عتيده بن في يوم الجمعة
 ويوم عرفة
 توده بولاكه اگر یہ آیت ہم پر اتری ہوتی تو
 ہم اس کے روز نزول کو تہوار بنا لیتے
 عبد اللہ بن عباسؓ فرمایا کہ یقیناً
 یہ آیت دو عیدوں کے دن نازل ہوئی
 تھی۔ جمعہ کا دن تھا اور عرفہ کا
 دن تھا۔

رہا اس حدیث کا مضمون جسے طارق بن شہاب و قبیصہ بن ذویب اور
 محمد بن کعب قرظی نے حضرت عمرؓ اور یہودی کے مکالمہ کے طور پر اور عمار بن ابی عمار
 نے حضرت ابن عباسؓ اور یہودی کے مکالمہ کے طور پر نقل کیا ہے تو یہ سراسر
 باطل اور اس المناک حقیقت کی دلیل ہے کہ ان راویوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد
 "اليوم اكملت لكم" کو اس کے سیاق و سباق کے ساتھ مطالعہ کرنے
 اور اس آیت کو سمجھنے کی طرف ذرا بھی دھیان نہیں دیا تھا جس میں یہ ارشاد
 مذکور ہے۔

یہ ارشاد کو مستقل آیت نہیں ہے بلکہ ایک آیت کے درمیان کا ٹکڑا ہے۔
 وہ سورۃ المائدہ کی تیسری آیت ہے۔ ناظرین قرآن کریم میں پڑھ لیں وہ حُصَّتْ
 عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ سے شروع اور "فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غُحْيَتُكُمْ" پر ختم
 ہوئی ہے۔ اس آیت کے آغاز میں ان جانوروں کا ذکر ہے جن کا گوشت کھانا
 حرام ہے اس کے بعد فرمایا ہے "اليوم يبس الذين كفروا من دينكم
 فلا تخشوهم واخشوكم ط" اليَوْمِ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ
 عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْرَصَةٍ
 غَيْرِ مَتَجَانِفٍ لِّإِيْمَانِهِ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

سورۃ المائدہ کے نزول کا آغاز سحہ میں عمرۃ القضاء سے پہلے ہوا تھا
 اس کے آغاز میں اہل ایمان کو خطاب کر کے ان معاصیوں کو دُعا کرنے کا حکم

دیا ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبائل عرب سے کئے تھے خصوصاً
 ناجنگی کا وہ دس سالہ معاہدہ جو ۱۰ھ میں بمقام حدیبیہ مشرکین مکہ سے
 ان ہی کی پیش کردہ شرائط پر منعقد فرمایا تھا۔ اس حکم کی وجہ یہ تھی کہ فتح خیبر
 کے بعد محمد اللہ مسلمانوں کو زبردست قوت و شوکت حاصل ہو چکی تھی اور ممکن تھا کہ
 اس قوت و شوکت کے پیش نظر مسلمانوں کو یہ خیال ہونے لگے کہ وہ معاہدے
 اس وقت کے ہیں جب ہم اتنے قوی و زور آور نہ تھے۔ اب کیا ضرورت ہے کہ
 ہم ان سیاسی مصلحتوں پر مبنی معاہدوں کا لحاظ رکھیں۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد نے اس متوقع دوسرے کو سر اٹھانے سے پہلے ہی
 کچل دیا اس کے بعد بتایا کہ چند مشتتہ جانوروں کے علاوہ سبزی خوردنی پائے
 تمہارے لئے حلال ہیں مگر حالت احرام اور حدود حرم میں تمہیں شکار کرنا
 جائز نہیں ہے پھر فرمایا کہ مقامات مقدسہ کی حرمت محترم مہینوں کی حرمت
 قربانی کھیلنے جانے والے جانوروں کی حرمت حتیٰ کے ان کے گلوں میں
 پڑے ہوئے پٹوں کی حرمت اور زیارت حرم کے لئے سفر کرنے والوں کی
 حرمت ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے اور یہ جائز نہیں ہے کہ مشرکین مکہ سے
 بغض و عداوت جنہوں نے تمہیں مسجد حرام کی زیارت نہ کرنے دی تھی۔
 تمہیں معاہدہ کی خلاف ورزی پر آمادہ کر دے۔

اس کے بعد تیسری آیت میں ان مشتتہ جانوروں کا ذکر فرمایا ہے جن کا
 گوشت کھانا حرام ہے۔ یہ تیسری آیت ہے اسی کے ضمن میں اپنی یہ نعمت
 یاد دلانی کہ مشرکین کو دین اسلام کے سرسبز نہ ہو سکنے کی جو آس
 لگی ہوئی تھی اپنا دم توڑ چکی ہے اور اصول و فروع کے لحاظ سے تمہارا
 دین اپنے کمال کو پہنچ چکا ہے۔ اس طرح تم پر اللہ کا یہ انعام پورا ہو چکا ہے

اب تمہیں اس پورے دین کے تحت زندگی گزارنا اور ہمیشہ اپنے رب کا فرمانبردار رہنا ہے۔ یہ ہی روش تمہارے لئے پسندیدہ ہے۔ اس جملہ معترضہ کے بعد مضمون بالا کا تنمہ ارشاد ہوا ہے کہ یہ جانور جن کا گوشت کھانا تمہیں حرام ہے حالت اضطرار میں بقدر ضرورت ان کا گوشت تناول کر لینے کی رخصت ہے اس کے بعد چوتھی آیت میں **الْأَمْذَكِيَّتُمْ** کا تنمہ ارشاد ہوا ہے **الْأَمْذَكِيَّتُمْ** تیسری آیت میں آیا ہے۔

یہ ہم فسق آیات ایک ہی سلسلہ کی ہیں اور ان کا نزول اس وقت ہوا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ عمرہ القضاء کے لئے تشریف لے جانے والے تھے۔ جب حقیقت یہ ہے تو اس بے ہودہ بکواس کی کیا تک ہے کہ **«الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا»** کا نزول نہ ہو۔ میں نوین ذی الحجہ کو عرفات میں ہوا تھا۔ طارق بن شہاب و قبیصہ بن ذویب و محمد بن کعب قرظی کی ذکر کردہ کہانی بھی قطعاً غلط ہے۔ اور عمار بن ابی عمار کی بیان کردہ کہانی بھی باطل ہے نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہی تھی نہ حضرت ابن عباس نے۔

ان یا وہ گورادویوں نے معلوم کس سے سنی ہوئی یہ غلط کہانی تو روایت کر ڈالی اور یہ نہ سوچا کہ اس سے لازم آتا ہے کہ تقریباً تین سال تک مسلمان اس آیت کو ناقص پڑھتے رہے ہوں۔ یعنی اس میں **«فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ»** کے بعد **«فَمَنْ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ»** پڑھا جاتا ہو کیونکہ ان راویوں کے بقول **«الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ»** کا تو نزول ہوا ہی نہ تھا۔ اور اسی ناقص طور سے لکھنے والوں نے یہ آیت لکھی ہو پھر نوین ذی الحجہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

انہیں بتایا ہو کہ اس آیت کے درمیان میں یہ اضافہ کر لو۔ اور ایسا ہوا ہوتا تو ضرور منقول ہوتا حالانکہ صحیح تو کیا کسی ضعیف روایت میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے۔ نہ ہی ان راویوں نے یہ سوچا کہ اس آیت میں "اليوم اکملت لکم دینکم" سے پہلے متصل "اليوم ينس الذین کفروا من دینکم فلا تخشوهم واخشون" آیا ہے۔ اور دونوں ارشاد ہم نسق ہیں۔ جب ارشاد اول یعنی "اليوم ينس الذین کفروا" سنہ میں نازل ہوا ہے۔ تو ارشاد ثانی یعنی "اليوم اکملت لکم" کو سنہ میں نازل شدہ قرار دینے کی کیا تک ہے۔

⑤ طارق بن شہاب کی روایت کردہ حدیث

عبداللہ بن مسعود جو غزوہ بدر سے متعلق ہے

طارق کا بیان ہے	میں نے عبداللہ بن مسعود کو سنا وہ کہہ رہے
سمعت عبد اللہ بن مسعود یقول	تھے کہ میں نے مقداد بن اسود کو کندی
شهدت من المقداد بن الاسود	رضی اللہ عنہ کا وہ (رشک انگیز) مقام
مشهد الان اکون صاحبہ احباً	دیکھا ہے کہ میرا اس مقام کا صاحب
الی فما عدل به الی النبی صلی اللہ	ہونا ہر اس عمل خیر سے مجھے زیادہ پسندیدہ
علیہ وسلم وهو یدعو علی المشرکین	ہے جو خیر و خوبی میں اس کا ہم وزن قرار
فقال لانقول کما قال قوم موسیٰ	دیا گیا (یعنی کاش) وہ مقام بلند مجھے
اذهب انت وربک فقاتلا وکننا	بھی حاصل ہوتا مگر وہ تو مقداد کے ہی
نقاتل عن یمینک وعن شمالک	نصیب میں تھا) مقداد (بدر کے دن
وبین یدیک وخلفک	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
فرایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم	آئے جب کہ آپ مشرکین کے حق میں

اشرق وجہہ و مسرہ بدعا فرما رہے تھے (اور مسلمانوں کی مدد و کامیابی کی دعا مانگ رہے تھے) پس مقداد نے کہا یا رسول اللہ ہم نہیں کہیں گے جیسا کہ حضرت موسیٰ کی قوم نے ان سے کہہ دیا تھا کہ تو اور تیرا خدا جا کر دونوں عمالقہ سے لڑ لو لیکن ہم آپ کے دائیں اور آئیں بائیں اور آپ کے سامنے اور آپ کے پیچھے کفار سے جنگ کریں گے۔ عبد اللہ بن مسعود نے کہا میں نے دیکھا کہ مقداد کی بات نے آپ کو خوش کر دیا اور آپ کھڑے ہوئے اور مسرت سے دیکھ اٹھا۔ (صحیح بخاری ص ۴۶ کتاب المغازی - غزوة بدر)

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ کاش میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اولوالعزمی کی یہ بات کہی ہوتی اور اسی انداز سے آپ کو تسلی دی ہوتی اور وفاد جاں نشاری کا یقین دلایا ہوتا۔

یہ حدیث روایت کر کے طارق بن شہاب نے حضرت مقداد بن اسود کندی رضی اللہ عنہ کی منقبت بیان کی تھی لیکن حضرت مقداد کی جلالت قدر اس جھوٹی منقبت کی محتاج نہ تھی۔ میں اسے جھوٹی منقبت اس لئے کہہ رہا ہوں کہ بنی اسرائیل کا یہ واقعہ کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت اور فتح و ظفر کا یقین دلانے کے باوجود اس قوم نے بڑے شرمناک بزدلی کا مظاہرہ کیا اور کفار عمالقہ سے جہاد کے لئے آمادہ نہ ہوئے اور منہ بھاڑ کر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہہ دیا کہ تو اور تیرا رب دونوں جا کر جنگ کر لو ہم یہیں (تمہاری فتح کے انتظار میں) بیٹھے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ میں ذکر فرمایا ہے۔ اسی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو اور بعد کے مسلمانوں کو یہ واقعہ معلوم ہوا ہے۔ اور بلاشبہ سورۃ المائدہ جنگ بدر کے تقریباً ۱۵ برس بعد نازل ہوئی ہے پھر سہ میں مقداد بن اسود کو قرآن کا بیان فرمودہ یہ قصہ قرآن کے الفاظ میں کیسے معلوم ہو سکتا تھا اور اپنی اور مسلمانوں کی وفاداری و جاں نشاری کا ذکر کرتے ہوئے اس قصہ کا حوالہ کیسے دے سکتے تھے

اور یقیناً یہ غلط بات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نہیں کہی یہ طارق بن شہاب کی ہی دروغ بانی ہے۔ اور سخت حیرت و افسوس ہے کہ امام بخاری تک بھی کسی راوی نے اس پر غور نہیں کیا اور امام بخاری نے بھی اس جھوٹی روایت کو درج صحیح کر دیا (۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت میں ایک موضوع حدیث (در جھوٹا قصہ جو صحیح بخاری میں حضرت براؤ بن عازب سے مروی ہے)

امام بخاری نے عبید اللہ بن موسیٰ عسیٰ اپنی سے اس نے اسرائیل بن یونس سے اس نے اپنے دادا ابواسحاق سبیعی سے اس نے حضرت براؤ بن عازب سے روایت کی ہے کہ حضرت براؤ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ ذی قعدہ اعتہموا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ذی القعدہ فابی اهل مکة ان یدعوہ یدخل مکة حتی قاضاھم علی ان یقیم بہا۔ ثلاثۃ ایام۔ فلما کتبوا الکتاب کتبوا ہذا اما قاضی علیہ ما محمد رسول اللہ۔ قالوا لا نقربہ ہذا لو نعلم انک رسول اللہ ما منعناک شیئا ولکن انت محمد بن عبد اللہ فقال انا رسول اللہ وانا محمد بن عبد اللہ ثم قال لعلی الخ رسول اللہ قال علی واللہ لا احوک ابدا فاخذ

اللہ میں عمرہ کا احرام باندھا (جب مقام حدیبیہ پہنچے) تو کفار مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا یہاں تک کہ آپ نے ان سے معاہدہ کیا کہ آپ مکہ میں صرف تین دن رہیں گے (صحیح بات یہ ہے کہ دس سال تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہوا اور اس معاہدہ کی ایک دفعہ یہ تھی کہ اس سال اہل اسلام یہیں سے واپس ہو جائیں مکہ نہ جائیں۔ آئندہ سال آسکتے ہیں اس شرط پر کہ بس تین دن مکہ میں ٹھہریں گے) پس جب لکھنے والوں نے یہ معاہدہ لکھا تو لکھا "یہ وہ معاہدہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 الکتاب ولس یحسن
 یکتب فکتب هذا
 ما قاضی محمد بن
 عبد اللہ لا یدخل
 مکة السلا ح
 الا السیف فی القراب
 وان لا ینخرج من
 اهلها باحد ان اراد
 ان یتبعه والی
 لا یمنع من اصحابه
 احدا ان اراد ان یتقیم بها
 فلما دخلها ومضی
 الا حل الواعدا فقالوا
 قل لصاحبک اخرج
 عنا فقد مضی الا حل

جو محمد رسول اللہ نے مکہ والوں سے کیا ہے
 مکہ والوں نے اس پر اعتراض کیا کہ ہم یہ بات
 نہیں مانتے اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے
 رسول ہیں تو (آپ کی مخالفت نہ کرتے)۔
 آپ سے کسی چیز کو دریغ نہ رکھتے لیکن آپ
 محمد بن عبد اللہ میں (لہذا یہی لکھوائیں)۔
 آپ نے فرمایا میں اللہ کا رسول بھی ہوں اور
 عبد اللہ کا بیٹا بھی ہوں (لہذا تمہاری بات
 ماننے لیتا ہوں) پھر آپ نے حضرت علی سے
 (جو معاہدہ کے کاتب تھے) فرمایا تم اس جملہ
 میں سے لفظ رسول اللہ قلم زد کر دو۔ علی نے
 کہا بخدا میں ہرگز ایسا نہ کروں گا تب آپ نے
 وہ تحریر لی اور باوجودیکہ آپ اچھی طرح
 لکھ نہ سکتے تھے آپ نے اس میں محمد رسول اللہ
 کی جگہ محمد بن عبد اللہ لکھ دیا (پس معاہدہ کا
 مضمون یہ ہوا کہ یہ وہ معاہدہ ہے جو
 محمد بن عبد اللہ نے اہل مکہ سے کیا ہے کہ وہ اور اہل مکہ دس سال تک باہم جنگ
 نہ کریں گے۔ دیگر قبائل میں سے جو قبیلہ مکہ والوں کے ساتھ ہو گا اس سے بھی اہل
 اسلام جنگ نہ کریں گے۔ اور جو قبیلہ مسلمانوں کے ساتھ ہو گا اس سے اہل مکہ اور ان کے
 حلیف قبائل جنگ نہ کریں گے۔ اور اس سال اہل اسلام مکہ میں داخل نہ ہوں گے
 آئندہ سال آسکتے ہیں بشرطیکہ صرف تین دن مکہ میں ٹھہریں اور) مکہ میں ہتھیار لے کر
 داخل نہ ہوں بس تلواریں ہوں وہ پرتلوں میں اور یہ کہ مکہ والوں میں سے جو شخص
 ان کی پیروی کرنا چاہے اسے اپنے ساتھ نہ لے جائیے (نہ اپنے یہاں رہنے دیں)

اور اہل اسلام میں سے جو شخص مکہ میں رہنا چاہے اسے نہ روکیں۔ پس جب (آئندہ سال یعنی ذی قعدہ ۱۰ھ) میں آپ اپنے اصحاب کے ساتھ عمرۃ القضاء کیلئے تشریف لے گئے اور مکہ میں داخل ہوئے اور مدت مقررہ گزر گئی یعنی تین دن ہو گئے تو اصل مکہ نے حضرت علی سے آکر کہا اپنے صاحب یعنی بنی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دو کہ

ہمارے یہاں سے نکل جائیں کیونکہ مدت پوری ہو چکی ہے۔

فخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فنبعثہ ابنۃ حمزۃ تنادی یا عم یا عم فتننا ولہا علی فاخذ بیدہا وقال لفاطمۃ دونک ابنۃ عمک حملتہا (حملتہا)

پس بنی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے روانہ ہوئے تو حضرت حمزہ کی بیٹی اسے چا اے چپا پکارتی ہوئی آپ کے پیچھے لگ گئی بنی نے اسے اپنے قبضہ میں کر لیا اس کا ہاتھ پکڑا اور حضرت فاطمہ سے کہا اپنے چچا کی بیٹی کو سنھا لو میں نے اسے سوار کر دیا۔ فاطمہ نے اسے اپنے پاس سوار کر لیا۔ حملتہا اس کی کفالت کے بارے میں علی اور زید بن حارثہ و جعفر بن ابی طالب میں بحث ہوئی علی نے کہا میں نے اسے مکہ سے لیا ہے اور یہ میرے چچا کی بیٹی ہے جعفر نے کہا میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میری بیوی ہے اور زید نے کہا کہ یہ میری بھتیجی ہے (یہ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ میں صحابہ کرام کے درمیان مواخات کی تھی تو حضرت حمزہ و حضرت زید کو بھائی بھائی قرار دیا تھا) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ جعفر کے حق میں کیا اور فرمایا کہ خالہ ماں کے

فاختصم فیہا علی وزید و جعفر قال علی انا اخذتہا وھی بنت عمی وقال جعفر ابنۃ عمی وخالۃما تحتی وقال زید ابنۃ اخی۔ فقضى بہا السنۃ صلی اللہ علیہ وسلم لخالۃما وقال الخالۃ بمنزلۃ الامم وقال لعلی انت مینی وانا منک وقال لجعفر اشبهت خلقی وخلقى وقال لزید انت اخونا ومولانا۔ (صحیح بخاری ص۔

(۳۷۲ کتاب الصلح و ص ۶۱ کتاب المغازی عمرۃ القضاء)

مرتبہ میں ہے۔ اور آپ نے علی سے کہا تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔
 اور جعفر سے کہا تو صورت و سیرت میں میرے مشابہ ہے اور زید سے فرمایا ہمارا بھائی
 اور ہمارا آزاد کردہ ہے۔

اس حدیث پر نکلام کرنے سے پہلے میں عبید اللہ بن موسیٰ عیسیٰ کا تعارف کر دینا
 چاہتا ہوں جس سے امام بخاری نے یہ حدیث سنی تھی۔ عبید اللہ بن موسیٰ عیسیٰ
 کثیر الحدیث شخص تھا۔ کثرت احادیث کی بنا پر اس کا شمار حافظان احادیث میں
 ہوتا ہے۔ اسے دیکھنے اور چند روز اس سے ملاقات کیلئے آنے والوں پر اس کے
 علم اور زہد و عبادت و نفس کا بڑا گہرا اثر پڑتا تھا۔ اور وہ اس کے عقیدت مند بن جاتے
 تھے لیکن شیعہ فکر و نظر کا حامل اور اس میں غلو و کج روی میں مبتلا تھا۔ یعقوب بن سفیان
 نے اس کے متعلق کہا ہے: ”شیعی و ان قائل رافضی لم ینکر علیہ مکر الحدیث (وہ شیعہ ہے اور ان کو اسے رافضی بتا دے
 تو میں اس کی تردید نہ کروں گا اور وہ غلط بیان نہیں ہے۔)“ اواسیٰ جو زحانی کا قول ہے عبید اللہ بن موسیٰ
 عیسیٰ واسوا کمذہبا و امروا للعجائب۔ عبید اللہ مسک کے لحاظ سے بہت برا اور غلو کا راوی عجیب
 یعنی غیر منقول روایات کو کثرت سے بیان کرنے والا ہے۔ حافظ ابو مسلم بغدادی نے کہا ہے: ”عبید اللہ بن موسیٰ
 عیسیٰ من المبتدعیین تو کہہ احمد الشیخ۔ عبید اللہ ان روایوں میں سے ہے جن کی
 بیان کردہ حدیثوں کو اہل حق نے قبول کرنا چھوڑ دیا ہے۔ امام احمد نے اس کے غالی شیعہ یعنی رافضی ہونے کی
 وجہ سے اسے چھوڑ دیا یعنی اس کی روایات کو ناقابل قبول قرار دے دیا تھا۔“ اس کی تحقیق یہ ہے۔ عبید اللہ
 صدوقا کانت یغیر طغی الشیخ (تہذیب التہذیب)

امام بخاری اوائل طلب میں اس کے پاس گئے اور اس سے حدیثیں سنی اور یاد
 کی تھیں۔ اس کے زہد و تعبد اور کثرت روایات سے بخاری بھی فریب کھا گئے۔
 یہ حدیث عبید اللہ بن موسیٰ نے بخاری کو ایسی تبلیہ اور عیاری کے ساتھ سنائی
 تھی کہ بخاری اسے برابر بن عازب رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث صحیح گمان کر بیٹھے
 اور اپنی کتاب میں اسے ثبت کر دینے کی غلطی کر گزرے۔

واضح رہے کہ کتاب المغازی باب عمرة القضاء میں امام بخاری نے اس حدیث کے
 آخر میں ذکر کیا ہے: ”قال علی الا تتزوج ابنة حمزة؟ قال انها ابنة
 اخی من الرضاة (صحیح بخاری ص ۶۱۰)“

یعنی حضرت علی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، آپ حمزہ کی بیٹی سے شادی کیوں نہ کر لیں؟ فرمایا کہ وہ رضائی رشتہ سے میری بھتیجی ہے۔ اسلئے مجھے اس سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

پس بخاری کی روایت کے مطابق عبید اللہ بن موسیٰ کی بیان کردہ یہ حدیث تین حدیثوں پر مشتمل ہے (۱) صلح حدیبیہ کا قصہ (۲) جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے روانہ ہوئے تو حمزہ کی بیٹی کا یا عسّم یا عسّم پکارتے ہوئے آپ کے پیچھے لگ جانا علی کا اسے پکڑ کر حضرت فاطمہ کے حوالہ کر دینا پھر حضرت علی و جعفر و زید بن حارثہ کا اس کی کفالت کے متعلق اپنا اپنا دعویٰ پیش کرنا آپ کا جعفر کے حق میں اس کی کفالت کا فیصلہ فرمادینا اور علی سے انت منی وانا منک۔ جعفر سے اشہبہا خلقی وخلقى اور زید سے انت اخونا و مولانا فرمانا (۳) حضرت علی کا آپ سے درخواست کرنا کہ حمزہ کی بیٹی کو اپنی زوجیت میں لے لیں اور آپ کا یہ فرمانا کہ رضائی رشتہ سے میری بھتیجی ہونے کی وجہ سے وہ میرے لئے جائز نہیں ہے۔

عبید اللہ بن موسیٰ نے یہ تینوں حدیثیں بخاری کو ایک ہی سیاق و سبب کے ساتھ سنائی تھیں جس سے بخاری نے سمجھ لیا کہ تینوں قصوں پر مشتمل یہ ایک ہی حدیث ہے جو برابر بن عازب صحابی سے مروی ہے۔

اور امام بخاری کے علاوہ محمد بن سعد اور حافظ احمد بن حازم بن ابی غرزہ غفاری نے بھی عبید اللہ بن موسیٰ سے یہ حدیث روایت کی ہے مگر ان دونوں کی روایت میں صلح حدیبیہ کا قصہ نہیں ہے۔ ابن سعد کی روایت یہ ہے "اخبرنا عبید اللہ بن موسیٰ عن اسرائیل عن اسحاق عن صبیحة و ہانی بن ہانی عن علی و عن ابی اسحاق عن البراء بن عازب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لزین بن حارثہ فی حدیث ابنہ حوزة انت اخونا و مولانا (طبقات ابن سعد ص ۴۶ ذکر زید الحب طبع لیڈن)

یعنی عبید اللہ بن موسیٰ نے محمد بن سعد کو حضرت حمزہ کی بیٹی کا قصہ سنایا کہ اس کی

کفالت کے متعلق جب آپ نے حضرت جعفر کے حق میں فیصلہ فرمایا اور حضرت علی وزید کا دعویٰ رد کر دیا تو آپ نے زید کے متعلق انت اخونا و مولانا فرمایا تھا۔ عبید اللہ نے ابن سعد کو بتایا کہ یہ حدیث ابواسحاق سبعی کی روایت کردہ ہے جو ابواسحاق کو تین شخصوں سے پہنچی تھی۔ (۱) ہبیر بن یزید (۲) اور صفانی بن صفانی سے ان دونوں نے خود حضرت علی سے اس کی روایت کی تھی (۳) برابر بن عازب صحابی سے۔

احمد بن حازم کی روایت یہ ہے حدثنا عبید اللہ بن موسیٰ عن اسرئیل عن ابی اسحاق عن صفانی بن صفانی عن علی رضی اللہ عنہ قال اتبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا و جعفر وزید فقال لزیید انت اخونا و مولانا فحجل وقال لجعفر اشیہت بخلقی و خلقی فحجل ورا و حجل زید ثم قال لی انت منی وانا منک فحجلت ورا و حجل جعفر (سنن بیہقی ۱۰ ص ۲۲۶ کتاب الشہادات)

یعنی حضرت علی نے بیان کیا کہ (دختر حمزہ کی کفالت کا جعفر بن ابی طالب کے حق میں فیصلہ فرمانے کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ سے فرمایا انت اخونا و مولانا۔ یہ سن کر فرط مسرت سے زید نے رقص کیا۔ پھر آپ نے جعفر سے اشیہت بخلقی و خلقی کہا تو وہ ناچے پھر نبھ سے انت منی وانا منک فرمایا تو میں نے رقص کیا۔ اور عبید اللہ بن موسیٰ کے علاوہ اسرئیل بن یونس سے یہ حدیث اسود بن عامر یحییٰ بن آدم حجاج بن محمد اور اسماعیل بن جعفر نے بھی روایت کی ہے ان میں سے کسی کی روایت میں صلح حدیبیہ کا قصہ نہیں صرف حضرت حمزہ کی بیٹی کا قصہ مذکور ہے۔

اسود بن عامر کی اسناد یہ ہے ”ابنا اسرئیل عن ابی اسحاق عن صفانی بن صفانی عن علی۔ اور متن بعینہ وہ ہے جس کی روایت احمد بن حازم نے عبید اللہ بن موسیٰ سے کی ہے۔ اس میں زید و جعفر و علی رضی اللہ عنہم کے ناپنے کا ذکر ہے (مسند احمد ص ۱۰۸)

یحییٰ بن آدم کی روایت یہ ہے حدیثنا اسرائیل عن ابی احمق
 عن هانی بن هانی وهبيرة بن يريم عن علي رضي الله عنه قال
 لما خرجنا من مكة اتبعتنا ابنة حمزة تنادي يا عم يا عم قال
 قتنا ولتھا بیدھا فدفعتهما الی فاطمة فقلت دوک ابنة عمک
 قال فلما قدمنا المدينة اختصمنا فیہا انا وجعفر وزید بن
 حارثة فقال جعفر ابنة عمی وخالتھا عندی یعنی اسماء بنت
 عمیس۔ وقال زید ابنة اخي وقلت انا اخذتها وصی ابنة عمی
 فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اما انت يا جعفر فاشبهت خلقی
 وخلقی واما انت يا علی فمئی وانا منك واما انت يا زید فاخونا
 ومولانا۔ والجارية عند خالتھا فان الخالة والسدة
 (اے بمنزلۃ الوالدۃ) قلت یا رسول اللہ الا تزوجھا قال
 انھا ابنة اخي من الرضا ع (مسند ۱ ص ۹۸)

حجاج کی اسناد بھی یہی ہے اور متن بھی تقریباً یہی ہے (مسند ص ۱۱۵)
 اسود و یحییٰ بن آدم و حجاج بن محمد تینوں سے امام احمد نے روایت کی ہے
 اسماعیل بن جعفر کی اسناد و متن بھی یہی ہے اس کی تخریج ابوداؤد
 نے کی ہے۔ (سنن ابی داؤد۔ کتاب الطلاق آخر باب من الحق بالولد)
 پس اسرائیل کے اس حدیث میں پانچ تلامذہ ہیں۔ (۱) اسود بن عمار
 (۲) یحییٰ بن آدم (۳) حجاج بن محمد (۴) اسماعیل بن جعفر اور (۵) عبید اللہ
 بن موسیٰ۔ اول الذکر چار اشخاص کی روایت میں بس دختر حمزہ کا ذکر ہے صلح حدیبیہ کا نہیں اور
 ان کی اسناد بتاتی ہے کہ ابواسحاق کو دختر حمزہ کا یہ قصہ حبیبہ بن یزید
 اور صالح بن صالح سے معلوم ہوا تھا۔ اور یہ دونوں شخص غیر ثقہ ضعیف و مجروح
 اور رافضی ہیں۔ دونوں نے متعدد اناپ شناپ باتیں حضرت علی کی طرف
 منسوب کر کے لوگوں میں پھیلانے کا جرم کیا ہے۔ عبید اللہ بن موسیٰ نے

اپنے رفض و بد اعتقادی کو زہر و تعبّد اور تقیہ کے ذریعہ چھپانے کی بیخ گوش کی تھی اور وہ اس بات سے واقف تھا کہ اہل علم ہبیسرہ بن یریم اور ہانی بن ہانی کو غیر ثقہ سمجھتے ہیں مگر ان کی روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے انت منی وانا منک فرمایا تھا۔ عبید اللہ نے اسے صحیح ثابت کرنے کی غرض سے دو طرح کی تلبیس کی تھی۔ ایک یہ کہ ہبیسرہ اور ہانی نہ نکلا تھے حضرت برادر بن عازب کا بھی ذکر کر دیا چنانچہ اس نے محمد بن سعد کو یہی بتایا تھا کہ ابواسحاق نے یہ دختر حمزہ کا قصہ حضرت برادر بن عازب سے بھی روایت کیا ہے اور ہبیسرہ بن یریم و ہانی بن ہانی سے بھی اور ان دونوں نے حضرت علی سے مقصد یہ تھا کہ ہبیسرہ و ہانی کے ضعیف و غیر ثقہ ہونے کو نظر انداز کر دیا جائے یہ سمجھ کر کہ جوابات ان دو ضعیف شخصوں نے بیان کی ہے وہی حضرت برادر بن عازب صحابی نے بھی بیان کی ہے۔ دوم یہ کہ اسناد سے ہبیسرہ و ہانی کا نام ہی سر سے حذف کر دیا اور ابواسحاق نے حضرت برادر بن عازب سے صلح حدیبیہ کے متعلق جو حدیث روایت کی ہے اور ابواسحاق نے ہبیسرہ و ہانی سے دختر حمزہ کے متعلق جو حدیث روایت کی ہے دونوں کو ملا کر ایک حدیث برادر بن عازب کی بیان کردہ حدیث بنا دیا۔ امام بخاری کو عبید اللہ نے یہ ہی دھوکا دیا تھا۔

امام بخاری کے علم میں اسرائیل بن یونس کے دیگر تلامذہ کی روایات آگئی ہوں تو شاید وہ یہ دھوکا نہ کھاتے اور زکریا بن ابی زائدہ کی روایت نے تو عبید اللہ بن موسیٰ کی اس تلبیس کا پردہ قطعاً چاک کر دیا ہے۔ یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کہتے ہیں حدثنا ابی وغیرہ عن ابی اسحاق عن البراء بن عازب قال اقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکلمۃ ثلاثۃ ايام فی عمرۃ القضاء فلما کان الیوم الثالث قالوا لعلی بن ابی طالب ان هذا اخر لوم من شرط

صاحبک فہرہ فلیخرج۔ حضرت علی سے کہا کہ تمہارے صاحب کی از
فحد ثہ بذلک فقال نعم فخرج رُوئے معاہدہ مدت کا یہ آخری دن ہے
— قال ابواسحاق وحدثنی ان سے کہہ دو کہ یہاں سے نکل جائیں علی نے
ہانی بن ہانی وھبیرہ بن یریم آپ سے اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا اچھی بات ہے
عن علی بن ابی طالب قال فاتبعته چنانچہ آپ مکہ سے نکل گئے۔ ابواسحاق
ابنہ حمزہ تناوی یا عم یا عسم سببی نے کہا، اور مجھ سے ہانی بن ہانی
فتنا ولھا علی فاخذ بیدھا اور ہبیرہ بن یریم نے حضرت علی سے
وقال لفاطمۃ دونک ابنہ عھک روایت کر کے بیان کیا کہ حضرت علی نے فرمایا
فحبلتھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے روانہ ہوئے
فاختصم فیہا علی وزید بن حارثہ تو حمزہ کی بیٹی آپ کے پیچھے اے چچا
وجعفر بن ابی طالب۔ فقہ۔ سال اے چچا پکار رہی ہوئی لگ گئی رعلی نے
علی انا اخذتھا و بنت عھم قال اس کا ہاتھ پکڑ کے اسے لے لیا اور فاطمہ سے
جعفر بنت عھم و خال تھا عندی کہا اپنے چچا کی بیٹی کو لو۔ فاطمہ نے اسے
وقال زید ابنہ انی فقضی بہا اپنے ساتھ سوار کر لیا پس (مدینہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچنے پر) اس کے متعلق علی اور زید بن
لخال تھا وقال الخصالۃ بمنزلۃ حارثہ اور علی کے بھائی جعفر بن ابی طالب
الام وقال لزید انت اخونا نے کفالت کا دعویٰ کیا۔ علی نے کہا
ومولانا محجل وقال لجعفر میں نے اسے مکہ سے لیا ہے اور
انت اشبهہم بی خلقا و خلقتا میرے چچا کی بیٹی ہے۔ جعفر نے کہا
فمحجل و زار محجل زید ثم قال میرے چچا کی بیٹی ہے۔ اور میرے
لی انت منی وانا منک فمحجلت یہاں اس کی خالہ ہے اور زید نے
ورار محجل جعفر۔ قال وقلت کہا میری بھینچی ہے۔ نبی صلی اللہ
للبنی صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم نے خالہ کے حق میں

الاتزوج بنت حمزہ اقال اسکی کفالت کا فیصلہ فرمادیا اور فرمایا کہ
 انھا ابتداءً اخی من الرضا عتہ خالہ ماں کے مرتبہ میں ہے اور زید سے
 (سنن بیہقی ۸ ص ۲۸ کتاب النفقات) فرمایا انت اخونا و مولانا ،
 زید نے فرط مسرت سے رقص کیا اور جعفر سے فرمایا تم بنی ہاشم میں صورت
 و سیرت کے لحاظ سے سب سے زیادہ میرے مشابہ ہو اس پر جعفر نے
 رقص کیا پھر لہجہ سے فرمایا ” انت منی و انا منک “ میں نے بھی رقص کیا
 علی نے بیان کیا کہ نیز میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آپ
 حمزہ کی بیٹی سے شادی کیوں نہ کر لیں۔ فرمایا کہ وہ رضائی رشتہ سے میری
 بھینجی ہے۔

اس روایت سے روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ ابواسحاق نے
 دختر حمزہ کا قصہ ہبیرہ بن یریم و ہانی بن ہانی سے سنا تھا نہ کہ ہار بن
 عازب سے اور عبید اللہ بن موسیٰ عیسیٰ نے فریب دینے کی خاطر جھوٹ بول کر
 اسے ہار بن عازب کی طرف منسوب کر دیا تھا۔ اور عبید اللہ بن موسیٰ کی بیان کردہ
 یہ حدیث صحیح بخاری میں جگہ پانے کے لائق نہ تھی۔

(اس حدیث کے مضامین کا جائزہ)

عبید اللہ کی بیان کردہ یہ حدیث تین قصوں پر مشتمل ہے۔ صحیح و غلط کا ملغوبہ
 پہلا قصہ صلح حدیبیہ کا ہے جو جھوٹ اور سچ اور صحیح و غلط کا ملغوبہ
 ہے اس روایت میں جو کمیاں اور غلط بیانیاں ہیں اس کے ترجمہ میں جگہ جگہ
 بین القوسین میں نے ان کی تصحیح کر دی ہے۔ ان غلط بیانیوں کی تفصیل
 یہ ہے۔

(۱) عبید اللہ بن موسیٰ کی اس حدیث میں ہے۔ حتی قاضا ہم علی ان
 لقیم بجاننا لثلاثۃ ایام ، اس سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ حدیبیہ میں

کہن سین کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ سے اسی سال کیلئے مکہ میں داخل ہونے کی بات طے کر لی تھی بشرطیکہ تین دن سے زائد قیام نہ کریں۔ اور پرتلوں میں تلواروں کے علاوہ اور ہتھیار لے کر داخل نہ ہوں اور اہل مکہ میں سے کوئی ساتھ جانا چاہے تو اسے نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہنا چاہے تو اسے نہ روکیں۔ آپ نے یہ شرطیں مسطور فرمائیں اور مع اصحاب مکہ تشریف لے گئے۔ تین دن مکہ میں رہے اہل مکہ نے حضرت علی سے کہا کہ اپنے صاحب سے کہہ دو کہ مدت پوری ہو گئی لہذا یہاں سے چلے جائیں آپ نے ان کی بات مان لی اور مکہ سے نکل گئے۔

یقیناً یہ بات غلط ہے مکہ والوں سے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال تک کے لئے ناجنگی کا معاہدہ کیا تھا اس کے لئے انہوں نے متعدد شرطیں رکھی تھیں۔ ان میں سے ایک اہم شرط یہ تھی کہ اس سال اہل اسلام یہیں سے واپس چلے جائیں آئندہ سال آسکتے ہیں آپ نے انہیں ہر طرح سے سمجھایا کہ ہم ٹرائی کی غرض سے نہیں آئے ہم تو خانہ کعبہ کی زیارت کرنا اور لائے ہوئے جانوروں کی قربانی کرنا چاہتے ہیں عمرہ ادا کرتے ہی واپس ہو جائیں گے۔ لیکن مکہ والوں نے ایک نہ سنئی اور کہا اگر یہ بات آپ نہیں مانتے تو ہم صلح نہیں کر سکتے اور تمک جانیے کیلئے آپ کو ہماری لاشوں پر سے گزرنا ہوگا۔ آخر آپ نے ان کی یہ شرط مان لی اور حدیبیہ میں ہی قربانیاں کر کے سرمنڈوا کر اور احرام کھول کر واپس ہو گئے۔

(۲) عبید اللہ کی روایت میں ہے کہ اہل مکہ نے کہا تھا لو نعلم انک رسول اللہ — لو نعلم عربیت کے لحاظ سے غلط ہے صحیح لفظ لو علمنا ہے۔ (۳) اس میں ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح نامہ لکھا تھا سالانہ آپ اچھی طرح نہ لکھ سکتے تھے "هَذَا مَا قاضی محمد بن عبد اللہ لا یدخل الخ —

صحیح بات یہ ہے کہ آپ نے پوچھا تھا کہ رسول اللہ کہاں لکھا ہے آپ کو بتایا گیا تو آپ نے اس لفظ کو قلم زد کر دیا کیونکہ حضرت علی نے اسے قلم زد کرنے سے انکار کر دیا تھا اور پھر محمد بن عبد اللہ لکھوایا۔

(۴) یہ صلح نامہ چار دفعات پر مشتمل تھا۔ جیسا کہ میں نے بین القوسین لکھ دیا ہے۔ عبد اللہ نے ان میں سے بس کچھ عیسوی اور چوتھی دفعہ کا ذکر کیا ہے وہ بھی غلط کیونکہ چوتھی دفعہ یہ تھی کہ مکہ والوں میں سے کوئی شخص مدینہ مسلمان ہونے کے باعث چلا جائے تو اسے آپ اپنے پاس نہ رہنے دیں گے اور مسلمانوں میں سے کوئی شخص اسلام چھوڑ کر مکہ آجائے تو اسے ہم سے طلب نہ کریں گے۔ عبد اللہ نے اسے ٹھیک بیان نہیں کیا۔ (۵) عبد اللہ کی روایت میں ہے، "فلما دخلها ومضى الاجل،" سیاق روایت سے اس کا مطلب یہ نکل رہا ہے کہ حدیبیہ کے سال ہی ۶ میں آپ صلح نامہ کے مطابق مکہ میں داخل ہوئے، حالانکہ یہ غلط ہے۔ اس سال تو آپ صلح نامہ کے مطابق حدیبیہ سے ہی مدینہ واپس ہو گئے تھے ۶ میں عمرۃ القضاء کے لئے مع اصحاب مکہ تشریف لے گئے ہیں۔

زکریا بن ابی زائدہ نے ابواسحاق سے جو روایت کی ہے اس میں بھی صراحتاً مذکور ہے کہ مکہ میں آپ کا دخول اور تین دن قیام عمرۃ القضاء میں ہوا ہے یعنی ذی قعدہ ۶ میں۔

تعب ہے کہ ان مترج اعلاط کے باوجود امام بخاری نے عبد اللہ کی حدیث درج صحیح فرمادی لیکن ان غلط بیانیوں کا ذمہ دار عبد اللہ بن مسعود نہیں ہے کیونکہ جہن بن مسعود نے (مسند ۴ ص ۲۹) اور محمد بن یوسف فریانی نے بھی اس لفظ سے اسی طرح روایت کی ہے (سنن دارمی کتاب السیر) پس یہ غلط بیانیاں اسرائیل بن یونس کی ہیں۔

دوسرا قصہ دختہ حمزہ کا ہے کہ مکہ سے روانگی کے

وقت وہ یا عم یا عم پکارتی ہوئی آپ کے پیچھے ہوئی اور علی نے اسے حضرت فاطمہ کے حوالہ کر دیا پھر مدینہ پہنچنے پر اس کی کفالت کے تین دعوے دار ہوئے علی اور ان کے بڑے بھائی جعفر اور زید بن حارثہ آپ نے اس کا فیصلہ حضرت جعفر کے حق میں فرمایا کیونکہ ان کی بیوی اسماء بنت عمیس اس لڑکی کی خالہ

تھیں اور آپ نے تینوں حضرات کے متعلق ایک ایک بات کہی جسے سن کر ان پر
 وجد طاری ہو گیا اور فرط مسرت سے رقص کرنے لگے۔ علی سے آپ نے انت
 منی وانا منک، زید سے انت اخونا و مولانا۔ جعفر سے اشبهت بی خلقا
 وخلقاً فرمایا تھا۔ یہ قصہ ابواسحاق نے ہبیرہ بن یریم اور ہانی بن ہانی
 سے سنا تھا۔ جو قطعاً گھڑ ہوا اور شروع سے آخر تک محض جھوٹا ہے
 اسماء بنت عمیس اور سلمیٰ بنت عمیس دونوں بہنیں قدیمۃ الاسلام
 صحابیہ ہیں۔ اسماء کی شادی حضرت جعفر بن ابی طالب سے ہوئی تھی اور
 حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت جعفر کے ساتھ حبشہ ہجرت
 کر کے گئیں پھر مدینہ میں ان ہی کے ساتھ حبشہ سے مدینہ آئیں۔ اور
 حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ
 ہجرت فرما گئیں۔ حضرت حمزہ کی بیٹی جس کا اس روایت میں ذکر ہے۔ یقیناً
 سلمیٰ بنت عمیس کے بطن سے تھی۔ اس لڑکی کے والدین یعنی حضرت حمزہ
 و سلمیٰ نے جب مکہ سے ہجرت کی ہے تو کیا وہ اپنی کمسن بیٹی کو مکہ میں
 چھوڑ سکتے تھے! حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے
 ان کے بعد حضرت شداد بن الہاد و لیثی رضی اللہ عنہ سے سلمیٰ کا نکاح ہو گیا
 عبد اللہ بن شداد مشہور تابعی سلمیٰ کے بطن سے ہی پیدا ہوئے تھے
 اور شداد بن الہاد مہاجر صحابی ہیں بقول ابن سعد غزوہ خندق اور بعد کے
 تمام غزوات میں شریک رہے تھے۔

الغرض حضرت حمزہ کی یہ بیٹی جس کا اکثر محدثین نے عمارہ نام بتایا ہے
 حضرت حمزہ کے بعد باپ کے سایہ سے محروم ہو گئی تھی لیکن اس کی ماں سلمیٰ
 بنت عمیس تو موجود تھی۔ ماں کے ہوتے ہوئے خالہ کی کفالت کا سوال ہی
 نہیں اٹھتا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کے متعلق ہبیرہ بن یریم اور
 ہانی بن ہانی سے جو قصہ مروی ہے جس کی ان دونوں نے بقول ابواسحاق سیدی

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اس کے برخلاف خود حضرت علی سے نافع بن عجب نے روایت کی ہے۔ نافع بن عجب کا بیان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

خَرَجَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ إِلَى مَكَّةَ فَقَدِمَ بِابْنَةِ حَمْزَةَ فَقَالَ جَعْفَرُ ابْنُ أَخِي أَنَا أَحَقُّ بِهَا۔ ابْنَةُ عَمِّي وَخَالَاتُهَا عِنْدِي فَقَالَ عَلِيٌّ أَنَا أَحَقُّ بِهَا۔ ابْنَةُ عَمِّي وَعِنْدِي ابْنَةُ رَسُولِ اللَّهِ وَهِيَ أَحَقُّ بِهَا فَقَالَ زَيْدُ ابْنِ أَخِي أَنَا أَحَقُّ بِهَا أَنَا خَرَجْتُ إِلَيْهَا وَسَافَرْتُ وَقَدِمْتُ بِهَا فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ حَدِيثًا۔ قَالَ وَأَمَّا الْحَبَارِيُّ فَاقْضِ بِهَا لَجَعْفَرٍ تَكُونَ مَعَ خَالَاتِهَا إِنَّمَا الْحَالَةُ أُمُّ (سُنَنِ ابْنِ دَاوُدَ كِتَابُ الطَّلَاقِ بَابُ مَنْ أَحَقُّ بِالْوَلَدِ۔ حَدِيثُ ۳ سُنَنِ بَيْهَقِي ۸ ص ۱ كِتَابُ النِّفَاقَاتِ) یعنی زید بن حارثہ مکہ جا کر حمزہ کی بیٹی کو لائے تو جعفر نے کہا میں اسے اپنی کفالت میں لوں گا میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے گھر ہے علی نے کہا میں اس کا زیادہ مقدار ہوں میرے چچا کی بیٹی ہے اور رسول اللہ کی صاحبزادی میرے گھر ہے وہ اسے سنبھالنے کا زیادہ حق رکھتی ہے۔ زید نے کہا میں اس کا زیادہ مقدار ہوں میں ہی تو سفر کی مشقت اٹھا کر اسے لے کر آیا ہوں پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوئے۔ اس کے بعد حضرت علی نے پورا قصہ بیان کیا اس کے آخر میں یہ ہنسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لڑکی کی کفالت کا فیصلہ تو میں جعفر کے حق میں کرتا ہوں۔ خالہ تو ماں ہی ہے۔ سندِ اربعہ حدیثِ مقطوب ہے اور اس کا راوی نافع بن عجب مجہول الحال ہے اس پر بھی وہی اشکال وارد ہوتا ہے کہ دخترِ حمزہ کا مکہ میں رہ جانا غیر معقول ہے اور بالفرض وہ رہ ہی گئی تھی اور غمرۃ القضا کے بعد زید بن حارثہ اسے جا کر لائے تھے تو مدینہ میں اسکی والدہ سلمیٰ بنت عمیس تو موجود تھیں۔ ان کے ہوتے ہوئے خالہ کی کفالت بے معنی بات تھی۔

بہر کیف حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کا یہ قصہ نری غپ شپ ہے اور عبید اللہ بن موسیٰ نے تو اسے حضرت برادر بن عازب کی طرف منسوب کر کے کڑوا کر دیا پھر نیم چڑھا بنا دیا اور دروغ گوئی کو دو آتشہ کر دیا تھا۔

تیسرا قصہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ حضرت حمزہ کی بیٹی کو اپنی زوجیت میں لے لیں اور آپ نے یہ عذر فرما دیا تھا کہ وہ میرے لئے جائز نہیں ہے وہ رضاعی رشتہ سے میری بھینبی ہے۔ یہ قصہ صحیح ہے۔ حضرت علی سے اسکی روایت ابو عبد الرحمن سلمیٰ والوصالح نے بھی کی ہے۔ اور ام المؤمنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا وعبید اللہ بن عباس سے بھی یہ قصہ مروی ہے مگر ان دونوں کی حدیث میں حضرت علی کا ذکر نہیں ہے بس یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ حمزہ کی بیٹی کو زوجیت میں لے لیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث صحیح مسلم و سنن بیہقی میں ہے اور حضرت ابن عباس کی حدیث بخاری و مسلم و نسائی و ابن ماجہ وغیرہم نے تخریج کی ہے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال قبل پیدا ہوئے تھے، ابولہب کی کنیز ثویبہ نے انہیں دو دھ پلایا تھا پھر ثویبہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دو دھ پلایا۔ اور وہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی بھی رضاعی ماں تھیں۔ پس حضرت حمزہ و ابوسلمہ دونوں آپ کے رضاعی بھائی تھے اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ نسب کے لحاظ سے حضرت حمزہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔

⑤ **وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا فَلْيُقْضُوا إِلَيْهَا وَتَرْكُوكٌ قَائِمًا**
 کے شان نزول کے متعلق **حَدِيث**
جابر رضی اللہ عنہ جو فی الواقع مرسل اور بے اصل ہے

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے
 حدثنا معاوية بن عمرو قال حدثنا زائدة عن حصيين عن سالم بن
 أبي الجعد قال حدثنا جابر بن عبد الله قال بينما نحن نصلی مع النبی
 صلی اللہ علیہ وسلم إذ اقبلت غیر تحمل طعاما فالتفتوا الیہا حمت
 ما بقی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الاثنا عشر رجلا فتولت هذه الایة
 "وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً - الامیة (صحیح بخاری ص ۲۸ کتاب المجمع)
 باب اذا نفر الناس عن الامام فی صلوة المجمع (طبع السنہ)
 حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس دوران میں کہ ہم نبی صلی اللہ
 علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں تھے اچانک غلہ لیے ہوئے ایک تجارتی قافلہ آگیا
 سب نمازی اس کی طرف متوجہ ہو گئے (اور سجدے نکل گئے) یہاں تک کہ
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فقط بارہ شخص رہ گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی،
 اس روایت کی اسناد میں مذکور ہے کہ سالم بن ابی الجعد سے حضرت جابر
 نے یہ قصہ بیان کیا تھا یعنی سالم نے اسے حضرت جابر سے سنا تھا۔ اسی
 اسناد میں کے ساتھ امام احمد نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے (مسند ص ۳۷)
 نیز بخاری نے کہا ہے

حدثني حفص بن عمر قال حدثنا خالد بن عبد الله قال حدثنا
 حصيين عن سالم بن أبي الجعد وعن أبي سفيان عن جابر بن

عبداللہ قال اقبلت غیر یوم الجمعة ونحن مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فثار الناس الاثنی عشر رجلاً فانزل اللہ، واذ ارأوا الخ (صحیح بخاری ص ۲۲۷ کتاب التفسیر سورۃ الجمعہ خالد سے بواسطہ رفاعہ بن ہیشم واسطی امام مسلم نے اسی اسناد کی کتابت اس میں ہے فلم یبق الاثنا عشر رجلاً انا فیہم) (صحیح مسلم طبع الہند ص ۲۸۴)

جریر بن عبد الحمید نے بھی حصین بن عبد الرحمن سے یہ حدیث روایت کی ہے عن سالم بن ابی الجعد عن جابر بن عبد اللہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یخطب قائماً یوم الجمعة فجاءت غیر من الشام فانقل الناس الیہا حتی لم یبق الاثنا عشر رجلاً فانزلت ہذہ الامیۃ (صحیح مسلم ص ۲۸۴)

اور شمیم بن بشیر نے بھی قال اخبرنا حصین عن ابی سفیان وسالم بن ابی الجعد عن جابر بن عبد اللہ قال بنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم قائماً یوم الجمعة اذ قد مت غیر الی المدیۃ فابتد رھا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی لم یبق معہ الاثنا عشر رجلاً فیہم ابو بکر وعمر قال ونزلت ہذہ الامیۃ (صحیح مسلم ص ۲۸۴ سنن ترمذی ابواب التفسیر سورۃ الجمعۃ)

اور عبداللہ بن ادریس نے بھی عن حصین عن سالم بن ابی الجعد عن جابر قال قد مت غیر کثرۃ المدیۃ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخطب فخرج الناس وبق اثنا عشر فنزلت (مسند ص ۳۱۳)

پس حصین بن عبد الرحمن سے یہ حدیث زائدہ خالد بن عبد اللہ الطحان جریر بن عبد الحمید شمیم بن بشیر اور عبداللہ بن ادریس نے روایت کی ہو

ان پانچوں کی روایت میں متن و اسناد کے لحاظ سے اختلافات بجماعت کا اختلاف یہ ہے کہ زائدہ کی روایت کے مطابق تجارتی قافلہ کی آمد پر بارہ شخصوں کے علاوہ تمام صحابہ کرام نماز پڑھنے کی حالت میں آپؐ چھوڑ کر نماز توڑ کر نکل گئے تھے اور خالد و جبریر و عبد اللہ بن ادریس کی روایت کے مطابق خطبہ چھوڑ کر چلے گئے تھے اس وقت آپؐ خطبہ دے رہے تھے۔ اسی پر عثیم کی روایت ملحوظ ہے اس میں صراحتاً نہ خطبہ کا ذکر ہے نہ نماز کا بس یہ ہے کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تھے۔

امولاً چار ثقہ راویوں کے روایت ایک ثقہ کی روایت پر راجح ہے اور باور کرنا چاہیے کہ زائدہ کو وہم ہو گیا تھا کہ خطبہ کئے بجائے نماز کا ذکر کر دیا۔ اور اسناد کا اختلاف یہ ہے کہ زائدہ کی روایت کے مطابق سالم بن ابی الجعد نے حدیثنا جابرؓ کہا تھا پس سالم نے یہ حدیث حضرت جابر سے سنی تھی۔ لیکن خالد و جبریر و عثیم و ابن ادریس چاروں کی روایت میں عن جابر ہے جو اتصال و انقطاع دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔ پس یہ سمجھنا بے جا نہیں کہ جیسے زائدہ کو اس کے متن میں وہم ہو گیا تھا اسی طرح وہ اسناد میں بھی وہم کا شکار ہو گئے تھے کہ عن جابر کی بجائے حدیثنا جابر کہہ دیا۔ اور معلوم ہے کہ سالم بن ابی الجعد کثیر الارسال تابعی تھے۔ سالم نے حضرت عمرو عثمان و علی و ثوبان و عبد اللہ بن مسعود و ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور عمر بن عباس و ابوالدرداء و جابر بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہم سے حدیثیں روایت کی ہیں اور وہ سب مرسل ہیں سالم نے ان حضرات میں سے کسی سے کوئی حدیث نہیں سنی پس یہ حدیث بھی سالم نے حضرت جابر سے براہ راست نہیں سنی کسی نے ان سے بیان کر دی تھی موصوف نے اس کا نام ذکر نہیں کیا اور حصین کے تلامذہ میں سے عثیم و خالد بن عبد اللہ نے اس کی اسناد میں سالم بن ابی الجعد کے ساتھ ابوسفیان طلحہ بن نافع کا بھی ذکر کیا ہے لیکن ابوسفیان کی حضرت جابر سے

روایت کردہ اکثر احادیث مرسل ہیں شعبہ و علی بن المدینی نے کہا ہے کہ ابو ہریرہ نے حضرت جابر سے بس چار حدیثیں سنی تھیں۔

اس حدیث پر یہ تو روایت کے لحاظ سے کلام تھا۔ روایت کے لحاظ سے دیکھیے تو اس کے باطل ہونے میں شک نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ (الف) آیت شریفہ میں تَجَادَرَةُ اَوْلَہُوَا ہے۔ پس اگر یہ سمجھا جائے کہ اس میں ذکر مسلمانوں کا ہے جو جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے ہوئے چھوڑ کر مسجد سے باہر نکل گئے تھے تو ماننا پڑے گا کہ یہ حادثہ کم از کم دو بار پیش آیا تھا۔ ایک بار خطبہ کے دوران مسجد سے باہر غلہ فروش آگئے تھے

اور ایک بار مسجد سے باہر خطبہ کے وقت کھیل کود اور تفریح کا سامان ہو گیا تھا دونوں دفعہ مسجد میں خطبہ سننے والے مسلمان دیوانہ وار باہر نکل گئے۔ اور یقیناً یہ غلطی ہے لہذا یہ سمجھنا ہی غلط ہے کہ اس آیت میں مسلمانوں کا ذکر ہے۔

(ب) مدینہ دارالاسلام تھا۔ وہاں مسلمانوں کے علاوہ کوئی اور قوم نہ تھی اور سب ہی عاقل بالغ لوگ جمعہ میں حاضر ہوتے تھے اور جمعہ کی نماز مسجد نبوی کے علاوہ مدینہ میں اور کسی جگہ نہ ہوتی تھی اس لئے یہ اندیشہ نہ تھا کہ ہم تو یہاں مسجد میں ہیں ایسا نہ ہو کہ سارا غلہ دوسرے لوگ خرید کر لے جائیں اور جب ہم فارغ ہو کر مسجد سے باہر نکلیں تو ہمارے ہاتھ کچھ نہ آئے اس صورت حال میں مسلمانوں کا بے صبری کے ساتھ غلہ فروشوں کی آمد پر مسجد سے نکل جانا بالکل غیر معقول ہے۔

(ج) اس آیت سے پہلے اِٰمَنَ اِيْمَانًا کو خطاب کر کے ارشاد ہوا ہے "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُورِيَ لِيُصَلُّوۃً مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۚ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ ۚ وَادْكُرُوا لِلَّهِ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۚ"

اے اہل ایمان جمعہ کے دن نماز جمعہ کی اذان ہو تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یعنی اس وقت دینوی مشغلوں سے دست برداری تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو پس جب نماز سے فراغت ہو جائے تو اپنے مشاغل کے لیے زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا کچھ فضل تلاش کرو یعنی مال و رزق حلال حاصل کرنے کی دھڑ دھوپ کرو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو امید کہ تم فلاح پاؤ گے۔ اس کے بعد آیت **وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً** ہے اگر اس آیت میں بھی مسلمانوں کا ہی ذکر اور ان کے عملِ شنیع پر جس کا اس حدیث میں ذکر ہے انکار مقصود ہوتا تو **وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا** الفرض تم الیہا و ترکتم الرسول قائمًا، ہوتا یعنی خطاب کے صیغے لائے جاتے۔

(د) اس آیت میں مسلمانوں کا ذکر سمجھا جائے تو اس کا آیات سابقہ سے کوئی ربط نہیں رہتا۔ ایسی بے ربطی تو انسانوں کے کلام میں بھی نہیں ہوتی پھر اللہ تعالیٰ کے کلام میں اس کا کیا امکان ہے!

(هـ) اس حدیث میں صحابہ کرام کی طرف جو عملِ شنیع منسوب کیا گیا ہے۔ عصر حاضر کے جاہل مسلمانوں سے بھی اس کا صدور نہیں ہو سکتا صحابہ کرام کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ ان واضح وجوہ کے بنا پر میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث باطل ہے اور اس میں جو قصہ مذکور ہے قطعاً بے اصل ہے۔ جاہل داعطوں اور اناپ شناسپ بکنے والے راویوں نے قرآن کریم کی ہر آیت کا الگ الگ شان نزول بیان کرنے کی جو بے ہودہ بدعت تابعین و اتباع تابعین کے دور میں پھیلا دی تھی وہی اس قصہ کے گھڑنے کا باعث ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے اس آیت اور پوری سورۃ الجمعہ کی واضح تفسیر ہماری کتاب ”مفتاح القرآن“ میں پڑھنی چاہیے یہاں میں یہ بتانے پر اکتفا کرتا ہوں کہ اس آیت میں ذکرِ ہود کا ہے۔ اور **رَأَوْا**۔ **الْفُضُوءَا**۔ **تَرَكُوا** تینوں فعلوں کی ضمیر **كَانَ** **الَّذِينَ كَانُوا التَّوْرَةَ** کی طرف راجع ہے۔

مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر تک یہود کو اور اوس و خزرج کے ان لوگوں کو جو ہنوز مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے سمجھانے بھانے اور تبلیغ حق فرمانے کی غرض سے ان کے علاقوں اور محلوں میں تشریف لے جاتے تھے مگر یہود کا حال یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کے مجمع میں جا کر وعظ و نصیحت فرمانے میں مشغول ہوتے اور وہ معمولی معمولی بہانوں سے آپ کو تنہا کھڑا چھوڑ کر اس مجلس سے چھپت ہو جاتے کوئی پھیری میں بیٹھنے والا آگیا اٹھ کر سب اس کے پاس چلے گئے کسی بازگیر نے بانسری یا سپیرے نے بین بجانی شروع کر دی تو اس کے گرد آکر کھڑے ہو گئے جیسے چھوٹے اور کھیل کود کے دل دارہ بچے کیا کرتے ہیں مقصود ان کا کچھ خریدنا یا بازگیر کا تماشا دیکھنا نہیں بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہند و عظمت سننے سے بھاگنا ہوتا تھا۔ اس آیت میں یہود کی اسی نوعیت کا ذکر ہے۔

⑧ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنَةٌ

کے شان نزول کے متعلق عدی بن ثابت کی بیان کردہ حدیث

حدیث

امام بخاری کہتے ہیں حد ثنا ابوالولید قال ثنا شعبۃ عن عدی بن ثابت سمعت عبد اللہ بن یزید یحدث عن زید بن ثابت قال لما خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی احد رجع فاس من خرج معه وكان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرقتین فرقة تقول نقاتلهم وفرقة تقول لانقاتلهم فنزلت ،، فما لکم فی المنافقین فتنۃ واللہ اعلم بما کبروا ،، (ص ۵۸۰ غزوہ احد)

ہم سے ابو الولید (ہشام بن عبدالملک طرابلسی) نے بیان کیا کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا عدی بن ثابت سے روایت کر کے عدی نے کہا میں نے عبداللہ بن یزید خطمی سے سنا وہ زید بن ثابت سے روایت کر رہے تھے کہ حضرت زید نے کہا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم (مشرکین مکہ کا مقابلہ کرے کے لئے) احد کی طرف نکلے تو آپ کے ساتھ نکلنے والوں میں سے ایک گروہ راستہ سے واپس مدینہ چلا گیا۔ (یہ عبداللہ بن اخی کا گروہ تھا جو تین سواشخصاں پر مشتمل تھا ان کے جانے کے بعد مسلمان سات سو رہ گئے) اور ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب دو گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ کہتا تھا یہ واپس ہو جانے والے ہمارے دشمن اور دراصل کافر ہیں اس لئے ہمیں ان سے جنگ کرنی چاہیے اور ایک گروہ کہتا تھا کہ وہ کلمہ گو ہیں نماز پڑھتے ہیں اور اس گناہ کی وجہ سے کافر نہیں ہوئے لہذا ہمیں ان سے جنگ نہ کرنی چاہیے۔ اس پر یہ آیت اتری کہ اے مسلمانو تمہیں کیا ہوا کہ منافقین کے متعلق تم دو گروہ بن گئے ہو۔ یعنی تمہیں تو ان کے بارے میں یک رائے اور متحد الخیاں ہونا چاہیے۔ حالانکہ اللہ نے ان کی بد عملی کی وجہ سے انہیں اوندھے منہ گمراہی میں گرا دیا ہے۔

عبداللہ بن یزید خطمی کے صحابی و تابعی ہونے میں اختلاف ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے جنگ جمل و جنگ صفین میں حضرت علی سکاتھ تھے۔ عبداللہ بن زبیر کے زمانہ میں کوفہ کے امیر بھی رہے۔ عدی بن ثابت ان کا نواسہ تھا۔ عدی بن ثابت غلو کا رشتہ یعنی رافضی تھا۔ اور موقوف روایات کو مرفوع بیان کر دینے کا خوگر بہت سی صحیح حدیثیں بھی اس نے روایت کی ہیں ان ہی کی وجہ سے کچھ لوگوں نے اسے شیعہ قرار دیا ہے اور رافضی ہونے کی وجہ سے حضرت علی اور ان کی آل کے متعلق بے سرو پا روایات بھی اس نے ذکر کی ہیں۔ بقول ابوجاتم شیعوں کی مسجد کا امام

اور ان کا واعظ تھا (کان امام مسجد الشیعة وقاصمهم)
 یحییٰ بن معین نے اسے شیعئی مفروض اور ابواسحاق جوزجانی نے
 صائل عن المقصد بتایا ہے۔ شعبہ نے کہا ہے "کان من الرفاعین
 (نہذیب التہذیب وغیرہ)"

ابوالولید کے علاوہ شعبہ سے یہ حدیث اسی اسناد کے ساتھ عبد الرحمن
 بن مہدی محمد بن جعفر غندر جہڑ بن اسد اور عفان بن مسلم نے بھی
 روایت کی ہے۔ ابن مہدی وغندر دونوں سے بواسطہ محمد بن بشیر امام
 بخاری نے۔ اس میں ہے "فرقة يقولون يقتلهم و فرقة يقولون لا،"
 یعنی صحابہ کرام میں سے ایک گروہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ان لوگوں کے
 قتل کا حکم صادر فرما دیجئے۔ اور ایک گروہ نے کہا یا رسول اللہ
 انہیں یہ سزا نہ دیجئے۔

بھڑکی روایت میں ہے "فرقة تقول بقتلهم و فرقة تقول لا یعنی صحابہ
 میں سے ایک گروہ ان غداروں کے قتل کی بات کر رہا تھا۔ اور ایک گروہ
 کا کہنا تھا کہ نہیں۔ انہیں قتل نہ کیا جائے (مسندہ ص ۱۸۴)
 عفان کی روایت میں ہے "فرقة تقول نقتلهم و فرقة تقول لا،"
 ایک گروہ کہتا تھا ہم انہیں قتل کر دیں اور ایک گروہ کہتا تھا کہ نہیں
 (مسندہ ص ۱۸۷) ان میں سے ہمارے نزدیک ابوالولید کی روایت واضح تر ہے
 میں کہتا ہوں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نہایت ذہین و فہیم اور حافظ
 قرآن و کاتب وحی صحابی تھے۔ یقیناً یہ نامعقول اور قطعاً غلط بات انہوں
 نے نہیں کہی۔ کیونکہ، "المنافقین" سے اس آیت میں عبد اللہ بن ابی اور اس
 کے ساتھیوں کو جو جنگ احد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ
 ہی مدینہ سے نکلے تھے اور راستہ سے ہی واپس ہو گئے تھے یہ کہہ کر کہ
 "لو نعلم قتالا لا تبعننا کثم" اور اپنے کسی شیع سے انہوں نے

باقی ماندہ سات سو مسلمانوں میں پست ہمتی پیدا کرنی چاہی تھی وہی بے وقوف شخص مراد سمجھ سکتا تھا جس کے علم و حفظ میں بعد کی آیت نہ ہو بعد کی آیت یہ ہے وَذَٰلَکُمْ کُفْرٌ کَمَا کُفَرُوا فَتَکُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ اُولِیَا رَحْمٰتِیْ بِہَا جُورَافِی سَبِیْلِ اللّٰہِ - الْاٰیۃ یعنی ان منافقین کی آرزو ہے کہ تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہو گئے اس طرح تم سب برابر ہو جاؤ (سب کے سب گمراہی کے غار میں جا گرو۔ پس یہ منافقین تمہارے بدخواہ ہیں) لہذا تم اہل ایمان ان میں سے دوست نہ بنانا یہاں تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کر لے ،

لفظ ”حتی یہا جروافی سبیل اللہ“، بانیگ دحل بتا رہا ہے کہ ذکر مدینہ میں رہنے والے منافقین عبداللہ بن ابی کے ساتھیوں کا نہیں جو جنگ احد کے موقع پر مدینہ سے مسلمانوں کے ساتھ نکلے تھے اور راستہ سے مدینہ واپس ہو گئے تھے۔ اور یہ پورا رکوع مطالعہ کر جائیے تو قطعاً واضح ہو جائے گا کہ ”فہالکم فی المنافقین فمّٰتین میں منافقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو مدینہ سے باہر مختلف قبائل میں سے مسلمان ہو گئے تھے ان سے کہا گیا تھا کہ ہجرت کر کے مدینہ آ جاؤ تاکہ اسلام کو اچھی طرح سمجھ سکو قرآن یاد کر سکو اور صحیح معنوں میں اسلامی زندگی گزارنا جان جاؤ۔ مگر ان نو مسلم لوگوں نے اس حکم کی قصداً تعمیل نہ کی اور یہ خیال کر کے ہجرت کرنے سے باز رہے کہ مدینہ پہنچ کر کیا کریں گے کیا کھائیں گے کیا پہنیں گے سیاسی و جنگی ضرورت کے تحت ان قبائل کو سزا دینے کی ضرورت تھی جن میں اس طرح کے اکاڈگانام نہاد مسلمان تھے۔ ان مسلمانوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے وہ بھی پورے قبیلہ کی طرح محل قتل وقتال ہیں۔ اور ان کا اسلام غیر معتبر ہے

یا انہیں مسلمان سمجھا جائے اور ان سے جنگ مرنے اور انہیں قتل کرنے سے گریز کیا جائے؛ کچھ مسلمانوں کا خیال وہ تھا اور کچھ کا یہ۔ انہیں کے متعلق فرمایا کہ ایسے نام نہاد مسلمانوں کو اپنا نہ سمجھو اور تم سب بہ اتفاق رائے انہیں گمراہ و کشتی ہی مانو۔ تفصیل کے لئے مفتاح القرآن تفسیر سورۃ النساء کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

یہ غلط روایت عدی بن ثابتؓ ہی سے ساختہ پر راختہ ہے۔ راویان حدیث کو قرآن یاد کرنے۔ اسے سمجھنے اور اس میں غور و تدبر کرنے کی فرصت نہیں ملتی تھی۔ امام بخاری نے آیت فہا لکم فی المہنا فقیہ فستہن کو بعد کی آیت کے ساتھ ملا کر پڑھا اور سمجھا ہوتا تو زید بن ثابتؓ کی طرف منسوب اس حدیث کو ہرگز درج صحیح نہ فرماتے

⑨ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت میں

ایک حدیث جو صحیح بخاری میں حضرت بکر بن حبیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

اس حدیث کو ذکر کرنے سے پہلے میں ناظرین کو یہ بتادوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے زیر علم یمن کی طرف ایک فوجی مہم ارسال فرمائی تھی حضرت خالد نے فتح کے خوشخبری بھیجی اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر بھیجا اور خالد کو حکم دیا کہ مال خمس علی کے حوالہ کر کے مدینہ آجائیں اور خالد کے ساتھی مجاہدین کے متعلق یہ ارشاد فرمایا کہ ان میں سے جو شخص خالد کے ساتھ مدینہ واپس آنا چاہے آجائے جو علی کے ساتھ رہنا چاہے رہے۔ حضرت خالد کے ساتھ مدینہ

واپس آجانے والوں میں حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اب بریدہ کی طرف منسوب یہ حدیث پڑھئے۔ بخاری نے کہا ہے احمد ثنی محمد بن بشار قال ثنا روح بن عبادۃ قال ثنا علی بن سوریہ بن منجوف عن عبد اللہ بن بریدۃ عن ابيه قال بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیا الی خالد لیقبض الخمس وکنت البغض علیا وقد اغتسل فقلت لخالد الا تری الی هذا فلما قدمنا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذكرت ذلک له فقال یا بریدۃ اتبغض علیا؟ فقلت نعم۔ قال لا تبغضه فان له فی الخمس اکثر من ذالک۔

مجھ سے محمد بن بشار نے بیان کیا کہ ہم سے روح بن عبادہ نے بیان کیا کہ ہم سے سوریہ بن منجوف کے بیٹے علی نے بیان کیا عبد اللہ بن بریدہ سے روایت کر کے۔ عبد اللہ نے اپنے باپ بریدہ اسلمی سے روایت کی ہے کہ بریدہ نے ذکر کیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کو خالد کے پاس (یمن) بھیجا تا کہ مال خمس کو اپنی تحویل میں لے لیں اور میں علی کو اس وجہ سے ناپسند کرتا تھا کہ انہوں نے غسل کیا تھا یعنی گرفتار جنگ میں سے ایک لڑکی کو اپنے خیمہ میں لے جا کر اس سے ہم بستہ ہوئے اور صبح کو غسل جنابت کیا۔ میں نے خالد سے کہا کیا آپ اس شخص کو دیکھ نہیں رہے ہیں کہ کیسی ناروا حرکت کی ہے (جب نوٹری غلام مجاہدین میں تقسیم ہو جاتے اور علی کے حصہ میں یہ لڑکی آجاتی تو استبراد کے بعد اس سے صحبت جائز ہوتی) پس جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو میں نے اس بات کا آپ سے ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم علی کو (اس بنا پر) ناپسند کرتے ہو۔ میں نے کہا جی ہاں فرمایا علی سے دل میں کدورت نہ رکھو کیونکہ

اس کا خمس میں اس سے بھی زیادہ حق ہے۔ (صحیح بخاری ص ۲۲۲ باب
بعث علی بن ابی طالب و خالد بن الولید الی الیمن - کتاب البغاذ عے)
امام احمد نے بھی روح بن عبادہ سے اسی اسناد کے ساتھ اس کی روایت
کی ہے مگر اس میں ہے ” فقال خالد لبریدۃ الا تری الی ما یصنع کذا
لہا صنع علی“ (مسندہ ص ۲۵۹)

اسماعیلی نے بھی روح بن عبادہ کے طریق سے یہ حدیث روایت کی ہے
اس میں ہے ”بعث علیا الی خالد لیقسم الفی فاصطفیٰ علی منہ
لنفسہ سبیۃ ای جاریۃ ثم اصبح در اسہ یقطر۔“
یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کو بھیجا تھا کہ خالد کو جو مال غنیمت حاصل ہوا،
اسے حسب قاعدہ مجاہدین میں تقسیم کر دیں پس علی نے مال غنیمت
میں سے ایک گرفتار شدہ لڑکی اپنے لئے منتخب کر لی اور اس کے ساتھ شب
باش ہو کر صبح کو غسل کیا نماز کے لئے آئے تو سر سے پانی ٹپک رہا تھا۔
بخاری و اسماعیلی کی روایتوں سے معلوم ہوا کہ حضرت خالد نے جو مال غنیمت
تقسیم نہ کیا تھا۔ مال غنیمت کے پانچ حصے ہوں گے ان میں سے چار
مجاہدین میں تقسیم کئے جائیں گے اور ایک حصہ (خمس) اللہ و رسول کا ہوگا۔
اسے حسب صوابدید صرف کرنے کی ذمہ داری امیر المؤمنین پر ہوتی ہے۔
اپنی زندگی میں مال خمس خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم و صرف فرماتے تھے،
حضرت علی کو آپ نے حکم دے کر بھیجا تھا کہ مال غنیمت کو مجاہدین میں
تقسیم کر دیں اور مال خمس کو اپنی تحویل میں لے کر آپ کے پاس پہنچائیں۔
یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اس مال غنیمت کے لحاظ سے حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کے مقرر کردہ امین تقسیم تھے۔ اس کے بعد پانچ شرعی حقائق کو
دھیان میں لائیے۔

اوّل یہ کہ اس مال غنیمت میں حضرت علی کا کوئی حق نہ تھا کیونکہ جس جنگ یا جن جنگوں کے نتیجہ میں یہ مال حاصل ہوا تھا علی ان میں شریک نہ تھے۔ وہ مال غنیمت حضرت خالد اور ان کے ساتھی مجاہدین نے حاصل کیا تھا۔ حضرت علی کو خمس میں سے حصّہ مل سکتا تھا مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا فرمانے کے بعد آپ کی تقسیم سے پہلے علی خمس میں سے کسی چیز کو اپنے تصرف میں نہیں لاسکتے تھے۔ ایسے کسی مال میں تقسیم سے قبل اور اپنی ملک میں آجانے سے پہلے تصرف کرنا غلو ہے جو زبردست کبیرہ گناہ ہے۔ مال غنیمت میں یقیناً مجاہدین کا حصّہ ہوتا ہے لیکن تقسیم سے پہلے کوئی مجاہد اس میں سے کوئی چیز خواہ کیسی ہی حقیر اور معمولی ہو اپنے استعمال و تصرف میں نہیں لاسکتا۔ جو مجاہد ایسا کرے گا وہ غلو کا مرتکب اور سزا کا مستحق ہوگا۔ کسی محلّہ میں عید الفطر کے موقع پر مسلمانوں نے صدقہ فطر کا غلّہ جمع کیا ہو تو کسی بھی فقیر یا مسکین کو جائز نہیں ہے کہ تقسیم سے قبل وہ اس غلّہ کے ڈھیر میں سے کچھ لے لے جو شخص ایسا کرے گا وہ غلو کا مرتکب ہوگا۔

مال غنیمت کے خمس میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ضرورتمند رشتہ دار کا یتیموں کا مسکینوں کا ضرورتمند مسافر کا بھی حق رکھا ہے۔ لیکن آپ کے تقسیم فرمانے سے پہلے کسی یتیم یا مسکین یا مسافر یا آپ کے کسی رشتہ دار کو اس میں سے کچھ لینا جائز نہ تھا۔ اب یہ سمجھیے کہ وہ لڑکی جس کا اس حدیث میں ذکر ہے مال غنیمت کے ان چار حصّوں میں شامل تھی جو مجاہدین میں تقسیم ہونے لگے تھے یا مال خمس میں سے تھی یہ پہلی صورت مانی جائے تو علی کو اس کے لینے کا حق ہی نہ تھا اور دوسری صورت مانی جائے تو علی کا اسے اپنے تصرف میں لانا اسی وقت جائز ہوتا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ لڑکی انہیں عطا فرما دیتے۔ اس حدیث کو گھڑنے والے نے یہ نہ سوچا کہ وہ کیسے سخت کبیرہ

گناہ کی حضرت علی کی طرف نسبت کر رہا ہے۔

(دوسری شرعی حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی کو یمن بھیجے، کا واقعہ حجۃ الوداع سے قبل سلسلہ میں ہوا ہے۔ اور اس سے بہت پہلے آپ نے تمام مسلمانوں کو سخت تاکید فرمادی تھی کہ جس شخص کے حصہ میں گرفتار شدہ عورتوں میں سے کوئی عورت آئے تو جب تک اسے اس کے یہاں ایک حیض نہ آجائے اس سے صحبت نہ کرے۔ اس کا اصطلاحی نام استبراء ہے۔ حیض آنے سے ثابت ہو جائے گا کہ وہ پہلے سے حاملہ نہیں ہے۔ حاملہ ہوگی تو حیض نہ آئے گا اور اس مدت میں اس کا حمل بھی نمایاں ہو جائے گا۔ حاملہ ثابت ہو تو وضع حمل پھر نفاس ختم ہونے کے بعد ہی اس سے صحبت کرنا جائز ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی یقیناً اس حکم شرعی سے واقف تھے پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ حضرت علی نے استبراء کے بغیر اس لونڈی سے صحبت کی ہو۔

تیسری بات یہ ہے کہ تمام اہل علم اس پر متفق ہیں کہ یمن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ حج کے موقع پر مکہ پہنچے ہیں۔ یمن سے ہی حضرت علی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق قربانی کے اونٹ خریدے تھے۔ اور بوقت احرام نیت کر لی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قسم کا احرام باندھا ہے وہی خدایا میرا بھی ہے۔ افراد ہویا تمتع ہویا قرآن ہو چنانچہ جب علی مکہ پہنچے اور آپ نے پوچھا کہ تم نے کس قسم کا احرام باندھا ہے اور علی نے جواب دیا کہ میں نے کوئی قسم متعین نہیں کی تھی بس آپ کے احرام جیسا احرام میں نے باندھا ہے فرمایا چونکہ تم اپنے ساتھ قربانی کے جانور لائے ہو جیسے میں لایا ہوں اس لئے تم بھی میری طرح اپنے احرام پر برقرار رہو یہاں تک کہ دسویں ذی الحجہ کو قربانی سے فارغ ہو جاؤ۔ احادیث میں تصریح ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں

سوال یہ ہے کہ اگر حضرت علیؑ نے ایک لونڈی اپنے لئے منتخب فرمائی تھی اور اس سے صحبت و جماع کا تعلق بھی قائم کر لیا تھا تو وہ کہاں گئی۔ اگر ہوتی تو علیؑ کے ساتھ ہی وہ بھی مکہ پہنچتی اور حضرت سیدہ فاطمہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب لوگوں کے علم میں آ جاتا کہ علیؑ اپنی دلہستہ سیدہ فاطمہ کا دل دکھانے کے لئے ایک حسین چھوڑی بھی لائے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تو جب ہوتا کہ واقعی حضرت علیؑ نے لطف صحبت اٹھانے کے لئے کوئی چھوڑی منتخب کی ہوتی۔ یہ کوئی واقعی بات ہوتی تو حضرت فاطمہ وغیرہا کے علم میں آتی مگر یہ تو ایک فرسنی قصہ ہے جو کسی بد بخت راوی غالباً علی بن سوید بن منوف کا گھڑا ہوا ہے۔

جو بھی بات یہ ہے کہ صحیحین وغیرہ کی مشہور حدیث ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ لونڈیاں آئیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مشورہ دیا کہ تمہیں گھر کا کام کرنے میں بڑی مشقت اٹھانی پڑتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ کر ایک لونڈی حاصل کر لو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کی یہ خواہش معلوم ہوئی تو آپ نے دونوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ میں تمہیں خدمت گزار لونڈی سے بہتر چیز نہ بتاؤں رات کو سونے وقت ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۳ بار اللہ اکبر کہہ لیا کرو حضرت علیؑ کو خادمہ نہ دینے میں یہ مصلحت بھی تھی کہ علیؑ کی مالی حالت بہتر نہ تھی مزید ایک عورت کے نان و نفقہ کا بوجھ ان پر بھاری بن جاتا۔ پھر ۳۳ میں فتح مکہ کے بعد جب مکہ کے دیگر خاندانوں کی طرح قبیلہ بنی مخزوم کے بیشتر افراد بھی مدینہ منتقل ہو گئے جن میں ابو جہل کی بیٹی اور بیٹا بھی تھے بیٹی ناکتہذا تھی حضرت علیؑ نے اسے پیام نکاح دیا۔ لڑکی والوں نے بھی اس امر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ لیا اور علیؑ کے پیام سے آگاہ کیا۔ ادھر حضرت سیدہ فاطمہ

رضی اللہ عنہا نے بھی آپ سے شکایت کی۔ آپ نے ہر ملا نہایت برہمی کے ساتھ اس عقد کی اجازت دینے سے انکار فرمادیا اور فرمایا کہ ابو طالب کا بیٹا ابو جہل کی بیٹی سے نکاح اسی صورت میں کر سکتا ہے کہ میری بیٹی کو طلاق دیدے۔ اس سرزنش کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں نہ کوئی نکاح کیا نہ کوئی کنیز رکھی۔ حضرت فاطمہ کی وفات کے بعد آپ نے متعدد خواتین سے نکاح کیا متعدد نیزیں بھی آپ کے محل میں رہیں جو آپ کی اولاد کی مائیں تھیں لہذا حالہ یہ قصہ عرض غلط ہے کہ حضرت فاطمہ کی زندگی میں ہی حضرت علی نے مال غنیمت میں سے ایک کنیز اپنے لئے منتخب کر لی تھی۔

پانچویں بات یہ ہے کہ اس میں مذکور ہے کہ بریدہ کی شکایت کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا: **فَانْ لَّهِ فِي الْخَمْسِ اَكْثَرُ مِنْ ذَلِكْ**، یعنی علی کا خمس میں اس سے بھی زیادہ حق ہے۔

واللہ العظیم یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر افتر ہے نہ آپ نے یہ فرمایا نہ آپ فرما سکتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَاعْلَمُوا أَنَّ مَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ اور جان لو کہ جو کچھ مال غنیمت تمہیں **فَانْ لَّهِ خُمُسُهُ وَلِلرَّسُولِ** حاصل ہو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ **وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَىٰ وَالْمَسَاكِينِ** اور رسول کے لئے ہے اور رسول **وَابْنِ السَّبِيلِ** (سورۃ الانفال) کے رشتہ دار اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے لئے اس ارشاد میں غور طلب بات یہ ہے کہ یتیموں اور مسکینوں کا صیغہ جمع کے ساتھ ذکر ہے۔ لیکن رشتہ دار اور مسافر کا صیغہ مفرد کے ساتھ ذکر ہوا ہے **ذَوِ الْقُرْبَىٰ** نہیں ہے **ذِي الْقُرْبَىٰ** ہے۔ **اَبْنَاءُ السَّبِيلِ** نہیں ہے۔ **ابن السبیل** ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ خمس میں اللہ تعالیٰ نے

کسی ایک یتیم اور کسی ایک مسکین کا نہیں بلکہ یتیموں اور مسکینوں کا حق رکھتا ہے مگر اس میں مسافروں کا بلکہ خاص مسافر کا حق ہے یعنی اس مسافر کا جو ضرورت مند ہو۔ اسی طرح اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب رشتہ داروں کا حق نہ تھا بلکہ اسی رشتہ دار کا حق تھا جو ضرورت مند ہو خواہ وہ علی رضی اللہ عنہ یا عقیل ہوں یا اور کوئی صاحب ہوں خاص حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خمس میں کوئی نامزد حصہ نہ تھا جب حقیقت یہ ہے تو آپ "فان له في الخمس اكثر من ذلك" کیسے فرما سکتے تھے۔

ان روشن و واضح وجوہ کی بنا پر میں اس حدیث کو غلط اور اس قصہ کو باطل سمجھتا ہوں۔ اور میرا خیال ہے کہ علی بن سوید بن منوف کوئی رافضی اور غالی شیعہ تھا۔ یہ حدیث اس انداز سے اسی کی ساختہ پرداختہ ہے اس کے علاوہ اُجلیح کنذی۔ عبد الجلیل بن عطیہ اور سعد بن عبیدہ نے بھی عبد اللہ بن بریدہ سے اسی مضمون کی روایت کی ہے یہ سب لوگ بھی روافض تھے۔

اجلیح کی روایت یہ ہے امام احمد نے کہا ہے "حد ثنا ابن غیر حدثنی اجدع الکندی عن عبد اللہ بن بریدۃ عن ابیہ بریدۃ قال بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثین الی الیمن۔ علیٰ احدھما علی بن ابی طالب و علی الآخر خالد بن الولید فقال اذا التقیتم فعلن علی الناس وان افترقتما فکل واحد منكما علی جندہ قال فلقینا بنی زید من اهل الیمن فاقتتلنا فظہر المسلمون علی المشرکین فقتلنا المقاتلۃ وسبیت الذریۃ فاصطنی علی امرأۃ من السبی لنفسہ۔ قال بریدۃ فکتب معی خالد بن الولید الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخبرہ بذلك فلما اتیت السبی

صلی اللہ علیہ وسلم دفعت الكتاب فقرأ عليه فראيت الغضب
 في وجهه فقلت يا رسول الله هذا مكان العائذ بعثتي مع
 رجل وامرأتی ان اطيعه ففعلت ما ارسلت به - فقال لا تقع في
 علي فانه مني وانا منه وهو وليكم بعدی وانه مني وانا منه وهو
 وليكم بعدی (مسند ۵ ص ۳۵۶)

اس کا حاصل یہ ہے کہ بقول اجماع کندی رافضی کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
 بیک وقت یمن کی طرف مجاہدین کی دو جماعتیں روانہ فرمائیں ایک جماعت پر
 علی کو امیر بنایا ایک پر خالد کو اور فرمایا کسی مقام پر دونوں جماعتیں جمع ہو
 جائیں تو علی پہ سالار عام ہوں گے۔ یمن پہنچ کر بنو زید سے جنگ ہوئی مسلمانوں کو
 فتح نصیب ہوئی۔ پکڑی ہوئی عورتوں میں سے ایک عورت علی نے اپنی ذات
 کے لئے چھانٹ لی۔ خالد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھ کر اس کی
 اطلاع دی۔ بریدہ کہتے ہیں خالد کا وہ خط لے کر میں مدینہ پہنچا آپ کو خط
 سنایا گیا تو میں نے آپ کے روئے اور پر غضب شکوہ کیا۔ میں نے عرض کیا
 یا رسول اللہ میں تو قاصد ہوں۔ آپ نے مجھے خالد کے ساتھ بھیجا تھا اور خالد کا
 حکم ماننے کی ہدایت کی تھی۔ فرمایا کہ علی کو برا نہ کہنا کیونکہ وہ مجھ سے ہے اور میں
 اس سے ہوں اور وہ میرے بعد تم مسلمانوں کا ولی ہے۔ آپ نے یہ بات
 دوبارہ کہی۔ اس میں اس لڑکی سے ہم بستری کا ذکر نہیں ہے۔ اور یہ
 روایت علی بن سوید بن مثنوف کی روایت سے بہت مختلف ہے جیسا کہ ظاہر
 ہے۔ اجماع بن عبد اللہ کندی بھی رافضی تھا اور متعدد بے سرو پا حدیثیں
 روایت کرنے بلکہ گھڑنے کا اس نے عذاب کمایا تھا۔

عبد الجلیل بن عطاء کی روایت

قال احمد ثنا يحيى بن سعيد ثنا عبد الجليل قال انتهيت الى حلقة
 فيها ابو مجلز وابن جريدة - فقال عبد الله بن جريدة حدثني ابي جريدة

قال البغضت عليا بغضا لم يبغضه احد قط واحببت رجلا
من قریش لم احبه الا على بغضه عليا - فبعث ذلك الرجل على
خيل فصاحته ما صحبه الا على بغضه عليا - فاصينا سبياً فكتب
الى رسول الله صلى الله عليه وسلم ابعت اليها من يحميه - قال
فبعث اليها عليا وفي السبي وصيفة تهني افضل من السبي فخمس
وقسم فخرج ورأسه مغطى فقلنا يا ابا الحسن ما هذا قال الم
تروا الى الوصيفة التي كانت في السبي فاني قسمت ونحست فصارت
في الخمس ثم صارت في اهل بيت النبي صلى الله عليه وسلم
ثم صارت في آل علي ووقعت بها - فكتب الرجل الى النبي صلى الله
عليه وسلم فقلت البعثني فبعثني مصدقاً - قال فجعلت
اقراء الكتاب واقول صدق فامسك يدي والكتاب وقال اتبغض
علياً قلت نعم قال فلا تبغضه وان كنت تحبه فازدرد له حياء
فوالذي نفس جهم بيده لبصيب آل علي في الخمس اكثر من وصيفة
قال فما كان من الناس احد بعد قول رسول الله صلى الله عليه وسلم
احب الي من علي - قال عبيد الله فوالذي لا اله غيره ما بين
وبين النبي صلى الله عليه وسلم في هذا الحديث غير ابى جريد -

(مسند ٥ ص ٣٥١)

اس کا مضمون یہ ہے کہ بریدہ سلمیٰ کو حضرت علیؑ سے شدید بغض تھا۔
خالد بن ولید بھی علیؑ سے بغض رکھتے تھے اسی بغض نے بریدہ کو خالد کا
دوست بنادیا تھا۔ خالد ایک مہم پر بھیجے گئے بریدہ بھی ان کے ساتھ
گئے فتح کے نتیجہ میں دشمنوں کے بچے اور عورتیں گرفتار ہوئے
خالد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھا کہ کسی کو ہمارے پاس بھیج دیجئے

ہو اس مالِ غنیمت کو تقسیم کرے اور اس میں سے خمس الگ کرے
 آپ نے علی کو بھیج دیا گرفتار عورتوں میں ایک عورت حسن و جمال میں
 سب سے فائق تھی۔ علی اپنے خیمہ سے نکلے تو سر ڈھکا ہوا تھا پوچھنے پر
 علی نے بتایا کہ وہ سب سے حسین تر لڑکی میرے حصہ میں آگئی ہے میں
 اس سے صحبت کر کے اور غسل کر کے آیا ہوں۔ خالد نے رسول اللہ ﷺ
 علی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھ کر اس واقعہ سے آگاہ کیا بریدہ نے کہا یہ خط
 میں لے جاؤں گا اور زبانی اس واقعہ کی تصدیق کروں گا بریدہ نے
 مدینہ آکر آپ کو خط سنانا شروع کیا ساتھ ہی اس کی تصدیق بھی کرنے
 لگے آپ نے بریدہ کا ہاتھ تھام کر خط لے لیا اور پوچھا کہ کیا تم علی سے بغض
 رکھتے ہو۔ بریدہ نے اثبات میں جواب دیا فرمایا علی سے بغض نہ رکھو اور
 محبت ہو تو اس میں اضافہ کرو پھر آپ نے قسم کھا کر فرمایا۔ علی کا
 خمس میں اس سے بھی زیادہ حق ہے۔ بریدہ کا بیان ہے کہ اس کے بعد
 علیؑ سے بڑھ کر مجھے کوئی اور محبوب نہ رہا۔

عبداللہ بن بریدہ نے قسم کھا کر بتایا کہ میں نے یہ قصہ براہ راست اپنے والد
 بریدہ سے سنا ہے۔ اس روایت میں خالد کا نام تو مذکور نہیں ہے مگر
 مراد وہی ہیں اور یہ علی بن سوید اور ارجح دونوں کی روایتوں سے
 مختلف ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

حضرت خالد بن ولید اور حضرت علی رضی اللہ عنہما میں باہم کوئی خصومت نہ تھی
 لیکن حضرت خالد کا بیٹا سلیمان شیرزبہ بنی مخزوم حضرت معاویہ کا عامل
 و طرفدار تھا۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں اس نے مالک اشتر منہجی
 اور اس کے مفد و فتنہ پرداز ساتھیوں کی گوشمالی کی تھی اس لئے روافض
 معاویہ و عمر بن عاص کی طرح سلیمان بن خالد سے بھی شدید بغض رکھتے ہیں

اس جھوٹی حدیث میں دروغ باف رافضیوں نے یہ دکھانے کی کوشش کی تھی کہ
سیمان ہی نہیں اس کا باپ خالد بن ولید بھی علیؑ کا مخالف و بدخواہ تھا۔

سَعْدُ بْنُ عُبَيْدٍ کی روایت

قال احمد حدثنا وكيع ثنا الاعمش عن سعد بن عبيدة عن ابن جريئة
عن ابيه انه مر على مجلس وهم يتناولون من على فوقف عليهم فقال انه
قد كان في نفسي على شيء وكان خالد بن الوليد كذلك فبعثني رسول
صلى الله عليه وسلم في سرية عليها علي واصبنا سبيا فاخذ علي جارمية
من الخمس لنفسه - فقال خالد بن الوليد دونك - فلما قدمنا على النبي
صلى الله عليه وسلم جعلت احدهما بما كان ثم قلت ان عليا اخذ
جارية من الخمس - قال وكنت رجلا مكابا فرفعت راسي فاذا وجه
رسول الله صلى الله عليه وسلم قد تغير فقال من كنت وليه فعلي
ولييه. (مسند ۵ ص ۳۵۸)

یعنی بریدہ و خالد دونوں کے دلوں میں علیؑ کی طرف سے بغض تھا۔ بریدہ و خالد
دونوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؑ کی ماتحتی میں ایک مہم پر بھیجا۔
فتح کے نتیجے میں دشمن کے جوئے اور ڈرتیں پکڑیں آئے ان میں سے
علیؑ نے ایک لڑکی اپنے لئے لی۔ وہ مال خمس میں لگی ہوئی تھی خالد نے
بریدہ سے کہا۔ دیکھ لو۔ حضور کی خدمت میں پہنچ کر بریدہ نے سر جھکائے
ہوئے یہ قصہ سنایا۔ سراٹھا کر دیکھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے
روئے انور پر غضب محسوس ہوا۔ آپ نے فرمایا جس شخص کا میں ولی ہوں
علی بھی اس کا ولی ہے۔

پس عبداللہ بن بریدہ سے اس قصہ کی روایت علی بن سید بن منوف

احمد بن عبد اللہ کندی ۲ عبد الجلیل بن عطیہ اور سعد بن عبیدہ نے کی ہے
چاروں کی روایتوں میں کافی اختلاف ہے یہ چاروں اشخاص جو بڑے رافضی تھے
عبد اللہ بن بریدہ ہمارے علم میں رافضی نہ تھا ان چاروں میں سے ہر ایک نے
اپنے اپنے طور پر یہ قصہ تالیف کیا تھا اور عبد اللہ بن بریدہ کے سوا اس کی
روایت منقطع تھی۔ بہر حال یہ قصہ سر سے پاؤں تک غلط ہی غلط ہے۔
ان روایات کے ساتھ ناظرین یہ روایت بھی مطالعہ کریں۔

قال احمد حدثنا الفضل بن دکیں ثنا ابن ابی عیینہ عن الحسن
عن سعید بن جبیر عن ابن عباس عن بریدۃ قال قال غزوت مع علی
الیمین فرأیت منه جفوة فلما قدمت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
علیہ وسلم ذکوت علیا فتتقصته قرأت وحبہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم یتغیر فقال یا بریدۃ الست اولی بالمؤمنین من انفسهم؟
قلت بلی یا رسول اللہ قال من کنت مولاه فعلی مولاه (مسندہ ص ۳۴۷)
یعنی بریدہ اسلمی حضرت علی کے ساتھ یمن میں شریک جہاد ہوئے۔ اس
سفر میں انہیں علی کی جہت سے کچھ بے توجہی و سخت مزاجی کا مشاہدہ ہوا
واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علی کا برائی کے ساتھ ذکر کیا
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ رخ متغیر ہونے لگا پھر فرمایا اے بریدہ کیا
میرا مسلمانوں پران کی جانوں سے زیادہ حق نہیں ہے۔ بریدہ نے کہا کیوں نہیں
بے شک ہے فرمایا میں جس کا مولی ہوں تو علی اس کا مولی ہے اس کی
اسناد بھی ضعیف ہے۔ سعید بن جبیر کی طرف اس کی روایت کی نسبت
کرنے والا حسن کون ہے؟ حسن بصری تو ہیں نہیں اس حسن کی شخصیت
پردہ خفا میں ہے مگر یہ ہی حدیث اس کی جنس پر دلالت کرتی ہے کہ وہ
روافضی میں سے ہی کوئی کذاب تھا مگر اس نے لڑکی کی کہانی ذکر نہیں کی
ترمذی نے بھی لڑکی والا افسانہ اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ لکھا ہے
حدثنا قتیبہ بن سعید نا جعفر بن سلیمان الضبی عن یزید

الرشک عن مطرف بن عبد اللہ عن عمر ان بن حصین قال
 بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیشا واستعمل علیہم
 علی بن ابی طالب فہزی فی السریة فاصاب جاریة فانکروا علیہ
 وتعاقد اربعة من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 فقالوا اذا لقینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخبرناہ بما صنع
 علی۔ وكان المسلمون اذا رجعوا من سفر یبدأوا برسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم فسلموا علیہ ثم انصرفوا الی ما حالہم۔
 فلما قد مت السریة سلموا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقام
 احد الاربعة فقال یا رسول اللہ الم ترا لی علی بن ابی طالب
 صنع کذا او کذا فاعرض عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 ثم قام الثانی فقال مثل ذلک فاعرض عنہ ثم قام الیہ الثالث
 فقال مثل مقالک فاعرض عنہ ثم قام الرابع فقال مثل ما قالوا۔
 فاقبل الیہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ما تريدون
 من علی۔ ان علیا منی وانا منه وهو ولی کل مؤمن بعدی۔
 ترمذی نے کہا ہے لہذا احادیث غریب لا تعرفہ الا من حدیث
 جعفر بن سلیمان (سنن الترمذی ۲ الباب المناقب۔ مناقب علیؑ)
 یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کی سرکردگی میں ایک
 فوجی مہم روانہ کی۔ گرفتہ ان جنگ میں سے ایک لڑکی کو علی اپنے تصرف میں
 لے آئے۔ علی کا یہ فعل لوگوں نے خلاف شرع قرار دیا۔ صحابہ کرام میں
 سے چار حضرات نے باہم طے کر لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علی کے
 اس کثوت سے آگاہ کرنا ہے۔ جب وہ مجاہدین واپس مدینہ آئے تو
 دستور کے مطابق اولاً خدمت نبوی میں سلام کے لئے حاضر ہوئے تو
 ان چار اصحاب میں سے ایک نے اٹھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علیؑ

کا وہ ماجرہ سنایا۔ آپ نے اس سے رخ انور پھیر لیا پھر دوسرے نے اٹھ کر وہی بات کہی اس سے بھی آپ نے چہرہ پھیر لیا پھر تیسرے نے اٹھ کر وہی بات کہی اس سے بھی آپ نے روگردانی فرما کر پھر چوتھے صاحب نے اٹھ کر وہی بات کہی تو آپ نے ان سب سے فرمایا تم لوگ علی سے کیا چاہتے ہو۔ یقیناً علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر ایک مومن کا ولی ہے۔ اس کا راوی جعفر بن سلیمان رافضی تھا حضرت معاویہ کا ذکر ہوتا تو انہیں گالی بکتا تھا حضرت علیؑ کا ذکر ہوتا تو رونے بیٹھ جاتا تھا لوگوں نے اس سے پوچھا کیا تو شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو برا کہتا اور کالی بکتا ہے۔ بولا کہ زبان سے انہیں برا نہیں کہتا اور دل میں جو ان کا بغض ہے اس سے انکار نہیں کرتا (تہذیب التہذیب)

امام احمد نے بھی بواسطہ عبد الرزاق و عفان جعفر بن سلیمان ضعی سے یہ حدیث روایت کی ہے (مسند ۷ ص ۴۳۶)

نہ معلوم ترمذی نے یہ حدیث اپنی کتاب میں ذکر کر کے کس اجر و ثواب کی توقع کی تھی۔ پھر اسے موصوف نے غریب بتانے پر اکتفا کر لی حالانکہ یہ قطعاً جعفر بن سلیمان کی گھڑی ہوئی ہے نہ یزید المرشک نے اسے بیان کیا تھا نہ مرطف نے نہ عمران بن حصین نے۔



⑩ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک حقیقت

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہا مہاجرین اولین میں سے تھے۔ نوجوانی میں ہی مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے ان کے والدین بھی مسلمان تھے جو خاندان بنی مخزوم کے آزاد کردہ تھے۔ یاسر والد تھے والدہ کا نام سُمیہ تھا۔ ظالم ابو جہل نے اسلام پر برقرار رہنے کے جرم میں یاسر و سُمیہ دونوں کو شہید کر ڈالا۔ عمار پر بھی بڑی سختی کی گئی، حق کی خاطر عمار ادران کے والدین نے بڑی تکلیفیں اٹھائی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عمار بن یاسر کو بڑا گہرا تعلق تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عامۃ المسلمین سے عثمان و علی رضی اللہ عنہما کے متعلق رائے معلوم کی تھی کہ ان دونوں میں سے کسے خلیفہ بنایا جائے تو مدینہ کے جملہ خواص و عوام نے حضرت عثمان کے حق میں رائے دی تھی صرف دو صاحب تھے جن کی رائے حضرت علی کے حق میں تھی ایک عمار بن یاسر اور دوسرے مقداد بن اسود (البدائیہ و النبیاء) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جب فتنہ اٹھا تو عمار بن یاسر بھی مفسدین کے ہمنوا ہو گئے۔ وجہ یہ ہوں تھی کہ عمار اور فرزند ابیہب کے درمیان کسی بات پر تو تو میں میں ہو گئی تھی برسہا عام دونوں نے ایک دوسرے کو گالیاں بکیں حضرت عثمان امیر المومنین نے دونوں کو طلب کر کے سزا دی اور دونوں پر حدِ قذف جاری کی یعنی ایسی کوڑے لگوائے۔ اس لئے عمار حضرت عثمان سے ناراض ہو گئے۔ اسی ناراضی کے بنا پر عمار نے

باغیوں اور بلوائیوں کا بھرپور ساتھ دیا۔ صحابہ کرام میں سے تنہا عمار بن یاسر
 ہی وہ صاحب ہیں جو ہر ملا اور عملی طور پر حضرت عثمان کے خلاف جرم بغاوت
 کے مرتکب ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے حضرت علی رضی اللہ عنہ
 سے دوستی آخر دم تک خوب نباہی۔ عامۃ الناس کو علیؑ کی طرف راغب اور
 مخالفان علی سے متصف کرنے کا کام بڑی جانفشانی سے انجام دیا جنگ
 جمل میں بھر جنگ صفین میں علیؑ کے مخالف مسلمانوں سے دلیرانہ جنگ کی اور
 جنگ صفین میں حضرت علیؑ پر اپنی جان ہی قربان کر دی حضرت علیؑ کے
 حمایتیوں نے جنہیں سیاسی مضامین کے پیش نظر اور علی رضی اللہ عنہ کے
 فضائل و مناقب مشتہر کرنے کی خاطر جھوٹ بولنے اور جھوٹی حدیثیں گھڑ
 ڈالنے میں کوئی باک نہ تھا جنگ صفین میں عمار بن یاسر کے مارے جانے
 کو علی و مخالفین علی کے درمیان ایک ناقابل تردید غیبی فیصلہ برحق قرار
 دے دیا جس نے مخالفان علی کو باغی گروہ بتایا ہے۔ ان لوگوں نے
 متعدد صحابہ حق کہ اسم المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف
 منسوب کر کے یہ حدیث گھڑ کر لوگوں میں پھیلا دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کے ارشاد کے مطابق عمار بن یاسر کو باغی گروہ قتل کرے گا۔ نتیجہ یہ
 کہ علی حق پر ہیں اور ان سے جنگ کرنے والے مخالفین معاویہ و عمر بن
 عاص اور ان کا لشکر سب باغی گروہ تھے۔ اس جھوٹی حدیث کا صور اس
 قدر زور و شور سے پھونکا گیا کہ بعد میں آنے والے بہت سے
 لوگوں نے اسے ایک صحیح و برحق حدیث کی طرح یاد کر لیا۔ اور تو اور
 امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح قرار دے کر ”صحیح بخاری“
 میں جگہ دے دی۔ چنانچہ خالد بن مہران حذاف کی روایت نقل کی ہے۔
 عن عكرمة قال قال لي ابن عباس ولا يند علي انطلقا الي
 علي سے حضرت عبداللہ بن عباس نے

ابی سعید فاسمعا من حدیثہ فانطلقا فاذا هو فی حاکط یصلحہ فاخذہ ردائہ فاحتبی ثم انشأ یحد ثنا حتی اتت علی ذکر بنی المہاجرین فقال کنا خمل لبنۃ لبنۃ وعمار لبنتین لبنتین فتراہ البنی صلی اللہ علیہ وسلم فجعل ینفض التراب عنہ ویقول وبع عمار تقنلہ الفلۃ الباغیۃ ینعوہم الی الجنة وینعوہ الی النار قال یقول عمار اعوذ باللہ من الفتن (صحیح بخاری ص ۶ طبع المہند)

کہا کہ ابو سعید خدری کے پاس جا کر ان سے کچھ حدیثیں سنو۔ ہم گئے تو اس وقت وہ اپنے باغ کو ٹھیک کر رہے تھے (ہم نے حاضری کی غرض بتائی) تو کام چھوڑ کر اطمینان سے بیٹھ کر ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سناتے لگے یہاں تک کہ مسجد نبوی کی تعمیر کے ذکر پر آ گئے تو بتایا کہ ہم میں سے ہر شخص تعمیر کے لئے ایک ایک کچی اینٹ لارہا تھا۔ اور عمار بن یاسر دو دو اینٹ لارہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو دست مبارک سے ان کے بدن سے مٹی جھاڑنے اور فرمانے لگے کہ آئے عمار اسے باغی گروہ

قتل کرے گا یہ انہیں جنت کی طرف بلائے گا اور وہ اسے دوزخ کی طرف بلائیں گے۔ ابو سعید نے بتایا کہ اس کے جواب میں عمار بولتے ہیں میں فتنوں سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں۔ لیکن یہ حدیث ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ نہیں ہو سکتی۔ ابو سعید خدری خوب جانتے تھے کہ مسجد نبوی کی تعمیر پمقروں سے ہوئی تھی نہ کہ کچی اینٹوں سے عربی زبان میں لبنتۃ کچی اینٹ کو کہتے ہیں اور جب اسے آگ میں پکا لیا جائے تو اسے اچھو کہا جاتا ہے مسجد نبوی کی تعمیر

کے لئے صحابہ کرام پتھر لائے تھے۔ قریب کی پہاڑیوں سے پتھر لانے کے
 زحمت انہوں نے اٹھائی تھی۔ اس کے لئے کچی اینٹیں لانے کا ذکر ہے
 معنی ہے۔ مسجد نبوی کی تعمیر اور اس کے آغاز کا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے
 وضاحت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ اس میں ہے "وَجَعَلُوا يَنْقُلُوا الصَّخْرَ
 وَهُمْ يَرْجِعُونَ وَالْبَنِي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَهُمْ وَهُوَ يَقُولُ
 اللَّهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْآخِرَةِ فَاعْفُورًا مُنْصَارًا وَالْمُهَاجِرَةَ
 (صحيح بخاری ج ۱ ص ۲۱ طبع صند)

عکرمہ کے علاوہ الفئۃ الباغیہ کے ہاتھ سے حضرت عمار کے قتل
 ہونے کی حدیث خالد حذار نے سعید اور انس کے بھائی حسن سے بھی
 روایت کی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ شعبہ بن حجاج نے بیان کیا

سمعت خالد يحدث عن
 سعيد بن ابی الحسن عن
 أمه عن أم سلمة أن
 رسول الله صلى الله عليه
 وسلم قال لعمار
 تقتلك الفئة الباغية
 میں نے خالد حذار سے سنا وہ
 ابو الحسن کے بیٹے سعید سے نقل کر
 رہا تھا اور سعید نے اپنی والدہ سے اور ان
 نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے
 روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 عمار سے فرمایا تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔

دوسری روایت میں سعید بن ابی الحسن کے ساتھ اس کے بھائی
 حسن بن ابی الحسن کا بھی ذکر ہے کہ دونوں نے اپنی والدہ سے اس حدیث
 کی روایت کی ہے (صحیح مسلم طبع مصر ج ۱ ص ۳۲۱)
 اور دونوں بھائیوں سے خالد حذار نے

یہ خالد حذار کی مسلسل روایت ہے

خالد نے براہ راست نہ حسن سے یہ حدیث سنی تھی نہ حسن کے بھائی

سَعِيد سے پھر ذرا سوچئے تو سہی ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے علم میں یہ حدیث آئی ہوتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسر سے یہ فرمایا تھا تو یقیناً وہ عمار کے بعد متعدد اشخاص سے اس کا ذکر فرماتیں۔ حضرت عمارؓ ۳۷ میں صفین کے معرکہ میں قتل ہوئے۔ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات آخر ۳۷ میں حضرت حسینؓ کے حادثہ فاجعہ کے بعد ہوئی ہے اس مدتِ دراز میں بس حسن بھری کی ماں جس کا نام خیرہ تھا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ کینز اور خادمہ تھی حضرت ام سلمہ سے اس کی روایت کرنا کوئی سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔ حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے علمی استفادہ کرنے اور حدیثیں سننے والوں میں درج ذیل حضرات ہیں۔

ان کا بیٹا عمر، بیٹی زینب، مکاتب غلام نبہان، بھائی عامر بن ابی اُمیہ، بھتیجا مصعب بن عبد اللہ بن ابی اُمیہ چار آزاد کردہ غلام عبد اللہ بن رافع و نافع و سفینہ و ابو کثیر۔ اور سلیمان بن یسار۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما حسنہ بنت حارث فراسیہ۔ صفیہ بنت کشیدہ۔ ابو عثمان ہندی۔ حمید و ابوسلمہ پسران عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سعید بن مسیب ابوالفضل شقیق بن سلمہ۔ صفیہ بنت محصن۔ شعبی عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہا۔ عبد الرحمن بن حارث اور ان کے دو فرزند عکرمہ و ابوبکر۔ عثمان بن عبد اللہ بن موہب۔ عروہ بن زبیر۔ کریم مولا اے ابن عباس قبیسہ بن ذویب۔ نافع مولا اے ابن عمر۔ یعلیٰ بن مملک وغیرہم۔

لیکن ان میں سے کسی نے بھی حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث نہیں سنی۔ کسی نے سنی ہوئی تو ضرور اس کی ضرورتِ روایت کرتا۔ اور حسن بھری رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی بہت لوگ مستفید و مستفیض ہوئے ہیں لیکن خالد حذا کے علاوہ کسی شخص نے حسن یا اس کے بھائی سعید سے اس کی روایت نہیں کی

حسن یا سعید نے یہ حدیث بیان کی ہوئی تبھی تو کوئی اس کی روایت کرتا۔
 خالد حذار کو کسی نامعلوم شخص نے حسن اور سعید کی طرف منسوب کر کے یہ حدیث
 سنادی ہوگی۔ خالد نے اس شخص کا نام ذکر نہیں کیا اور حسن و سعید کی طرف
 منسوب کر کے اس کی روایت کر دی۔ پس خالد حذار نے حضرت ابو سعید خدری
 کی طرف منسوب کر کے اور ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف
 منسوب کر کے حضرت عمار کے متعلق یہ حدیث ذکر کی تھی ابو سعید خدری والی
 حدیث میں تعمیر مسجد نبوی کے لئے کچی اینٹیں ڈھوڈھو کر لانے کا ذکر ہے
 اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا والی حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن
 خالد حذار کی بیان کردہ نہ وہ حدیث درست ہے نہ یہ۔

اور خالد حذار کے علاوہ ابو نضرہ یعنی منذر بن مالک ضعی نے بھی عمار کے
 متعلق ابو سعید خدری سے یہ حدیث روایت کی ہے ابو نضرہ سے ابو مسلم
 اور داؤد بن ابی ہند نے ابو مسلم سعید بن یزید بن مسلمہ طالی کی کنیت سے
 ابو مسلم کی روایت یہ ہے

سمعت ابا نضرۃ یحدث عن
 ابی سعید الخدری قال
 اخبرنی من هو خیر منی ان
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
 سلم قال لعمار حین جعل
 یحفر الخندق وجعل یسبح
 راسہ ولوس ابن سیمۃ نفلک
 فسمۃ باغیۃ۔

میں نے ابو نضرہ سے سنا وہ ابو سعید
 خدری سے روایت کر کے بیان کر رہے
 تھے کہ ابو سعید خدری نے کہا کہ مجھے
 اس شخص نے بتایا جو مجھ سے بہتر ہو
 یعنی ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار سے فرمایا
 جس وقت وہ خندق کھود رہے تھے
 اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کا سر
 صاف کر رہے تھے۔ اے عمار
 تجھے ایک باغی گروہ قتل کر ڈالے گا۔

دوسری روایت میں ہے

اخبرني من هو خير مني ابوقتادة. (صحیح مسلم ۴ ص ۳۳ طبع مہر کتاب الفتن)

داؤد کی روایت یہ ہے

عن ابی ہریرۃ عن ابی سعید قال
اٰمرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ببناء المسجد فجعلنا ننقل
لبنة لبنة وكان صبار ينقل
لبنتين لبنتين فترب راسه
قال ابو سعید خدثني اصحابي
ولم اسجد من رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم انه جعل
ينفض راسه ويقول ويحك
يا ابن سمية تقتلك الغيلة
الباغية (مسند ۳ ص ۵)

ابونضرہ نے حضرت ابوسعید خدری
روایت کی ہے ابوسعید نے کہا کہ
ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا تو ہم ایک
ایک کچی اینٹ لانے لگے اور عمار
دور دروچی اینٹیں لا رہے تھے۔ ان
کا سر خاک آلود ہو گیا۔ ابوسعید کہتے
ہیں کہ میرے ساتھیوں نے مجھ سے
ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمار کا
سر جھڑنے اور فرمانے لگے۔ ارے ابو
سمیہ کے بیٹے تجھے باغی گروہ قتل کرے گا
ابوسعید نے بتایا کہ میں نے بگوش خود
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات
نہیں سنی۔

ابونضرہ سے یہ حدیث ابومسلمہ اور داؤد بن ابی ہند نے روایت کی ہے۔ دونوں کی
کی روایت یکساں ہونی چاہیے لیکن دونوں کی روایت میں اسناد کا بھی اختلاف
اور متن کا بھی سخت اختلاف ہے۔ اسناد کا اختلاف یہ ہے کہ ابومسلمہ کی روایت
کے مطابق حضرت ابوسعید خدری نے یہ حدیث حضرت ابوقتادہ سے سنی تھی
اور داؤد کی روایت یہ بتا رہی ہے ابوسعید نے یہ حدیث اپنے ساتھیوں سے
سنی تھی۔ ان ساتھیوں میں سے ابوسعید نے کسی کا نام نہیں لیا۔ اور متن کا
اختلاف یہ ہے کہ ابومسلمہ کی روایت کے مطابق غزوہ خندق واقع شد

کے موقع پر جب دیگر مومنین کے ساتھ عمار بن یاسر بھی خندق کھود رہے تھے
 تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ بات فرمائی تھی اور داؤد کی
 روایت کے مطابق سلمہ میں تعمیر مسجد کے لیے چکی اینٹیں ڈھوڑھو کر لانے
 کے وقت آپ نے عمار سے یہ پیش گوئی فرمائی تھی، اس ناقابل حل اختلاف
 سے قطع نظر ابو نضرہ کی روایت بتاتی ہے کہ ابو سعید نے براہ راست رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم سے عمار کے متعلق یہ بات نہیں سنی تھی، ابو نضرہ کے
 دونوں تلمیذ اسے بیان کرنے میں متفق ہیں ابو سلمہ بھی اور داؤد بن ابی ہند
 بھی ابو نضرہ کی روایت بتاتی ہے کہ ابو سعید خدری کو عمار کے متعلق یہ حدیث
 حضرت ابوقتادہ سے معلوم ہوئی تھی اور ابوقتادہ نے رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم سے سنی تھی، لیکن عقل اسے باور نہیں کرتی کہ ابوقتادہ نے
 یہ حدیث ذکر کی ہو، کیونکہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے
 ساتھی اور محمد صی تھے ان کی بیٹی حضرت حسن کے نکاح میں تھیں،
 ابوقتادہ کی وفات ۳۵ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں
 ہوئی ہے۔ اور عمار بن یاسر سلمہ میں قتل ہوئے تھے۔ پس
 اگر ابوقتادہ نے عمار کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد
 ”تقتلک الفیئۃ المباعیۃ“ سنا ہوتا تو ابوقتادہ
 عمار و علی کے طرفدار ہونے کی وجہ سے اسے برملا بیان کرتے
 اور عام لوگوں کو اس سے آگاہ فرماتے یہ کوئی راز کی بات نہ تھی
 کہ بس ابو سعید خدری کو ہی موصوف نے یہ راز کی بات بتادی تھی
 حق یہ ہے کہ نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمار بن یاسر
 کے متعلق یہ فرمانا ثابت ہے نہ ابو سعید خدری یا ابوقتادہ
 انصاری یا حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے

اسے بیان کیا تھا۔ عکرمہ و ابو منفرہ نے نہ معلوم کس سے یہ
 بے بنیاد بات سن لی تھی۔ دونوں رافضی تونہ تھے لیکن مخالفانِ
 علیؑ کے مخالف تھے۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ کے ارشاد
 اِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ حِشْرٌ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مَا فِي الْاَيْتِيْنَ
 کے متعلق عکرمہ کی کڑی حدیث جو اس نے
 حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے

اس حدیث کو نقل کرنے سے پہلے میں ناظرین کے سامنے سورۃ الانفال
 کی ان دو آیتوں کی تفسیر رکھ دینا چاہتا ہوں۔
 سورۃ الانفال سورہ میں مغزوۃ بدر کے بعد نازل ہوئی تھی۔ جنگ میں
 جیت حاصل ہونے کی ضروری تدبیر یہ بھی ہے کہ قائد اپنی فوج کو یقین دلائے
 کہ تم ہی جیتو گے اور دشمن کو لازمًا شکست ہوگی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ مومنین کو کفار سے لڑنے پر خوب ابھاریے
 اور انہیں بتائیے کہ فتح و ظفر تمہارے لئے ہی طے شدہ ہے بشرطیکہ
 مقابلہ پیرڈے رہو اور ثابت قدم رہو تمہیں تو دس گنے زائد کفار پر
 غالب آنا چاہیے۔ بھیڑوں کی کثرت سے شیر کو کیا غم۔ مگر چونکہ ہنوز تمہیں
 ضروری سامان جنگ حاصل نہیں ہے اور تم کچھ کمزوری سے دوچار ہو اسلئے
 سدرست چلو گئے کفار سے ہی مقابلہ کرو اپنے سے دو گنے کفار پر

تو تمہیں غالب آنا ہی ہے یعنی موجودہ بے سرو سامانی کی حالت میں بھی تم میں سے سو دو سو پر اور ایک ہزار دو ہزار پر غالب رہیں گے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ

(۱) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ط

اے نبی کفار سے جنگ کرنے پر
مؤمنین کو خوب ابھار (اور انہیں
بتا دے کہ) اگر تم میں سے کچھ
جانے والے اشخاص ہوں گے

ان یکن منکم عشرون صابرون
وان یکن منکم مائۃ یغلبوا
القاصین الذین کفروا -

تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں
سے سو اشخاص ہوں گے تو ایک ہزار کافروں
کو بچا دکھائیں گے اس وجہ سے کہ کفار ایسے
لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے، ان میں سمجھ ہوتی تو طریق کفر چھوڑ کر راہ ایمان اختیار
کر لیتے اور اللہ کے غضب و راجی عذاب کی بجائے اس کی رحمت اور ابدی انعام
و ثواب کے مستحق بننے کی کوشش کرتے مگر ان کے نزدیک جو کچھ ہے یہ ہے
دنیا کے فانی ہے، لا محالہ انہیں دینی زندگی اور اس کی لذتیں اور نعمتیں ہی
مطلوب و محبوب ہیں اس لئے وہ اپنی زندگی کو بچانے کی ہی کوشش کرتے ہیں
اور جنگ میں عموماً وہی غالب رہتا ہے جو جان پر کھیل جانے اور موت کے
پروانہ کرنے والا ہو۔ پس یوں تو ایک مؤمن کو دس کافروں پر غالب
آنا چاہیے لیکن -

(۲) اَلَا اِنَّ خُفَّ السَّيْرِ عَنْكُمْ وَعِلْمُ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ط

سروست اللہ نے تم سے بار ہلکا کیا اور جاننا ہے کہ تم میں کچھ کمزوری ہے
یعنی تمہارے پاس آلات جنگ کافی نہیں ہیں۔ نہ گھوڑے ہیں نہ ہتھیار
اس ارشاد میں خُفَّ السَّيْرِ عَنْكُمْ معطوف علیہ ہے وَعِلْمُ اَنَّ فِيْكُمْ
ضَعْفًا معطوف ہے یہاں عطف بیان سبب کے لئے ہے۔ یعنی معطوف
سبب ہے معطوف علیہ کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ

تم اصل ایمان ابھی اس لائق نہیں ہو کہ گرد و پیش پھیلے ہوئے کفار سے
 پوری توانائی کے ساتھ جنگ کر سکو اس لئے سر دست تم پر بار ہلکا رکھا ہے
 فان یکن منکم مائۃ صابرةؕ پس اگر تم میں سے سو ڈٹ جانے والے
 یغلبوا مائتۃؕ : اشخاص ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے
 وان یکن منکم الف یغلبواؕ اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے
 الفین باذن اللہؕ ط تو وہ دو ہزار پر غالب ہوں گے اللہ کے
 واللہ مع الصابریینؕ ط حکم سے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے
 یعنی اس کی نصرت و حمایت ان مومنین کے شامل حال ہوا کرتی ہے جو حق کا بول
 بالا کرنے کے لئے اصل باطل کے مقابلہ پر ڈٹ جائیں اور جس فریق کے ساتھ
 اللہ ہو جسے اس کی نصرت و حمایت حاصل ہو وہ مقابل فریق پر غالب ہی رہے گا
 یہ سر دست مسلم مجاہدین کا دو گنے کفار پر اور آئندہ ضعف دور اور قوت
 حاصل ہو جانے پر دس گنے زائد کفار پر غلبہ اللہ تعالیٰ کا اصل ایمان کو دیا ہوا
 وعدہ فتح و ظفر ہے جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصل ایمان کو آگاہ
 فرمایا ہے۔ اور یہ وعدہ فتح و ظفر ہمیشہ پورا ہوا ہے اور پورا ہوتا رہے گا۔
 ضعف کی حالت یعنی آلائہ جنگ کی قلت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
 عہد میں رہی جنگ بدر و جنگ احد و جنگ اخزاب اور جنگ خیبر میں مسلمانوں
 کو تقریباً تین گنے زائد کفار سے مقابلہ کرنا پڑا اور غزوہ حنین میں تو مجاہدین
 مومنین کی تعداد کفار سے بڑھ چڑھ کر تھی۔ ہاں جنگ موتہ میں مسلمان چار ہزار
 تھے اور ان کے مقابل عیسائی تقریباً ایک لاکھ۔ جنگ موتہ کے علاوہ مسلمانوں
 کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دس گنے زائد کفار سے جنگ
 کرنے کی نوبت نہیں آئی مگر خلفائے ثلاثہ حضرات ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ
 عنہم کے عہد میں پھر حضرت معاویہؓ پھر عبدالملک بن مروان اور ولیدؓ سے
 عبدالملک رحمہما اللہ کے عہد میں شاید ہی کوئی ایسا معرکہ ہوا ہو جس میں کفار مومنین سے

دس گئے زائد نہ ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ اصل اسلام کو اہل کفر کے مقابلے میں شکست
 اسی صورت میں ہوئی ہے کہ وہ شرط صبر و ثبات بجالانے میں کوتاہ و قاصر رہے
 میں نے اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق سے تفسیر مفتاح القرآن میں ان دونوں آیتوں
 کی جو تفسیر تحریر کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہی ہے۔

جن لوگوں نے پہلی آیت کو منسوخ اور دوسری آیت کو ناصح بتایا ہے اور کہا
 ہے کہ پہلے ان یکن منکم عَشْرُونَ صَابِرُونَ یَغْلِبُوا مَاتِینَ حکم تھا
 پھر اللہ نے اسے منسوخ کر کے حکم فان یکن منکم مائۃ صَابِرُونَ یَغْلِبُوا مَاتِینَ
 نازل فرمایا۔ یعنی پہلے دس یا اس سے کم کافروں کے مقابلہ سے کسی مسلمان کا بھاگ
 جانانا جائز تھا۔ پھر یہ حکم ہوا کہ ایک مسلمان دو کافروں کے مقابلہ سے نہ بھاگے
 تین یا اس سے زائد ہوں تو ان کے مقابلہ سے کسی مسلمان کا بھاگ جانانا
 ناجائز نہیں ہے۔

لیکن یہ قول قطعاً غلط ہے نہ پہلی آیت میں کوئی حکم مذکور ہے نہ دوسری میں۔
 نہ دوسری آیت ناسخ ہے نہ پہلی منسوخ کیونکہ نسخ احکام میں ہی چلتا ہے
 لوگوں کو اس غلط فہمی میں صحیح بخاری میں درج شدہ عکرمہ کی بیان کی ہوئی
 حدیث نے ڈالا ہے جس کی اس نے عبد اللہ بن عباس سے روایت کی ہے
 لما نزلت ان یکن منکم عَشْرُونَ جب پہلی آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر
 صَابِرُونَ یَغْلِبُوا مَاتِینَ شق اس کا مضمون شاق گذرا کیونکہ اس کے
 ذلک علی المؤمنین حین رو سے انہیں حکم ہوا تھا کہ ایک مسلمان
 فرض علیہم ان لا یمضوا احد من عشرة فجاء التخفيف دس کافروں کے مقابلہ سے نہ بھاگے
 فقال لان خفت الله عنکم الآية پس تخفیف آگئی یعنی دوسری آیت
 قال فلما خفف الله عنهم من جس میں دو گئے کفار سے مقابلہ کرنے کا
 العدة نقص من الصبر بقدر حکم ہے راوی نے کہا ہے کہ جب قدر اللہ نے
 مؤمنین سے تعداد میں تخفیف فرمائی اسی قدر

ان کی قوتِ صیر گھٹا دی۔ یعنی پہلے ایک مومن مجاہد میں دس کافروں کے مقابلہ پر ڈٹے رہنے کی قوت تھی آیتِ تخفیف کے نزول کے بعد دو کافروں کے مقابلہ پر ہی ثابت قدم رہنے کی قوت رہ گئی۔

یہ روایت شروع سے آخر تک عکرمہ کی بڑی نازیبا غلط بیانی ہے اسلئے کہ سورۃ الانفال کے نزول کے زمانہ میں حضرت عبداللہ بن عباس مدینہ میں نہ تھے پانچ یا چھ سال کی عمر کے بچہ تھے اور اپنے والدین کے ساتھ مکہ میں ہی تھے غزوہ بدر کے چھ سال بعد مکہ مکرمہ فتح ہوا تھا۔ اس کے بعد اپنے والدین کے ساتھ مکہ سے مدینہ منتقل ہوئے تھے پس ابن عباس کو کیسے معلوم ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ کا ارشاد ”ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا ما یتین“ نازل ہوا تو مومنین پر شاق گذرا۔ آخر دوسری آیت ”الان خففت اللہ عنکم“ نے نازل ہو کر انہیں تسکین بخشی۔ حالانکہ کوئی لفظی یا معنوی دلیل موجود نہیں ہے جو یہ بتائے کہ ان دونوں آیتوں کے درمیان نزول کے لحاظ سے کچھ دنوں کا فاصلہ رہا ہے۔ اور یہ جو اس حدیث میں راوی یعنی عکرمہ یا ابن عباس کا قول مذکور ہے کہ اللہ نے جس قدر مومنین سے تعداد میں تخفیف فرمائی اسی قدر ان کی قوتِ صیر گھٹا دی تو یہ بات نہ صرف بے دلیل ہے بلکہ خلاف واقع ہونے کی وجہ سے قطعاً غلط ہے کیونکہ جیسا کہ معلوم ہے جنگِ موتہ کے سوا کسی بھی جنگ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مسلمانوں کا دس گنے زائد کفار سے مقابلہ نہیں ہوا لیکن حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد میں اہل اسلام کا ہر معرکہ میں تقریباً دس گنے زائد کفار سے مقابلہ ہوا ہے۔ اور یہ حضرت عبداللہ بن عباس کے سامنے کی بات ہے بعض معرکوں میں وہ خود بھی شریک رہے ہیں۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ابن عباس نے یہ خلاف واقع اور قطعاً غلط بات کہی ہو۔

علاوہ بریں ایک عظیم خرابی عکرمہ کی اس روایت میں یہ ہے کہ اسی کے مضمون کے مطابق جب اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں مسلمانوں کو دس گئے زائد کفار سے جنگ کرنے اور ان کے مقابلہ پر ڈٹے رہنے کا حکم دیا تو معاذ اللہ اس وقت اسے معلوم نہ تھا کہ مومنین اس قابل نہیں ہیں اور ان میں کمزوری ہے پھر جب اللہ نے جان نیا کہ اہل اسلام اپنی کمزوری کی وجہ سے اس حکم کے مشتمل نہیں ہو سکتے تب تخفیف فرمائی اور دس گئے زائد کی بجائے دو گئے زائد کفار سے ہی مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔

اور اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ غلط عقیدہ یہود و افق کا ہے جسے اصطلاح میں ”عقیدہ بدار“ کہتے ہیں۔ اہل اسلام اس عقیدے سے بیزار و بری ہیں۔ ہمارا ربّ علیم ایسی ذات نہیں ہے جو بے جا بنے ہو جیسے کوئی حکم صادر فرمائے پھر پچھتائے دنیوی حکمران پر بھی عقلاً لازم ہے کہ کسی حکم کو صادر کرنے سے پہلے حالات کا اچھی طرح جائزہ لے لے۔ سبحانہ و تعالیٰ عن ذلک علواً کبیراً۔ ان روشن وجوہ کی بنا پر میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس کی طرف اس کی نسبت قطعاً غلط ہے اور یہ ان پاشناپ روایت ناقابل التفات ہے۔

⑫ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ قحط کے موقع پر
حضرت عباس بن محمد المطلب رضی اللہ عنہ
کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگا کرتے تھے؟

صحیح بخاری میں درج یہ حدیث اس سوال کا جواب اثبات میں دیتی ہے
امام بخاری نے کہا ہے

حدثنا الحسن بن محمد قال حدثنا محمد بن عبد الله
الانصاري قال حدثني ابي عبد الله بن المهثني عن ثمامة بن
عبد الله بن النسي عن النسي بن مالك ان عمر بن الخطاب
رضي الله عنه كان اذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبد المطلب
رضي الله عنه فقال اللهم انا كنا نتوسل اليك بنبينا فتسقينا وانا
نتوسل اليك بعم نبينا فاستقنا. قال فيسقون (صحیح بخاری
ص ۱۳۷ ابواب الاستسقاء) وم ۲۶ کتاب المناقب - طبع ہند

ہم سے حسن بن محمد بن صباح زعفرانی نے بیان کیا کہ ہم سے محمد بن عبد اللہ
انصاری نے بیان کیا کہ مجھ سے میرے والد عبد اللہ بن مثنیٰ نے بیان
کیا اپنے چچا ثمامہ بن عبد اللہ بن النسی سے روایت کر کے ثمامہ نے
اپنے دادا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت عمر بن خطاب
کایہ عمل تھا کہ جب لوگ مبتلائے قحط ہوتے (اور بارش کے لئے دعا
کی ضرورت ہوتی) تو حضرت عباس بن عبد المطلب کے وسیلہ سے بارش
کی دعا کرتے۔ کہتے کہ خدایا ہم (بوقت حاجت) اپنے نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کو تیری طرف وسیلہ بناتے تھے تو ہمیں بارانِ رحمت سے
نواز دیتا تھا (اب ہمارے نبی تو ہمارے درمیان ہیں نہیں اس لئے)

ہم تیری طرف اپنے نبی کے چپا کو وسیلہ بناتے ہیں ہم پر بارش نازل فرما۔
حضرت انس نے کہا کہ حضرت عمر یہ دعا فرماتے تھے تو بارش نازل ہو جاتی تھی
اور لوگ قحط کی آفت سے نجات پا جاتے تھے۔

یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ کے افراد میں سے ہے یعنی مسلم و ابوداؤد
ونسائی و ترمذی و ابن ماجہ نے اس کی تخریج نہیں کی۔ اور سنن بیہقی میں
مذکور ہے کہ ابوسعید بن الاعرابی نے بھی بخاری کے شیخ حسن بن محمد بن
صباح زعفرانی سے اس کی روایت کی ہے مگر اسناد میں حضرت انس کا ذکر
نہیں کیا اور یہ بتایا کہ تمامہ نے بیان کیا کہ حضرت عمر کا یہ عمل تھا الخ
پس بخاری کی روایت میں یہ حدیث متصل ہے اور ابوسعید کی روایت میں
مسل ہے۔ یوں سمجھئے کہ جب حسن بن محمد نے بخاری کو یہ حدیث
سنائی تھی تو یہ بتایا تھا کہ یہ حدیث حضرت انس کی بیان کردہ ہے۔

اور جب ابوسعید بن الاعرابی کو سنائی تھی تو یہ بتایا تھا کہ یہ قصہ تمامہ حضرت
انس کے پوتے کا بیان کیا ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ تمامہ نے حضرت عمر کا
کا زمانہ نہیں پایا پس اس حدیث کا متصل اور حضرت انس کی بیان فرمودہ
احادیث میں سے ہونا ہی محل نظر ہے۔

اور اس کے غریب ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں حسن بن محمد زعفرانی ہی اس کا
راوی ہے۔ حسن بن محمد کی وفات امام بخاری کے بعد ۲۵۶ھ میں ہوئی ہے۔
اور محمد بن عبد اللہ بن مثنیٰ کا انتقال ۲۱۵ھ میں ہوا ہے وہ خلیفہ ہارون
الرشید رحمہ اللہ کی طرف سے بصرہ کے قاضی رہے ہیں۔ محمد بن عبد اللہ
کے علاوہ اور کسی بھی شخص نے عبد اللہ بن مثنیٰ سے یہ حدیث روایت نہیں کی
خلفائے بنی امیہ کے عہد میں اس حدیث کا کسی کو علم نہ ہوا۔ عباسی دور میں
ہی منظر عام پر آئی تھی تو کیا یہ کوئی راز کی بات تھی جس کے اظہار کے لئے

ایران اور ایشیا عباسی سلطنت کے عہد کے منتظر تھے اور خلفائے بنی امیہ کے عہد میں اسے فاش کرنے میں کوئی خطرہ محسوس کرتے تھے!۔

پھر یہ حدیث بتاتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں عامۃ الناس کو کئی بار خشکی و قحط سال کی آفت پیش آنی لگتی، حالانکہ صحیح تاریخ کی رو سے حضرت عمر کے مبارک عہد میں خشک سالی کا حادثہ ایک بار بھی پیش نہیں آیا۔ نیز قرآن کریم کی کئی آیت میں یہ مذکور ہے نہ کسی صحیح حدیث میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے کسی غرض کے لئے حق تعالیٰ سے دعا کرنا آپ کی زندگی میں تو جائز ہے اور آپ کی وفات کے بعد جائز نہیں ہے۔ اگر اہل ایمان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کے توسل کے ساتھ دعائیں کیا کرتے تھے تو آپ کی وفات کے بعد آپ کے توسل کے ساتھ دعا کرنے سے کیا مانع تھا۔ آپ کا توسل چھوڑ کر حضرت عمر کو حضرت عباس کا توسل اختیار کرنے کی کیا حاجت تھی؟

بعض اہل علم نے یوں بات بنائی ہے کہ حضرت عمر کے قول "انا کنا نتوسل الیہ بنینا" کا مطلب یہ ہے کہ جب عہد نبوی میں ہمیں ایسی حاجت پیش آتی تھی تو ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کرتے تھے کہ ہمارے لئے بارش کی دعا فرمائیں۔

اور "وانا نتوسل الیہ بنعم بنینا فاسقنا"، کا مطلب یہ ہے کہ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمارے درمیان ہیں نہیں ہے آپ کے چچا ہیں تو ہم آپ کے چچا سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے لئے بارش کی دعا فرمائیں۔ لیکن آگے "فاسقنا"، اس بتاویل کے خلاف ہے یوں بھی عربی زبان میں توسل بمعنی طلب دعا نہیں آتا۔ کلام عرب سے اس معنی کی تائید نہیں ملے گی۔

جلد ہفتم کے متعلق حضرت عمار بن یاسر کی حکایت

اور حضرت عمرو و عمار رضی اللہ عنہما کا قصہ

یہ قصہ تمام محدثین مصنفین نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ بخاری و مسلم و ابوداؤد و سجزی و نسائی و ابن ماجہ و ترمذی و امام احمد و ابوداؤد و طحاوی و دارمی سب نے اس کی تخریج کی ہے ان میں سے کسی کی روایت میں تفصیل کتنی اچھا لہی میں ابھام ہے کسی میں وضاحت یہ سب روایات میں نے تحفۃ القاری شرح صحیح بخاری میں جمع کر دی ہیں اور ہر روایت کا ضروری جائزہ لیا ہے۔ تحفۃ القاری شرح صحیح بخاری عربی زبان میں ہے۔ اس سے عربی دان حضرات ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں یہاں میں ان روایات کا حاصل پیش کر دینے پر اکتفا کرتا ہوں۔

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر دریافت کیا میں جہنی ہو گیا یعنی غسل کی ضرورت پیش آگئی یا نہ دستیاب نہ ہوا کہ غسل کر سکوں اور نماز کا وقت آگیا تو اس صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے کیا نماز نہ پڑھوں یہاں تک کہ پانی مل جائے تب غسل کر کے اس فوت شدہ نماز کی قضا کر لوں۔ یا غسل کے کیے بغیر نماز ادا کر لوں؟

حضرت عمر نے جواب دیا کہ اس صورت میں تمہیں نماز نہ پڑھنی چاہیے یہاں تک کہ پانی مل جائے تب غسل کر کے فوت شدہ نماز کی قضا کر لو۔ حضرت عمر نے فرمایا خود مجھے یہ صورت پیش آجائے تو میرا عمل یہ ہی ہوگا کہ پانی

ملنے کا انتظار کروں گا۔ پانی مل جانے پر غسل کر کے نماز پڑھوں گا۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی اس مجلس میں موجود تھے حضرت عمرؓ کا جواب سن کر لو لے اے امیر المومنین آپ یہ فتویٰ کیسے دے رہے ہیں۔ کیا آپ کو اپنا اور میرا قصہ یاد نہیں رہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں کو ایک مہم پر بھیجا تھا اتفاق سے ایک رات جب کہ ہم جنگل میں تھے مجھے بھی اچھلام ہو گیا اور آپ کو بھی۔ پانی نہ تھا کہ ہم غسل کر سکتے آپ نے تو نماز فجر پڑھی نہیں یہ ہی خیال کر کے کہ ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھنا درست نہیں ہے جب پانی ملے گا غسل کر کے اس نماز کی قضا کروں گا لیکن میں نے سوچا کہ آدمی کو وضو کی ضرورت ہو اور نماز کے وقت وضو نہ ملے پانی نہ ملے تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے یہی حکم غسل کا بھی ہونا چاہیے کہ غسل کی ضرورت ہو اور پانی نہ ملے تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔

لیکن وضو اور غسل میں یہ فرق ہے کہ وضو میں تو بس چہرہ۔ اور ہاتھ اور پاؤں دھوئے جاتے ہیں اور سر کا مسح کیا جاتا ہے لیکن غسل میں تمام بدن دھویا جاتا ہے لہذا غسل کے لئے تیمم کا طرح ہوتا چاہیے کہ پورے بدن پر مٹی کا مسح ہو جائے۔ لہذا میں نے جانور کی طرح مٹی میں لوٹ لگائی اور وقت کے اندر نماز فجر پڑھ لی مدینہ واپس آ کر ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ماجرا سنایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے امیر المومنین آپ سے فرمایا کہ تمہیں نماز نہ چھوڑنی چاہیے تھی وقت کے اندر ہی ادا کر لینی تھی۔ اور مجھ سے فرمایا کہ غسل کے تیمم کے لئے مٹی میں لوٹ لگانے اور پورے بدن کو خاک آلود کرنے کی حاجت نہ تھی جسے وضو کا تیمم ہوتا ہے ایسے ہی غسل کا تیمم بھی ہے۔ یہ فرما کر ہمیں عملاً تیمم کر کے دکھایا زمین پر دونوں ہاتھ مارے اور اپنے رُوسے انور اور دونوں ہتھیلیوں پر پھیر لے یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ عمار کیا کہہ رہے ہو اللہ سے ڈرو، یعنی حضرت عمرؓ کو وہ قصہ جو عمار نے ان کا اور اپنا بیان کیا تھا یاد نہ آیا۔ اس پر عمار نے عرض کیا اے امیر المومنین

آپ کی اطاعت مجھ پر فرض ہے۔ آپ اگر فرمائیں تو میں کبھی اس قصہ کا ذکر نہ کروں گا
حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے تو یہ قصہ یاد نہیں ہے اور میں تمہیں جھوٹا بھی نہیں سمجھتا
اپنی ذمہ داری پر تم اسے بیان کر سکتے ہو۔

یہ پورا افسانہ سعید بن عبد الرحمن کا روایت کردہ ہے سعید نے بتایا ہے کہ مجھے
یہ سب کچھ اپنے والد عبد الرحمن بن ابی بکرؓ سے معلوم ہوا ہے اور عبد الرحمن بن ابی بکرؓ
اس وقت حضرت عمرؓ کے پاس تھے جب ان سے ایک شخص نے جنابت کا یہ مسئلہ
دریافت کیا اور حضرت عمرؓ نے اس کا جواب دیا تھا اور اس پر حضرت عمرؓ نے
حضرت عمرؓ کو اپنا اور ان کا یہ قصہ یاد دلایا تھا۔

لیکن میرے نزدیک شروع سے آخر تک یہ افسانہ محض بے اصل افسانہ ہی ہے
کاشح مدنی نے اسے نقل کرتے اور کتب حدیث میں درج فرمانے میں
کچھ عقل سے کام لیا ہوتا۔ ناظرین درج ذیل باتیں غور سے پڑھیں تو یقیناً
اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ واقعی یہ افسانہ اول سے آخر تک محض بے اصل ہے
(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ حافظ قرآن تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کی زندگی میں ہی حفظ قرآن مجید کی دولت سے مالا مال ہو چکے تھے۔
قرآن کریم میں دو جگہ ارشاد ہوا ہے ”وَاَنْ كُنْتُمْ مَرْضًى اَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ اَوْ
جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ اَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً
فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوْعِكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ“ یہ ارشاد
سورۃ النّار میں بھی ہے اس کے بعد سورۃ المائدہ میں بھی سورۃ المائدہ
میں اس کے بعد مِنْہُ کا اضافہ ہے۔

اس ارشاد میں تھریح ہے کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم دھنوکا بھی بدل ہے
اور غسل جنابت کا بھی یہ ارشاد جب اولاً نازل ہوا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے تمام حاضر صحابہ کو سنایا تھا تبھی حضرت عمرؓ نے بھی اسے سنا
اور سمجھا اور دل نشین کر لیا تھا۔ پھر صحیح بخاری کتاب التیمم میں ہے کہ

ایک سفر میں جس میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی آئے ساتھ تھے آپ نے
 حاضرین کو نماز فجر پڑھائی، فارغ ہونے پر ایک صاحب کو الگ تھلک بیٹھ
 ہوئے دیکھا فرمایا: مَا مَنَعَكَ اَنْ تَصَلِيَ مَعَنَا؟ ہمارے ساتھ نماز
 پڑھنے کے لئے کس چیز نے روکا؟ عرض کیا: اَصَابَتْني حَنَابَةٌ وَّلَامَا و
 نَحْنُ اَحْتِلَامُ کی وجہ سے غسل کی ضرورت پیش آگئی اور پانی ہے نہیں کہ
 غسل کر سکتا۔ فرمایا: عَلَيْكَ بِالصَّعِيدِ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ۔ یعنی مٹی سے
 تیمم کر لو پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کافی ہے۔ یہ حدیث عمران بن
 حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ پھر جنگ یمامہ کے بعد خلافت صدیق میں
 حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی نگرانی و اہتمام کے تحت پورا قرآن کریم ایک
 مصحف میں لکھا گیا۔ حضرت عمرؓ نے نہایت توجہ کے ساتھ اس کی ایک
 ایک آیت سنی۔ اور اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنی مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ
 نے یہ آیت تلاوت کی ہوگی جس میں صراحۃً مذکور ہے کہ پانی نہ ملنے کی
 صورت میں وہ شخص بھی تیمم کرے جسے وضو کی حاجت ہو اور وہ شخص بھی
 جسے غسل کی حاجت ہو۔ تو کیا ایسے ظاہر و واضح حکم قطعی سے
 حضرت عمرؓ غافل ہو سکتے تھے وہ عمر جو الناطق بالحق والصواب
 جن کی رائے وحی قرآن کے مطابق ہو اگرتی تھے۔ پس یہ نہیں ہو سکتا
 کہ حضرت عمرؓ نے اس شخص کو جس نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ
 غسل کی ضرورت ہو اور پانی نہ ملے اور نماز کا وقت آجائے تو کیا کروں
 یہ جواب دیا ہو کہ پانی پانے کا انتظار کرو اور غسل کیے بغیر نماز نہ پڑھو۔
 (۲) کیا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو آیت تیمم یاد نہ تھی؟ اگر فرض بھی کر لیا
 جائے کہ حضرت عمرؓ نے اس شخص کو غلط فتویٰ دیدیا تھا تو عمار حضرت عمرؓ کو
 آیت تیمم یاد دلادیتے وہ اول جہول قصہ بیان کرنے کی حاجت نہ تھی۔
 (۳) اس حدیث میں مذکور ہے کہ عمار نے وہ قصہ بیان کیا تو حضرت عمرؓ کو

وہ یاد نہ آیا اور عمار سے کہا در اتق اللہ یا عہد، یقیناً حضرت عمرؓ ایسے بھٹکڑ اور کمزور یادداشت والے نہ تھے کہ اس قصہ کو بھول جاتے اور یاد دلانے پر بھی انہیں وہ یاد نہ آتا۔ حضرت عمرؓ کا اسے باور نہ کرنا یہ ہی معنی رکھتا ہے کہ وہ قصہ سرے سے پیش ہی نہ آیا تھا۔ نہ ہی حضرت عمارؓ کے متعلق تصور کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ان ہوا قصہ بیان کیا ہو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دروغ بانی کے مرتکب ہوئے ہوں۔ یہ تو راوی سعید بن عبد الرحمن کی فضول گوئی ہے اور بس۔

(۴) اس قصہ سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت عمارؓ اس بات سے واقف تھے کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم وضو کا بدل ہے۔ سوال یہ ہے کہ عمارؓ کو اس کا علم کیسے ہوا تھا؟ اس کا جواب یہ ہی ہے کہ جب آیت تیمم نازل ہوئی تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین صحابہ کو سنائی تھی تو ان میں عمارؓ بھی تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو آیت بھی پڑھ کر سنائی پھر انہیں عملاً تیمم کر کے بھی دکھایا اسی کے مطابق سب نے تیمم کیا اور نماز فجر ادا کی اور اسی آیت میں صراحۃً مذکور ہے کہ کسی کو غسل جنابت کی ضرورت پیش آگئی اور پانی دستیاب نہ ہو تو وہ بھی تیمم کرے۔ اور یہ کہ تیمم پاک مٹی پر مارے ہوئے ہاتھوں کو چہرے اور ہاتھوں پر پھیرنا ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جنابت کے تیمم کے لئے حضرت عمارؓ نے جانور کی طرح مٹی میں لوٹ لگائی ہو۔

(۵) اس میں مذکور ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے اس قصہ میں عمارؓ کی تصدیق نہیں کی اور "اتق اللہ یا عہد"، فرمایا تو عمارؓ نے عرض کیا "ان شئت دیا امیر المؤمنین لم احدث بها احداً لما جعل اللہ لك علی من حق"، یعنی آپ چاہیں تو میں یہ قصہ کسی سے بیان نہ کروں گا۔ کیونکہ آپ کی اطاعت مجھ پر لازم ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا ، بل بولیک من ذلک ما قولیت ، یعنی میں تمہیں منع نہیں کرتا ، تم اپنی ذمہ داری پر اسے بیان کر سکتے ہو ، تو کیا حضرت عمارؓ نے پھر کسی کو یہ قصہ بتایا ؟ جواب یہ ہے کہ قطعاً نہیں ۔ کسی سے ذکر فرماتے تو وہ اس کی روایت کرتا ۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمارؓ نے یہ ان ہوا قصہ کبھی بھی بیان نہیں کیا صرف عبدالرحمن بن ابزی کے بیٹے سعیدؓ نے ہی یہ قصہ روایت کیا ہے اور بتایا ہے کہ میرے والد عبدالرحمن بن ابزی بھی حضرت عمرؓ کے مجلس میں تھے جس میں عمارؓ نے حضرت عمرؓ کو یہ قصہ یاد دلانے کی کوشش کی تھی ۔

اب ظاہر ہے کہ یہ واقعہ ہوا ہوتا تو عمارؓ سے متعدد شخصوں نے اسے سنا ہوتا ۔ جب انہوں نے یہ بیان ہی نہیں کیا تو کسی کے سننے کا سوال ہی نہیں اٹھتا ۔ ان واضح و ظاہر وجوہ کی بنا پر میں تسلیم کے متعلق حضرت عمارؓ کی طرف منسوب اس حدیث اور قصہ کو جو عبدالرحمن بن ابزی سے مروی ہے بے اصل و باطل سمجھتا ہوں ۔ ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ اس حدیث کی روایات میں سے کسی بھی روایت کی اسناد میں یہ مذکور نہیں ہے کہ سعید بن عبدالرحمن نے بتایا ہو کہ میں نے یہ حدیث اپنے باپ سے سنی یا مجھے میرے باپ نے یہ حدیث بتائی یعنی اس نے تحدیث ابی یا سمعت ابی یا أخبرنی یا انبأنی الجہ نہیں کہا ۔ ان لفظوں میں سے کوئی لفظ کہا ہوتا تو یہ جلتا کہ سعید کو یہ حدیث براہ راست و بلا واسطہ اپنے باپ سے معلوم ہوئی تھی مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہر روایت کی اسناد میں عنہ ہے یعنی لفظ عن کے ساتھ ، سعید بن عبدالرحمن عن ابیہ ہے پس ہو سکتا ہے کہ سعید نے یہ قصہ کسی شخص سے سنا ہو اور اس نے بتایا ہو کہ مجھے یہ قصہ تمہارے والد عبدالرحمن بن ابزی سے معلوم ہوا تھا سعید نے اس شخص پر اعتماد کر کے اس کا نام لئے اور ذکر کئے بغیر

اس کی روایت کر دی ہو۔

بہر کیف یہ حدیث وقصہ قطعاً بے اصل ہے اور سنیے ناجیہ بن خفاف غفری نے اس قصہ کی روایت خود عمار بن یاسر سے کی ہے مگر اس نے حضرت عمر کی بجائے حضرت عبداللہ بن مسعود کا نام لیا ہے۔ اس کی تخریج امام احمد نے کی ہے۔ کہا ہے

حدثنا ابو بکر بن عیاش ثنا ابو اسحق عن ناجیة الغفری قال قد ارأی عمار وعبدا اللہ بن مسعود فی التیمم فقال عبد اللہ لو مکنت شہراً لا اجد فیہ المار لہما صلیت۔ فقال لہ عمار اما تذکر ان کنتم انا وانت فی الابل فاجنبت فتمکنت تمک الدابة فلما رجعت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخبرته بالذی صنعت فقال انما کان ینفیک التیمم (مسند ۷ ص ۲۶۳)

ترجمہ

ناجیہ کا بیان ہے کہ تیمم کے متعلق عمار بن یاسر و عبداللہ بن مسعود میں بحث ہوئی، عبداللہ نے کہا مجھے مسلسل ایک ماہ تک پانی نہ ملتا (اور نہ پھر غسل واجب ہوتا) تو میں ایک ماہ تک نماز نہ پڑھتا۔ تو عمار نے ان سے کہا آپ کو یاد نہیں جب میں اور آپ دونوں اونٹوں کو حرا نے کی خدمت میں جنگل میں تھے۔ رات کو غسل کی ضرورت پڑ گئی تو (پانی نہ ہونے کی وجہ سے) میں نے غسل کے تیمم کی غرض سے جانور کی طرح خاک میں لوٹ بگائی۔ پھر جب مدینہ واپس ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ فرمایا تمہیں تیمم (یعنی جو وضو کے لئے کیا جاتا ہے) ہی کفایت کرتا تھا یعنی وضو و غسل دونوں کا تیمم ایک ہے۔ وہ سعید بن عبدالرحمن کی تفہیم

گوئی رتھی اور یہ ناجیہ عنزی کی غپ شپ ہے۔ نہ وہ درست ہے نہ یہ صحیح ہے۔

تیمم میں ایک ضرب ہیا دو۔ اور ہاتھوں کا
پہنچوں تک مسح کیا جائے یا کہنیوں تک

سعید بن عبد الرحمن کے روایت کردہ قصہ عمار و عمر کی روایات میں مذکور ہے کہ
عمار بن یاسر نے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا وہ ماجرا سنایا کہ پانی نہ
ہونے کی وجہ سے میں نے مٹی سے طہارت حاصل کرنے کی غرض سے جانور
کی طرح مٹی میں لوٹ لگائی تھی تو آپ نے فرمایا تمہیں یہ بس کر لینا کافی تھا
یہ کہہ کر آپ نے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور دوئے الزر پر اور دونوں
ہاتھیلوں پر پھیر لیے۔

اسی سے استدلال کر کے امام بخاری اور عام محدثین نے یہ کہا ہے
کہ تیمم میں بس ایک ضرب یعنی ایک بار مٹی ہاتھوں کو مارنا ہے وہ دونوں
ہاتھ اولاً پورے چہرے پر پھیر لیے جائیں پھر پہنچوں تک دونوں ہاتھیلوں
پر یعنی بایاں ہاتھ داینے کف دست پر اور داینا ہاتھ بائیں کف دست
پر۔ اور میں ثابت کر چکا ہوں کہ سعید بن عبد الرحمن کی روایت کردہ یہ حدیث
لغو و ناقابل التفات ہے۔ لہذا اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہے
اس مسئلہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل اور فتویٰ ہی اس
لائق ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے موطا
میں امام نافع سے جو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے خادم خاص تھے اور پوری امت

ان کے ثبت وثقہ و حجت ہونے پر اتفاق رکھتی ہے۔ روایت کی ہے۔
 انه اقبل هو وعبد اللہ بن عمر من الجرف حتی اذا کان بالہرمجہ
 نزل عبد اللہ فتیم صعد اطبیا فمسح بوجہہ وید یہ
 الی المرفقین ثم صلی (موطأ ص ۱۰۷ طبع لہند)

یعنی جرف نامی مقام میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نافع کے ساتھ
 اپنی جا بردار کی دیکھ بھال کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ واپسی میں
 مقام مریہ تک پہنچے تو عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ وہاں پانی نہ تھا۔ حضرت
 عبد اللہ اپنی سواری سے نماز کے لئے اترے پاک مٹی سے تیمم کیا
 تو اپنے چہرے اور کہنیوں تک دونوں کلائیوں پر مسح کیا پھر نماز
 ادا فرمائی۔ عبد الکریم جزری و عبد العزیز بن ابی رزاد اور حشام بن
 عروہ نے نافع سے روایت کی ہے۔

قال سألت ابن عمر عن التیم ف ضرب بید یہ الی الارض
 ومسح بہما ید یہ ووجہہ و ضرب ضربۃ اخری ف مسح
 بہما ذراعین۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۶۸ طبع ہند)

نافع کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے تیمم کے
 متعلق پوچھا تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مار کر ہاتھوں اور چہرے
 پر پھیرے اور دوسری بار دونوں ہاتھ زمین پر مار کر کلائیوں کا مسح کیا
 امام ابو حنیفہ و امام مالک و امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ اور جمہور اہل علم
 اس کے قائل ہیں کہ تیمم میں دو ضرب ہیں۔ پہلی ضرب میں پورے چہرے کا اور دوسری
 میں کہنیوں سمیت کلائیوں کا مسح کیا جائے منظر صحیح سے بھی اسی کی تلبید ہوتی۔
 ہے کیونکہ وضو میں چار اعضاء ہیں۔ چہرہ دھونے کے بعد نیا پانی لیکر ہاتھ کہنیوں
 سمیت دھوئے جاتے ہیں پھر نیا پانی لے کر سر کا مسح کیا جاتا ہے پھر
 نیا پانی لے کر پاؤں دھوئے جاتے ہیں تیمم میں اللہ تعالیٰ نے ان چاروں سے دو کوینی

سر اور پاؤں کو ساقط کر دیا ہے پس جیسے وضو میں چہرہ دھونے کے لئے الگ پانی اور کلائیوں کو دھونے کے لئے الگ پانی لیا جاتا ہے اسی طرح تیمم میں چہرے پر مسح کرنے کے لئے الگ ضرب اور کلائیوں پر مسح کرنے کے لئے الگ ضرب ہونی چاہیے۔ اور جب تیمم میں مسح پورے چہرے کا ہوتا ہے تو اسی طرح کہنیوں تک پوری کلائیوں کا مسح ہونا چاہیے۔ اگر کسی شخص نے وضو کرتے ہوئے کلاسیاں نہ دھوئیں اور بس پہنچوں تک ہاتھ دھو لئے تو اس کا وضو صحیح نہیں ہوا اور اس ناقص وضو سے نماز پڑھنا درست نہیں ہے اسی طرح تیمم میں کوئی کلائیوں پر کہنیوں تک مسح نہ کرے اور بس پہنچوں تک مسح کر کے رہ جائے تو اس کا تیمم درست نہیں اور اس ناقص تیمم سے شرعاً نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ملے گی۔ قصورِ عِلم کے باعث کوئی اسے کامل تیمم قرار دے تو یہ اس کا قصور ہے۔

(۱۲) تیمم کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود و حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کا مناظرہ

اس کی روایت صرف ابو وائل یعنی شقیق بن سلمہ کوئی نے کی ہے۔ اور ابو وائل سے صرف اعمش نے۔ اور اعمش سے شعب بن حجاج و حفص بن غیاث و عبدالواحد بن زیاد و یعلیٰ بن عکبر و ابو معاویہ نے شعبہ کی روایت صحیح بخاری میں ہے مگر وہ قاصر و مختصر ہے۔ (صحیح بخاری ص ۵۰) حفص بن غیاث و عبدالواحد و یعلیٰ کی روایت نام ہے حفص بن غیاث کی روایت صحیح بخاری میں ہے (ص ۵۰ طبع ہند)

عبدالواحد کی حدیث مسند احمد و صحیح ابن حبان میں پوری مذکور ہے اور صحیح مسلم میں بھی ہے مگر مسلم نے اس کے پورے الفاظ بیان نہیں کئے (مسند احمد ۴ ص ۲۶۵ صحیح ابن حبان ۲ ص ۳۱۴ صحیح مسلم ۱ ص ۱۶۱) یعلیٰ کی روایت امام بخاری نے اختصار کے ساتھ ذکر کی ہے (ص ۵۰) اور امام احمد و بیہقی و ابن حبان نے پوری نقل کی ہے۔ (مسند احمد ۴ ص ۲۶۵ سنن بیہقی ۱ ص ۱۱ و ۲ ص ۲۶۷ صحیح ابن حبان ۲ ص ۳۱۴) رہے ابو معاویہ توان کی روایت بخاری و مسلم و ابو داؤد و نسائی نے خرّج فرمائی ہے۔

ان روایات کا حاصل یہ ہے کہ ابو دائل نے اعمش سے بیان کیا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پانی نہ ملنے کی صورت میں بس وضو کے لئے تیمم کے قائل تھے غسل کے لئے تیمم کے قائل نہ تھے۔ وہ کہتے تھے کہ جس شخص پر غسل واجب ہو اور نماز کا وقت آجائے مگر اسے غسل کے لئے پانی دستیاب نہ ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھے بلکہ پانی ملنے کا انتظار کرے۔ جب تک پانی نہ ملے نماز نہ پڑھے خواہ اسے اس انتظار میں ایک مہینہ لگ جائے عبد اللہ بن مسعود کے اس فتوے کا علم امیر کوفہ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ہوا۔ ابو موسیٰ نے عبد اللہ بن مسعود سے ملاقات کی۔ ابو دائل بھی موجود تھے۔ ابو موسیٰ نے ابن مسعود سے اس فتویٰ کے متعلق دریافت کیا۔ ابن مسعود نے کہا ہاں میں اس کا قائل ہوں کہ تیمم غسل کے لئے نہیں ہوتا بس وضو کے لئے ہوتا ہے۔ ابو موسیٰ نے کہا آپ کو عمار بن یاسر کا قصہ معلوم نہیں ہوا کہ انہوں نے جنابت کی وجہ سے نماز کے لئے تیمم کیا تھا کیوں کہ پانی تھا نہیں۔ اور وہ تیمم انہوں نے ایسے کیا کہ جانور کی طرح خاک میں لوٹ لگالی تھی۔ اور جب مدینہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ماجرا سنایا تو آپ نے فرمایا کہ

جنابت کی وجہ سے جو تیمم کیا جائے وہ بھی ایسا ہی ہوتا ہے جیسا وضو کیلئے تیمم کرنا تمہیں زمین پر لوٹ بگمانے کی حاجت نہ تھی بس ایسا کر لینا چاہیے تھا۔ یہ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور چہرے اور دونوں ہتھیلیوں پر پھیر لئے۔

اس کے جواب میں عبداللہ بن مسعود نے کہا: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عمار بن یاسر کے ذکر کردہ اس قصہ پر مطمئن نہیں ہو سکتے تھے اس پر ابو موسیٰ نے کہا عمار کے اس قصہ سے قطع نظر کیجئے مگر یہ لتو دیکھئے کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں غسل کے لئے تیمم کرنا صراحتہ قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

”وَأَن كُنْتُمْ مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمْ تَجِدُوا مَاءً وَافْتَضَحُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ“ یہ سن کر عبداللہ بن مسعود چپ رہ گئے اس کے جواب میں کچھ نہ کہہ سکے کچھ دیر بعد یہ فرمایا کہ لوگ شرعی رخصتوں میں توسع پسند اور سہل انگار ہوتے ہیں۔ میں یہ فتویٰ دیدیتا کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں غسل کے لئے بھی تیمم کیا جاسکتا ہے تو وہ سردی کے زمانہ میں ٹھنڈے پانی سے اپنے آپ کو بھونکنے کے لئے بھی تیمم کرنے لگتے۔

اگر اب وائل کا بیان صحیح اور واقعی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو تیمم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد مذکور سے ذہول ہو گیا تھا۔ اس لئے وہ فتویٰ دے رہے تھے کہ تیمم بس وضو کے لئے ہے غسل کے لئے نہیں ہے مگر جب کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں ارشاد حق یاد دلایا تو اس کے بعد انہوں نے اپنے

اس فتویٰ سے رجوع کر لیا جو مفتیانہ احتیاط پر مبنی تھا۔ کیونکہ یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مقابلہ میں اپنی مسود اپنی رائے پر اصرار کرتے۔

ویسے میں سمجھتا ہوں کہ ابو وائل کا یہ بیان کردہ یہ قصہ شروع سے آخر تک غلط ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ کرام میں سے تھے۔ سابق الاسلام اور ملازم صحبت نبوی تھے۔ علم قرآن اور فہم مسائل شریعہ میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ جس سفر میں آیت قسیم نازل ہوئی تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ قرآن کریم میں مذکور صاف و صریح حکم کے برخلاف فتویٰ دیں۔ ابو وائل کے علاوہ اور کسی نے بھی حضرت ابن مسود کی طرف اس فتویٰ کی نسبت نہیں کی علقمہ بن قیس نخعی اور اسود بن یزید نخعی حضرت ابن مسود کے ملازم صحبت شاگردان رشید تھے اور علم و فضل اتقان و ثبوت اور ثقاہت و فقاہت میں ابو وائل سے بدرجہا بڑھ کر تھے۔ مشہور و بلند پایہ محدث حماد بن زید رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابو وائل کو مشہم قرار دیا ہے۔ سنن نسائی میں ہے کہ شعبہ نے حماد بن زید سے ذکر کیا کہ میں نے منصور بن معمر و اعش و زبیریامی سے سنا ان تینوں حضرات نے ابو وائل سے روایت کی ہے اور ابو وائل نے عبداللہ بن مسود سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر۔ (مسلمان سے گالی گلوچ کرنا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے)۔

یہ حدیث سنا کر شعبہ نے حماد بن زید سے کہا بتائیے اس حدیث کی صحبت میں کچھ کلام ہو سکتا ہے میں نے یہ حدیث منصور سے اعش سے اور زبید سے سنی ہے۔ کیا آپ منصور کو مشہم قرار دیتے ہیں۔

” أَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفَا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحُسْنَیَّ يَذْهَبُ
السَّيِّئَاتِ ۚ ۚ ” فقال الرجل يا رسول الله ألي هذا ؟

قال لجميع امتی کلہم (ص ۵۷ صحیح بخاری کتاب مواقیب الصلاۃ طبع ہند)
ہم سے قیہہ نے بیان کیا کہ ہم سے یزید بن زریج نے سلیمان بن طرخان
تیمی سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا سلیمان نے ابو عثمان غفری
یعنی عبد الرحمن بن مل سے روایت کی اس نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے کہ
ایک شخص نے ایک اجنبی عورت کا بوسہ لے لیا پھر وہ (ناوم ہو کر) نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سزا کا طالب ہوا۔ آپ کو اپنے گناہ کی
خبر دی (اور عرض کیا کہ قانون اسلام میں اس جرم کا جو کفارہ ہو ادا کرنے کے لئے
آمادہ ہوں) تو اللہ نے یہ ارشاد نازل فرمایا: اسے سن کر اس شخص نے
عرض کیا یا رسول اللہ یہ نوازشیں میرے لئے ہی ہے۔ فرمایا میری
تمام امت کے لئے ہے۔

کتاب التفسیر میں بخاری نے یزید بن زریج سے اسی اسناد کے ساتھ بواسطہ
مسدد بن مسرور اس کی روایت کی ہے (صحیح بخاری ص ۶۷۸) اور یزید
بن زریج کے علاوہ یحییٰ بن سعید قطان و اسماعیل بن علیہ و جریر بن
عبد الحمید اور معتمر بن سلیمان نے بھی سلیمان تیمی سے اس کی روایت کی ہے
یحییٰ قطان کی روایت (سنن ترمذی (ج ۲ سورۃ حود) مسند احمد
میں ہے (ج ۱ ص ۳۸۶) اور اسماعیل کی سنن ابن ماجہ میں (ص ۱۰ طبع ہند)
اور جریر و معتمر کی روایت صحیح مسلم میں (ج ۲ ص ۵۸۸) یحییٰ کی روایت
میں ہے۔ فاتیٰ البنی صلی اللہ علیہ وسلم یسأله عن کفار ممقلا
یزید و یحییٰ و اسماعیل و جریر کی اسناد میں ”سلیمان تیمی
عن ابی عثمان“ ہے۔ اگر ان میں سے کسی کے اسناد میں سلیمان تیمی
کا یہ قول مذکور ہو تاکہ سمعت ابو عثمان۔ یا اخبرنی ابو عثمان

یا سعد ثنی ابو عثمان یا انباکی ابو عثمان ثوابت ہوتا کہ سلیمان
 تیمی نے ابو عثمان نہدی سے یہ حدیث سنی تھی۔ تب یہ اسناد متصل ہوتی
 لیکن لفظ عن اتصال پر دلالت نہیں کرتا۔ اور یہ ثابت ہے کہ سلیمان تیمی
 کثیر الارسال راوی حدیث تھے۔ اور بہت سے نامعلوم و مجہول اشخاص سے
 موصوف نے روایتیں اخذ کی ہیں اور اسناد میں ان کا نام نہیں لیا۔ ایسی
 روایات کو سلیمان عن کے ساتھ ذکر کیا کرتے تھے۔ اسی لئے اہل علم کا
 سلیمان تیمی کی روایت کردہ احادیث کے متعلق فیصلہ ہے کہ لایقبل منہ

حدیث لا ما سمی فیہ الذی حدثہ بہ (تہذیب التہذیب)
 سلیمان تیمی کی روایت کردہ وہی حدیث قابل قبول ہے جس کی اسناد میں
 اس شخص کا نام مذکور ہو۔ جس نے سلیمان سے وہ حدیث بیان کی تھی۔
 ہاں سلیمان کے فرزند معمر کی اسناد میں یہ مذکور ہے کہ سلیمان نے
 ثنا ابو عثمان، کہا تھا۔ لیکن معمر بد حفظ آدمی تھے۔ یعنی ان کی
 یادداشت اچھی نہ تھی (تہذیب التہذیب)

لہذا یہ ہی سمجھنا چاہیے کہ معمر نے اس کی اسناد میں ”عن ابی عثمان“
 کی جگہ ثنا ابو عثمان، غلط کہہ دیا تھا۔

الغرض یہ حدیث سند کے لحاظ سے متصل نہیں ہے۔ سلیمان تیمی کو
 کسی نامعلوم شخص سے معلوم ہوئی تھی اس نے ابو عثمان نہدی کی طرف
 اس کی روایت منسوب کی تھی۔ سلیمان تیمی نے اس شخص کا ذکر نہیں کیا
 اور ”عن ابی عثمان“ کہہ کر اس کی روایت کر ڈالی۔ کاش وہ قرآن مجید
 کھول کر سورہ صود کے آخری رکوع میں اس آیت سے پہلی دو آیتیں اور
 بعد کی ایک آیت پڑھ لیتے تو شاید اس غلط حدیث کو روایت کرنے کی
 غلطی نہ کرتے اور یہ ہی ان آیات کو نہ پڑھنے اور نہ سمجھنے کی غلطی سلیمان
 تیمی کے تلامذہ اور ان کے تلامذہ اور ان کے تلامذہ سے ہوئی ہے۔

یہ لازم آنے والی بات یقیناً باطل ہے۔ لہذا اس آیت کو مدنیہ اور قصۃ مذکورہ کو اس کا شان نزول قرار دینا باطل ہے۔ پھر اس پر بھی دھیان دینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے واو عطف کے ساتھ واقم الصلوٰۃ فرمایا ہے پس اقم الصلوٰۃ طرفی المنہار و زلفا من اللیل معطوف ہے۔ اس کا ماقبل پر عطف ہے تو کیا یہ کوئی کسمجھ میں آنے والی بات ہے کہ معطوف علیہ مسئلہ میں نازل ہوا ہو۔ اور اس کا معطوف برسوں بعد مدنیہ میں اترتا ہو۔ مناسب ہے کہ ناظرین یہ چاروں آیات پڑھ لیں اور ان کا معنی و مطلب سمجھ لیں۔

170

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمِن تَابٍ مَّعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا
تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ
وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمُ
مِّن دُونِ اللَّهِ مِن أَوْلِيَاءٍ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ه
وَاقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النِّهَارِ وَزُلْفَا إِنَّهُ لَبِئْسَ
الْحَسَنَتُ يَذِهُبُ السَّيِّئَاتِ ذَٰلِكَ ذِكْرُكَ
لِلذَّاكِرِينَ ه
وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ه

ترجمہ

پس اے نبی تو راہ حق پر ثابت قدم رہ ان بندوں کے ساتھ جنہوں نے
اللہ کی طرف رجوع ہو کر تیری رفاقت اختیار کی ہے اور (اے مسلمانو!)
سرکشی نہ کرنا بقیۃً وہ تمہارے اعمال کو پوری طرح دیکھنے والا ہے
اور ظالم مشرکین کی طرف مارا نہ ہونا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہیں جہنم کی
آگ چھوئے اور اللہ کے عذاب سے بچانے کے لئے تمہیں چھ
رہمایتی نہ ملیں گے (یہ تو ظالم مشرکین سے میل محبت رکھنے کا
آخری نتیجہ ہے) اس کے بعد دنیوی نتیجہ بھی سن لو کہ تم اللہ
کی مدد سے محروم رہو گے یعنی اللہ نے منقی و پیر ہیزگار بندوں کی کفار
اشرار کے مقابلہ پر مدد فرمانے کا جو وعدہ کیا ہے مشرکین سے
میل محبت تمہیں اللہ کی اس مدد سے محروم کر دینے والی چیز ہے
اور (اے نبی) قائم رکھ نماز کو دن کے دو کناروں اور رات کی کچھ ساعتوں
میں (دن کے کناروں کی نمازیں فجر و ظہر و عصر ہیں اور رات کی نمازیں
مغرب و عشاء) بے شک نیکیاں دہر دہر دیتی ہیں برائیوں کو یہ یاد رکھنے کے
لائق نصیحت ہے یاد رکھنے والوں کے لئے اور انتظارِ کرامات کا جو

تیری اور تیرے ساتھیوں کی نگوکاری پر مرتب ہونے والے ہیں۔ پس بے شک اللہ نگوکار بندوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

ان آیات شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے تین حکم دئے ہیں اور دو نبی ارشاد فرمائے ہیں۔ تین حکموں کا خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور ہر دو نبی میں خطاب دیگر مومنین سے ہے۔
 اولاً آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو استقامت کا حکم دیا ہے اس سے مراد ہے افراط و تفریط سے بچتے ہوئے ہمیشہ تمام امور زندگی میں راہ حق پر گامزن رہنا۔ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو استقامت کا حکم دیا اور چاہا ہے کہ آپ اس میں تمام بندوں کے امام اور مثال اعلیٰ ثابت ہوں اور آپ کے اصحاب کو صداقت فرمائی ہے کہ وہ آپ کی اقتدا کریں اور آپ کے نقوش قدم پر چلیں۔

ثانیاً مومنین کو طغیان سے منع کیا ہے اس کے معنی ہیں حد و درجے سے تجاوز کرنا۔
 ثالثاً مومنین کو ظالم مشرکین سے میل محبت رکھنے اور ان کا سہارا لینے سے منع کیا ہے۔ ان دونوں چیزوں کا صدور رسول پاک و معصوم صلی اللہ علیہ وسلم سے محال تھا۔ ہاں مومنین کو اس نصیحت کی ضرورت تھی اور ہے اس لئے خطاب آپ سے نہیں کیا بلکہ مومنین کی طرف خطاب کا رخ پھیرا ہے۔

رابعاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اقامت ملاح کا حکم دیا ہے۔
 خامساً آپ کو صبر کا حکم دیا ہے جو یہاں حکایات پر کمرات موعودہ مرتب ہونے کی توقع و انتظار کے معنی میں ہے۔ ان آیتوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر شخص کو جو سخن فہمی سے کچھ بہرہ رکھتا ہو یہ ہی ماننا اور یقین کرنا پڑے گا کہ یہ ایک ہی سلسلہ کلام کی آیات ہیں اور اللہ کلیم سے ان کا اسی طرح سے نزول ہوا تھا جس طرح سے مصحف شریف میں ثبت ہیں۔

پس یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود جیسے عظیم و فہیم اور آشنائے قرآن صحابی نے بتایا ہو کہ آیت، "اقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ"، مدینہ میں ایک شخص کو تسلی دینے کی غرض سے نازل ہوئی تھی جس سے ایک اجنبی عورت کو جو ہم لینے کی غلطی ہو گئی تھی۔

واضح رہے کہ میں تردید اس بات کی کر رہا ہوں کہ حضرت ابن مسعود نے یہ کہا ہو کہ قصہ مذکورہ اس آیت کا جو سورہ صود کی ایک آیت ہے شان نزول ہے ہرگز نہیں عبداللہ بن مسعود نے ایسی غلط بات نہیں کہی۔

لیکن میں اس قصہ کی تردید نہیں کر رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ ہوا ہو۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ما جرا سن کر اسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد، "إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُدْرِكُ الْبِئْسَاتِ يَارِ دِرْ لَّا كِرَاقْتِسَابِ مَسْنَاتِ كِي تَرْغِيبِ دِي هُو۔ اور ممکن ہے کہ حضرت ابن مسعود نے کوفہ میں لوگوں سے یہ قصہ بیان کیا ہو۔ اسی قصہ میں کسی یادہ گو نے اپنی طرف سے

یہ اضافہ کر دیا کہ آیت "اقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ"، کا شان نزول یہ ہی واقعہ ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو

یہ آیت سنائی تو اس نے کہا، "یا رسول اللہ! اَلِیْ هَذَا اَبِی نے فرمایا الجَمِیعِ اَمْتِی کَلِمَہ"۔ یہ اضافہ اسی یادہ گو کا ہے اس نے

اضافوں کے ساتھ یہ قصہ سلیمان بن طرخان تیمی کو سنایا اور بتا دیا کہ

مجھے یہ حدیث ابو عثمان نہدی نے سنائی کہ تمہی سلیمان نے اس

یادہ گو شخص کا تو ذکر کیا نہیں اور ابو عثمان نہدی کی طرف منسوب کر کے اپنے

تلامذہ سے اس کی روایت کر ڈالی۔

پس یہ حدیث دراصل سلیمان تیمی کی مرسل روایات میں سے ہے اور جو قصہ اس میں مذکور ہے ممکن ہے کہ وہ واقعی ہوا ہو لیکن وہ قصہ سورہ صود کی اس آیت کا سبب نزول نہیں ہے یہ آیت تو بہت پہلے مکہ میں نازل ہو چکی تھی۔

سلیمان تیمی کے علاوہ سہماک بن حرب نے بھی حضرت ابن مسعود کی طرف منسوب کر کے یہ حدیث روایت کی ہے اس کی تخریج احمد بن حنبل و مسلم و ابوداؤد و ترمذی نے کی ہے اسکی اسناد و متن میں شدید اضطراب و اختلاف ہے۔ سہماک بن حرب ضعیف الحفظ و منکر الحدیث یعنی غلط بیان شخص تھا سہماک سے اس کی روایت شعبہ و اسرائیل بن یونس و ابوالاحوص و اور سفیان ثوری نے کی ہے شعبہ کو سہماک نے بتایا کہ مجھے یہ حدیث ابراہیم نخعی سے ابراہیم کو اسود بن یزید نخعی سے اسود کو عبد اللہ بن مسعود سے پہنچی ہے۔ (مسند احمد ص ۷۷۵)

اور جب سہماک نے اسرائیل و ابوالاحوص کو یہ حدیث سنائی تو اسناد میں اسود کے ساتھ علقمہ کا بھی بیوند لگا دیا (احمد و مسلم و ابوداؤد و ترمذی) اور جب سفیان ثوری کو سنائی تو بتایا کہ ابراہیم کو عبد الرحمن بن یزید نخعی سے اور عبد الرحمن کو ابن مسعود سے یہ حدیث پہنچی ہے۔ (مسند و ترمذی) متن یعنی حدیث کے مضمون میں بھی کافی اختلاف و تضاد ہے مثلاً اس کی ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شخص مذکور کو آیت "واقم الصلوٰۃ طرفی النهار" سنا کر تسلی دی تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اسی کے لئے فرمایا کہ سب کے لئے ہے اور ایک روایت میں سہماک بن حرب نے حضرت عمرؓ کی جگہ معاذ بن جبل کا ذکر کیا ہے اور ایک روایت میں قائل کا نام نہیں بتایا۔ قال رجل من القوم کہا ہے۔ سہماک بن حرب نہایت غلط بیان اور غیر ثقہ شخص تھا شاید اس نے سلیمان تیمی کی روایت کردہ حدیث سن لی تھی اپنی طرف سے اس کی دوسری سند گھڑ لی اور مضمون میں کچھ رد و بدل کر کے اس کی روایت کر ڈالی۔ افسوس ترمذی پر ہے۔ ترمذی نے سہماک بن حرب کی یہ حدیث تخریج کر کے اسے "حسن صحیح" بتا دیا ہے۔ حالانکہ یہ

قبیح منکر ہے۔

پھر ترمذی نے ابن مسعود کی بجائے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث کے طور پر اس کی تخریج کی ہے اور بتایا ہے کہ عبد الرحمن بن ابی یسک نے معاذ سے اس کی روایت کی ہے لیکن عبد الرحمن نے حضرت معاذ کا زمانہ ہی نہیں پایا پھر ترمذی نے حضرت ابوالیسر صحابی یعنی کعب بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب حدیث ذکر کی ہے جس میں مذکور ہے کہ اہم بنی عورت کے ساتھ وہ غلطی ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی۔ لیکن یہ حدیث قطعاً موضوع ہے قیس بن زبج اسدی کذاب کی گھڑی ہوئی۔ اور میرے علم میں ترمذی کے علاوہ اور کسی محدث مصنف نے اس کی تخریج نہیں کی۔

امام احمد نے مسند میں حماد بن سلمہ کی روایت کردہ حدیث تخریج کی ہے حماد بن سلمہ نے علی بن زید بن جردان سے۔ اس نے یوسف بن مہران سے اس نے حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ کے پاس آکر بتایا کہ ایک عورت دکان پر مجھ سے کچھ خریدنے کے لئے آئی تھی میں نے اسے اندرون دکان لے جا کر چوما چٹا بس جماع نہیں کیا حضرت عمرؓ نے فرمایا تو نے بہت بُرا کیا ہو سکتا ہے کہ اس کا شوہر اللہ کی راہ میں جہاد کی غرض سے گیا ہو اہو۔ تو ابوبکر صدیقؓ کے پاس چلا جا۔ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور ماجرا سنایا۔

حضرت ابوبکرؓ نے بھی اس سے وہی کہا جو حضرت عمرؓ نے کہا تھا تب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا آپ نے بھی اس سے وہی بات کہی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اسے سن کر وہ شخص بولا یا رسول اللہ کیا یہ خاص میرے لئے ہی ہے یا سب کے لئے ہے۔ اس کی یہ بات سن کر حضرت عمرؓ نے اس کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا خاص تیرے لئے نہیں بلکہ سب کے لئے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمرؓ نے ٹھیک کہا ہے (مسند احمد ص ۴۵) یہ علی بن زید بن جردان کذاب کی گھڑی ہوئی ہے۔

(۱۶) اللہ تعالیٰ کی حمد میں حمد اکثر اُطیباً مبارکاً فیہ
کہنے کی فضیلت اور اس کے محل کے متعلق رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ
سے مروی ہے

علی بن یحییٰ بن خالد زرقی نے اپنے والد یحییٰ بن خالد سے اور اس نے
 اپنے چچا رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رفاعہ
 نے کہا ہم ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے
 پیچھے نماز پڑھ رہے تھے تو آپ نے
 جب رکوع سے اٹھایا تو فرمایا
 سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ
 ایک مقتدی نے کہا رَبَّنَا وَلَكَ
 الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا
 مُبَارَكًا فَيَدُ ، پس جب آپ نماز
 سے فارغ ہوئے تو فرمایا یہ بولنے
 والا کون ہے۔ اس نے عرض کیا
 میں ہوں۔ فرمایا میں نے تیس سے
 زائد فرشتے دیکھے جو ان کلمات کو
 تجسٹ کر لے رہے تھے کہ ان میں کون
 انہیں پہلے لکھتا ہے۔

اور رفاعہ کے بیٹے معاذ بن رفاعہ نے اپنے والد رفاعہ سے یہ حدیث یوں روایت کی ہے۔

قال صليت خلف رسول الله
 صلى الله عليه وسلم فعطست
 فقلت الحمد لله الحمد لله
 طيباً مباركاً فيه مباركاً عليه كما
 يحب ربنا ويرضى فلما صلى رسول
 الله صلى الله عليه وسلم انصرف
 فقال من المتكلم في الصلوة
 فلم يتكلم احد ثم قالها
 الثانية فلم يتكلم احد
 ثم قالها الثالثة فقال
 رفاعه بن رافع بن
 عفران انا يا رسول الله قال كيف قلت؟
 قلت الحمد لله الخ

فقال النبي صلى الله عليه وسلم
 والذى نفسي بيده لفتن
 ابتداء بها بضعة وثلاثون
 ملكاً ايهم يصعد بها

رفاء کا بیان ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ
 علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تو مجھے
 چھینک آگئی تو میں نے یہ آواز کیا۔
 الحمد للہ۔ الخ پس جب رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تو ہماری طرف
 متوجہ ہو کر فرمایا۔ یہ نماز میں بولنے والا
 کون تھا؟ کسی نے اس کا جواب نہ دیا۔
 دوبارہ آپ نے پوچھا تب بھی کوئی نہ بولا
 تیسری بار پوچھا تو میں نے عرض کیا
 یا رسول اللہ وہ میں ہوں فرمایا تم نے
 کیسے کہا تھا؟

میں نے وہی کلمات آپ کو سنار دیئے
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم اس
 ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے
 ان کلمات کو تیس سجز اند فرشتوں نے
 جھپٹا کر ان میں سے کون انہیں لے کر
 عالم بالا کی طرف چڑھتا ہے۔

سنن الترمذی۔ ابواب الصلوة
 باب ما جاز فی الرجل یعطس فی الصلوة۔ سنن ابی داؤد۔ باب
 ما یستفتح بہ الصلوة من الدعاء۔ حدیث ۱۳۔
 سند احمد میں نصرت ہے کہ وہ منسرب کی نماز تھی۔
 حضرت رفاعہ کے دادا کا نام مالک تھا اور دادی کا
 عفران

رفاعہ سے یہ حدیث ان کے بھتیجے یحییٰ بن خالد نے اور فرزند معاذ بن رفاعہ نے روایت کی مگر دونوں کی روایتوں میں شدید اختلاف ہے۔ دونوں روایتوں کے اختلاف و تعارض کی وجہ سے امام مسلم نے دونوں سے نظر قطع کر لی۔ یعنی صحیح مسلم میں نہ یحییٰ بن خالد کی روایت درج کی ہے نہ معاذ بن رفاعہ کی۔ مگر امام بخاری نے یحییٰ کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ حالانکہ کوئی وجہ ترجیح موجود نہیں ہے کسی اور حدیث سے نہ یحییٰ بن خالد کی روایت کی تائید ہوتی ہے نہ معاذ بن رفاعہ کی۔ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے بجا طور پر اس حدیث کو ناقابل التفات قرار دیا ہے۔

اور اسی طرح کی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اس کے دو طریق ہیں ایک حماد بن سلمہ کا اور ایک خلف بن خلیفہ کا۔

روایت حماد بن سلمہ

قتادہ بن دعامہ اور ثابت بن اسم بنانی اور حمید الطویل سے حماد بن سلمہ نے اور ان تینوں نے حضرت انس سے روایت کی ہے کہ ایک شخص جماعت نمازیں شرکت کے لئے لپک کر آیا۔ اس کا سانس پھول رہا تھا۔ نماز میں داخل ہوتے وقت اس نے کہا اللہ اکبر الحمد للہ! پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کر لی تو فرمایا۔ یہ کلمات بولنے والا کون ہے۔ (خود کو بتادے) کیونکہ اس نے کوئی نازیبا بات نہیں کہی تب اس شخص نے

عن قتادة وثابت وحميد
عن انس ان رجلا جاء الى
الصلوة وقد حفزه النفس
فقال اللهم اكبر الحمد لله
كثيرا طيبا مباركا فمنه
فلما قضى رسول الله
صلى الله عليه وسلم صلاته قال
ايكم المتكلم بالكلمات
فانه لم يقل باساء فقال
الرجل انا يا رسول الله
جئت وقد حفزني النفس فقلت

فقال لقته رأيتني
اشئني عشر مائة
يبستدرونيها
اليهم يرفعها
عرض کیا یا رسول اللہ میں ہوں۔
میں آیا تو سانس پھول گیا تھا تو میں نے
یہ کلمات کہہ دئے۔ فرمایا کہ میں نے بارہ
فرشتے دیکھے جو انہیں جھپٹ رہے تھے
کہ ان میں کون انہیں بارگاہ حق میں پیش
کرنے کے لئے لے جائے۔

{ سنن ابی داؤد۔ کتاب الصلوۃ باب
ما یستفتح به الصلاۃ من الدعاء حدیث مکرر }

روایت خلف بن خلیفہؒ

عن حفص بن عمر عن النبی
قال كنت جالسا فی الحلقة اذ
جاور رجل فسلم علی النبی
صلی اللہ علیہ وسلم والقوم قال
السلام علیکم ورحمة اللہ
فرد النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیہ
وعلیکم السلام ورحمة اللہ
وبرکاتہ۔ فلما جلس
الرجل قال الحمد للہ حمدا
کثیرا طیبا مبارکافیه کہا یحب
ربنا ویرضی، فقال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کیف قلت؟
فرد علیہ کما قال۔ فقال
خلف بن حفص بن عمر سے (جو حضرت
انس کے بھائی عبداللہ بن ابی طلحہ کا پوتا تھا)
اور اس نے حضرت انس سے روایت
کی ہے کہ حضرت انس نے کہا میں حلقہ میں
بیٹھا ہوا تھا یعنی ان لوگوں میں جو حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔
کہ ایک شخص نے آکر سب کو سلام کیا۔
آپ نے ”وبرکاتہ“ کے اضافہ کے ساتھ
اس کے سلام کا جواب دیا۔ جب وہ شخص بیٹھ
گیا تو بولا ”الحمد للہ“۔ الخ۔ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ذرا پھر کہنا تم نے کیسے کہا۔ اس نے وہ
الفاظ پھر کہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

النبي صلى الله عليه وسلم والذي
 نفسى بيد ه لقد ابتد رها
 عشرة املاك كلهم مريين
 على ان يكتبها فها دروا
 كيف يكتبونها حتى
 رفعوها الى ذى
 الحزة فقال اكتبوها
 كما قال عبد ع

فرمایا قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری
 جان ہے۔ ان الفاظ کو دس فرشتوں نے
 جھپٹا۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ وہی انہیں
 لکھے۔ مگر ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ انہیں کیسے
 لکھیں حتیٰ کہ انہوں نے بارگاہِ حق میں انہیں
 پیش کر کے دریافت کیا۔ رب العزت
 نے فرمایا انہیں ایسے ہی لکھ دو جیسے
 میرے بندے نے کہے ہیں۔

(مسند احمد ۳ ص ۱۵۸)

حماد بن سلمہ کی روایت اور خلف بن خلیفہ کی روایت کا اختلاف ظاہر ہے۔
 حماد کی روایت کے مطابق اس شخص نے تکبیر تحریر کے بعد یہ الفاظ کہے
 تھے اور خلف کی روایت کے مطابق نماز میں نہیں بلکہ حلقہ میں بیٹھ کر سلام
 کے بعد کہے تھے۔

حماد کی روایت میں بارہ فرشتوں کا ذکر ہے اور خلف کی روایت میں دس
 فرشتوں کا ذکر ہے

حالانکہ راوی صحابی ایک ہے اس لئے دونوں روایتوں میں ہم آہنگی
 و مطابقت ہونی چاہیے تھی۔

پس اصولاً یہ حدیث نہ حضرت رفاعہ کی نسبت سے صحیح ہے نہ حضرت انس
 کی نسبت سے۔ اس طرح کی روایات ناخدا ترس و اعظوں کی بیان کردہ
 ہیں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کا ذکر یقیناً خیر عظیم اور نہایت مبارک
 عمل ہے۔ لیکن یہ تیس سے زائد فرشتوں یا بارہ یا دس فرشتوں کے
 جھپٹنے اور لکھنے یا بارگاہِ حق میں لے جانے کے لئے مسابقت کرنے
 کی بات و اعظوں کا بے اصل افسانہ ہے جس نے اس کا محل رکوع کے بعد

قوم بتا دیا کسی نے نماز میں چھینکے کی کہانی بیان کر دی۔ کسی نے نماز شروع کرنے سے اسے جوڑ دیا کسی نے مجلس میں بیٹھنے کے آداب میں داخل کر دیا

①۷ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق افک کی کہانی جو شروع سے آخر تک جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَىٰ اَعْدَائِهَا الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَيْهَا،

روایات کے مطابق حضرت ام المؤمنین سے متعلق داستان افک خود ام المؤمنین سے مروی ہے اور ان کے والدہ ام رومان سے بھی۔ امام بخاری و مسلم نے حضرت ام المؤمنین سے منقول یہ داستان دو طریق سے درج صحیح کی ہے۔ ابن کثیر زہری کے طریق سے اور ابواسامہ حماد بن اسامہ کے طریق سے۔ زہری کی روایت مسلم و بخاری دونوں نے پوری نقل کی ہے اور ابواسامہ کی روایت امام بخاری نے تو پوری نقل فرمائی ہے لیکن امام مسلم نے اس کے بعض اجزاء ہی بیان کیے ہیں اور ام رومان رضی اللہ عنہا سے منقول داستان کی تخریج بخاری نے کی ہے۔ مسلم نے اسے درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ زہری و ابواسامہ دونوں کی بیان کردہ داستان مشترک بھی ہے اور الگ الگ بھی اور متضاد بھی۔ یعنی بعض باتیں دونوں کی بیان کردہ داستان میں مشترک ہیں بعض باتیں زہری والی داستان میں ہیں ابواسامہ والی داستان میں نہیں ہیں بعض باتیں ابواسامہ کی داستان میں ہیں زہری کی داستان میں نہیں ہیں۔ اور بعض باتیں ایسی ہیں جو دونوں کی بیان کردہ داستانوں میں قطعاً متضاد ہیں اور کوئی وجہ تطبیق ان کے تضاد و تناقض کو

دور نہیں کر سکتی۔ زہری کی بیان کردہ داستان ناظرین کو صحیح بخاری ص ۵۶۳
 کتاب الشهادات باب تعدیل النساء بعضہن بعضاً میں پھر ص ۵۹۳
 کتاب المغازی غزوۃ بنی المصطلق باب حدیث الافک میں پھر ص ۶۹۶
 کتاب التفسیر سورۃ النور میں اور صحیح مسلم مع النوری ج ۲ ص ۳۶۷
 کتاب التوبۃ میں ملے گی۔ اور ابواسامہ کی بیان کردہ داستان صحیح بخاری
 ص ۶۹۹ تفسیر سورۃ النور میں اور صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۶۷ کتاب التوبۃ میں
 دستیاب ہوگی۔ اور حضرت ام رومان کی طرف منسوب داستان صحیح بخاری
 ص ۶۷۹ کتاب الانبیاء باب قول اللہ تعالیٰ عزوجل لقد کان فی
 یوسف و اخوته آیات للسائلین میں اور ص ۵۹۷ غزوۃ بنی المصطلق
 حدیث الافک میں اور ص ۶۷۹ تفسیر سورۃ النور میں ہے۔

زہری والی داستان میں ہے کہ ایک غزوہ سے جسے زہری نے غزوۃ بنی مصطلق
 بتایا ہے۔ مدینہ کو واپس ہوتے ہوئے رات کو کسی جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 اور لشکر اسلام نے پڑاؤ کیا۔ صبح سویرے جب کوچ کا اعلان ہو گیا تو حضرت
 عائشہ رضی اللہ عنہا کے حاجت کے لئے پڑاؤ سے باہر چلی گئیں۔
 فراغت کے بعد واپس آ رہی تھیں کہ محسوس ہوا کہ گلے کا بار کہیں گر گیا ہے۔
 اسے تلاش کرتی ہوئی ادھر ہی چلی گئیں جہاں قضائے حاجت کی تھی ہاتھ تلاش
 کرنے میں دیر لگی ادھر لشکر گاہ میں ہودج باندھنے والوں نے یہ خیال کر کے
 کہ ام المؤمنین ہودج میں ہی ہیں اسے اونٹ پر باندھ دیا ام المؤمنین ہلکی پھلکی
 تھیں اس لئے باندھنے والوں کو دھوکہ لگ گیا اور یہ احساس نہ ہو سکا کہ
 ہودج خالی ہے۔ لشکر کوچ کر کے روانہ ہو گیا۔ حضرت عائشہ ہاتھ تلاش کر کے
 پڑاؤ پر واپس آئیں تو ہوکا عالم تھا لشکر بہت دور جا چکا تھا دیکھ بھال کرا سی
 جگہ پہنچ گئیں جہاں رات کو ٹھہری تھیں۔ اور خیال کیا کہ آگے چل کر جب
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہو گا کہ میں نہیں ہوں تو لامحالہ میری تلاش میں

آدمی بھیجیں گے اس لئے مجھے نہیں رہنا چاہیے پھر وہیں بیٹھی بیٹھی سو گئیں۔
 پیچھے سے صفوان بن معطل سلمیٰ آگئے جو گری پڑی چیز کی دیکھ بھال کے لئے لشکر
 سے پیچھے پیچھے آرہے تھے۔ انہیں کوئی سوتا ہوا آدمی محسوس ہوا قریب آکر دیکھا تو
 حضرت عائشہ ہیں۔ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے صفوان نے ام المؤمنین کو دیکھا تھا
 اس لئے پہچان لیا یہ آواز بلند **إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ** پڑھا ان کی آنکھ
 کھل گئی اٹھ کر چہرہ ڈھانپ لیا صفوان نے اپنا اونٹ قریب کر کے بٹھا دیا آپ
 سوار ہو گئیں اور وہ پاپیادہ مہار تمام کر روانہ ہو گئے حتیٰ کہ بحری دوپہری میں
 اگلی منزل پر جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور لشکر نے پڑاؤ کیا تھا لشکر گاہ میں
 پہنچ کر آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا دیا۔ میں کہتا ہوں کہ داستان

کے اس جز پر درج ذیل سوالات ابھرتے ہیں۔
 (الف) جب ام المؤمنین قضائے حاجت کے لئے گئی تھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 کو اس کا علم کیسے نہ ہوا۔ ظاہر ہے کہ وہ آپ کے ساتھ اور آپ کے پاس ہی تو تھیں۔
 اگر آپ اس وقت حسب عادت نماز تہجد پڑھ رہے تھے اور نماز میں محویت
 کی وجہ سے آپ کو ان کچھانے کا علم نہ ہو سکا تھا تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد
 ضرور ہو جانا۔ کیونکہ آپ انہیں سوئی ہوئی سمجھ کر بیدار فرماتے تو پتہ چل جاتا کہ یہاں
 نہیں ہیں۔ اور اگر کوئی زیادہ سویرے ہوا تھا اور اس رات آپ نے اونٹنی کی پشت
 پر ہی نماز تہجد پڑھی تھی تو جب کوچ کے لئے آپ کو بیدار کیا گیا ہو گا اسی وقت
 آپ کو معلوم ہو جاتا کہ عائشہ موجود نہیں ہیں اور آپ سمجھتے کہ قضائے حاجت
 کے لئے گئی ہیں۔ لہٰذا حالہ آپ ان کا انتظار کرتے۔

بہر کیف حضرت عائشہ کے جنگل جانے اور واپس نہ آنے سے حضور اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم کا بے خبر رہ جانا قطعاً سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔

(ب) مدینہ منورہ میں بھی جب تک گھروں میں پاخانے تعمیر نہیں کئے گئے تھے۔
 عورتیں رات کے وقت قریبی جنگل میں قضائے حاجت کے لئے جایا کرتی تھیں۔

ازواج مطہرات بھی جاتی تھیں مگر تنہا نہیں۔ ساتھ میں کوئی خادمہ ضرور ہوتی تھی۔ اس سفر میں حضرت عائشہ کے علاوہ لشکر میں اور عورتیں بھی ہوں گی۔ آپ ان میں سے کسی کو طلب فرما سکتی تھیں۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ام المؤمنین کے علاوہ پورے لشکر اسلام میں کوئی عورت نہیں تھی یا تھیں لیکن آپ کی قیام گاہ سے دور تھیں تو طبعاً ام المؤمنین خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے ساتھ چلنے کو کہتیں۔ ان کا اندھیری رات میں پڑاؤ سے تنہا باہر جانا بعید از امکان ہے۔

(ج) کتنی ہی لاغر و نحیف اور دھان پان سبھی بہر حال ام المؤمنین کوئی بیوی نہیں تا گانہ تھیں کہ کسی کو ان کے باہر جانے کا علم ہی نہ ہوتا جب کہ کوچ کا وقت قریب تھا۔ اور پورا لشکر کوچ کے لئے جاگا ہوا تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ لشکر کے قلب و وسط میں ہوتی تھی۔ پس یہ ممکن ہے کہ قلب لشکر میں گئے ہوئے خیمہ سے کوئی عورت نکل کر جنگل کی طرف جائے اور سب کے جاگنے کے باوجود کسی کو نظر نہ آئے؟ (د) قضائے حاجت کے لئے پڑاؤ سے زیادہ دور تو آپ گئی نہ ہوں گی۔

جب لشکر نے کوچ کیا ہوگا، اونٹ بلبلائے ہوئے گئے، لوگ باہم بول چال رہے ہوں گے، اور رات کے سناٹے میں ان کے کوچ کرنے کی آواز تو دور دور تک پہنچی ہوگی۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ام المؤمنین کو اس کا پتہ نہ چلا ہو کہ اب لشکر کوچ کر رہا ہے۔ اس وقت تک ہار نہیں ملا تھا تو نہ ملتا، جلد واپس پہنچ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کر دیتیں آپ اس سے تلاش کرا لیتے۔ واللہ یہ بالکل عقل سے خارج بات ہے کہ ام المؤمنین کو لشکر کی روانگی کا پتہ نہ چلے اور وہ بار تلاش کرتی رہیں اور لشکر کوچ کر جائے۔

(۵) نماز فجر سے پہلے کوچ ہوا۔ راستہ میں آپ یقیناً نماز فجر کے لئے رُکے ہوں گے۔ پورا لشکر رُک کا ہوگا۔ اگر ام المؤمنین رہ گئی ہوتیں تو کیا اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی گم شدگی کا علم نہ ہو جاتا؟ سخت حیرت کی بات ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ راستے میں

اس کا علم ہونہ نماز فجر پڑھنے کے لئے اترنے پر ہتھ چلے نہ بعد نماز روانہ ہو جانے کے بعد تمام راستہ میں اس کا احساس ہو۔ حالانکہ صحیح بخاری وغیرہ میں خود حضرت عائشہ ہی سے مروی ہے کہ دورانِ سفر میں آپ حضرت عائشہ سے باتیں کرتے رہتے تھے۔ پھر اگلی منزل پر دوپہر سے پہلے جب پڑاؤ کروں تب بھی آپ بے خبر رہیں۔ کیونکہ آپ کو خبر ہو جاتی تو فوراً کچھ لوگوں کو تلاش کرنے کے لئے سابق منزل کی طرف روانہ فرما دیتے اور ان سے راستہ میں صفوان بن معطل کی ملاقات ہو جاتی جو ام المؤمنین کو اپنے اونٹ پر بٹھائے ہوئے لارے سے تھے۔ ایسا نہیں ہوا، کسی کو تلاش کرنے کے لئے نہ دورانِ راہ سے بھیجا گیا، نہ اگلی منزل سے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگلی منزل پر دن میں اترنے پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ام المؤمنین کے موجود نہ ہونے کا علم نہیں ہوا تھا۔ تو کیا یہ ممکن ہے؟

اگر کوئی کہے ممکن ہے تو پھر محال و ناممکن یہ معنی بات ہے۔ تب تو دو اور دو کا پانچ ہونا اور دو نفیضوں کا جمع ہونا بھی ممکن ہو گا۔ (و) بالفرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کو نماز فجر کے لئے اترنے پر بھی حضرت عائشہ کی گم شدگی کا علم نہ ہوا اور راستے میں بھی پتہ نہ چل سکا اور مان لیجئے کہ اگلی منزل پر پڑاؤ کرنے کے بعد بھی علم نہ ہوا اور اب بھری دوپہر میں صفوان انہیں اپنے اونٹ پر سوار کئے ہوئے لائے اور لشکر کے اکثر و بیشتر اشخاص کو معلوم ہو گیا کہ صفوان ام المؤمنین کو لے کر آیا ہے تو کیا یہ بات ایسی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ سے پیچھے رہ جانے کی وجہ دریافت فرماتے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جو بہت سریع الغضب تھے۔ یعنی انہیں ناگوار بات پر جلد غصہ آ جاتا تھا۔

اپنی بیٹی پر ناراض نہ ہوتے۔ ظاہر ہے یہ بات بالکل عقل میں آنے والی نہیں ہے۔ لیکن نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے کچھ پوچھا نہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کچھ کہا۔

جساکہ زیری کی بیان کردہ داستان سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے اس سلسلے میں کوئی پوچھ گچھ نہیں کی گئی۔ ان وجہ سے روضہ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ یہ داستان شروع سے آخر تک قطعاً غلط ہے نہ حضرت ام المؤمنینؓ کبھی اس طرح گم ہوئی تھیں نہ وہ کسی کے اونٹ پر سوار ہو کر آئی تھیں۔ بلاشبہ یہ کہانی کسی خداناترس آدمی کی گھڑی ہوئی ہے ہمیں یقین ہے کہ حضرت ام المؤمنینؓ نے اپنے متعلق قطعاً یہ ناممکن افسانہ نہیں سنایا۔ اس کے بعد زیری والی داستان میں ہے کہ منافقین نے تو اسی وقت سے جب حضرت عائشہؓ صفوان کے اونٹ پر سوار بھری دوپہری میں پہنچی ہیں، آپ کے متعلق وہی تباہی بکنا شروع کر دیا کہ عائشہ بنت ابی بکر کی صفوان بن معطل سے پہلے سے ہی یہ طے شدہ بات ہوگی کہ میں اس طرح پیچھے رہ جاؤں گی، اور مدینہ پہنچتے کے بعد ام المؤمنینؓ کو بخار ہو گیا۔ ایک ماہ تک بیمار رہیں۔ اس پورے عرصے میں انہیں کچھ علم نہ ہوا کہ ان کے بارے میں کیا بات اڑ رہی ہے۔ بس اس بات سے تو وہ ضرور بے چینی محسوس کرتی رہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ کچھ بھرا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ اس سے پہلے انہیں کبھی کوئی تکلیف ہوئی۔ اور حضورؐ نے جس طرح لطف و محبت سے ان کی بیماری کی تھی۔ اب وہ بات نہیں تھی۔ آپ گھر جا کر ان سے بولتے بھی نہ تھے۔ دوسروں سے ہی یعنی بریکہ خادمہ وغیرہ سے پوچھ لیتے کہ اس کا کیا حال ہے۔

لیکن میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ بھی حضرت عائشہؓ کی بیان کردہ بات نہیں ہے اور ہرگز ایسا نہیں ہوا کہ ایک ماہ کی طویل بیماری کے زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے ایسی بے التفاتی برتی ہو۔ کیونکہ شرعاً اس بے التفاتی کی کوئی وجہ نہ تھی۔ بیمار پر تو سنگ دل لوگوں کو بھی رحم آتا ہے۔ اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ حضرت ام المؤمنینؓ پر واقعی کچھ لوگ الزام لگا رہے تھے تو

بلاشبہ ان کے پاس کوئی ثبوت تو نہ تھا کہ ام المؤمنین کو واقعی مجرم قرار دے کر نفرت و اعراض کا مظاہرہ کرنے کی گنجائش ہوتی۔ کسی شخص پر بغیر کسی ثبوت و دلیل کے الزام لگایا جائے تو ظاہر ہے کہ وہ مظلوم ہے۔ پس ام المؤمنین خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں بھی قانون شرع کی رو سے مظلوم تھیں۔ اور وہ مظلوم ہستی بیمار بھی پڑی ہوئی تھی۔ تو کیا یہ بات تصور کرنے کے لائق ہے کہ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں بیمار پڑی ہوئی مظلوم بیوی کو بلا وجہ اعراض و بے التفاتی کی سزا دیں۔

سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ۔

پھر آپ کی بے التفاتی کی روحانی تکلیف تو حضرت ام المؤمنین کو جسمانی تکلیف سے کہیں زیادہ شاق گزرنی چاہیے تھی۔ مسلسل ایک ماہ تک نہایت محبت کرنے والا شوہر اپنی بیوی سے بے التفاتی برتے اور وہ ایک دن بھی اس سے وجہ آزر و گی دریافت نہ کرے۔ حالانکہ وہ بھی اس سے گہری محبت رکھتی ہو۔ واقعات کی دنیا میں نہ کبھی ایسا ہوا ہے۔ نہ ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد زہری گئے داستان میں ہے کہ ایک ماہ بعد جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بخار چھٹ گیا مگر ہنوز نقامت تھی تو ایک رات قضائے حاجت کے لیے مسلح کی ماں کے ساتھ جنگل گئیں۔ قضائے حاجت کر کے واپس ہو رہی تھیں کہ اس نے اپنے بیٹے مسلح کو کوہا اس پر حضرت عائشہ نے ٹوکا کہ مسلح مہاجر مسلمان ہے جسے غزوہ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ ایسے لائق بیٹے کو کیوں کوستی ہوگی۔

جواب میں اس نے بتایا کہ وہ نالائق ہے ہی اس لائق۔ وہ بھی آپ پر کھڑا اچھلنے والوں میں شامل ہو گیا ہے۔ ام المؤمنین نے پوچھا کیسی کینچی پڑ؟ تب مسلح کی ماں نے اس بہتان کا ذکر کیا جو حضرت عائشہ پر باندھا گیا تھا اور جس کا چرچا ہو رہا تھا۔ یہ جانکاہ خبر سن کر ام المؤمنین پر لرزہ طاری ہو گیا

اور پھر بخارج پڑھا یا۔ گھر آئیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اور پوچھا کہ اب اس کا کیا حال ہے۔ تب حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ مجھے والدین کے پاس جانے کی اجازت دے دیجئے۔ آپ نے اجازت دے دی۔ حضرت عائشہ اسی وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر چلی گئیں۔ تاکہ وہاں جا کر اصل بات والدین سے معلوم کر سکیں۔

ادھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ اس بارے میں وحی کا انتظار کرتے کرتے ایک ماہ گزر گیا تھا لیکن وحی نازل نہ ہوئی تھی۔ اس لئے آپ نے اپنے طور پر تحقیق حال کر کے فیصلہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے جو ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مد مقابل تھیں۔ حضرت عائشہ کے متعلق دریافت کیا وہ بڑی خدا ترس اور متقی تھیں۔ اس موقع پر بجائے اس کے کہ حضرت عائشہ کے متعلق کوئی نازیبا کلمہ زبان سے نکالیں بڑے شد و مد کے ساتھ آپ کو ان کی عفت و پارسائی کا یقین دلایا۔ حالانکہ ان کی بہن حمزہ بنت جحش جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی اور حضرت طلحہؓ کی بیوی تھی۔ محض اس وجہ سے کہ میری بہن کے راستہ سے عائشہ کا کاٹھا صاف ہو جائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ پر صریح بہتان لگانے والوں کی ہمنوا بنی ہوئی تھی صبح کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب و اسامہ بن زید سے مشورہ لیا کہ میں عائشہ کو رکھوں یا چھوڑ دوں۔ اسامہ بن زید نے تو حضرت صدیقہ کی تعریف کی کہ ان کے بارے میں بدگمانی کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ان پر جھوٹا الزام لگایا جا رہا ہے۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہ تعریف کی نہ مذمت کی۔ اور دے بے لفظوں میں آپ کو یہی مشورہ دیا کہ عائشہ کو چھوڑ دیجئے۔ ان کے سوا بہتری عورتیں ہیں۔ رہا یہ الزام تو ہم اس کے غلط یا صحیح ہونے کے بارے میں

کچھ نہیں جانتے۔ آپ خاتمہ سے دریافت فرمائیں۔ تب آپ نے بریرہ خادمہ پر چھاس لے ام المومنین کی تعریف کی کہ وہ قطعاً عقیقہ و پارسا ہیں۔ اتنی بات تو سنے کہ کم سن ہونے کی وجہ سے وہ گنڈھیا ہوا آٹا چھوڑ کر سو جاتی ہیں۔ اور بکری یا مرغی اگر اسے کھا جاتی ہے یعنی کم سنی کے باعث انہیں خانہ داری کا اچھا سلیقہ نہیں ہے۔ زہری کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

فہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بریرۃ فقال ائتی
هل رأیت من شئ یوبک من عاۓتہ۔ فقالت لا بریرۃ
والذی بعثک بالحق ان رأیت علیہا مراقط اغصہ
علیہا اکثر من انہا جارۃ حدیثۃ السن تنام عن
صحین اھلھا فتأتی الداجن فتأکلہ۔

میں کہتا ہوں کہ داستان کے اس جز کے جھوٹ اور قطعاً باطل ہونے پر یہ وجہ دلالت کرتے ہیں۔

(الف) اسامہ بن زید اس وقت جب کا یہ قصہ بتایا جاتا ہے چودہ پندرہ سال کے لڑکے تھے ان کے والد حضرت زید رضی اللہ عنہ موجود تھے، جنہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور نبوت سے قبل ہی اپنا بیٹا بنالیا تھا۔ اور سورۃ الاحزاب کے نزول تک وہ زید بن محمد ہی کہے جاتے تھے۔ پس اگر آپ کو اپنے اس خانگی امر میں مشورہ لینا ہی تھا تو اسامہ کی بجائے ان کے والد حضرت زید بن حارثہ سے لیجئے۔ ایسے اہم امر میں کہیں نو عمر لڑکوں سے مشورہ لیا جاتا ہے۔ کتب رجال میں مذکور ہے کہ بوقت وفات نبوی حضرت اسامہ انیسٹیس یا بیٹیس سال کے نوجوان تھے۔ عبد اللہ بن عمرو بن ابی بن عازب و اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم ہم عمر تھے۔ بلکہ شاید اسامہ حضرت عبد اللہ بن عمر سے ایک سال یا چند ماہ چھوٹے تھے۔ غزوہ احزاب میں عبد اللہ بن عمر پندرہ سالہ تھے۔ اور

حادثہ انک غزوہ احزاب و صلح حدیبیہ واقع ۶ھ کے درمیان پیش آیا ہے۔ لامحالہ اس وقت حضرت اسامہ زیادہ سے زیادہ پندرہ سالہ ہوں گے۔

(ب) پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کا کیا انتظار تھا؟ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت ام المؤمنین پر بہتان لگایا گیا تھا تو یہ کوئی پیچیدہ مسئلہ نہ تھا کہ وحی جدید نازل ہو کر اسے حل کرتی۔ انک سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ قانون نازل فرما دیا تھا کہ جو لوگ پارسنا عورتوں پر الزام لگائیں اور ثبوت میں چار گواہ پیش نہ کریں تو انہیں اسی کوڑے مارو اور عمر بھر کے لئے مردود الشہادۃ قرار دے دو اور وہ فاسق ہیں۔ حضرت ام المؤمنین کے مسئلہ میں آپ کو اسی پر عمل کرنا تھا۔ کیوں کہ الزام لگانے والوں کے پاس ثبوت نام کے تو کوئی چیز نہ تھی نہیں۔ پس حکم قرآن کی وجہ سے وہ سزا کے مستحق تھے۔ اور جھوٹے تھے۔ اگر ام المؤمنین پر الزام لگایا ہوتا تو بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ خبر سنتے ہی ام المؤمنین سے دریافت فرماتے۔ جواب میں وہ پوری قوت سے انکار کرتیں۔ تب آپ الزام لگانے والوں سے حکم قرآن کے مطابق ثبوت مانگتے ثبوت ان کے پاس تھا نہیں لہذا انہیں سزا دے دی جاتی۔ ایک ماہ تک آپ کا کڑھن اور کبیدگی میں رہنا اور وحی کا انتظار فرمانا اور قرآن کا صاف و صریح حکم نافذ نہ کرنا یہ گنہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ یہ حضرت ام المؤمنین پر بہتان لگنے کا قصہ غزوہ بدر مطلق سے واپسی میں پیش آیا تھا۔

یہ غزوہ شعبان میں ہوا ہے۔ اگر پندرہ سولہ شعبان تک واپسی ہو گئی تھی تو اس داستان کے مطابق حضرت عائشہ تقریباً نصف رمضان تک بیمار ہیں اور اس پوری مدت آپ وحی کے منتظر رہے اس سے لازم آتا ہے کہ تقریباً

نصف رمضان تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جبرئیل سے ملاقات نہ ہوئی ہو
حالانکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ ہر سال ماہ رمضان کی ہر شب میں آپ کے
پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آکر قرآن سننے سُناتے تھے۔
لہذا نہایت سہولت کے ساتھ آپ اس کے متعلق حضرت جبرئیل علیہ السلام سے
حقیقت حال معلوم کر سکتے تھے۔

(ج) بربرہ خادمہ رضی اللہ عنہا کا ذکر اس داستان میں اس کے سرتاپا جھوٹ
ہونے کی واضح دلیل ہے۔ کیونکہ بربرہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کی آزاد کردہ
کنیز تھی۔ ام المؤمنین نے اس کو فتح مکہ کے بعد خریدا اور آزاد فرما دیا تھا۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی اپنے
اہل و عیال کے ساتھ فتح مکہ کے بعد ہی مدینہ منتقل ہوئے تھے۔ بربرہ کو
ان کے مالکین نے اپنے ایک غلام کی زوجیت میں دے دیا تھا۔ اس کا نام
مغیث تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ جس قدر مغیث کے دل میں بربرہ کے
محبت تھی اسی قدر بربرہ کے دل میں مغیث سے نفرت تھی۔ مگر کنیز ہونے
کی وجہ سے مجبور تھی۔ بربرہ کے مالکین سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
نے بربرہ کو خریدا اور آزاد کر دیا۔ جیسا کہ تمام کتب احادیث میں تفصیل کے ساتھ
مذکور ہے۔ آزاد ہوتے ہی بربرہ نے خیار غنم کا حق استعمال کر کے مغیث
سے رشتہ زوجیت منقطع کر لیا۔ مغیث اس کی خوشامد کرنے کی غرض سے
اس کی راہ نکتا رہتا تھا۔ آزاد ہونے کے بعد بربرہ نے حضرت ام المؤمنین رضی اللہ
عنہا کی خدمت میں ہی رہنا طے کر لیا تھا۔ جب وہ کسی کام سے باہر گھر سے نکلتی تو
مغیث روتا ہوا اس کے پیچھے بولتا تھا غریب کے آنسو اس کی داڑھی تر کرتے
رہتے۔ لیکن بربرہ کے قلب میں اس کے لئے کوئی نرمی پیدا نہ ہو سکی۔
اکابر نے بربرہ سے سفارش کی حتیٰ کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مغیث
کے حال زار پر ترس آیا اور بربرہ سے فرمایا کہ کاش تم اس سے مراجعت کر لیتیں

یعنی دوبارہ اس کی بیوی بن کر رہنے پر راضی ہو جاتیں۔ بریرہ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ مجھے حکم فرما رہے ہیں یعنی حکم ہے تو مجھے تعمیل کرنی پڑے گی۔ فرمایا میں تو بس سفارش کر رہا ہوں۔ عرض کیا تب مجھے منظور نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

اَنَّ زَوْجَ بَرِيرَةَ كَانَ عَبْدًا اَيْتَالَ لَهُ مَغِيثًا كَأَنِّي اَمْنُظُرُ اِلَيْهِ
يَطُوقُ خَلْفَهَا يَبْكِي وَرَمَوْعَهُ تَسِيلُ عَلَى لَحْيَيْهِ فَقَالَ النَّبِيُّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَبَّاسٍ الْاَتَعَجِبُ مِنْ حَسْبِ مَغِيثِ بَرِيرَةَ
وَمِنْ بَغْضِ بَرِيرَةَ مَغِيثًا۔ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لِوَرَّاحِ بْنِ اَحْبَةَ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ تَأْمُرُنِي قَالَ اِنَّمَا اَشْفَعُ قَالَتْ
فَلَا حَاجَةَ لِي فِيهِ۔ (صحیح بخاری ص ۴۹۵)

کتاب الطلاق باب شفاعتہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی زوج
بریرہ۔ (اخرجه بسندہ عن عکرمۃ عن ابن عباس)

الغرض بریرہ کا ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کے گھر رہنا یقیناً فتح مکہ کے بعد کی بات ہے اور حضرت ام المؤمنین
رضی اللہ عنہا پر بہتان لگنے کا حادثہ غزوہ بنی مصلط کے بعد بتایا جاتا ہے۔
اس وقت تو بریرہ ام المؤمنین کی خدمت میں آئی ہی نہ تھیں نہ محالہ یہ غلط ہے
آزادی کے بعد ہی بریرہ کو خیار عتق حاصل ہوا ہے۔ تب ہی اس کے شوہر کو بے
تابی لاتی ہوئی ہے۔ اور ان دونوں کا متضاد حال دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے اپنے چچا حضرت عباس سے کہا۔

الْاَتَعَجِبُ مِنْ حَسْبِ مَغِيثِ بَرِيرَةَ وَمِنْ بَغْضِ بَرِيرَةَ مَغِيثًا۔
اور تبھی حضرت عبداللہ بن عباس نے بحشم خود مغیث کا بریرہ کے پیچھے رو بہ

پھر نادیکھا ہے۔

اور تمام محدثین و مؤرخین قطعاً اس پر متفق ہیں کہ حضرت عباس اور ان کے اہل و عیال فتح مکہ کے بعد ہی مدینہ منتقل ہوئے ہیں۔ اس لئے یہ مانتا پڑے گا کہ اس داستان میں بریرہ کا ذکر قطعاً غلط ہے اور یہ غلط بات حضرت ام المومنین کی بیان کردہ نہیں ہے۔ یقیناً یہ غپ شب کچھ لوگوں نے وضع کر کے ام المومنین کی طرف منسوب کر دی ہے۔ اس داستان کے مصنف کو یہ تو معلوم تھا کہ بریرہ نام کی ایک باندی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر حضرت عائشہ کی خدمت میں رہتی تھی۔ مگر اسے محمد اللہ اس کا پتہ نہ تھا کہ وہ کس سسنہ میں اور کب ام المومنین کی خدمت میں آئی تھی۔ پس افسانہ مکمل کرنے کے لئے اس نے اس میں بریرہ کا اور اس سے بوجھ کچھ کئے جانے کا ذکر تراش کر بیوند کر دیا۔

اگر اسے یہ بات معلوم ہوتی تو وہ اس کا ذکر ہی نہ کرتا۔ حیرت اس پر ہے کہ محققین حتیٰ کہ امام بخاری جیسے حضرات کو بھی اس پر تنبیہ نہ ہوا۔

اس کے بعد زہری کی بیان کردہ داستان میں ہے کہ گھریلو تحقیق سے فارغ ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں مومنین حاضرین سے جن میں مہاجرین بھی تھے اور انصار بھی انصار میں سے قبیلہ اوس کے لوگ بھی تھے حضرت سعد بن معاذ وغیرہ۔ اور خزرج کے لوگ بھی تھے حضرت سعد بن عبادہ وغیرہ (عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین جو اس فتنہ افک کا بانی مبالغہ تھا۔ اسی قبیلہ خزرج میں سے تھا۔ حسان بن ثابت مشہور شاعر و مومن مخلص بھی خزرجی تھے) ہاں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین مومنین سے فرمایا۔

یا معشر المسلمین من یعدونی من رجل قد بدغنی اذاہ فی
اہلی فواللہ ما علمت علی اہلی الا خیراً۔ ولقد ذکر وارجلا
ما علمت علیہ الا خیراً وما کان یدخل علی اہلی الا معی۔

اے اہل اسلام اس شخص کے بارے میں مجھے چارہ کار کون بتائے گا۔ جس کی میری بیوی کے بارے میں رنجہ بات مجھے پہنچی ہے (اور فی الواقع غلط ہے) کیونکہ میرے علم میں میری بیوی کی کسیرت بے داغ ہے۔ اور الزام میں ان لوگوں نے ایسے شخص کا نام لیا ہے جس کی کسیرت میرے علم میں بے داغ ہے۔ وہ کبھی میرے گھر گیا ہے تو میرے ساتھ ہی گیا ہے۔ یہ سن کر حضرت سعد بن معاذ سردار بنی اوس نے اٹھ کر کہا۔

انا اعذرک منہ یا رسول اللہ ان کان من الاوس ضربنا عنقه وان کان من انصارنا من الخزرج امرتنا ففعلنا باموک۔

یا رسول اللہ اس کا چارہ کار میں عرض کرتا ہوں۔ اگر وہ شخص خاندان اوس میں سے ہو تو ہم اس کی گردن مار دیں گے۔ اور اگر وہ ہمارے برادران خزرج میں سے ہو تو جو ارشاد آپ فرمائیں ہم تعمیل کریں گے۔ حضرت سعد بن عبادہ سردار بنی خزرج نے جو یوں تو نیک و مخلص مومن تھے مگر اس وقت خاندانی تعصب میں بہہ گئے۔ ہر ہم ہو کر سعد بن معاذ سے کہا۔ تو نے غلط کہا۔ بخدا تو اس شخص کو قتل نہیں کر سکتا۔ قتل کا لفظ تو نے اس لئے زبان سے نکالا ہے کہ وہ اوس میں سے نہیں ہے۔ اگر وہ تیرے خاندان اوس کا فرد ہوتا تو اس کا قتل کیا جانا تجھے اچھا نہ لگتا۔ مطلب یہ تھا کہ ہم بنی خزرج تر نوالہ نہیں ہیں کہ تم لوگ ہمارے کسی آدمی کو قتل کر ڈالو۔ اس پر سعد بن معاذ کے چچا کے بیٹے اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے براخروختہ ہو کر سعد بن عبادہ سے کہا تو نے غلط کہا ہم اسے قتل کر کے رہیں گے تو اسے ہچا نہیں سکتا تو منافق ہے منافقین کی حمایت میں بول رہا ہے اس پر خزرجی لوگ سعد بن عبادہ کی حمایت میں اور اوس کے لوگ سعد بن معاذ کی حمایت میں باہم گھٹنے اور مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے۔

حضرت علی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے برابر سب لوگوں کو چپ کرتے رہے

حتیٰ کہ سب چپ ہو گئے۔ اور آپ نے بھی اس بارے پھر کوئی لفظ نہ کہا۔ اور اسامہ سے منقول داستان میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا مجھے مشورہ دو ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے میری بیوی کو بدنام کیا ہے۔ سعد بن معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ ائذین لنا ان نضرب ابننا قہم ہمیں اجازت دے دیجئے کہ ان کی ہم گردنیں مار دیں۔ اس پر خزرج کے ایک آدمی نے بھڑک کر کہا کہ ذبت اما والکھن لو کاؤا من اذاوس ما اجبت ان تضرب اعناقہم۔ یعنی یہ بات تو اس لئے کہہ رہا ہے کہ وہ اس میں سے نہیں پیسے۔ اس میں سے ہونے تو تو انہیں قتل کر ڈالنے کی بات نہ کہتا کہیں کہتا ہوں۔ اس داستان میں حضرت سعد بن معاذ کا ذکر ہونا اس کے قطعی ثبوت ہونے کی نہایت واضح و قطعی دلیل ہے۔

اس لئے کہ تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ غزوہ بنی مصطلق جسے غزوہ الفریس بھی کہا جاتا ہے غزوہ احزاب کے تقریباً نو ماہ بعد ہوا ہے۔ غزوہ احزاب شوال میں ہوا ہے۔ اس کے بعد غزوہ بنی مصطلق شعبان میں۔ موسیٰ بن عقبہ کا قول یہ ہے کہ غزوہ احزاب شوال ۳۴ھ میں ہوا تھا پھر غزوہ بنی مصطلق شعبان ۳۵ھ میں ہوا تھا اور ابن اسحاق نے بتایا ہے کہ غزوہ احزاب شوال ۳۴ھ میں ہوا تھا پھر غزوہ بنی مصطلق شعبان ۳۵ھ میں اور زہری کی داستان میں یہ ہے کہ حضرت ام المؤمنین پر انک وبہتان لگنے کا قصہ غزوہ بنی مصطلق سے واپسی میں پیش آیا تھا۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی)

اسی پر تمام مورخین نے اعتماد کیا ہے اور ناظرین کو معلوم ہوگا اور معلوم نہیں ہے تو ہو جانا چاہیے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غزوہ بنی مصطلق کے وقت اس عالم میں تھے ہی نہیں۔ کیونکہ ان کی وفات غزوہ احزاب

سے تقریباً چالیس دن بعد ہوئی ہے جنگ احزاب میں ان کی رگ اکھل میں کسی مشرک کا تیر لگ گیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دست مبارک سے زخم کو داغا اور مسجد سے قریب ہی ان کے لئے نیمہ نصب کر دیا تھا۔ آپ کو ان سے بڑی محبت تھی۔ اس تکلیف کے دوران میں آپ نے انہیں دور رکھنا پسند نہ فرمایا۔ آپ کے داغنے سے اس وقت تو خون بند ہو گیا۔ زخم کی مرہم پٹی کر دی گئی۔ لیکن بنی قریظہ کی مہم ختم ہوتے ہی رات کو زخم کا منہ کھل گیا۔ اور جسم سے خون پچڑ پچڑ کر بہہ گیا اور وفات ہو گئی۔

اس پر تمام مورخین کا اتفاق ہے۔ خورام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات کا یہ پورا قصہ بیان کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی تین جگہ تخریج فرمائی ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری ص ۲۲ کتاب الصلوٰۃ باب الخیمۃ فی الحجۃ للمرضی وغیرہم نیز ص ۵۹ باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدیۃ نیز ص ۵۹ کتاب المغازی باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب۔ اس قصہ کی اسناد ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے۔

یعنی حضرت ام المؤمنین سے حضرت سعد بن معاذ کی وفات کا یہ قصہ ام المؤمنین کے بھانجے عروہ بن زبیر کو معلوم ہوا اور عروہ سے ان کے فرزند ہشام کو پس جب کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ سعد بن معاذ نے بنی قریظہ کی مہم کے بعد متعہلاً وفات پائی ہے تو خود وہی کیسے یہ بیان کر سکتی تھیں کہ نو دس ماہ بعد سعد بن معاذ نے مسجد کے اندر بھرے مجمع میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ وہ گستاخ جس نے آپ کے اہل کے بارے میں دریدہ دہنی کی بے کشتی و گردن زدنی ہے۔ اس کی گردن مار دینی چاہیے۔ اور خاندانِ تعصب کی بنا پر حضرت سعد بن

عبادہ جیسے فدائی اور مخلص صحابی نے ان سے مناظرہ و مجادلہ کیا تھا یہ اشکال نہایت واضح ہے اور سخت حیرت ہے کہ محقق محدثین و مورخین حتیٰ کہ امام بخاری جیسے شخص کا ذہن بھی اس کی طرف ملتفت نہ ہوا۔ اگر امام بخاری کا ذہن اس کی طرف منتقل ہو جاتا کہ اس داستان افک میں حضرت بریرہ خادمہ کا بیان مذکور ہے۔ حالانکہ وہ اس وقت حضرت ام المومنین کی خدمت میں آئی ہی نہ تھیں۔ غزوہ بنی مصطلق سے تقریباً ڈھائی سال بعد بریرہ کو خدمت اقدس میں رہنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ نیز اس داستان میں حضرت سعد بن معاذ و سعد بن عبادہ کا باہم یہ مباحثہ مذکور ہے حالانکہ سعد بن معاذ غزوہ بنی مصطلق سے تقریباً نو ماہ پہلے وفات پا چکے تھے تو ان دونوں واضح علتوں کی وجہ سے امام بخاری اس داستان کو سرگز درج صحیح نہ فرماتے۔

البیۃ کسیرت النبیؐ کے مصنف مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے سعد بن معاذ کا اس داستان افک میں ذکر ہونے پر جو زبردست اشکال وارد ہوتا ہے اسے محسوس کیا تو اس سے بچنے کی راہ یہ نکالی کہ غزوہ بنی مصطلق کو موصوف نے تمام مورخین و محدثین کے برخلاف غزوہ احزاب سے مقدم قرار دیدیا۔ اور یہ خیال نہ کیا کہ خود اس قصہ افک کی روایات ہی اس توجیہ کو قبول کرنے سے مانع ہیں۔ اب مولانا شبلی پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ موصوف نے جب غزوہ بنی مصطلق کو غزوہ احزاب سے مقدم قرار دیا۔ تو قصہ افک میں ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کی گواہی کی کیا توجیہ کی جائے گی۔ کیونکہ خود موصوف نے بھی یہی لکھا ہے اور دیگر اہل علم بھی یہی بتاتے ہیں اور یہی حقیقت بھی ہے کہ حضرت زینب غزوہ احزاب کے بعد ہی امہات المومنین میں داخل ہوئی ہیں اگر غزوہ بنی مصطلق غزوہ احزاب سے پہلے ہوا ہے تو اس وقت حضرت زینب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر تھیں ہی نہیں علاوہ بریں مولانا شبلی نے ہی سیرۃ النبی میں تصریح کی ہے کہ پردہ کا حکم

غزوہ احزاب کے بعد شہدہ میں نازل ہوا تھا اور داستانِ افک میں جسے مولانا شبلی وغیرہ صحیح باور کرتے ہیں حضرت عائشہ کی یہ تصریح مذکور ہے کہ یہ قصہ نزولِ حجاب کے بعد کا ہے چنانچہ زہری کی روایت کے آغاز میں ہی ہے۔

مخرجت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذلك بعد ما انزل الحجاب فانا حمل في هودج وانزل فيه۔

پھر غزوہ بنی مصطلق کو غزوہ احزاب سے مقدم قرار دینے سے کیا حاصل ہوا ایک اشکال سے نجات ملی تو دو اشکال لازم آگئے۔ پس یہ مولانا شبلی کی غلطی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ غزوہ احزاب کے بعد ہی غزوہ بنی مصطلق ہوا تھا۔ اچھا فرض کر لیجئے کہ سعد بن معاذ رضی اپنی وفات سے نو دس ماہ بعد یکایک زندہ ہو کر اس وقت مسجد کے اندر مجمع میں آگئے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر اپنی دلی محبت کا ثبوت دیا اور بہتان لگانے والوں کو گردن زدنی قرار دیا تھا اور سعد بن عبادہ جیسے جلیل القدر صحابی پر اس وقت خاندانی تعصب کا بھوت چڑھ گیا تھا۔ تو مہاجرین کو کیا ہو گیا تھا کہ انہوں نے اس موقع پر ایک لفظ بھی نہ کہا۔ حالانکہ اس داستان کے مطابق مہاجرین میں سے دو شخص اس جبریم عظیم کے مرتکب ہو رہے تھے۔ ایک مسطح بن اثاثہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ زاد بہن کا بیٹا دوم حمزہ بنت جحش ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی بہن اور حضرت طلحہ کی بیوی۔ تو کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ اس موقع پر جانِ نثار اکابر مہاجرین میں سے کوئی شخص بھی کچھ نہ کہے۔ بلاشبہ اگر یہ واقعہ ہوا ہوتا تو حضرات مہاجرین کی غیرت ایمانی حمزہ و مسطح کی زبان پکڑ کر کھینچ لیتی۔

یہیں ناظرین داستانِ افک کی روایات کے اس اختلاف پر بھی نظر ڈالیں کہ زہری کی داستان کے مطابق حضرت عائشہ کو اپنے متعلق بہتان کی خبر تقریباً ایک ماہ

بعد ہوئی تھی جب بخار اُتر گیا تھا اور رات کو مسطح کی ماں کے ساتھ قضاے حاجت سے فارغ ہو کر جنگل سے گھر کی طرف آرہی تھیں۔ ابواسامہ کی داستان میں گھجی مسطح کی ماں کو ہی مخبر بتایا گیا ہے۔ مگر اس میں مذکور ہے کہ قضاے حاجت سے پہلے ہی ام المؤمنین کو مسطح کی ماں نے یہ جانکاہ اطلاع دی تھی اس کے کہنے ہی ان پر لرزہ طاری ہو گیا اور حاجت کا کوئی احساس ہی نہ رہا یوں ہی گھر واپس آ گئیں۔ فَجَعَتِ اِلٰی بَيْتِیْ کَانَ الَّذِیْ خَرَجْتُ لَہٗ لَا اَجِدُ مِنْہٗ قَلِیْلًا وَلَا کَثِیْرًا وَوَحِکْتُ وَقُلْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرْسَلْنِیْ اِلٰی بَیْتِیْ اَبِیْ فَاَرْسَلْنِیْ مَعَ الْغُلَامِ۔

یہ تو قضاے حاجت کے بعد یا قضاے حاجت سے پہلے خبر معلوم ہونے کے متعلق اختلاف ہوا۔ دوسرا اختلاف یہ ہے کہ ابواسامہ کی روایت میں تصریح ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے اندر بھرے مجمع سے جب اس قصہ کا ذکر کیا اور جواب میں سعد بن معاذ نے بہتان لگانے والوں کو قتل کر ڈالنے کی اجازت مانگی اور اس کے جواب میں ایک خزر جی شخص نے بربنائے تعصب سعد بن معاذ کی بات کا جواب دیا اور اس کے نتیجہ میں مسجد میں شور برپا ہو گیا اور بنی اوس اور بنی خزر ج باہم لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے تو اس وقت حضرت عائشہ اپنے گھر ہی تھیں جو بالکل مسجد سے متصل تھا۔ لیکن ام المؤمنین کو یہ بات بالکل معلوم نہ ہوئی کہ مسجد میں شور کیسا ہے اور کس بات پر لوگ جھگڑ رہے ہیں تو کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے کہ حضرت عائشہ کے کان میں شور کی آواز نہ پہنچے اور آپ کو اس کی حقیقت جان لینے کا تجسس نہ ہو؟

ابواسامہ کی روایت میں ہے کہ اسی دن شام کو مسطح کی ماں سے حضرت عائشہ نے یہ خبر سنی۔ لیکن زہری کی روایت میں یہ ہے کہ جب حضرت عائشہ مسطح کی ماں سے خبر سن کر آپ سے اجازت لے کر تحقیق حال کے لئے اپنے

والدین کے یہاں چلی گئی تھیں تو دوسرے دن مسجد میں آپ نے لوگوں سے اس کا ذکر کیا اور سعد بن معاذ و سعد بن عبادہ کے درمیان تلخ کلامی ہوئی یعنی اس وقت حضرت عائشہ اپنے گھر نہ تھیں بلکہ والدین کے یہاں تھیں۔ اور ام رومان سے مروی داستان میں تذکرہ ہے کہ وہ اپنی بیٹی حضرت عائشہ کے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں گئی ہوئی تھیں کہ ایک انصاریہ عورت آکر اپنے بیٹے کو کو سسنے لگی ام المؤمنین نے فرمایا کیوں کو سستی ہو بولی وہ کمبخت بھی اس بات کو پھیلانے والوں میں شامل ہے۔ ام المؤمنین نے پوچھا کس بات کو؟ تب انصاریہ عورت نے بہتان کی خبر سنائی اسے سن کر حضرت عائشہ نے پوچھا کیا یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو چکی ہے۔ بولی جی ہاں۔ پوچھا اور ابو بکر میرے والد کو بھی بولی ہاں انہیں بھی۔ یہ سنانے ہی حضرت عائشہ بے ہوش ہو کر گر گئیں اس وقت کے مطابق حضرت عائشہ کو یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک انصاری عورت سے معلوم ہوئی تھی۔ تینوں روایتوں کا یہ اختلاف ناقابل حل ہے۔ اور یہ بجائے خود اس قصہ کے غلط ہونے کی دلیل ہے۔

پھر زہری کی داستان میں ہے کہ حضرت ام المؤمنین والدین کے گھر پہنچیں تو والدہ سے دریافت کیا۔ انہوں نے کہا بیٹی چنداں غم نہ کر یہ تیری سو کنوت کی بھڑکالی ہوئی آگ ہے۔ سو تیا ڈا ہ بڑی بڑی چیز ہوئی ہے۔ کسی شخص کی کئی بیویاں ہوں اور ان میں سے ایک اپنے حسن و جمال کی وجہ سے شوہر کو محبوب تر ہو تو اس کی سو کنوتیں اس کے خلاف ایسے ہی فتنے اٹھا دیا کرتی ہیں ام المؤمنین پر اس تسلی کا کوئی اثر نہ ہوا وہ پوری رات بھی اور اگلے دن رات بھی برابر آہ و بکا نہیں کتا غم تھا کہ کسی طرح ہلکا ہونے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ اگلے دن عصر کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے حضرت عائشہ کے پاس ان کے والدین تھے ایک انصاریہ عورت بھی آگئی تھی

اور وہ بھی بیٹھی ہوئی رو رہی تھی۔ پورے ایک ماہ میں آج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آکر حضرت عائشہ کے پاس بیٹھے اور نرمی سے فرمایا کہ عائشہ تمہارے متعلق ایسا ایسا سنا گیا ہے۔ انسان سے غلطی ہو جاتی ہے۔ غلطی ہو جائے تو توبہ استغفار سے اس کی تلافی کرنی چاہئے۔ تم سے بھی غلطی ہو گئی ہو تو توبہ واستغفار کرو۔ یہ سن کر ام المؤمنین کے آنسو خشک ہو گئے اور نہایت عمرگی کے ساتھ اپنی برائت کا اظہار کیا۔ فرمایا کہ آپ لوگوں کے دلوں میں میری طرف سے ایک بات بیٹھ گئی ہے۔ انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ میرے سچ کہنے کا آپ لوگوں کو یقین نہ آئے گا۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں نے یہ گناہ نہیں کیا اور اللہ جانتا ہی ہے کہ میں بے قصور ہوں تو آپ یقین نہیں کریں گے۔ اور یہ کہوں کہ ہاں میں نے یہ گناہ کیا ہے حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ میں قطعاً بری و بے قصور ہوں تو میری اس جھوٹی بات کا آپ کو یقین ہو جائے گا۔ اس صورت حال میں میں وہی بات کہتی ہوں تو یوسف کے باپ یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی تھی کہ فُصِبَ رُجُلُ جَبِيلٍ ط وَاللّٰهُ اَلْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ، یہ کہہ کر حضرت عائشہ ضعف کی وجہ سے منہ پھیر کر بستر پر لیٹ گئیں یکایک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سورہ نور کی آیات اِنَّ الَّذِیْنَ جَادُوا بِالْاٰفَاقِ سے وَلَوْ اَفْضَلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَاِنَّ اللّٰهَ سَرُوفٌ اَحْسِمٌ تک یعنی دس آیات نازل ہوئیں جو سورہ نور کا دوسرا رکوع ہے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ام المؤمنین کے خلاف برپا کئے ہوئے اس فتنہ کو افک اور بہتان عظیم بتایا ہے۔ پس زہری کی روایت کے مطابق حضرت عائشہ ان کے والدین اور ایک انصاری عورت کی موجودگی میں حضرت ابوبکر کے گھر یہ آیات نازل ہوئی تھیں۔

لیکن ابواسامہ کی داستان میں ہے کہ جب حضرت عائشہ اپنے والد کے یہاں پہنچیں تو حضرت ابوبکر نے انہیں واپس جانے کی سخت تاکید کی

وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں اپنے ٹھہر واپس آگئیں دوسرے دن صبح کو
 ابو بکر و ام رومان دونوں ان کے یہاں پہنچ گئے۔ اور شام تک وہی رہے۔
 عصر کی نماز پڑھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے ادھر حضرت
 ام المؤمنین کا رنج و گریہ کی وجہ سے حال تباہ ہو رہا تھا۔ ایک طرف سے باپ نے
 تمام رکھا تھا ایک طرف سے ماں نے، آپ تشریف لائے۔ ام المؤمنین سے
 پوچھ پچھ کی اور نصیحت فرمائی۔ اسی وقت ایک انصاریہ عورت بھی آکر دروازہ پر
 بیٹھی ہوئی تھی حضرت عائشہ نے کہا۔ الا تسبیحی من هذه المرأة فتذكري شيئا
 آپ کو اس عورت کے سامنے کچھ کہنے سے حجاب محسوس نہیں ہوتا۔ اس کے بعد حضرت
 عائشہ نے جیسا کہ زہری کی روایت میں ہے۔ نہایت حسن و خوبی کے ساتھ بلیغ
 انداز میں اپنی بے قصوری و برأت کا اظہار فرمایا۔ تبھی آپ پر یہ وحی نازل ہوئی۔
 اور آپ نے خوش ہو کر فرمایا۔ البشرى يا عائشة فقد انزل الله بارتك
 پس ابواسامہ کی روایت کے مطابق یہ آیات نور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے
 گھر اتری تھیں اور ام المؤمنین وہی ابو بکر کے یہاں سے واپس آگئی تھیں۔ اور
 ان کے والدین ابو بکر و ام رومان بھی موجود تھے۔ لیکن ام رومان والی روایت میں
 مذکور ہے کہ انصاریہ عورت سے بہتان کی خبر سن کر حضرت عائشہ بے ہوش
 ہو کر گر گئیں۔ ہوش آیا تو انہیں سخت جاڑا بخار چڑھا ہوا تھا۔ ام رومان نے
 انہیں لحاف وغیرہ اڑھایا اتنے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے
 پوچھا کیا حال ہے ام رومان نے کہا جاڑا بخار چڑھا ہوا ہے۔ فرمایا شاید انہیں
 وہ بات معلوم ہو گئی ہے۔ اس کا صدمہ ہے۔ یہ سن کر حضرت عائشہ اٹھ بیٹھیں
 اور اسی انداز سے اپنی برأت کا اظہار کیا جیسا کہ زہری و ابواسامہ کی روایت میں ہے
 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر باہر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ابو بکر
 کے ساتھ واپس آئے اور اللہ کی طرف سے ام المؤمنین کی بے گناہی کی
 صراحت آجانے کی بشارت دی۔ پس اس روایت کے مطابق یہ آیات حضرت

عائشہ و ام رومان کے سامنے نہیں بلکہ گھر سے باہر نازل ہوئیں۔ بتائیے تینوں روایتوں کے مضمون کے اس تضاد کو کیسے رفع کیا جائے؟ اگر تین شخص بچائے خود نہایت ثقہ ہوں اور وہ کسی امر کے بارے میں گواہی دیں لیکن تینوں کا بیان باہم متضاد ہو تو کیا ان کی وہ شہادت قابل قبول ہوگی؟ ہرگز نہیں۔ اختلاف و تناقض کی وجہ سے تینوں کی شہادت رد کر دی جائے گی۔ اسی طرح یہ تینوں روایتیں گو صحیح بخاری میں درج ہیں۔ لیکن جب ایک ہی واقعہ کے متعلق ان کے مضامین میں باہم اس قدر اختلاف و تناقض ہے تو متضائے عقل یہی ہے کہ تینوں روایتیں رد کر دی جائیں۔ اور باور کیا جائے کہ یہ افسانہ سرے سے غلط ہے۔

زہری و ابواسامہ دونوں کی روایت میں مذکور ہے کہ حضرت ام المؤمنین پر بہتان لگانے کی سرپرستی تو منافق اعظم عبداللہ بن ابی کر رہا تھا اور مخلص المؤمنین مسیح بھی تین شخص اس گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے تھے۔ ایک مشہور شاعر حضرت حسان بن ثابت انصاری خزرجی۔ دوم مسطح بن اثاثہ مہاجر بدری جو خاندان بنی مطلب میں سے تھا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ زاد بہن کا بیٹا تھا۔ اور غریب ہونے کی وجہ سے حضرت ابوبکر اس کی مالی مدد فرماتے رہتے تھے۔ اور جب اس نے بھی حضرت ام المؤمنین پر یہ ظلم کیا تو حضرت ابوبکر نے آئندہ کے لئے اس کی مالی مدد کرنے سے ہاتھ کھینچ لئے تھے۔

سوم حمزہ بنت جحش۔ مہاجرہ صحابیہ ان تینوں نے کھل کر حضرت ام المؤمنین پر بہتان لگایا تھا۔ اور محمد بن اسحاق مورخ کی روایت میں جس کی تخریج ابوداؤد نے کی ہے۔ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں پر حد قذف جاری فرمائی۔ میں کہتا ہوں حقیقت یہ ہے کہ نہ حسان بن ثابت نے یہ جرم کیا تھا نہ مسطح نے نہ حمزہ نے، یہ ان پر دشمنوں کا بہتان ہی بہتان ہے۔ جیسا کہ میں آگے چل کر وضاحت کے ساتھ ثابت کروں گا۔ یہاں میں یہ بتانے پر اکتفا کرتا ہوں کہ سورہ احزاب سورۃ النور سے بہ اتفاق مفسرین پہلے نازل ہوئی ہے۔ اور

سورۃ الاحزاب میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو صراحت کے ساتھ بتا دیا تھا کہ ازواجِ مطہرات کا حکم و مرتبہ عام مؤمن عورتوں سے بہت مختلف اور نہایت بلند ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بیوی تمام مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کی ماں ہے۔ النبیُّ اُولٰٓئِیْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجِهِ اَمْسَاۤتُهُمْ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی سے کسی حال میں بھی کسی مسلمان کو نکاح کرنا جائز نہیں رکھا گیا جیسے حقیقی ماں اپنے بیٹوں کے لئے قطعی حرام و واجب الاحترام ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بیوی تمام مسلمانوں کے لئے حرام و واجب الاحترام ہے۔ چنانچہ اہل ایمان سے فرما دیا گیا تھا۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا اَنْ تَكُوْنُوْا اَزْوَاجًا مِنْۢ بَعْدِہٖ اَبَدًا اور انہیں خوب فحاش کر دی گئی تھی کہ رسول اللہ کو اذیت دینا خود اللہ کو اذیت دینے کے معنی میں ہے۔ ایسے شخص پر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور اس کے لئے ذلیل کر دینے والا عذاب طے ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالاٰخِرَۃِ وَلَعَدَّ لَہُمْ عَذَابًا مُّہِیْنًا۔ ان تصریحات کے ہوتے ہوئے کس مسلمان کی یہ مجال ہو سکتی تھی کہ حضرت ام المؤمنین پر بہتان باندھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائے کسی شریف و پارسا مسلمان عورت پر بہتان لگا دینا گناہِ کبیرہ اور موجب حدِ قذف ہے۔

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی پر بہتان باندھنا کفر اور موجب لعنت ہے۔ سخت حیرت و تعجب کی بات ہے کہ حسان بن ثابت و مسطح بن اثاثہ و جمنہ بنت جحش کو مؤمن و مخلص بھی بتایا جائے اور ان کے متعلق یہ بھی باور کمر لیا جائے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چھٹی بیوی پر بہتان باندھ کر وہ گناہ کیا تھا جو رسول اللہ کے کسی دشمن سے دشمنِ مشرک یا یہودی نے بھی نہیں کیا۔ اگر کوئی شریف بیٹی اپنی شریف و پاکیزہ ماں پر بہتان لگا سکتی ہو تو جمنہ نے بھی لگا دیا ہو گا۔ اور کوئی شریف بیٹا اپنی شریف ماں کو رسوا کرنے پر تل سکتا ہو تو حسان اور مسطح نے بھی اس کا ارتکاب کر لیا ہو گا۔

رہی ان تینوں کو حدّ قدف لگنے کی بات تو یہ ابن اسحاق کی ان پشناپ باتوں میں سے
 ایک ہے۔ ابن اسحاق کے علاوہ اور کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا اس افسانہ پر سرو پا
 کے فرضی ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ امام المؤمنین حضرت جویریہ بنت حارث
 رضی اللہ عنہا سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بنی مصطلق سے واپس
 ہو کر ہی عقد فرمایا ہے۔ حضرت جویریہ کا باپ حارث بنی مصطلق کا سردار تھا
 جنگ کے نتیجہ میں اس قبیلہ کی بہت سی لڑکیاں اور عورتیں گرفتار ہوئیں، ان ہی
 میں سے حضرت جویریہ بھی تھیں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حصّہ میں آئیں۔
 قانون جنگ یہ ہی تھا کہ مفتوح قوم کے سردار کے اہل و عیال فاتح سردار کا حق
 ہوا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ واپس جا کر جویریہ کے متعلق آپ کو معلوم ہوا کہ
 وہ پہلے ہی سے مشرف بہ اسلام ہیں آپ نے انہیں آزاد کر دیا اور ان کی مرضی
 و خواہش اور پاکیزگی سیرت پھر مفاد اسلامی کے پیش نظر ان سے نکاح
 فرمالیا۔ محمد بن اسحاق کی روایت یہ ہے کہ اولاً جویریہ خطیب اسلام حضرت ثابت
 بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصّہ میں آئی تھیں۔ یعنی مال غنیمت تقسیم کر سکتے وقت
 آپ نے جویریہ ثابت کو بخش دی تھی۔ حضرت جویریہ نے ثابت سے کتابت کا معاملہ
 کر لیا۔ یعنی یہ کہ میں آپ کو اس قدر رقم دے دوں گی۔ آپ مجھے آزاد کر دیں۔
 ثابت نے فوراً منظور کر لیا۔ تب وہ سیدھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
 میں حاضر ہوئیں اس وقت آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے پاس ہی تشریف
 فرما تھے خود حضرت عائشہ حضرت جویریہ کی پاکیزہ اور بچی ہوئی اور زیبائی و دلکشی
 سے بہت متاثر ہوئیں۔ جویریہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بنی مصطلق کے سردار
 حارث کی بیٹی ہوں اور مشرف بہ اسلام ہوں ثابت بن قیس نے جس کے
 حصّہ میں میں آئی ہوں مجھے مکاتب کر دیا ہے مجھے ثابت کو وہ رقم ادا کرنی ہے۔

آپ نے فرمایا اگر تمہیں منظور ہو تو وہ پوری رقم میں ادا کر دوں اور تم سے نکاح کر لوں حضرت جویریہ نے عرض کیا مجھے بالکل منظور ہے۔ آپ نے ثابت کو رقم ادا کر دی اور ان سے نکاح کر لیا۔ ان سے نکاح کی فوری برکت حضرت عائشہ نے ہی یہ بیان فرمائی ہے کہ اس قبیلہ کے جو بچے اور عورتیں لونڈی غلام ہو کر مسلمانوں میں تقسیم ہو گئے تھے سب نے انہیں نہایت خوشی سے آزاد کر دیا کہ یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہیں۔ انہیں ہم اپنی غلامی میں کیسے رکھ سکتے ہیں۔

اس کا ذکر سنن ابی داؤد میں ہے یہ خبر حارث اور بنی مصطلق کے دیگر اشخاص کو پہنچی جو بوقت جنگ بھاگ گئے تھے سنتے ہی سب لوگ خوش و غرم ہو کر آئے اور مشرف بہ اسلام ہو گئے اور اپنے اہل عیال کو ساتھ لے گئے۔ پس اگر غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر حضرت صدیقہ پر بہتان لگنے کا واقعہ ہوا ہوتا تو یہ زمانہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شدید رنج و غم کا تھا۔ جو زہری کی روایت کے مطابق ایک ماہ تک چلا ہے۔ تو کیا ایسے رنج و غم کے زمانے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نکاح فرماتے۔ شادی و ناشادی تو ایک دوسرے کی نقیض ہیں ان کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔ اگر گھڑی ہوئی بے بنیاد کہانی کو اس لئے بھی رد کرنا ضروری ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کے منافی ہے۔ تو ضیح اس کی یہ ہے کہ عصمت نبوت کا وصف لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو بھی نبی مبعوث فرمایا وہ معصوم تھا۔ یعنی ان تمام جسمانی و اخلاقی عیوب سے قطعاً محفوظ جو لوگوں کی نگاہ میں ذلت و حقارت کا باعث ہوں۔

چنانچہ کوئی نبی نہ لایا نہ لکڑا یا اندھایا نہ ہر یا گونگایا نہ نابالغ یا ارج یا ابرص یا کوڑھی یا کمزور و ناتواں یا بھینگا یا بد صورت نہیں ہوا۔ ہر نبی اپنے زمانہ کے لوگوں میں وجاہت

اور مردانہ حسن کے لحاظ سے ممتاز ترین انسان ہوا ہے۔ اسی طرح کوئی بی
 جھوٹا یا فریبی یا چور یا خائن یا بد عہد یا بے وفا یا مال و زر کا حرص یا بخیل یا
 بے حیا یا بزدل یا خود غرض یا کم فہم و بے وقوف یا لالہ ابالی یا غیر سنجیدہ یا جھگڑالو
 لڑاکا یا لنگوٹے کا کچا یعنی ناپارسا نہیں ہوا۔ بہرہی اپنے عہد میں جمال سیرت اور
 اخلاق فاضلہ و صفات حمیدہ سے متصف ہونے میں مثال اعلیٰ رہا ہے۔
 کوئی جسمانی و اخلاقی عیب کسی نبی میں نہ ظہور نبوت سے قبل یا یا گیا نہ ظہور
 نبوت کے بعد تا وفات حادث ہوا۔ اور ان عیوب میں سے ناپارسانی و یعنی
 زنا کی وجہ سے پیدا شدہ ذلت و حقارت متعدی ہوتی ہے اور دیگر عیوب سے
 پیدا شدہ ذلت و حقارت اسی شخص کی ذات تک محدود رہتی ہے جس میں
 وہ عیب ہو مثلاً کوئی مرد چور ہو اور اس کے اعزہ و اقربا بھائی بہن اولاد ماں باپ
 دادا دادی چور نہ ہوں تو اسی چور مرد سے نفرت کی جاتی ہے۔ اور اسے ہی گری ہوئی
 لنگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کے اعزہ و اقربا سے محض اس کے جرم کی وجہ
 سے نفرت نہیں کی جاتی البتہ کہ وہ کسی طرح اس چور کی اعانت و حمایت کرتے ہوں
 لیکن اگر وہ اس چور سے اور اس کے جرم سے بیزار ہوں اور ان کی بینکاری کا
 لوگوں کو علم بھی ہو تو اس چور کی وجہ سے ان کی عزت پر حرف نہیں رکھا جاتا۔
 لیکن زنا ایسا جرم ہے کہ اس کی وجہ سے پیدا شدہ نفرت و حقارت زانی و زانیہ
 کے اصول و فروع اور اہل و عیال کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ زانیہ عورت
 کے جرم کی وجہ سے اس کے ماں باپ اور دادا و دادی کی اس کے شوہر کی اس کے
 اولاد کی بھی بے عزتی ہوتی ہے۔ اس لئے نبی کی عصمت کی خاطر حق تعالیٰ نے
 بہرہی کی ذات کی طرح اس کے اصول یعنی ماں باپ دادا دادی کو نیز اس کے
 فروع یعنی اہل و عیال کو اور اس کے بھائیوں بہنوں کو بھی اس جرم سے قطعاً
 محفوظ رکھا تھا پس جس طرح کوئی بھی نبی بھی جرم زنا کا مرتکب نہیں ہوا اسی طرح
 کسی نبی کے والدین اور بھائیوں بہنوں اور اہل و عیال میں سے بھی کوئی اس کا مرتکب
 نہیں ہوا۔

نبی کی بیوی کا فرہ ہو سکتی تھی مگر زانیہ نہیں۔ نبی کے بیٹے یا بیٹی سے کفر کا صدور ہو سکتا تھا مگر زنا کا نہیں۔ نبی کے ماں باپ مبتلائے کفر ہو سکتے تھے مگر ان کا مبتلائے زنا ہونا ممکن نہ تھا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح آپ کی تمام ازواج مطہرات اور جملہ بنات طہیات کے لئے بھی عفت تکوینی طور پر مقرر و لازم کردی گئی تھی۔ جیسے تکوینی طور پر ہر زندہ انسان کے لئے سانس لینا لازم و مقرر کر دیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو اس امر میں اپنے نبی کی عصمت اس قدر عزیز رہی ہے کہ کسی بے پردہ شخص یا اشخاص نے اگر کسی نبی کی ذات یا نبی سے قرابت قریبہ رکھنے والی کسی ہستی کی عفت پر الزام لگایا تو علی الفور اس قدر واضح طریق سے اس کی تردید فرمادی جیسے بے ابردن میں نصف النہار کا سورج واضح ہوتا ہے۔ عزیز مصر کی بیوی نے اپنے شوہر کے سامنے اپنے بچاؤ کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام پر ارادہ بد کا الزام لگایا تو علی الفور عزیز کے سامنے اس کی بول کھول دی گئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کنواری مریم صدیقہ کی گود میں دیکھ کر لوگ بچہ رکھے اور ان پر الزام رکھنے لگے۔ علی الفور حق تعالیٰ نے شیر خوار مسیح بن مریم کی زبان پر وہ سنجیدہ و باوقار تقریر جاری فرمادی جسے سن کر سب لوگ مبہوت و ششدر رہ گئے اور پہلے سے بھی کہیں زیادہ حضرت مریم کے معتقد بن گئے بلکہ انبیائے کرام کے علاوہ نیک و صالح بندوں پر بھی اللہ تعالیٰ کی یہ نوازش رہتی ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ میں ایک عابد و زاہد جریج نامی شخص کا قصہ مذکور ہے جو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان فرمودہ ہے کہ شیر خوار بچہ نے جو اپنی حرام کارماں کی گود میں تھا۔ بر ملا جریج کی بے گناہی ظاہر کردی اور عامۃ الناس یہ کرامت دیکھ کر جریج کے بے حد معتقد ہو گئے۔ پس اگر اہل المؤمنین رضی اللہ عنہما پر بہتان لگایا گیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ سنت انبیاء کے مطابق علی الفور کوئی ایسی ہی قطعی اور غیبی نشانی رونما فرمادیتا جس سے اس بہتان کے پر خچے اڑ جاتے۔

ایک ماہ تک مسلسل اپنے حبیبِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جانکاہ غم میں مبتلا نہ رکھتا اس لئے میں اس بے ہودہ کہانی کو از اول تا آخر غلط سمجھتا ہوں۔ رہا یہ سوال کہ اس فرضی کہانی کا مصنف کون ہے اور وجہ تصنیف کیا تھی۔ تو اس کا جواب دینے سے قبل میں ان تینوں روایتوں کی اسناد پر بحث کروں گا۔

*** (روایت زہریؒ) ***

ابن شہاب زہری کا بیان یہ ہے کہ میں نے یہ قصہ کچھ سعید بن مسیب سے سنا ہے کچھ عروہ بن زبیر سے کچھ علقمہ بن وقاص لیثی سے کچھ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود سے۔ ان میں سے کسی نے مجھے پورا قصہ نہیں سنایا مگر ان چاروں سے سنی ہوئی باتوں کو جوڑنے سے پورا قصہ یہ بنتا ہے اس کے بعد زہری نے پوری داستان بیان کی ہے۔ اور پوری داستان میں کسی جگہ بھی یہ نہیں بتایا کہ یہ بات مجھے سعید بن مسیب سے معلوم ہوئی تھی۔ اتنی بات عروہ نے ذکر کی تھی علقمہ سے یہ سنا تھا اور عبید اللہ نے یہ بتایا تھا پس آغاز داستان میں زہری نے ان چاروں شخصوں کا ذکر کر کے یہ کہا

وكلهم قد حدثني بطائفة من حدیثہا وبعضہم كان اوعى
 لحدیثہا من بعض واشتد لہ اقتصا ما وقد وعیت عن كل
 رجل منهم الحدیث الذی حدثنی عن عائشة وبعض حدیثہم
 یصدق بعضا. ذکر و ان عائشة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم
 قالت

اس کے بعد حضرت عائشہ کی زبانی پوری داستان ذکر کی ہے۔ پس ایک جگہ اصحابِ افک کی تعین میں عروہ کا نام لیا ہے جیسا کہ میں آگے ذکر کروں گا۔

پس اس اسناد میں دو قصور ہیں اول یہ کہ راوی تو ثقہ ہیں اور زہری نے ان کا نام بتلایا ہے کہ وہ فلاں اور فلاں چار اشخاص ہیں لیکن ان میں سے کسی بھی راوی کی بیان کردہ بات زہری نے متعین طور پر نہیں بتائی پس راوی معلوم ہے اور مروی مجہول اور یہ ضعیف کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ جیسے وہ روایت ضعیف و غیر معتبر ہے جس میں راوی مجہول ہو اور مروی معلوم ہو اسی طرح وہ روایت بھی ضعیف و غیر معتبر ہے جس میں راوی معلوم ہو اور مروی مجہول ہو۔

یو سہر قصور یہ ہے کہ ان چاروں میں سے کسی راوی کی یہ تصریح مذکور نہیں کہ اس نے خورام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے یہ قصہ سنا تھا۔ اور ظاہر عبارت سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ ان چاروں کو دیگر اشخاص نے حضرت امام المؤمنین کی طرف منسوب کر کے یہ قصہ سنایا تھا۔ کیونکہ اگر سعید بن مسیب و علقمہ بن وقاص و عروہ بن زبیر و عبید اللہ بن عبد اللہ نے براہ راست حضرت عائشہ صدیقہ سے یہ قصہ سنا ہوتا تو عبارت یوں ہوتی۔ "ذکروا انہم سمعوا عائشۃ الصدیقہ رضی اللہ عنہا تقول یا ذکروا ان عائشۃ سعدتہم قالت۔" تا اور جب ہم (۳) داستان کے نام معقول اور بالکل غلط اور متضاد مضامین کو دیکھتے ہیں۔ تو یقین ہو جاتا ہے کہ حضرت عائشہ نے قطعاً یہ ان ہوا قصہ بیان نہیں کیا۔ اگر وہ بخور بیان فرمائیں تو اس داستان میں ان کی گم شدگی کی نام معقول کہانی نہ ہوتی اس میں سعید بن معاذ و زبیر کا غلط تذکرہ نہ ہوتا اس میں وہ متضاد باتیں نہ ہوتیں جن کی نشاندہی کی جا چکی ہے۔ پس فی الواقع یہ زہری کی مرسل یعنی منقطع روایت ہے یعنی ہم یہ تو یقین رکھتے ہیں کہ زہری نے یہ داستان خود نہیں گھڑی تھی۔ بلکہ فی الواقع مجموعی طور پر یہ داستان زہری نے سعید بن مسیب و عروہ بن زبیر و علقمہ و عبید اللہ بن عبد اللہ سے سنی تھی۔ لیکن ان چاروں اشخاصوں نے خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ قصہ نہیں سنا تھا۔ بعض اشخاص نے انہیں بتادیا۔

تھا کہ امام المؤمنین نے یہ بیان کیا تھا۔ وہ کون اشخاص تھے؟ اس کا علم نہیں۔
پس سند کے اعتبار سے یہ روایت زہری کی مرسل روایات میں سے ہے۔
جو یہ اتفاق اہل علم ناقابل اعتماد اور عموماً غلط ہوتی ہیں۔ اہل علم نے کہا ہے۔
مراسیل الزہری شر المراسیل۔

اہل علم کے یہ اقوال تہذیب التہذیب و تذکرة الحفاظ و دیگر کتب
رجال میں مذکور ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے چوک ہو گئی کہ انہیں زہری کی
اس روایت کے مرسل ہونے کا احساس نہ ہوا۔ ورنہ مضامین سے قطع نظر سند کے
کے لحاظ سے بھی یہ روایت صحیح بخاری میں جگہ پانے کے لائق نہ تھی۔ اس روایت
کے مرسل ہونے کی نہایت واضح دلیل خود اس روایت میں ہی مذکور ہے۔
زہری کی روایت غزوہ بنی المصطلق کے تحت جو امام بخاری نے درج فرمائی ہے۔
اس میں ہے۔

وكان الذي تولى كبار الافك عبد الله بن ابي ابن سلول
قال عروة اخبرنا انه كان يشاء ويتحدث به عنده فيقرو
ويستمعون ويستوشيه وقال عروة ايضا لم يسم من اهل الافك
ايضا الا حسان بن ثابت ومسطح بن اثاثة وحمدة بنت جحش
في ناس اخرين لا علم لي بهم غير انهم عصابة كما قال الله
تعالى وان كبار ذلك يقال له عبد الله بن ابي ابن سلول
(صحیح بخاری ج ۵۹) اخبرنا کے معنی ہیں۔ مجھے خبر دی گئی۔ کس نے
خبر دی اس کا ذکر نہیں۔ لم یسم من اهل الافك الخ کے معنی ہیں افک
والوں میں سے صرف تین شخصوں کا نام زد کر کیا گیا ہے۔ ایک حسان دوم
مسطح سوم حمدة ان تینوں کے علاوہ اور لوگ بھی تھے مگر مجھے ان کا نام معلوم
نہیں۔ ہاں اس کا کرتاد ہرنا عبد اللہ بن ابي تھا۔ اب ظاہر ہے کہ اگر عروہ نے

قصہ انک خود اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہوتا تو اخبار تک کہتے اخبارت نہ کہتے اور کم تسم بصیغہ مؤنث معروف کہتے۔ لَمْ یَسْمَعْ بِصِیْغَہ فُجْہول نہ کہتے۔ بس یہ شک عروہ نے حضرت عائشہ پر بہتان لگنے کی داستان سنی تھی۔ مگر خود حضرت عائشہ سے نہیں بلکہ کسی اور شخص یا اشخاص سے جن کا نام انہوں نے ذکر نہیں کیا اور جب عروہ نے یہ داستان حضرت عائشہ سے نہیں سنی حالانکہ وہ ام المؤمنین کے قریبی عزیز یعنی بھائی تھے تو سعید بن مسیب وغیرہ کا سنا تھا اور بھی مستحکم ہے نہ تمام المؤمنین ایسی ضعیف الحفظ نہ تھے کہ بریرہ و سعد بن معاذ کا بالکل غلط تذکرہ فرمادیتیں اور کبھی کبچہ دیتیں لہٰذا

(روایت ابواسامہ)

امام بخاری نے اسے بطور حدیث نہیں بلکہ زہری کی تائید میں تعلیقا ذکر کیا ہے کہا ہے۔ و قال ابواسامہ عن هشام بن عروہ قال اخبرنی ابی عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت۔ اس کے بعد پوری داستان بیان کی۔ ہے یعنی ابواسامہ کو یہ داستان هشام بن عروہ سے پہنچی هشام نے اپنے والد عروہ سے سنی تھی عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بیان کیا کہ الخ۔ اور گزشتہ صفحہ میں میں بتا چکا ہوں کہ یہ ابواسامہ کی داستان زہری کی داستان سے کئی اہم امور میں مختلف و متعارض ہے۔ اور اوپر عروہ کی تصریح گزری کہ عروہ نے یہ قصہ براہ راست حضرت عائشہ سے نہیں سنا تھا بعض اور اشخاص سے سنا تھا پس یہ روایت بھی مرسل ہی ہے جو زہری کی روایت سے مختلف و متعارض بھی ہے۔

روایت ام رومان

حضرت ام رومان ام المؤمنین حضرت عائشہ کی والدہ اور حضرت ابوبکر کی بیوی تھیں۔ ان کی طرف منسوب کر کے اسے مسروق بن اجدع تابعی نے نقل کیا ہے اور مسروق نے ام رومان کا زمانہ نہیں پایا۔ ام رومان کی وفات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی ہو گئی تھی۔ سن وفات غالباً ۴۵ھ ہے۔ لا محالہ مسروق نے اسے کسی اور شخص سے سنا ہوگا۔ اس نے حضرت ام رومان کی طرف منسوب کر کے اس کو بیان کیا تھا۔ مسروق نے اس شخص کا نام نہیں لیا کہ وہ کون تھا کیسا تھا۔ اسی لئے امام مسلم نے اس روایت کو درج صحیح نہیں کیا۔ کیونکہ یہ سند صحیح نہیں ہے۔ مرسل ہے۔ مگر امام بخاری کو اس کی اسناد میں ابو عوانہ و محمد بن فضیل کے وہم کی وجہ سے دھوکہ لگ گیا۔ ابو عوانہ نے اس کی اسناد یہ بیان کی تھی۔

عن حصین عن ابی وائل قال حدثنی مسروق بن الاعدع قال حدثتني ام رومان وهي ام عائشة صحیح بخاری (۵۹۷ غزوہ بنی المصطلق)

مسروق نے کہا تھا حدیث ام رومان ام رومان نے بیان کیا۔ ابو عوانہ نے از روئے وہم اسے حدیثی ام رومان بنادیا۔ (مجھ سے ام رومان نے بیان کیا) اور محمد بن فضیل نے اس کی اسناد یہ بیان کی تھی۔ حدیثنا حصین عن شقیق (ابی وائل) عن مسروق قال سألت ام رومان وهي ام عائشة عما قيل فيها۔ (صحیح بخاری ص ۴۹۷ کتاب الانبیاء)

مسروق نے کہا تھا سئلت ام رومان یعنی ام رومان سے حضرت عائشہ کے افک کے متعلق پوچھا گیا ابن فضیل نے اسے غلط پڑھ کر سئلئت ام رومان سمجھ لیا اور اسے ہی نقل کر دیا۔ (کہا مسروق نے کہ میں نے ام رومان سے پوچھا تھا۔ الغرض امام بخاری نے دھوکا کھا کر اس روایت کو

متصل گمان کر کے درج صحیح کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ مرسل ہے۔ اہل علم نے امام بخاریؒ پر اس بارے میں بجا گرفت کی ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام بخاری کی اس روایت کے بارے میں لکھا ہے۔

وفي لفظ أبي عوانة حدثني ام رومان وهذا مروي في سماع مسروق
منها. وقد انكر ذلك جماعة من الحفاظ منهم الخطيب البغدادي
وذلك لما ذكره اهل التاريخ انها مانت في زمن النبي صلى الله عليه
عليه وسلم قال الخطيب وقد كان مسروقاً يرسله فيقول سألت
ام رومان (مجهولاً) ويسوقه فلعل بعضهم كتب سألت بالفتح
فاعتقد الراوي انها سألت فظنته متصلاً وقد رواه البخاري
كذلك ولم تظهر له علتة (تفسير ابن كثير سورة النور) الحاصل صحيح بخاري
میں حضرت عائشہ پر بہتان لگنے کا قصہ جو مسروق سے مروی ہے تو اسے مجھ سے
بہت پہلے اہل علم نے غیر صحیح بتایا ہے۔ اور بروایت زہری سعید بن مسیب
وعلقمہ بن وقاص وعبد اللہ بن عبد اللہ وعروہ سے اور بروایت ابواسامہ
عروہ سے بھی مروی ہے۔ اور دلائل سے نصف النہار کے سورج کا طرح یہ
حقیقت واضح کی جا چکی ہے کہ زہری وابواسامہ کی روایت بھی مرسل اور
غیر صحیح ہے اور جیسے بخاری سے مسروق والی روایت میں چوک ہو گئی
ایسے ہی زہری والی روایت میں چوک ہوئی ہے۔ بے شک مسروق نے یہ
قصہ کسی سے سنا تھا مگر ام رومان سے نہیں سنا۔ عروہ وعلقمہ بن وقاص
وعبد اللہ بن عبد اللہ نے بھی سنا تھا۔ خود ان حضرات نے یہ داستان
تصنیف نہیں کی تھی۔ مگر کن اشخاص سے سنا تھا یہ معلوم نہیں لیکن خود حضرت
عائشہ سے نہیں سنا اور ان روایات کے مضامین کا اختلاف و تضاد اس
کی دلیل ہے کہ اس داستان کو بیان کرنے والے متعدد اشخاص تھے۔

اور گو میں ان جھوٹے لوگوں کے نام نہیں جانتا لیکن ناظرین کو ان کی جنس بتا سکتا ہوں کہ وہ کس گروہ کے لوگ تھے حقیقت یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان سیاسی اختلاف پیدا نہ ہوا ہوتا اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت ام المؤمنین کے ساتھ حضرت علی کے برخلاف نہ ہوتے اور حضرت حسان بن ثابت انہاری رضی اللہ عنہ حضرت علی کی بیعت سے غریز اختیار کر کے ملک شام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس نہ چلے جاتے تو یہ دامن نہ گھڑی جاتی۔

معلوم ہے کہ حضرت عثمان کو جب ظالموں نے شہید کر کے حضرت علی سے بیعت کی تھی تو اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بغرض حج مکہ گئی ہوئی تھیں۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بھی مدینہ سے حجاج مکہ پہنچ گئے۔ اور ام المؤمنین کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ ان سب کا مشورہ ہوا کہ بصرہ پہنچ کر عامۃ المسلمین کو ظالموں یعنی بلوائیوں کے خلاف ابھارا جائے اور حضرت علی سے مطالبہ کیا جائے کہ قاتلان عثمان کو عثمان مظلوم کے قصاص میں قتل کریں۔ ان حضرات کے بصرہ کی طرف کوچ کرنے کی اطلاع حضرت علی کو دوسرے رنگ میں دی گئی کہ یہ لوگ بصرہ پہنچ کر مسلمانوں کو آپ کے خلاف بھڑکا کر آپ پر حملہ کرنے اور خلافت سے الگ کر دینے کی نیت رکھتے ہیں۔ بلوائیوں کے مشورہ پر اس موہوم بغاوت کو کچل ڈالنے کے لئے حضرت علی بھی لشکر لے کر مدینہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ جانے کے بعد بلوائیوں کی سازش نے فریقین میں جنگ بھڑکادی۔ رات کو انھوں نے طلحہ وزبیر و ام المؤمنین کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا۔ وہ بے خبر تھے۔ تعداد میں کم بھی تھے۔ اور حضرت علی سے جنگ کرنا انھیں مقصود بھی نہ تھا۔ اسی جنگ میں حضرت طلحہ شہید ہو گئے۔

حضرت زبیر کو مدعیان اسلام کی یہ باہمی خونریزی بے حد بری لگی۔ میدان سے ہٹ کر تنہا مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد عصر کی نماز کے لئے گھڑے ہوئے تو دوران نماز میں ہی عمر بن جہوز شقی نے انہیں قتل کر دیا۔ حضرت عائشہ ایک اونٹ پر ہودج میں سوار تھیں۔ بلوائیوں نے تیر برساکر وہ اونٹ مار ڈالا ہودج نیچے گر گیا۔ اسی لئے اسے جنگ جمل کہا جاتا ہے جنگ ختم ہو گئی حضرت ام المؤمنین نے اس کے بعد چند روز بصرہ میں قیام فرمایا پھر مدینہ واپس ہو گئیں حضرت علی کے گرد جو لوگ جمع ہو گئے تھے۔ ان میں کافی تعداد مفسدین اور منافقین کی تھی۔ انہیں جھوٹی باتیں گھڑ لینے میں کوئی باک نہ تھا ان ہی لوگوں میں سے فرقہ روافض نکلا ہے۔ اور یہ داستان اسی گروہ کے لوگوں کی گھڑمی ہوئی ہے۔ کیونکہ ملک مریچ لگائے ہوئے اس افسانے سے وہ متعدد مقاصد حاصل کر لینا چاہتے تھے۔

(اول) حضرت ام المؤمنین وطلحہ وزبیر اور ان تمام اکابر سے انہیں شدید نفرت و عداوت تھی۔ جنہوں نے حضرت علی سے مطالبہ کیا تھا کہ قاتلان عثمان سے قصاص لیا جائے مگر مدعی اسلام ہوتے ہوئے کسی شخص کی یہ مجال نہ تھی کہ حضرت ام المؤمنین کی شان میں گستاخی اور سب و شتم کرے۔ اور ام المؤمنین یہ مطالبہ لے کر اٹھی تھیں یہ افسانہ تراش کر ان نصیحتوں نے یہ تاثر پھیلانا چاہا تھا کہ قاتلان عثمان سے قصاص کا مطالبہ تو محض بہانہ تھا۔ ام المؤمنین کے دل میں پہلے ہی سے حضرت علی کے خلاف نفرت و کدورت تھی اس لئے کہ واقعہ افک میں اسامہ و زبیرہ کی طرح علی نے ان کی مدح سرائی نہیں کی تھی۔ بلکہ سکوت اختیار کیا تھا اور بے لفظوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اشارہ کیا تھا کہ عائشہ کو چھوڑ دیجئے یہ ہی پرانی رنجش انہیں علی کے مقابلہ میں لائی تھی۔ افسوس کہ ان کا دیا ہوا یہ تاثر اس افسانہ کے ذریعہ واقعی پھیل گیا۔ چنانچہ غیر محتاط یا شیعی فکر رکھنے والے

مورخین نے اپنی کتابوں میں لکھ مارا۔ "وكان في قلب عائشة من على شيء لان هلياً كان مسلماً في شأنها في حديث الافك" اور ان لوگوں نے یہ افسانہ اس انداز سے مرتب کیا کہ اسے حضرت ام المؤمنین کے حق میں ہجو ملیح کہنا بے جا نہیں ہے۔ ہجو ملیح کا مطلب یہ ہے کہ اس انداز سے کسی کی ہجو کی جائے کہ ظاہر کلام سے اس کی تعریف نکلتی ہو۔ اس افسانہ کو دیکھئے اس میں یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ام المؤمنین کی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے قرآن کریم میں آیات نازل فرمائیں حضرت ام المؤمنین کی مدح ہے۔ لیکن سفر میں گم شدگی کی جو کہانی اس میں پیوست کر دی گئی ہے۔ وہ بڑی بھاری ہجو و مذمت کی چیز ہے۔ پھر بریرہ خادمہ کی زبانی ان جھوٹوں نے ام المؤمنین کا بھوڑا ور بے سلیقہ ہونا ظاہر کیا ہے۔

(ثانی) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگ مرتبہ فدائی صحابی اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ روافض کے دلوں میں ان کا جو بغض پھرا ہوا تھا اور یہ معلوم ہی ہے۔ اس افسانہ میں ان کی مذمت اس ہوشیاری سے کی گئی ہے کہ اسے سننے والوں کے قلوب میں طلحہ سے بغض و نفرت پیدا ہو جائے کیونکہ حمہ بنت جحش مہاجرہ صحابیہ ان کی بیوی تھیں۔ پہلے وہ مبلغ اسلام حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ وہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے تب حضرت طلحہ نے ان سے نکاح کر لیا۔ اس بزرگ مرتبہ صحابیہ کو اس افسانہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس نے محض اس غرض سے کہ اس کی بہن ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے راستے سے حضرت عائشہ کا کاٹا صاف ہو جائے حضرت عائشہ پر بہتان لگایا تھا اور سنرا لے قذف پائی تھی لیکن اس کے شوہر طلحہ نے اس کی زبان روکنے کی کوشش نہ کی یہ ہے۔ وہ طلحہ جو رسول اللہ کے داماد حضرت علی کے برخلاف باغی بن کر اٹھا تھا یہ تھا مقصد اس داستان میں

جہنم کے ذکر کا۔ مگر بحمد اللہ اس امر میں روافض کی ناک رگڑی گئی۔ تمام اہل
 ایمان حضرت طلحہ سے محبت رکھتے آئے ہیں اور ہمیشہ رکھتے رہیں گے۔
 (ثالث) مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کا ذکر اس افسانہ میں اس نصیحت نیت کے ساتھ
 پیوند کیا گیا تھا کہ سننے والوں کے دلوں میں ایسے بے ہودہ الزام کی سچائی کا خیال پیدا
 ہو جائے۔ مسطح کی وفات عین اس زمانہ میں ہوئی ہے جب بلوایوں نے حضرت
 عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف انتہائی شورش برپا کر رکھی تھی۔
 (رابع) حسان بن ثابت کا یہ جرم روافض معاف نہیں کر سکتے تھے کہ وہ حضرت
 علی کی بیعت سے دستکش رہے۔ اور مدینہ سے نکل کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
 کے پاس ملک شام چلے گئے تھے۔ البتہ آیت والنہایۃ۔ تاشیح ابن جریر طبری)
 اور حضرت علی کے بعد جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی بدولت امت کو
 خانہ جنگی سے نجات ملی اور تمام مسلمانوں نے حضرت معاویہ کو امیر المؤمنین مان لیا
 تب وہ مدینہ واپس ہوئے۔ اس جرم کی سزا میں روافض نے اس بزرگ
 مرتبہ صحابی کو جس کی زبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کے لئے وقف
 تھی اس داستان کے ذریعہ مطعون کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہاں یہ بات
 واضح رہنی چاہیے کہ حضرت حسان شاعر تھے۔ شاعر دوسروں کی بہ نسبت
 زیادہ ذکی الحس ہوتا ہے اور معمولی سی بات کو بڑی اہمیت دے ڈالتا ہے
 جب منافقین نے چند پارسامن عورتوں کے خلاف طوفان افک اٹھایا تھا تو
 اس موقع پر حضرت حسان سے بھی ان کی ہمنوائی کی غلطی ہو گئی تھی۔ یعنی حسان
 بھی کسی پارسامن عورت کو بے ثبوت مطعون کر بیٹھے۔ اس کی سزا میں ان پر
 حد قذف نافذ ہوئی وہ کون عورت تھی نہ ہم اسے جانتے ہیں نہ اس کے جاننے سے
 کچھ حاصل البتہ ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ حسان نے وہ جرم نہیں کیا تھا جو اس داستان
 میں ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

(نہا مِس) منافق روافض نے سیکڑوں روایات گھڑ کر لوگوں میں پھیلائی ہیں۔
 ان روایات میں اس طرح کی باتیں شامل کر دیتے تھے کہ ان کو باور کر لینے سے خود
 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے متعلق شکوک و شبہات
 پیدا ہو جائیں۔ اور لوگ قبول اسلام سے باز رہیں اس داستان میں کبھی یہی
 مقصد پنہاں ہے۔ کیونکہ اس داستان کو سننے اور پڑھنے کے بعد جب
 آدمی کو یہ معلوم ہوگا کہ حضرت عائشہ پر افک و بہتان کا اصل ذمہ دار عبداللہ بن
 ابی تھا اس لئے وہ بدرجہ اولیٰ سزا کا مستحق تھا۔ بلکہ جیسا کہ اس داستان
 میں مذکور ہے بقول سعد بن معاذ واجب القتل تھا پھر اسے معلوم ہوگا کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی اور اس کے خواص کو سزا نہیں دی بس جمنہ
 و مسطح و حسان کو سزا دی تو اس کے دل میں لازماً سوال پیدا ہوگا کہ ابن ابی کج
 سزائے قذف نہ دینے کی کیا وجہ ہے۔ یہ سوال یقیناً دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اور
 اس کا جواب دینے کے لئے بعض سادہ لوح لوگوں نے یہ بے ہودگی کی ہے کہ یہ
 روایت وضع کر ڈالی کہ حضور نے عبداللہ بن ابی کو ایک جھوٹا دودھ لگوائی تھیں۔
 تفسیر بیان القرآن میں لکھا ہے۔ دروی الطبرانی عن عمران
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدّ عبد اللہ حدّین کذا فی الدر۔
 حالانکہ اگر ابن ابی کو حد قذف لگی ہوتی تو یہ معروف و معلوم چیز ہوتی ابن ابی مشہور
 آدمی تھا اس کے متعلق یہ بات اہمیت کے ساتھ نقل کی جاتی اس لئے
 کوئی معقول آدمی اسے نہیں مان سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسے سزائے قذف
 نہیں دی گئی۔ تو ایسا کیوں ہوا۔ اس سوال کے جواب میں آدمی یہ ہی سوچے گا
 کہ اس کی قوت اور خاندانی شان و شوکت کی بنا پر اس سے تعرض نہیں کیا گیا۔ اور
 ظاہر ہے کہ یہ شانِ نبوت کے منافی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ام المؤمنین
 رضی اللہ عنہا کی ذات پاک پر نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نہ آپ کے بعد

خود ان کی بقیہ زندگی میں کوئی الزام لگانہ لگ سکتا تھا نہ کسی کے حاشیہ خیال میں یہ بے ہودہ بات آئی نہ آ سکتی تھی۔

لہٰذا کسی کو اس جرم کی سزا دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا غرض کہ یہ تھے مقاصد ان لوگوں کے جنہوں نے یہ داستان افک وضع کر کے مسلمانوں میں پھیلا دی تھی۔

والحمد لله حمداً کثیراً اللهم صلی علی رسولک محمد وازواجه واصحابہ وبارک وسلم

①۸ کیا ہڈی اور سونکھے ہوئے گوشت سے
جنات کو غذا ملتی ہے؟ اس کے متعلق حضرت
ابو ہریرہ سے مروی حدیث

امام بخاری نے موسیٰ بن اسماعیل سے۔ اس نے عمرو بن یحییٰ بن سعید
مکی سے اس نے اپنے دار اسعید بن عمرو بن سعید بن عاص قرشی سے
روایت کی ہے۔

عن ابی ہریرۃ انه کان یحمل مع البنی صلی اللہ علیہ وسلم
اداة لوضوئہ وحاجتہ فیہما لہو یتبعہ بہا فقال
من هذا؟

فقال انا ابو ہریرۃ فقال البغنی احماراً استفض بہما
ولاتأتی بعظم ولا بروثۃ فاتیتہ باحمار احمارہا فی طرف
ثوبی حتی وضعتہ الی جنبہ ثم انصرفت حتی اذا فرغ مشیت۔

فقلت ما بال العظم والروثه ؟
 قال هما من طعام الجن وانه اتاني وفد من نصيبين ونعم
 الجن فسالوني الزاد فدعوت الله لهم ان لا يمروا بعظم
 ولا روثه الا وحدها عليها طعاما
 (صحيح بخاری ص ۴۴۵ باب ذکر الجن - طبع ہند)

سعید بن عمرو نے حضرت ابو ہریرہ کے متعلق بیان کیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
 کے ساتھ پانی بھرا ہوا لوٹا آپ کے وضو اور استنجا کے لئے لے کر چلا کر سٹے
 تھے (جب آپ قضائے حاجت کے لئے جنگل تشریف لے جاتے) ایک دن
 ابو ہریرہ نے دیکھا کہ آپ جنگل کی طرف جا رہے ہیں۔ وہ معمول کے مطابق پانی
 بھرا ہوا لوٹا لے کر آپ کے پیچھے ہو لئے۔ آہٹ محسوس کر کے آپ نے فرمایا
 کون ہے؟ عرض کیا میں ابو ہریرہ ہوں فرمایا میرے لئے چند پتھر تلاش
 کر لاؤ ان سے میں استنجا کروں گا اور کوئی ہڈی یا سوکھے گوبر کا ٹکڑا نہ
 لے آنا۔ میں اپنی چادر کے کنارے میں چند پتھر اٹھا کر لے آیا۔ جس جگہ آپ
 کا قضائے حاجت کے لئے بیٹھنے کا ارادہ تھا۔ وہیں آپ کے پہلو میں
 میں نے وہ کپڑا رکھ دیا جس میں پتھر تھے۔ اور وہاں سے الگ ہٹ
 آیا۔ جب آپ فارغ ہو کر مدینہ کی طرف چلے میں آپ کے ساتھ چلا۔ میں نے
 حملتے ہوئے دریافت کیا کہ ہڈی اور گوبر کے ٹکڑے کو آپ نے کس وجہ سے
 منع فرمایا تھا؟ فرمایا وہ دونوں جنات کی غذا میں سے ہیں۔ بات یہ ہوئی تھی کہ
 میرے پاس مقام نصیبین میں رہنے والے جنات کا ایک وفد آیا تھا۔ اور وہ
 بڑے اچھے جن ہیں (تعلیم حاصل کر کے جب وہ رخصت ہونے لگے) تو انہوں نے
 مجھ سے توشہ کی درخواست کی تو میں نے ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ
 ان کا جس ہڈی اور سوکھے گوبر کے ٹکڑے پر گزر ہو اس پر انہیں غذا ملا کرے۔

لو پانی نہ ہونے کی صورت میں پانی کا بدلہ ہیں۔ پس جب پانی موجود تھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابو ہریرہ کو پھرتا لائے کا حکم کیوں دیتے۔ اصل کے ہوتے ہوئے بدل کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۲) بڑی اور سوکھے ہوئے گوبر سے استنجا کرنے کی ممانعت کی وجہ خوب واضح اور معقول ہے کیونکہ بڑی اگر چکنی ہو تو اس میں جذب کی صلاحیت نہیں ہوتی نہ وہ پیشاب خشک کرتی ہے نہ پاخانہ کی صفائی۔ اور اگر بڑی کھردری اور دندانوں والی ہو تو اس سے جلد کے چھل جانے اور زخمی ہو جانے کا سخت خطرہ ہے۔ رہا گوبر تو وہ خورنس ہے۔ چھوٹا یا بڑا استنجا اس سے کیا جائے تو آلودگی میں اور اضافہ ہوگا۔ لیکن بڑی اور سوکھے گوبر سے استنجا کرنے کی یہ علت کہ یہ جنات کی غذا ہیں کسی لطیفہ باز شخص کی کہی ہوئی بات ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد فرمودہ نہیں ہے۔

(۳) اس حدیث کا مقتضا یہ ہے کہ بڑی اور سوکھے گوبر سے جنات کو غذا حاصل ہونا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقبول دعا کا ثمرہ ہے۔ آپ کی دعا سے پہلے اس غذا سے محروم تھے۔ لیکن سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی طرف منسوب یہ حدیث مذکور ہے۔

قدِمَ دَفْعًا الْجَنُّ عَلَى الْبَنِي
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا
يَا مُحَمَّدُ اِنَّ اَمْتَكَ اَنْ يَسْتَجُوْا
بِعَظْمٍ اَوْ رِثَّةٍ اَوْ حِمْلَةٍ
فَاِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ لَنَا فِيْهَا
رِزْقًا۔ قَالَ فَنَهَى
الْبَنِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

جنات کا وفد خدمت نبوی میں حاضر
ہوا تو انہوں نے عرض کیا کہ اے
محمد اپنی امت کو بڑی یا سوکھے گوبر
کے ٹکڑے یا کوئلے سے استنجا کرنے
سے منع فرما دیجئے کیونکہ اللہ نے
ان چیزوں میں ہمارے لئے روزی
رکھ دی ہے آپ نے جنات کی یہ

بات مان لی اور مسلمانوں کو بڑی گوبر اور کوئلے سے استنجا کرنے
 سے منع فرما دیا۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ جنات کا رزق ان چیزوں میں
 پہلے سے ہی چلا آ رہا ہے۔ آپ کی دعا کا ثمرہ نہیں ہے۔ اور حق یہ ہے کہ نہ
 وہ صحیح ہے نہ یہ۔ حضرت ابو ہریرہؓ پر بھی کسی نے دروغ بانی کی تھی اور
 حضرت ابن مسعودؓ پر بھی۔ اس طرح کی چیزیں مسلمانوں میں ان راویان
 اخبار و ناقلان آثار سے پھیلی ہیں جنہوں نے ہر الٹی سیدھی سنی ہوئی
 بات کو روایت کرنا اور لوگوں میں پھیلانا اپنے ذمہ فرض کر لیا تھا۔ اور
 عقل سے کام نہ لینے کی گویا قسم کھاتی تھی۔

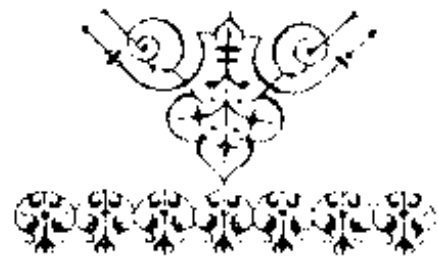
(۱۹) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب احکام پیش وافقت ربی فی ثلاث

یہ حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت انس سے حمید الطویل نے اس سے یحییٰ بن سعید قطان و محمد بن ابی عدی و عبد اللہ بن بکر و محمد بن عبد اللہ انصاری و حماد بن سلمہ و ہشیم بن بشیر اور یحییٰ بن ایوب نے روایت کی ہے۔ یحییٰ بن سعید کی روایت صحیح بخاری و مسند احمد میں ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا

وافقت اللہ او وافقت ربی فی ثلاث۔ قلت یا رسول اللہ لو اتخذت مقام ابراہیم مصلی فانزل اللہ واتخذ وامن مقام ابراہیم مصلی۔ وقلت یا رسول اللہ یدخل علیک البر والفاجر فلو امرت امہات المؤمنین بالحجاب فانزل اللہ۔ آیت الحجاب قال وبلغنی معاتبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض نسائه۔ فدخلت علیہن۔ قلت ان انتهیتن اولیٰ بکم لکن اللہ رسولہ خیرا منکم حتی اتیت	تین چیزوں میں حق تعالیٰ کا حکم میری راے اور دلی خواہش کے مطابق نازل ہوا (۱) میں نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ کاش آپ مقام ابراہیم کو نماز گاہ بنا لیتے (تو اللہ تعالیٰ نے) "واتخذ وامن مقام ابراہیم مصلی" نازل فرمادیا۔ (۲) اور میں نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ آپ سے ملنے کے لئے آپ کے یہاں نیک و بد ہر طرح کے لوگ آتے ہیں تو آپ مسلمانوں کی ماؤں یعنی ازواج مطہرات کو اجنبی آنے والوں سے پردے کا حکم فرمادیتے تو بڑا اچھا ہوتا۔ اس پر اللہ نے ازواج مطہرات کو اور دیگر مسلم خواتین کو

احدای نسائه قالت
یا عمر اُما فی رسول اللہ
ما یعظ نسائه حتی
تعظهن انت فانزل اللہ
عِسیٰ رَبِّہُ اِنَّ
طَلَّقْتُ - الْاَیَّہُ

{ صحیح بخاری ص ۶۴۴ }
{ تفسیر سورۃ البقرۃ }
{ مسند احمد ص ۳۶ }



ہر وہ کرنے کا حکم نازل فرما دیا۔
(۳) اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے بعض بیویوں سے خفا ہو جانے کا علم
ہوا تو میں نے ان کے یہاں جا کر ایک
ایک کو نصیحت کی اور کہا اگر تم اللہ کے
رسول کی دلازاری سے باز آ جاؤ تو
تمہارے حق میں بہتر ہے ورنہ اللہ اپنے
رسول کو تم سے بہتر بیویاں تمہاری جگہ
عطا فرما دے گا حتیٰ کہ میں نے ایک
ام المؤمنین سے جا کر یہ ہی گفتگو کی
(یعنی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے
جو حضرت عمر کی خالہ لگتی تھیں) تو انہوں نے
فرمایا اے عمر کیا اللہ کے رسول صلی اللہ
علیہ وسلم میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ
اپنی بیویوں کو نصیحت فرمائیں کہ تم انہیں
نصیحت پلا رہے ہو۔ پس اللہ تعالیٰ
نے یہ آیت نازل فرمادی۔

عَسَىٰ رَبُّہٗ اِنْ طَلَّقَنَّ اَنْ یُّبَدَلَہٗ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِنْکُمْ مَّسَلَمٰتٍ
مُّؤْمِنٰتٍ قَانِتٰتٍ تَاْمِنٰتِ عَابِدٰتِ سَاحِبٰتِ ثَلٰبٰتٍ
وَاَنْبَکَارًا ۝ مسند احمد میں ہے ”فجعلت استقریہن واحده“
واحده ”محمد بن ابی عدی کی روایت بھی اسی طرح ہے (مسند احمد ص ۲۴)
اس میں ہے ”لو حجت عن امہات المؤمنین۔“

عبداللہ بن بکر و محمد بن عبداللہ انصاری کی روایت بھی اسی طرح ہے مگر اس میں
ہے ”لو اتخذنا من مقام ابراہیم مصلی“ نیز اس میں ہے۔

فلو حجت امہات المؤمنین نیز اس میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام بھی مذکور ہے۔ (سنن بیہقی ۲ ص ۸۸ کتاب النکاح)۔

حماد بن سلمہ کی روایت ترمذی نے تخریج کی ہے جو مختصر ہے اس میں صرف یہ مذکور ہے کہ حضرت عمر نے عرض کیا "یا رسول اللہ لو صلینا خلف المقام فنزلت"، واتخذوا من مقام ابراہیم مصلی (سنن ترمذی تفسیر سورۃ البقرۃ ۷)

ہشتم کی روایت کی تفصیل یہ ہے کہ۔

ہشتم سے امام احمد نے اور بواسطہ عمرو بن عون بخاری نے روایت کی ہے (مسند احمد ۳ ص ۳۴) صحیح بخاری ۱ ص ۵۸ طبع لندن) مگر ہشیم کے بیان کردہ مضمون میں دو غلطیاں ہیں۔ اول یہ کہ بروایت احمد اس میں ہے کہ حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا "ان نساءک یدخلن علیہن البر والفاجر" آپ کی بیویوں کے یہاں نیک و بد ہر طرح کے لوگ آتے ہیں (اور بروایت بخاری یہ کہا تھا "فانہ یکلمہن البر والفاجر"۔ (ان سے نیک و بد ہر طرح کے لوگ گفتگو کرتے ہیں لیکن نہ وہ صحیح ہے جو امام احمد کی روایت میں ہے نہ وہ درست ہے جو بخاری کی روایت میں مذکور ہے۔

دراصل یہ ہشیم نے روایت بالمعنی کر کے غلطی کی ہے حمید الطویل نے اس حدیث میں یہ نہیں کہا تھا جو ہشیم نے کہہ دیا ہے۔ بلکہ وہ کہا تھا جو بخاری نے بیان سعید قطان و محمد بن ابی عدی و عبد اللہ بن بکر و محمد بن عبد اللہ انصاری نے بیان کیا ہے "یا رسول اللہ یدخل علیک البر والفاجر" (آپ سے ملنے کے لئے نیک و بد ہر طرح کے لوگ گھر آتے ہیں) ہشیم کو یہ صحیح بات یاد نہیں رہی اس کی بجائے کبھی وہ کہہ دیا جو امام احمد کی روایت میں ہے اور کبھی وہ جو امام بخاری کی روایت میں ہے دوسری غلطی ہشیم کی روایت کردہ اس حدیث میں یہ ہے "واجتمع نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الغیرۃ علیہ فقلت لہن عسی ربہ ان ینکحن ان یکبد لہ ازواجاً خیراً منکم مسلمات

۱۹۲

فنزلت هذه الآية . (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے رشک و غیرت میں اتفاق کر لیا تو میں نے ان سے کہا تمہارے اس طرز عمل کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں طلاق دیدیں گے۔ اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں طلاق دیدیں گے تو جلد ہی اللہ اپنے رسول کو تم سے بہتر بیویاں عطا فرما دے گا۔ یعنی حضرت عمرؓ کہے ہوئے الفاظ میں یہی آیت نازل ہو گئی) یہ بھی ہشیم کی بھول ہے اور وہ صحیح طور پر روایت بالمعنی نہ کر سکے۔ حمید نے اس حدیث میں اس طرح نہیں کہا تھا جیسے ہشیم نے بیان کیا ہے۔ حمید کی بیان کردہ بات یحییٰ بن سعید وغیرہ نے ہی ٹھیک نقل کی ہے۔

مگر یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ یحییٰ بن سعید و محمد بن ابی عدی و عبد اللہ بن بکر و محمد بن عبد اللہ انصاری و حماد بن سلمہ و ہشیم سب نے اس حدیث کی اسناد میں "حمید عن انس" کہا ہے۔ اور چونکہ حمید نے بہت سی حدیثیں حضرت انس سے براہ راست و بلا واسطہ سنی تھیں اور بہت سی حدیثیں حضرت انس کی روایت کردہ دیگر لوگوں سے بھی سنی تھیں، اس لئے لفظ "عن انس" ارسال و اتصال دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔ یعنی ممکن ہے کہ حمید نے یہ حدیث براہ راست حضرت انس سے سنی ہو اور ممکن ہے کہ کسی اور شخص نے حمید کو حضرت انس کی طرف منسوب کر کے یہ حدیث سنائی ہو اور حمید نے اس شخص کا اسناد میں ذکر نہ کیا ہو۔ لیکن یحییٰ بن ایوب غافقی نے جو یہ حدیث روایت کی ہے تو اس کی اسناد میں کہا ہے "حدثنی حمید قال سمعت انساً"

امام بخاری نے یحییٰ بن ایوب غافقی کی روایت کردہ اس حدیث کے الفاظ تو کہیں ذکر نہیں کئے لیکن اس کی اسناد کا دو جگہ ذکر کیا ہے (ص ۵۸ کتاب الصلوۃ۔ و ص ۶۴ کتاب التفسیر)۔ یحییٰ بن ایوب کی روایت کردہ حدیث کو نقل کرنے سے امام بخاری نے اس لئے اجتناب کیا ہے کہ وہ بد حفظ و کثیر الخطا شخص تھا مگر اس کی اسناد کو نقل کر کے یہ بتانا چاہا ہے کہ چھ ثقہ اشخاص کی بیان کردہ

”حمید بن انس“ یحییٰ بن ایوب کی اسناد پر محمول ہے۔ جس میں حمید کی تصریح مذکور ہے کہ میں نے یہ حدیث حضرت انس سے سنی ہے۔ لہذا اس حدیث کی اسناد کو متصل قرار دینا چاہیے۔ لیکن امام بخاری کی یہ رائے غیر معقول و خلاف اصول ہے۔ کاش ان سے کسی نے پوچھا ہوتا کہ یحییٰ بن ایوب کے طریق سے آپ نے اپنی کتاب میں یہ حدیث کیا کوئی بھی حدیث تخریج نہیں کی اس لئے کہ وہ ثقہ نہ تھا نہ حفظ اور کثیر الخطا تھا تو جب اس کی روایت کردہ حدیث قابل اعتماد نہیں تو اس کی ذکر کردہ اسناد کیے قابل اعتماد ہوگی۔ چونکہ اس کی یادداشت ابھی نہ تھی اور اس کی روایات میں غلطیاں بکثرت ہیں۔ تو اغلب یہ ہی ہے کہ اسناد میں اس نے عن انس کی بجائے سمعت انساً غلط کہہ دیا ہے۔ اور اس کی اسناد میں عن انس کہنے والے یحییٰ بن سعید قطان۔ محمد بن ابی عدی عبد اللہ بن بکر محمد بن عبد اللہ انصاری اور مشیم بن بشیر سب ثقہ راوی ہیں غیر ثقہ کثرت سے ذکر کردہ اسناد کو ان ثقات کی اسناد پر حمل کرنا چاہئے نہ یہ کہ ثقات کی اسناد کو غیر ثقہ کی اسناد پر حمل کر کے الٹی گنگا بہاری جائے۔ پس یہ سمجھنا بجا ہے کہ اس حدیث کی اسناد کا متصل ہونا ثابت نہیں۔ اور اس کے مضامین کا مطالعہ ہمیں اس نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ اس کی اسناد فی الواقع منقطع ہے نہ حمید بن انس سے یہ حدیث سنی تھی نہ حضرت انس نے بیان کی تھی۔

دیکھئے اس میں تین امور مذکور ہیں جن میں حق تعالیٰ کی وحی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے و خواہش کے مطابق نازل ہوئی تھی۔ (امراول مقام ابراہیم کو نماز گاہ بنا لینے کی خواہش و تمنا۔ سوال یہ ہے کہ حضرت عمر نے اپنی اس تمنا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کب اظہار کیا تھا؟ مکہ میں ہجرت سے پہلے یا ہجرت کے بعد مدینہ میں؟ مدینہ کی بات تو ہوگی نہیں کیونکہ مدینہ منورہ میں اگر سترہ تک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب حضرت عمر وغیرہ مکہ جا ہی نہ سکے تھے۔ مدینہ میں رہتے ہوئے

مقام ابراہیم کو نماز گاہ بنا لینے کی کیا تمنا کی جاتی۔ پس اگر حضرت عمرؓ نے اس تمنا کا اظہار کیا تھا تو ہجرت سے قبل مکہ میں ہی کیا ہو گا۔ اب سوال یہ ہے کہ مقام ابراہیم سے ان کی مراد کیا تھی؟ آیا خانہ کعبہ و مطاف و مسجد حرام کہ یہ سب مقام ابراہیم کا مصداق ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تعمیر کعبہ کے دوران یہاں کھڑے ہوئے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے ذکر و عبادت میں یہاں قیام فرما رہے ہیں۔ یادہ خاص پتھر کی چٹان جسے مقام ابراہیم کہا جاتا ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں دیوار کعبہ کے پاس حطیم اور دروازے کے درمیان طولا پڑی ہوئی تھی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ معلوم ہونے کے بعد کہ حجر اسود کی طرح لوگ اسے چومنے اور اس پر باتھ پھیرنے لگے ہیں اسے مطاف سے ہٹا کر اس جگہ رکھوا دیا جہاں وہ اب مقفل ہے؟ پہلی شق تو یقیناً مراد نہیں ہے اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مؤمنین ہجرت سے قبل مسجد حرام میں نماز پڑھتے تھے۔ اور کبھی کبھی باہر نماز پڑھنے کا موقع آیا تو مسجد حرام کی طرف ہی رخ کر کے آپ نے اور صحابہ کرام نے نماز پڑھی یہ پس جو چیز حاصل تھی اس کی تمنا کرنا بے معنی تھا۔ پس اس حدیث میں مقام ابراہیم سے مراد وہ خاص پتھر کی چٹان ہے جسے عرف عام میں مقام ابراہیم کہا جاتا ہے۔ اور جب یہ بات طے ہو گئی تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ حضرت عمر کی یہ تمنا پوری نہیں ہوئی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پتھر کو کلی یا جزوی طور پر کبھی مصلیٰ یعنی نماز گاہ نہیں بنایا کیونکہ نہ آپ کبھی نماز میں اس پر کھڑے ہوئے نہ کبھی اس پر سجدہ کیا نہ کبھی اس پر قعود فرمایا۔ پس آپ سے صرف یہ ثابت ہے کہ طواف سے فارغ ہو کر اس پتھر کے پیچھے دو گانہ طواف ادا کیا ہے یہ ہی حضرت عمر اور دیگر صحابہ کرام کا عمل رہا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا کرنے سے وہ پتھر نماز گاہ نہیں بنا کر ہم جنگل میں کسی درخت کو سبز بنانا کہ یعنی اسے اپنے سامنے کر کے نماز پڑھیں تو اس پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہم نے اس درخت کو مصلیٰ (نماز گاہ) بنایا ہے۔ پس اگر حضرت عمر نے مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنا لینے کی تمنا کی تھی تو ان کی یہ تمنا پوری نہیں کی گئی حالانکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ

اللہ کی وحی "واتخذوا من مقام ابراہیم مصلیٰ" نے نازل ہو کر حضرت عمر کی تمنا پوری کر دی تھی۔ پس جو اس حدیث میں مذکور ہے وہ واقع کے خلاف ہے۔ اور حضرت عمر نے یہ بات بیان نہیں کی تھی پھر یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ حضرت انس نے اسے حدیث عمر کے طور پر بیان کیا ہو۔

امرتانی یہ ہے کہ حضرت عمر نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ آپ سے ملنے کے لئے نیک و بد ہر طرح کے لوگ آپ کے یہاں آیا کرتے ہیں۔ آپ ازواج مطہرات کو پردے کا حکم دیریتے تو اچھا ہوتا۔ اس پر قرآن کریم میں پردے کا حکم نازل ہو گیا۔

لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لئے گھر آتے والوں سے ازواج مطہرات کا پردہ نہ کرنا سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر سے بڑھ کر غیر تمند تھے آپ کو کیسے گوارا ہو سکتا تھا کہ ازواج مطہرات زائریں کے سامنے بے حجاب رہیں۔ جب کہ یہ حقیقت ہے کہ شریف و عقیف بیوی انس امر میں شوہر کی لفظی ہدایت کی محتاج نہیں ہوتی اس کے گھر کوئی اجنبی شخص آ جائے تو وہ خود ہی شوہر کے گھر بغیر خود کو اس اجنبی کی نگاہ سے دور کر لیتی ہے اور گھر کے دوسرے کمرے میں چلی جاتی ہے شریف و عقیف بیویوں کا یہ فطری طرز عمل معلوم و معروف ہے حتیٰ کہ غیر مسلم گھرانوں میں بھی اس کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ بجز ان گھرانوں کے جو مغربی تہذیب کے پرستار ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ گھروں میں پاخانے بننے سے پہلے ازواج مطہرات بھی قضاے حاجت کے لئے آباوی سے باہر کھیتوں میں جایا کرتی تھیں۔ مگر دن میں نہیں بلکہ رات کے اندھیرے میں اور تنہا نہیں بلکہ کسی خادمہ اور سن رسیدہ عورت کے ساتھ۔ حضرت عمر جانتے تھے کہ ازواج مطہرات پر پابندی لگائی جائے کہ وہ رات کو بھی باہر نہ نکلیں مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتہً ازواج مطہرات سے فرما دیا تھا کہ اللہ کی طرف سے تمہیں قضاے حاجت کے لئے باہر جانے کی اجازت ہے اور جب پاخانے تعمیر ہو گئے تو ازواج مطہرات کا رات کو قضاے حاجت کے لئے باہر جانا بھی ختم ہو گیا۔

امثالث اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی بعض بیویوں کے درمیان خفگی و شکر رنجی کا پتہ چلا تو آپ کے گھر جا کر ایک ایک ام المؤمنین کو نصیحت کی۔ الح یہ ایک ایک ام المؤمنین کو سمجھانے اور نصیحت کرنے کی بات قطعاً غلط ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہرگز یہ جسارت نہ فرما سکتے تھے۔ ہاں جیسا کہ حدیث ایلا میں مذکور ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو نصیحت کی تھی کہ خبردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان کرنے والی کوئی بات نہ ہوئی چاہئے تمہیں کسی چیز کی بھی ضرورت ہو مجھ سے کہو میں اس کا انتظام کر دوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مطالبہ نہ کرنا۔

پھر اپنی خالہ ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں بھی نصیحت فرمانے لگے مگر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر کو ہی نصیحت فرمادی۔ پس جو تین باتیں اس حدیث میں مذکور ہیں۔ تینوں کی تینوں غلط اور منکر ہیں۔ یہ باتیں اس انداز سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ نہیں ہیں، اس سے یہ ہی مفہوم ہوتا ہے کہ کسی نامعلوم شخص نے حمید الطویل کو یہ حدیث سنائی تھی اور کہہ دیا تھا کہ یہ حضرت انس کی بیان فرمودہ ہے۔ حمید نے اسناد میں اس شخص کا نام لینے کی ضرورت نہ سمجھی اور اس کے مضمون پر اچھی طرح غور نہیں کیا اور یہ سمجھ کر کہ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت و عظمت ثابت ہوتی ہے حضرت انس کی طرف منسوب کر کے اس کی اپنے اصحاب سے روایت کر دی۔

ربا اللہ تعالیٰ کا ارشاد "وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّی" تو اس کی صحیح و واضح تفسیر محمد اللہ میں نے تفسیر مفتاح القرآن سورۃ البقرہ میں بیان کی ہے۔ اس کا

خلاصہ یہ ہے کہ یہ ارشاد آیت شریفہ
وَاذْجَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ
وَأَمَّا ه وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ
اور یاد کرو جب کہ ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں
کے لئے زیارت گاہ اور امن قرار دیا اور

ابْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَعَهِدُ نَا
اِلٰى اِبْرَاهِيمَ وَاِسْمَاعِيلَ
اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ
وَالْعَاكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ
(لوگوں سے یعنی امتِ ابراہیم سے
فرمایا تھا کہ مقامِ ابراہیم یعنی خانہ کعبہ کے
ارد گرد جس جگہ کو چاہو نماز گاہ بناؤ اور
ہم نے ابراہیم و اسماعیل کو تاکید فرمائی کہ
میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں اور

اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجدہ کرنے یعنی نماز پڑھنے والوں کی خاطر پاک
وصاف رکھو،

حُكْمِ اتَّخِذُوا کے مخاطب وہی الناس ہیں جن کا ذکر ہوا ہے یعنی عہدِ
ابراہیمی کے اہل ایمان۔ اس حکم کے آغاز میں واو عطف کے بعد قلنا لہم مقدر ہے
ان مؤمنین کو حکم ہوا تھا کہ جب خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے آؤ تو مقامِ ابراہیم کے
جس حصہ کو چاہو نماز گاہ بناؤ جس جگہ چاہو کھڑے ہو کر اللہ کی عبادت کر لو۔ اور
تبعاً یہی حکم قیامت تک اہل ایمان کے لئے ہے۔ مقامِ ابراہیم سے مراد مسجد حرام
ہے۔ یہ دھیان رہے کہ اس ارشاد میں فعل اتَّخِذُوا کا صلہ من لایا گیا پھر لفظ
مصلًی کو اس کا مفعول بہ بنایا گیا ہے اور اس فعل کا اس طرح استعمال عموماً
فاعل کے حسب منشا تصرف کا اظہار کرتا ہے۔

سورة الاعراف میں ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں
یاد دلاتے ہوئے کہا تھا، وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِنْ سَهَوٰهَا قُصُورًا
(تمہیں اللہ نے زمین میں ٹھکانا دیا تمہارا حال یہ ہے کہ اس کی ہموار جگہوں میں
جہاں چاہتے ہو محلات بنا لیتے ہو) سورة النمل میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہر کی
مکھی کو ہدایت فرمائی ہے کہ "اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ
وَمِمَّا يَعْرِشُونَ" (پہاڑوں اور درختوں اور ٹیوں میں تو جس جگہ چاہے اپنے
چھتے بنا) پس اتَّخِذُوا من مقامِ ابراہیم مصلًی، کا مطلب یہ ہے کہ

مخانیہ کعبہ کے ارد گرد جس جگہ چاہو نماز پڑھو کیونکہ رُخ تو اسی گھر کی طرف ہوگا
خواہ مشرقی سمت میں پڑھو یا مغربی سمت میں یا شمال کی جانب میں یا جنوب
کی جانب میں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا صحیح مطلب سمجھنے سے ہی حدیث
مانع ہوئی ہے جس کی حمید الطویل نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت
کر کے تشہیر کر دی تھی حالانکہ خود حمید نے وہ حضرت انس سے سنی تھی نہ
حمید کے علاوہ کسی اور شخص نے۔

② ایک یہودی عورت کی کہانی
کہ جس نے خضراء المؤمنین عائشہ صدیقہ
رضی اللہ عنہا کو عذاب قبر کے متعلق بتایا تھا!

یہ کہانی مسروق بن اجدع - عروہ بن زبیر - سعید جسرہ بنت و جاجہ -
ذکوان - اور عمرہ بنت عبد الرحمن سے مروی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے
مسروق و عمرہ کی حدیث صحیح میں ثبت فرمائی ہے۔

مسروق کی روایت

مسروق سے اس کی ابوالشعثاء اور ابوداؤد نے روایت کی ہے۔
ابوالشعثاء کا نام سلیم بن اسود تھا۔ اور ابوداؤد کا نام شقیق بن سلمہ

ابوالشعثاؤ کی روایت کردہ حدیث بخاری نے کتاب الجنائز میں تخریج کی ہے

حدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أُسَيْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ شُعْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ
الْأَشْعَثَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ يَهُودِيَةً
دَخَلَتْ عَلَيْهَا فَذَكَرَتْ عَذَابَ الْقَبْرِ فَقَالَتْ لَهَا أَعَاذَكَ
اللَّهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ - فَسَأَلَتْ عَائِشَةَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ - فَقَالَ نَعَمْ عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ -
فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَمَا رَأَيْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَعُودُ صَلَاتَهُ إِلَّا تَحَوُّذًا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ -

(صحیح بخاری ص ۱۸۳ طبع ہند کتاب الجنائز باب ما جاء في عذاب القبر)
ہم سے عبدان یعنی عبداللہ بن عثمان مروزی نے بیان کیا کہ مجھے میرے والد عثمان
بن جبلة نے خبر دی شعبہ سے روایت کرتے ہوئے۔ شعبہ نے کہا میں نے یہ حدیث
اشعث بن سلیم سے سنی اس نے اپنے باپ سلیم بن اسود ابوالشعثا سے
روایت کی اس نے مسروق سے اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ ایک
یہودی عورت ان کے پاس آئی تھی اس نے عذاب قبر کا ذکر کیا تھا۔ (وہ سائلہ تھی
حضرت ام المؤمنین نے اسے وہ چیز دیدی جس کا اس نے سوال کیا تھا) تو اس نے
انہیں دعا دیتے ہوئے کہا۔ اللہ تجھے عذاب قبر سے پناہ دے۔ (جب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے) تو حضرت عائشہ نے آپ سے عذاب قبر کے
متعلق دریافت کیا۔ فرمایا ہاں عذاب قبر حق ہے۔ یعنی واقعی چیز ہے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بھی نماز پڑھی اس میں عذاب قبر سے پناہ مانگی۔
ابوداؤد کی حدیث بخاری نے کتاب الدعوات میں ذکر کی ہے۔

حدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا جُوَيْرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنِ الْجُب

وَأَنَّ مِنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلْتُ عَلَى عَجُوزٍ مِنْ عَجَزِ
يَهُودِ الْهَدِينَةِ فَقَالَتَا إِنَّا أَهْلُ الْقُبُورِ لَيَعَذَّبُونَ فِي قُبُورِهِمْ فَكَذَّبَتْهُمَا
وَلَمْ أَنْعَمْ أَنَا صَدَقَهُمَا فَخَرَجَتَا وَدَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقُلْتُ لَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ عَجُوزَيْنِ — وَذَكَرْتُ لَهُ فَقَالَ صَدَقَتَا — إِنَّهُنَّ
لَيَعَذَّبُونَ عَذَابًا تَسْمَعُهُ إِلَيْهِنَّ كُلَّمَا فَهِمَ رَأَيْتَهُ فِي صَلَاةٍ لَا تَعُودُ مِنْ
عَذَابِ الْقَبْرِ (صحیح بخاری ص ۹۴۲ طبع ہند کتاب الدعوات باب التعوذ من عذاب القبر)
اس میں حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان یہ مذکور ہے کہ وہ دو بوڑھی
یہودیہ تھیں۔ دونوں نے حضرت ام المؤمنین کو عذاب قبر کے متعلق بتایا تھا فرماتی
ہیں کہ میں نے ان کی بتائی ہوئی اس بات کو غلط قرار دیا اور ان کی بات کو صحیح سمجھنے
پر میرا دل آمادہ نہ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے
آپ سے اس کا ذکر کیا فرمایا کہ دونوں عورتوں نے سچ کہا ہے مردوں کو قبروں
میں ایسا عذاب ہوتا ہے جسے سب چوپائے سنستے ہیں۔ اس کے بعد میں نے
آپ کو ہر نماز میں عذاب قبر سے پناہ مانگتے ہوئے دیکھا ہے۔

ابو وائل سے یہ حدیث منصور بن معتمر نے روایت کی ہے اور دو بوڑھی یہودی
عورتوں کا ذکر کیا ہے اور اعمش نے بھی ابو وائل سے اس کی روایت کی ہے۔ اس میں
بس ایک یہودیہ کا ذکر ہے اس کی تخریج نسائی و احمد بن حنبل نے کی ہے۔

(سنن النسائی کتاب الجنائز۔ التعوذ من عذاب القبر حدیث ۵۰۵۸ سند احمد ص ۳۴۷ ص ۲۵)
مسروق سے یہ حدیث ابوالشعثاء اور ابو وائل نے روایت کی تھی۔ ابوالشعثاء
کی حدیث میں ایک یہودیہ کا ذکر ہے۔ اور ابو وائل سے اعمش و منصور نے۔ اعمش کی
حدیث میں بھی ایک ہی یہودیہ کا ذکر ہے۔ لیکن منصور کی حدیث میں جس کی تخریج
بخاری نے کی ہے دو بوڑھی یہودیہ عورتوں کا ذکر ہے۔ اصولاً یہ سمجھنا بجا ہے کہ
دو کا ذکر منصور نے غلطی سے کر دیا ہے۔ مسروق نے ایک یہودیہ کا ہی ذکر کیا تھا

لیکن کسی روایت کی اسناد میں مسروق کی یہ تصریح مذکور نہیں کہ اس نے حضرت ام المؤمنین سے یہ حدیث سنی تھی ہر روایت کی اسناد میں ”عن عائشہ“ ہے۔ مسروق کی بیان کردہ اس حدیث میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہتے ہی یہودیہ کی بات کی تصدیق فرمادی تھی اور اس کے بعد ہر نماز میں عذاب قبر سے پناہ مانگا کرتے تھے یعنی ”اللہم اِنِّ اعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ“ فرمایا کرتے تھے۔

(ب) عروہ بن زبیر کی روایت

اس کی تخریج امام احمد و نسائی نے کی ہے۔ عروہ سے ابن شہاب زہری نے زہری سے یونس بن یزید و برادر زاہ زہری محمد بن عبد اللہ بن مسلم نے اور سفیان بن حسین واسطی نے اس کی روایت کی ہے تینوں راویوں کی روایت کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک یہودیہ سائلہ آئی۔ ام المؤمنین نے اس کی حاجت روائی فرمائی تو اس نے خوش ہو کر دعا دی کہ اللہ تجھے عذاب قبر سے پناہ دے۔ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو عذاب قبر کی بات غلط لگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا فرمایا۔ قبر میں عذاب نہ ہوگا اور یونس کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا ”اِنَّمَا تَفْتَنُ يَهُودُ“ اسے تَفْتَنَ مجہول پڑھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ”یہود کو ہی عذاب ہوتا ہے“ اور تَفْتَنَ معروف پڑھیں تو مطلب یہ ہے کہ غلط باتیں بیان کر کے یہودی لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے اور گمراہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد تینوں راویوں کی روایت میں ہے کہ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ کچھ مدت گزرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے وحی کی گئی ہے کہ قبروں میں مردوں کو فتنہ سے سابقہ پڑتا ہے یعنی ان سے پوچھ گچھ ہوتی ہے۔ نتیجہ میں عذاب قبر ہو سکتا ہے

یونس کی روایت میں ہے کہ اس کے بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عذاب قبر سے محفوظ رہنے کی دعا کرتے ہوئے سنا ہے۔ لیکن تینوں راویوں میں سے کسی کی اسناد یہ نہیں بتاتی کہ عروہ نے حضرت ام المؤمنین سے یہ حدیث سنی تھی۔

(مسند احمد ۶ ص ۳۴۸ و ۳۴۹ و ۳۵۸ - سنن النسائی - باب التعوذ

(من عذاب القبر - حدیث ۵)

عروہ کی اس حدیث میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً یہودیہ کی بات کو غلط قرار دیا تھا۔ کچھ مدت کے بعد اس کی تصدیق فرمائی۔

(ج) سعید کی روایت کے

امام احمد نے کہا ہے۔ حد ثنا ہاشم ثنا اسحاق بن سعید

ثنا سعید عن عائشة ان یهودیۃ کانت تخذ مہا فلا تصبح

عائشة الیہا شیئ من المعروف الا قالت وقالت اللہ عذاب

القبر۔ قالت فدخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فقلت یا رسول اللہ هل للقبر عذاب قبل یوم القیامۃ؟ قال لا

وعم ذلک؛ فذکرت له قول الیہودیۃ فقال کذبت یہود و ہم

علی اللہ کذب۔ لا عذاب دون یوم القیامۃ۔ ثم مکث بعد

ذلک ما شاء اللہ ان یحکث فخرج ذات یوم لصف

النہار مشتملاً بثوبہ محمرۃ عیناء وهو ینادی یا علی صوتہ ایہا الناس

اغلتکم الفتن کقطع الیل المظلم۔ ایہا الناس لو تعلمون ما اعلم لبکیتم

کثیراً وضحکتم قلیلاً۔ ایہا الناس استعیدوا باللہ من عذاب القبر

فان عذاب القبر حق (مسند ۶ ص ۸۱)

اس روایت میں یہودیہ کو حضرت ام المؤمنین کی خادمہ بتایا ہے کہ جب ام المؤمنین اسے کچھ عطا فرماتیں وہ انہیں عذاب قبر سے محفوظ رہنے کی دعا دیتی۔ ایک دن حضرت ام المؤمنین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا۔ فرمایا روز قیامت سے پہلے مرنے کے بعد کوئی عذاب نہیں اور فرمایا کہ اس یہودیہ نے یہ بات غلط کہی ہے اور یہودی قوم ہے ہی بے باکی کے ساتھ اللہ کے متعلق جھوٹی باتیں بتانے والی۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد بھری دوپہری میں آپ نے بہ آواز بلند اس کی تصدیق فرمائی اور فرمایا کہ عذاب قبر حق ہے۔ یہ حدیث شروع سے آخر تک موضوع ہے اسحاق بن سعید یا اس کے باپ سعید کی گھڑی ہوئی۔ اسی لئے میں نے اس کا پورا ترجمہ کرنے سے گریز کیا ہے۔

(۵) جبرہ بنت دجاہہ کی روایت

اس سے قدامہ بن عبد اللہ عامری نے روایت کی ہے کہ جبرہ نے کہا حد ثنی عائشة قالت دخلت علی امرأة من اليهود فقالت ان عذاب القبر من البول۔ فقلت کذبت فقالت بلی انا لقرض منه الثوب والجلد۔ فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الصلوة وقد ارتفعت اصواتنا فقال ما هذه؟ فاخبرته بها قالت فقال صدقت۔ قالت فما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یومئذ الا قال فی دبر الصلوة۔ اللهم رب جبریل ومیکائیل واسرافیل اعدنی من حر النار وعذاب القبر (مسند ۶ ص ۶۱)

جبرہ بنت دجاہہ کا بیان ہے کہ مجھ سے حضرت عائشہ نے بیان کیا کہ میرے پاس ایک یہودی عورت آئی تو بولی کہ پیشاب کی وجہ سے عذاب قبر ہوتا ہے میں نے کہا

تو نے غلط کہا بولی میں نے ٹھیک ہی کہا ہے ہم یہودیوں کے پڑے یا کھال کو پیشاب لگ جائے تو ہم اسے قینچی سے کاٹ کر پھینک دیتے ہیں اتنے میں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے جانے کے واسطے نکلے حال یہ تھا کہ میری اور اس یہودی کی آوازیں بلند ہو گئی تھیں۔ فرمایا یہ کیا قصہ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اس یہودیہ نے یہ کہا ہے۔ فرمایا اس نے صحیح بات کہی ہے عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ اس دن کے بعد سے آپ نماز پڑھتے دُعا فرمایا کرتے تھے،، خدا یا اے جبریل و میکائیل و اسرافیل کے رب مجھے آگ کی گرمی اور قبر کی عذاب سے پناہ دے۔

عبرت کی خاطر میں نے اس کا پورا ترجمہ کر دیا۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ کس قماش کے لوگوں نے یہ کہانی گھڑ کر مسلمانوں میں پھیلادی تھی۔ جسرہ بنت دجاجة کوئی واقعی عورت نہ تھی۔ یہ صرف خبیث قدامہ بن عبد اللہ عامری کی فرضی شخصیت ہے۔ اسی طرح کی فضول و بے ہودہ حدیثیں قدامہ نے جسرہ سے روایت کر کے لوگوں میں پھیلادی تھیں۔ قدامہ کے علاوہ اور کسی شخص نے جسرہ بنت دجاجة سے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ جب اس نام کی کوئی عورت تھی ہی نہیں تو کوئی کیسے اس سے کچھ سنا۔ قدامہ نے بھی اس جسرہ کے علاوہ کسی سے کوئی حدیث اخذ نہیں کی۔ یہ سبھی مضحکہ انگیز بات ہے کہ ایسے علم حاصل کرنے کے لئے کوئی مرد میسر نہیں آیا۔ بس یہ جسرہ ہی نصیب ہوئی تھی۔ امام بخاری نے جسرہ بنت دجاجة کے متعلق کہا ہے عندھا عجائب۔ اور ابن حزم نے کہا ہے۔ حدیثها باطل (تہذیب التہذیب) یہ بخاری و ابن حزم کی چوک ہے کیونکہ جسرہ بنت دجاجة تو کوئی تھی ہی نہیں کہنا یہ چاہیے تھا کہ قدامہ عامری کی روایت کردہ حدیثیں باطل ہیں۔



(۴) ذکوان مولاے ام المؤمنین کی روایت

عن عائشة قالت جاءت يهودية فاستطعت على بابي قالت
اطعموني اعاذكم الله من فتنة الدجال ومن فتنة عذاب القبر
قالت فلم ازل احبسها حتى جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت
يا رسول الله ما تقول هذه اليهودية؟ قال وما تقول؟ قلت تقول
اعاذكم الله من فتنة الدجال ومن فتنة عذاب القبر. قالت
عائشة فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم فرفع يديه مدايبتعيز
بالله من فتنة الدجال ومن فتنة عذاب القبر. ثم قال - الخ

(مسند ۶ ص ۱۳۰ و ۱۳۱)

ذکوان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کیا ہے کہ انہوں نے بتایا کہ
ایک یہودیہ عورت نے میرے دروازے پر آکر کھانا مانگا۔ بولی مجھے کھانا دو اللہ تمہیں
وہاں کے فتنہ سے اور عذاب قبر کے فتنہ سے پناہ دے میں برابر اس یہودیہ کے
رہی یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے میں نے آپ سے یہودیہ
کی اس دعا کا ذکر کیا تو آپ نے کھڑے ہو کر ہاتھ پھیلا کر فتنہ دجال سے اور فتنہ عذاب
قبر سے اللہ کی پناہ مانگی۔ اس کے بعد دونوں فتنوں کی وضاحت فرما کر یہ بیان
کاں طویل ہے۔

(۵) عمرہ بنت عبد الرحمن کی روایت

صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں ہے۔ عمرہ سے اس کی روایت بھی بن
سعید انصاری نے کی تھی اور یہی سے متعدد اشخاص نے۔ عمرہ نے حضرت ام المؤمنین

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ایک یہودیہ نے ام المؤمنین سے کچھ مانگا
حضرت ام المؤمنینؓ اس کی حاجت پوری کر دی تو اس نے دعا دی کہ ۱۱ عَذَابُكَ لِلَّهِ
مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ ۱۲ (اللہ تجھے عذاب قبر سے پناہ دے) ام المؤمنین نے حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ۱۱ اَيُّ عَذَابِ النَّاسِ فِي قَبْرِهِمْ ۱۲ (کیا لوگوں کو
قبر میں عذاب ہوتا ہے؟) آپ نے فرمایا ۱۱ عَامَّةٌ اَبَالَهُمْ مِنْ ذَلِكَ ۱۲
(توبہ - اللہ کی پناہ اس سے) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انکار فرمایا۔
حضرت ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ بھر ایک دن سورج گرہن ہوا آپ نے نماز کو وقف
پڑھائی اس کے بعد خطبہ دیا تو اس میں فتنۂ قبر یعنی قبر میں ہونے والی پوچھ گچھ کا
ذکر فرمایا اور لوگوں کو ہدایت کی کہ عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو۔ ان روایات میں
جو باہم اختلاف ہے ظاہر ہے۔ مسروق و حبرہ و ذکوان کی روایت میں تصریح
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی الفور یہودیہ کی تصدیق فرمادی تھی۔
اور عروہ و سمید و عمرہ کی روایت میں تصریح ہے کہ اولاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
قبر میں عذاب ہونے کا انکار فرمایا اور کچھ مدت بعد اس کی تصدیق فرمائی۔ یعنی
انکار کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ہنوز اس کے متعلق آپ پر وحی نازل نہ ہوئی تھی جب
وحی آگئی تب آپ نے اس سے آگاہ فرمایا اور ثابت ہو گیا کہ اس یہودیہ نے حضرت
ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو راست و درست بات بتائی تھی۔

اول تو یہ ناقابل حل اختلاف یہودیہ کی کہانی کے غلط ہونے کی واضح دلیل ہے
پھر اس اختلاف سے قطع نظر بھی کر لی جائے تو اس پر یہ ممکن سوال وارد ہوتا ہے
حس کا کوئی جواب ممکن نہیں ہے۔ وہ یہ کہ بائبل کے صحیفوں اور اسرائیلی کتابوں
میں قبر کے فتنہ و عذاب کا کوئی ذکر نہیں تو اس یہودیہ بھکارن کو اس کا علم
کیسے ہوا؟ اسرائیلی کتابوں میں اس کا ذکر ہوتا تو اس یہودیہ کا اس سے واقف
ہونا مستبعد نہ تھا۔ تو کیا وہ یہودیہ بھکارن نبی تھی اور اللہ کی طرف سے لے

بذریعہ وحی وہ بتا دیا گیا تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد میں انبیائے
 بنی اسرائیل میں سے کسی نبی کو بھی نہیں بتایا گیا تھا۔
 میں یقین رکھتا ہوں کہ حضرت ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہودیہ کی
 یہ بے سرو پا کہانی بیان نہیں کی۔ تابعین کے دور میں ہی کسی خدا ناطرس و اعظم نے
 گرمی محفل کی غرض سے یہ کہانی گھڑی اور حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے نام
 اور ان پر اعتماد کی وجہ سے لوگوں میں پھیل گئی نہ عروہ بن زبیر نے حضرت ام المؤمنین
 رضی اللہ عنہا سے یہ بات سنی تھی نہ مسروق نے نہ ذکوان نے نہ عمرہ نے —
 ام المؤمنین کے نام کی وجہ سے اعتماد کر کے بس وہ سنی ہوئی بات روایت کر ڈالی
 اور عقل و فہم سے کام لینے کی ضرورت نہ سمجھی۔ عمرہ بنت عبد الرحمن کی روایت کردہ حدیث
 جس میں یہودیہ کی کہانی کا پیوند لگا ہوا ہے، نماز کسوف کی کیفیت کے متعلق ہے
 اس میں اس پیوند لگی کہانی کے باطل ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ عمرہ کے علاوہ عروہ
 بن زبیر و عبید بن عمیر و ابو حفصہ نے بھی حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے
 نماز کسوف کے متعلق پوری حدیث روایت کی ہے مگر عروہ و عبید و ابو حفصہ
 کی روایات میں اس یہودیہ کی کہانی کا اشارہ بھی کوئی ذکر نہیں ہے پس یہ عمرہ بنت
 عبد الرحمن کی غلطی ہے کہ اس نے کسی سے سنی ہوئی یہودیہ والی کہانی کا حضرت
 ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی بیان فرمودہ حدیث نماز کسوف میں پیوند لگا دیا۔

اس کہانی کے غلط ہونے کی نہایت واضح برہان یہ بھی ہے کہ قبر کا عذاب ثواب
 قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ثابت شدہ چیز اور اہل حق کے متفق علیہ عقائد میں
 سے ہے اور قرآن کریم کی جن آیات بینات میں اس کا ذکر ہے ان میں سے زیادہ تر آیات
 مکہ ہیں مکی سورتوں میں ہیں اور ان میں سے کسی بھی آیت کو کسی نے مدنیہ
 نہیں بتایا جیسے سورۃ الانعام کی آیت "وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فِرَادًی" ہے۔

اور سورہ یاسین کی آیت " قیل اذِ خُلِ الجَنَّةُ " ہے اور سورہ
 نوح کی آیت " مِمَّا خَطَبُوا تَنْهَمُ اغْرَقُوا " ہے اور سورہ المؤمن کی آیت
 النار یعرضون علیہا غداً وَاَوْعِشْیَا " ہے۔ پس جب وحی حق نے
 مکہ میں ہی متعدد آیات کے ذریعہ آپ کو مطلع کر دیا تھا کہ قیامت سے پہلے
 ہی ہرزخی مدت یعنی قبر میں نیک بندوں کو جزا اور برے شخصوں کو سزا
 ملتی ہے اور ملتی رہتی ہے تو بالفرض اگر مدینہ منورہ میں کسی یہودیہ نے تہمت
 ام المؤمنین کو عذاب قبر کے متعلق بتایا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولاً اس کا
 انکار کیسے کر سکتے تھے؟ حق یہ ہے کہ نہ کسی یہودیہ نے یہ بات کہی تھی
 نہ ام المؤمنین نے اس کے متعلق آپ سے پوچھا نہ آپ نے اولاً انکار فرمایا
 نہ ثانیاً تصدیق کی۔ غرضیکہ یہودیہ کی یہ کہانی محض غپ شپ ہے۔

②۱ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 کے بعد ازواج مطہرات میں سب سے پہلے
 حضرت سوردہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی

امام بخاری نے کہا ہے۔ حد ثنا موسیٰ بن اسماعیل قال
 حد ثنا ابو عوانہ عن فراس عن الشعبي عن مسروق عن عائشة
 ان بعض ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قلن للنبی صلی اللہ علیہ وسلم
 اینا اسرع بک لحوقاً؟ قال اطولکن یداً فاخذوا

قصبة یذرعونها فكانت سودة اطول لهن ید افعلمنا
 بعد انما كانت طول یدها الصدقة وكانت اسرعنا الحقابه
 صلى الله عليه وسلم وكانت تحب الصدقة (ص ۱۹ کتاب الزکاة طبع منه)
 (ترجمہ) ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا کہ ہم سے ابو عوانہ نے فراس بن
 یحییٰ خارجی سے روایت کر کے بیان کیا فراس نے عامر بن شراحیل شعبی سے اس نے
 مسروق بن اجدع سے اس نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض بیویوں نے آپؐ کو چھاکہ ہم بیویوں میں سے کون سب سے
 پہلے آپ سے جا ملنے والی ہے (یعنی آپ کی وفات کے بعد ہم میں سب سے پہلے کس کی
 وفات ہوگی۔ فرمایا تم میں جو زیادہ لمبے ہاتھ والی ہے۔ پس ازواج مطہرات
 باتس کا ٹکڑا لے کر ہاتھوں کو ناپنے لگیں تو حضرت سوردہ سب سے زیادہ لمبے ہاتھ والی
 تھیں۔ تو ہم نے یہ بعد میں جانا کہ سوردہ کے ہاتھ کی لمبائی صدقہ تھا۔ اور وہی ہم میں
 سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملنے والی ہوئیں اور صدقہ کرنا ان کا بہت
 پسندیدہ کام تھا۔

ناظرین خاص طور سے عربی واں حضرات پہلے تو یہ جان لیں کہ امام بخاری کے شیخ
 موسیٰ بن اسماعیل تبوذکی سے اس حدیث میں تین لفظی غلطیاں ہوئی ہیں۔ اول یہ کہ
 اس نے کہا ہے ان بعض ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ لفظ بعض
 غلط ہے۔ ات ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ کہنا چاہیے تھا۔ دوسری غلطی
 یہ ہے کہ۔ فَاخَذُوا قَصَبَةً یذرعونها۔ کہا ہے۔ بصیغۃ جمع مذکر غائب،
 فَاخَذُوْا اور یذرعونها۔ کہنا چاہیے تھا۔ بصیغۃ جمع مؤنث غائب۔ تیسری غلطی یہ
 ہے کہ ایٹا کہا ہے صحیح لفظ ایٹنا ہے۔ موسیٰ بن اسماعیل عربی زبان میں کمزور تھے
 اس وجہ سے ایسی غلطیاں کر گزرتے تھے۔ یہ تینوں غلطیاں میں نے موسیٰ بن اسماعیل
 کی اس لئے قرار دی ہیں کہ یحییٰ بن حماد اور عفان بن مسلم نے بھی ابو عوانہ سے یہ حدیث

روایت کی ہے یحییٰ بن حماد سے بواسطہ ابو داؤد ہاشمی نسائی نے یہ لفظ
 قالت (عائشة رضی اللہ عنہا) ان ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم
 اجتمعن عنده فقلن ایتنا اسرع بک لحوقا؟ فقال اطولکن یداً
 فاخذن قصبة فجعلن یدہا عنہا فكانت سودة اسرعہن
 لحوقا فكانت اطولہن یداً فكان ذلک من کثرة الصدقة
 (سنن نسائی کتاب الزکاة باب فضل الصدقة)

عفاں سے امام احمد نے روایت کی ہے۔ یہ لفظ
 قالت اجتمع ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم عنده ذات یوم
 فقلن یا نبی اللہ ایتنا اسرع بک لحوقا؟ فقال اطولکن یداً فاخذنا
 قصبة فذرعناہا فكانت سودة بنت زمعة اطولنا ذراعاً
 فقالت لوفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فكانت سودة اسرعنا بہ لحوقاً
 فعرنا بعد انما کان طول یدہا من الصدقة وكانت امرأتہ
 تحب الصدقة (مسند ۶ ص ۱۲۱)

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا
 ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ کشیدہ قامت اور بھاری جسم کی تھیں۔ دیگر
 اعضاء بدن کی طرح ان کے ہاتھ بھی سب کے ہاتھوں سے لمبے تھے۔ پس حضور
 اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے کے بعد جب ازواج مطہرات نے اپنے اپنے
 ہاتھوں کو ناپا اور دیکھ لیا کہ حضرت سودہ کے ہاتھ سب سے لمبے ہیں تو سب نے سمجھ لیا
 کہ ہم میں سب سے پہلے سودہ ہی انتقال کریں گی اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ
 یہ ہی ہوا۔ ازواج مطہرات میں سب سے پہلے حضرت سودہ کی وفات ہوئی۔
 لیکن پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہ فرمانے کی کیا تک ہو سکتی ہے کہ
 فعرنا بعد انما کان طول یدہا من الصدقة.. یہ تو بالکل بے معنی سی بات ہے

در اصل اس حدیث میں سب سے پہلے وفات پانے والی ام المؤمنین کا نام راوی نے غلط
کہہ دیا ہے وہ حضرت سوردہ رضی اللہ عنہا نہیں ہیں بلکہ ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش
رضی اللہ عنہا ہیں حضرت سوردہ کی وفات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں
ماہ شوال ۳۸ھ میں ہوئی اور حضرت زینب بنت جحش نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ
کے عہد خلافت میں ۳۷ھ میں وفات پائی شعبی نے عبد الرحمن بن ابی بکر سے
روایت کی ہے، قال صلیت مع عمر رضی اللہ عنہ علی ام المؤمنین
زینب بنت جحش وکانت اول نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم لحوقاً بہ
اصل بات یہ ہے ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود یعنی کسی کے پرچھے
بنخیر ازواج مطہرات سے فرمایا تھا غالباً مرض وفات میں کہ تم میں سب سے زیادہ
جو لمبے ہاتھ والی ہے وہی مجھ سے جلد جا ملنے والی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کی وفات کے بعد آپ کی بات یاد کر کے ازواج مطہرات نے اپنے اپنے ہاتھ ناپے
تو پایا کہ حضرت سوردہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ دیگر ازواج کے ہاتھوں سے لمبے ہیں۔
اس لئے گمان ہوا کہ سوردہ ہی ہم میں پہلے وفات پانی والی ہیں۔ لیکن سب سے پہلے
حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے رحلت فرمائی حالانکہ ان کے ہاتھ لمبے
نہ تھے لیکن صدقہ کرنے میں وہ سب سے فائق و ممتاز تھیں۔ وہ دستکار اور منہمند
بھی تھیں۔ کنیزیں ان کی بنائی ہوئی چیزیں فروخت کیا کرتی تھیں جو قیمت آتی حضرت
زینب بے دریغ اسے صدقہ فرما دیا کرتیں۔ حضرت زینب کی وفات ہو جانے
پھر ازواج مطہرات کی سمجھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی بات
اسر عین الحوقابی اطو لکن یداً۔ کا مطلب آیا کہ ہاتھ کی لمبائی سے مراد آپ نے
فیاضی و سخاوت اور صدقہ کی کثرت لی تھی۔

ابو عوانہ والی اس روایت میں جس کی تخریج بخاری نے کی ہے صرف یہ ہی غلطی
نہیں ہے کہ حضرت زینب کی جگہ حضرت سوردہ کا ذکر کر دیا ہے بلکہ بڑی بھیانک غلطی

امہات المؤمنین کی طرف اس سوال کی نسبت ہے کہ "ایتنا اسرعی بک لحوقا۔
 کیونکہ اس سوال کے معنی تو یہ ہیں کہ انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات
 پا جانے اور آپ کے بعد اپنے جیتے رہنے کا یقین تھا۔ ازواج مطہرات تو بڑی چیز
 ہیں کوئی بھی عاقل اور مہذب اور شوہر سے محبت رکھنے والی بیوی اپنے شوہر سے
 اس انداز کی بات نہیں کہہ سکتی۔ یقیناً یہ سوال کسی راوی نے ہی اپنی حماقت سے
 گھڑا اور امہات المؤمنین کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ حدیث صحیح انداز سے روایت کی ہے۔۔۔
 عن عائشة بنت طلحة عن عائشة أم المؤمنين رضي الله عنها قالت
 قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اسر عكن لحاقابی اطولكن بيدا
 قالت فكن يتطاولن ابثمن اطول بيدا. قالت فكانت اطولنا بيدا
 زينب لانها كانت تعمل بيدا وتصدق - (صحیح مسلم ص ۲۹۱)

طبع ہند کتاب الفضائل (عمرہ بنت عبد الرحمن نے حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث
 مزید وضاحت کے ساتھ روایت کی ہے)

"قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لازواجيه اسر عكن
 لحوقابی اطولكن بيدا۔ قالت عائشة فكن اذا اجتمعنا في بيت احدانا
 بعد وفات رسول الله صلى الله عليه وسلم نهض ايدينا في الجدار
 فتطاول - فلم نزل نفعل ذلك حتى توفيتنا زينب بنت جحش وكانت
 امرأة قصيرة ولم تكن اطولنا فعرفنا حينئذ ان النبي صلى الله
 عليه وسلم انها اراد بطول اليد الصدقة - وكانت زينب
 امرأة صناعة اليد وكانت تدبغ وتخز وتصدق في سبيل الله -
 رواه الحاكم في المستدرک وقال صحيح على شرط مسلم -

پس عائشہ بنت طلحہ اور عمرہ بنت عبد الرحمن نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ قصہ جس طرح روایت کیا ہے وہ صحیح و درست اور معقول ہے۔ اور مسروق والی روایت جس کی بخاری نے تخریج کی ہے غلط اور غیر معقول ہے اور اغلب یہ ہے کہ یہ غلط بیانی ابو عوانہ سے سرزد ہوئی ہے۔ ابو عوانہ کا نام وضاح بن عبد اللہ یثکری ہے۔ قصہ محدث تھے مگر اپنے شیوخ سے سنی ہوئی حدیثیں جو انہوں نے لکھ رکھی تھی جب انہیں اپنی کتاب میں سے پڑھ کر روایت کرتے تھے تو وہ ٹھیک بیان کرتے تھے اور جب اپنی یادداشت سے کوئی حدیث کتاب میں دیکھے بغیر بیان کرتے تھے تو اس میں عموماً غلطیاں کر گزرتے تھے۔ تہذیب التہذیب میں ابو عوانہ کے متعلق امام ابو حاتم کا قول یہ ہی منقول ہے کہ "لا یخطئ اذا حدث من کتابہ واذا حدث من حفظہ اخطا کثیرا۔ ابو عوانہ سے یہ غلط حدیث موسیٰ بن اسماعیل و یحییٰ بن حماد و عفان بن مسلم نے سن کر روایت کر دی اور اس کے غلط ہونے کا احساس نہ ہوا موسیٰ بن اسماعیل نے اس میں کئی لفظی غلطیاں بھی کر ڈالیں اور اس کے غلط ہونے کو دوا آتش کر دیا۔ اور سخت تعجب ہے کہ بخاری نے موسیٰ بن اسماعیل سے سنی ہوئی یہ دوا آتش غلط حدیث درج صحیح فرمادی۔



④۲ حضرت انسؓ مروی حدیث

جس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات میں
تمام بیویوں کے ہمبستری کے بعد ایک ہی غسل فرماتے تھے

بخاری نے کہا ہے - حدیثنا عبد الاعلیٰ بن حماد ثنا یزید بن
زریع حدیثنا سعید بن قتادة ان انس بن مالک حدیثنا
النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یطوف علی نسائه فی اللیلة الواحدة
وله یومئذ تسع نساء (صحیح بخاری ص ۴۲ کتاب الغسل
و ص ۸۵ کتاب النکاح -

ہم سے عبد الاعلیٰ بن حماد نے بیان کیا کہ ہم سے یزید بن زریع نے بیان کیا کہ
ہم سے سعید بن ابی عروبہ نے بیان کیا قتادہ سے روایت کر کے کہ حضرت انس نے
قتادہ وغیرہ سے بیان کیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات میں اپنی بیویوں پر
چکر لگاتے تھے اس وقت آپ کے یہاں نو بیویاں تھیں -

مسدد بن مسرود سے بھی اسی اسناد کے ساتھ بخاری نے یہ حدیث روایت کی ہے
(ص ۸۱ کتاب النکاح) امام احمد نے یزید بن زریع سے بواسطہ عبد العزیز
بن عبد الصمد اس کی روایت کی ہے (مسند ص ۱۶۲) منکر نے بھی قتادہ سے
یہ حدیث انس روایت کی ہے بہ این لفظ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یطوف علی نسائه فی غسل واحد (مسند ص ۱۶۱ سنن النسائی ص ۵۲
سنن الترمذی ص ۲۸ سنن ابن ماجہ ص ۴۴ مگر "فی غسل واحد"

قتادہ کا بیان کیا ہوا لفظ نہیں ہے معمر نے اپنے فہم کے مطابق حدیث قتادہ میں توضیحا یہ اضافہ کر دیا تھا۔

سحید بن ابی عروبہ و معمر بن راشد کے علاوہ ہشام بن عتوٰی نے بھی قتادہ سے یہ حدیث روایت کی ہے مگر ہشام کی روایت کمرہ حدیث میں آخر میں ذکر کروں گا۔ (۲) ثابت بنانی نے بھی حضرت انس سے اس کی روایت کی ہے۔ ثابت سے معمر و ہمار بن سلمہ نے۔ معمر کی روایت یہ ہے

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یطیف بنائہ فی لیلة یغتسل غسلا واحدا (مسند احمد ۳ ص ۱۱۱) اور ہمار کی روایت یہ ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم طاف علی نساءہ فی لیلة واحدة فی غسل واحد (مسند ۳ ص ۱۸۵) کبھی حماد نے "طافا علی نساءہ جمیعا فی یوم واحد" کہا ہے (مسند ۳ ص ۱۶۰) دارمی کی روایت میں لفظ جمع ہے (سنن الدارمی ص ۱۰۳ طبع ہند)

(۳) حمید الطویل نے بھی حضرت انس سے اس کی روایت کی ہے۔ اس کی تخریج۔ ابو داؤد اور نسائی نے کی ہے ابو داؤد کی روایت یہ ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طاف ذات یوم علی نساءہ فی غسل واحد (سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ، باب فی الحنب یعود) نسائی کی روایت میں ہے "فی لیلة بغسل واحد" (سنن نسائی کتاب الطہارۃ باب اثبات النساء قبل احداث الغسل)

(۴) ہشام بن زید نے بھی حضرت انس سے اس کی روایت کی ہے۔ اس کی تخریج مسلم و احمد نے کی ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یطوف علی نساءہ بغسل واحد۔ (صحیح مسلم ۴ ص ۴۴ کتاب الحیض مسند احمد ۳ ص

پس حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث قتادہ و ثابت بنانی و حمید الطویل اور
 ہشام بن زید نے روایت کی ہے۔ اور چاروں طریق سے یہ حدیث صحیح الاسناد
 ہے۔ لیکن اس کے متن میں بہت بڑا سقم ہے جس کی میں انشاء اللہ وضاحت کرنے
 والا ہوں۔ یہاں ناظرین کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ صالح بن ابی الاخضر نے یہ حدیث
 انس زہری کی طرف منسوب کر کے روایت کرنے کا گناہ کما یا تھا۔ اس کی تخریج ابن
 ماجہ نے کی ہے۔

عن صالح بن ابی الاخضر عن الزہری عن انس قال وضعت لرسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم غسلاً فَاغْتَسَلَ مِنْ جَمِيعِ نَسَائِهِ فِي لَيْلَةٍ (سنن ابن ماجہ
 ص ۳۴ طبع لندن) صالح بن ابی الاخضر سے مروی ہے کہ زہری نے
 حضرت انس سے روایت کی ہے انس نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کے لئے غسل کا پانی رکھا تو اس رات آپ نے اپنی سب بیویوں سے صحبت کر کے
 غسل فرمایا۔ صالح بن ابی الاخضر فاسد آدمی تھا جھوٹا لیاٹ زہری نے یہ حدیث
 بیان کی ہوتی تو ان کے ثقہ اور صادق الروایہ تلامذہ کے جم غفیر میں سے کوئی
 اس کی روایت کرتا۔ ہمیں یقین ہے کہ زہری نے یہ حدیث بیان نہیں کی۔ قتادہ
 و ثابت بنانی و حمید و ہشام بن زید کی روایت کردہ حدیث میں صالح بن ابی الاخضر
 نے اپنی طرف سے وضعت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسلاً کا
 اضافہ یونہی کر کے اسے زہری کی طرف منسوب کر دیا تھا۔ پس صالح بن ابی الاخضر کی
 یہ فاسد اور غلط روایت تو ناقابل التفات ہے۔ البتہ قتادہ و ثابت و حمید و ہشام
 کی روایت کردہ حدیث کو اچھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔

ان میں سے ثابت اور حمید کی روایت میں طواف ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت
 انس کے علم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واقعہ ایک بار کا آیا تھا۔ اور قتادہ
 و ہشام بن زید کی روایت میں کان یطوف ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس واقعہ کا

ذکر انس نے اس طرح کیا تھا کہ ان کے علم میں کئی بار وقوع میں آیا تھا۔ لیکن
 اس واقعہ کو ایک بار کا سمجھا جائے یا کئی بار کا۔ بہر حال اس پر یہ بجا سوال وارد
 ہوتا ہے کہ حضرت انس کو اس کا علم کیسے ہوا؟ یہ واقعہ حضرت انس کا پچھلے عہد
 تو ہو نہیں سکتا حضرت انس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے۔ کم سن تھے،
 دن میں خدمت کرتے رات کو اپنی والدہ ام سلمہ اور سوتیلے باپ ابوطالب انہاری
 رضی اللہ عنہما کے یہاں رہتے جیسے بچے اپنے گھر رہا کرتے ہیں۔ پوری مدت غریبی
 جو تقریباً دس سال تھی حضرت انس نے ایک رات بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کے یہاں بسر نہیں کی۔ لامحالہ اگر انس کے علم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واقعہ
 آیا تھا تو کسی سے اسے سنا ہوگا مگر کس سے؟ کیا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے۔
 نہیں ہرگز نہیں۔ اس کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا کہ آپ نے انس کو ایک نو عمر لڑکے
 کو اپنی شب باشی کا ایسا قصہ سنایا ہو۔ یا ازواج مطہرات میں سے کسی نے
 انس کو بتا دیا ہو؟ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ بھی قطعاً ناممکن اور ناقابل تصور چیز ہے۔
 یا ام سلمہ والدہ انس کو کسی ام المؤمنین سے یہ بات معلوم ہوں ہو اور موصوفہ نے
 اپنے فرزند یعنی انس کو بتا دی ہو۔ واللہ یہ بھی محال ہے۔ کوئی ماں اپنے بیٹے سے
 اس طرح کی بات نہیں کر سکتی۔ پس حضرت انس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
 متعلق اس واقعہ کا علم ہونے کا قطعاً کوئی صورت نہ تھی۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ
 کے متعلق یہ خیال بھی نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
 متعلق ایسی بات جرم و یقین کے ساتھ کہی ہو جس کا انہیں کوئی علم نہ تھا اس لئے
 میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 کے متعلق یہ قصہ بیان نہیں کیا تھا۔ تو کیا قتادہ بن دعامہ وثابت بن اسلم بنان وحمید
 الطویل وعتشام بن زید نے اسے گھڑ کر حضرت انس کی طرف منسوب کر دیا تھا؟ انہیں
 ہرگز نہیں۔ یہ چاروں حضرات نیک و متقی تھے اور ثقہ لوگ تھے۔ انہوں نے قصداً

غلط بیانی اور دروغ باقی نہیں کی بلکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث کے متعلق غلط فہمی میں پڑ گئے تھے۔ حضرت انس کی بیان کردہ حدیث کا مطلب کچھ اور تھا اور ان راویوں نے سمجھ لیا تھا کچھ اور۔ پھر اپنے فہم کے مطابق اس کی روایت کر دی۔ اصل بات یہ ہے کہ شب بامشی کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کے درمیان نوبت مقرر فرما رکھی تھی ایک ایک حرم کے یہاں ایک دن رات گزارتے دن میں کھانا وغیرہ نوبت والی حرم محترم کے یہاں رہتا اور رات کو ان ہی کے یہاں آرام فرماتے لیکن روزانہ تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے آپ کے بعد دیگرے تمام ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے ہر ایک کا حال اور خیریت و عافیت پوچھتے اور حاجت و ضرورت دریافت فرماتے۔ تھوڑی تھوڑی دیر ہر ایک کے پاس رک کر آخر میں نوبت والی حرم کے یہاں پہنچتے۔ مرض و وفات کے اوائل میں بھی آپ کا یہ ہی طرز عمل رہا۔ حتیٰ کہ آپ کی رضا و راحت کے پیش نظر تمام ازواج مطہرات نے بطیب خاطر آپ کو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے یہاں ایام مرض گزارنے کی اجازت دیدی۔ بقیہ ایام مرض آپ کے ان ہی کے پاس گزرے اور ان ہی کے پاس وفات ہوئی اور وہی مقدس حجرہ قیامت تک کے لئے آپ کی آرام گاہ بنا۔ صلی اللہ علیہ وسلم و علیٰ ازواجہ و اصحابہ

اجمعین۔ یہ تمام ازواج کے یہاں آپ کا تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے جانا کبھی دن میں پانچ کے وقت ہوتا تھا کبھی نماز عصر کے بعد کبھی مغرب و عشاء کے درمیان حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ وہ بات ان الفاظ میں ذکر کی تھی۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یطوف علی نسائه جمیعاً۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواج مطہرات پر چکر لگاتے تھے یعنی حال و ضرورت پوچھنے کے لئے یکے بعد دیگرے سب امہات المؤمنین کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ سننے والوں یعنی

ثابت و حمید و ہشام بن زید نے اس کا یہ مطلب سمجھ لیا کہ آپ یکے بعد دیگرے سب
 جماع فرماتے تھے۔ اسی مطلب کے مطابق ان حضرات نے اس کی روایت کر دی
 اور اس مطلب کی وضاحت کے لئے ”بغسل واحد“ کا اضافہ کر دیا قتادہ و ثابت
 و حمید و ہشام کے علاوہ حضرت انس سے یہ حدیث مطر الوراق نے بھی روایت کی ہے
 امام احمد فرماتے ہیں۔

حدثنا حسن بن موسى قال حدثنا ابو هلال قال حدثنا مطر الوراق
 عن انس بن مالك قال كان نبي الله صلى الله عليه وسلم يطوف على تسع
 نسوة في ضحوة (مسند ۳ ص ۳۹) في ضحوة کے معنی ہیں، بوقت
 چاشت۔ دن چڑھے) یہ روایت اس حدیث انس کے صحیح معنی و مطلب پر
 جس کی میں نے تقریر کی ہے دلالت کر رہی ہے۔ اور ہشام دستوالی نے جو یہ
 حدیث قتادہ سے روایت کی ہے اس میں اس مطلب کی مزید وضاحت ہے۔
 اس کی تخریج امام بخاری و امام احمد نے کی ہے۔ ہشام کا بیان ہے کہ
 قتادہ نے کہا۔ حدثنا انس بن مالك قال كان النبي صلى الله عليه وسلم
 يدور على نسائه في الساعة الواحدة من الليل والنهار وهن احدى
 عشرة۔ وقال سعيد عن قتادة هن تسع نسوة۔ ہم سے حضرت انس نے
 بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک وقت میں کبھی رات کو یعنی آغاز شب میں اور کبھی
 دن کو اپنی عورتوں پر گھومتے تھے اور وہ گیارہ تھیں۔ اور سعید بن ابی عروبہ نے یہ
 کہا ہے کہ قتادہ نے بتایا کہ وہ نو تھیں۔ یہ گیارہ اور نو کا ذکر کوئی اختلاف نہیں ہے
 عمرۃ القضا رسؓ میں آپ نے حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے
 نکاح فرمایا۔ تو آپ کی بیویاں نو ہو گئیں حضرت سیدہ سودہ حضرت سیدہ عائشہ
 حضرت سیدہ حفصہ حضرت سیدہ ام سلمہ حضرت سیدہ زینب بنت جحش حضرت
 سیدہ جویریہ بنت حارث حضرت سیدہ صفیہ حضرت سیدہ ام حبیبہ حضرت سیدہ

سے ایک ماہ الگ رہنے کی قسم کھالی۔ چنانچہ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے۔ اَنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَلَفَ اَنْ لَا يَدْخُلَ عَلٰی بَعْضِ اَهْلِهِ شَهْرًا (صحیح بخاری ص ۲۸۳ طبع ہند کتاب النکاح) بعض اہلہ سے مراد حضرت عائشہ و حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما ہیں شوہر کا اپنی بیوی سے الگ رہنے کی قسم کھالینا اصطلاح میں ایلا کہلاتا ہے۔ ایلا آپ نے تمام بیویوں سے نہیں بلکہ صرف دو سے کہلاتھا لیکن عملاً آپ ایک ماہ تک سب سے کنارہ کش اور بالا خانہ پر مقیم رہے تھے اسی لئے متعدد حدیثوں میں اس کا اطلاق کے ساتھ ذکر ہو گیا ہے کہ آپ نے ازواج مطہرات سے ایلا فرمایا تھا۔ کم علم مفسرین اور سیرت نگاروں نے غلط لکھا ہے کہ آپ نے تمام ازواج سے ایلا فرمایا تھا۔ ہاں تو اس دوسرے واقعہ کے متعلق یعنی افشائے راز کے واقعہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

(۳) وَاِذْ اَسْرَ النَّبِيُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهِ حَدِيثًا اور جب نبی نے اپنی ایک بیوی سے ایک راز کی بات کہی تھی، یعنی فرمادیا تھا کہ اس کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔ فَلَمَّا نَبَاَتْ بِهٖ وَاَنْظَرَهَا اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَفَ بَعْضَهُ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ پس جب اس نے اس بات کی (دوسری بیوی کو خبر دیدی اور اللہ نے اسے نبی پر ظاہر کر دیا تو نبی نے اس سے کچھ بات کا تذکرہ کیا کچھ کا نہیں کیا، یعنی بس اجمالی طور پر فرمایا کہ دیکھو تم نے وہ بات کسی کو بتا دینے کی غلطی کی ہے۔ فَلَمَّا نَبَاَتْ بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاكَ هٰذَا پس جب نبی نے اس سے اس کا ذکر کیا تو بولی آپ کو یہ بات کس نے بتائی۔ قَالَ نَبَاَنِي الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ فرمایا مجھے دانا و باخبر ذات حق نے بتائی ہے وہ راز کی بات کیا تھی؟ اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے صرف حضرت عائشہ سے اس کا ذکر کر دیا تھا ان کے علاوہ عمر بھر کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ نہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

عمر بھر اسے زبان پر لائیں۔ نہ کسی صحابی نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے دریافت کرنے کی ضرورت سمجھی۔ اس لئے ہمیں بھی اس کی کھوج میں نہ پڑنا چاہیے۔ کوئی اس کا کھوج لگا بھی نہیں سیکتا کیونکہ نہ قرآن کریم میں اس کا ذکر ہے نہ کسی صحیح حدیث میں نہ کسی صحابی نے اس کے متعلق لب کشائی کی ہے۔

سے انہوں کو رادماغ کہ پر سبز باغباں بھل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد
کتب تفسیر میں ان اپ شناپ کچھ اقوال ضرور مذکور ہیں جو قطعا قابل اعتبار و نامزائے
التفات ہیں۔ صحیح بخاری میں بس حضرت عمر کا یہ قول مذکور ہے: **وَكَانَ قَدْ أَقْسَمَ**
أَنْ لَا يَدْخُلَ عَلَيْهِمْ شَهْرًا مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ الْحَدِيثِ حِينَ أَفْشَتْهُ حَفْصَةُ
لِعَالِشَةَ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے ایک ماہ تک
الگ رہنے کی قسم کھالی تھی اس بات کی وجہ سے جب حفصہ نے عائشہ سے اس کی بکر کر دیا تھا
ہماری ان دونوں محترم ماؤں سے خطاب کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
(۴) **إِنْ تَتَوْبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا**، اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کر لو
(تو بہتر ہو گا کیونکہ) تمہارے دل جھک گئے ہیں، اس روایت کی طرف جو تمہارے
شایان شان نہیں ہے۔

وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ
اور اگر تم دونوں اس کے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف ایک کرو گی تو اللہ کے
نبی کا کچھ نہ بگاڑ سکو گی کیونکہ) بے شک اللہ خود اس کا حمایتی ہے اور جبریل اور نیک
اہل ایمان۔ **وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ** اور اس کے بعد یہ سن لو کہ فرشتے
پشت پناہ ہیں، یعنی تمہارے لئے دو راستے ہیں ایک صحیح ایک غلط صحیح راستہ
یہ ہے کہ اللہ سے توبہ کرو۔ رشک و غیرت کے جوش نے تمہارے دلوں کو غلط رخ
دیدیا ہے اسے محسوس کر کے اپنی اصلاح کر لو۔ اور غلط راستہ یہ ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی دل آزاری کرنے میں ایسا کرو اور اس کوشش میں لگی رہو کہ آپ

وہ کریں جو تم چاہو اس رویہ کا نتیجہ تمہارے حق میں برائے نکالے گا۔ اس غلط راہ پر چل کر تم اللہ کی عنایت سے فرشتوں کی دعا سے اور مومنین کی محبت سے محروم ہو جاؤ گی حتیٰ کہ اپنے گرامی مرتبہ باپوں کی نگاہوں سے بھی گریباؤ گی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے شرف سے محروم کر دی جاؤ گی اور اس خام خیالی میں نہ رہنا کہ رسول اللہ کو تم جیسی اور بیویاں نہ مل سکیں گی۔ اگر رسول اللہ تمہیں طلاق دیدیں گے تو اللہ اپنے رسول کو تم سے بہتر خوش خصال بیویاں مرحمت فرما دے گا۔

یہ دونوں واقعے بجائے خود چند اہم اور غیر معمولی نہ تھے۔ لیکن ازواجِ مطہرات معمولی خواتین نہ تھیں۔ عام مومن عورتوں کی سطح سے بہت اونچی شان کی حامل تھیں اللہ تعالیٰ نے انہیں اس عظیم المرتبہ ہستی کی زوجیت کا شرف عطا فرمایا تھا جو بعد از خدا بزرگ توفی قصہ مختصر کلمے مصداق ہے اس لیے ان معمولی سی درجہ داروں پر اللہ تعالیٰ نے ان کی ایسی سخت گرفت فرمائی کہ قیامت تک پڑھے جانے والے قرآن میں ان کا ذکر کر دیا تاکہ خود وہ بھی عمر بھر ان آیتوں کو وقتاً فوقتاً پڑھتی اور شرمندہ ہوتی رہیں کہ ہم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی مرضی مسلط کرنے کی کوشش کی تھی کاش ہم سے یہ غلطی سرزد نہ ہوتی ہوتی۔ اور وہ راز کی بات کہہ دینے والی ام المؤمنین افسوس کیا کریں کہ کاش میں اس غلطی کا ارتکاب نہ کرتی اور امہات المؤمنین کے بیٹے اور بیٹیاں یعنی تمام مومن مرد اور تمام مومن عورتیں ان آیتوں کو پڑھ کر اپنی بزرگ مرتبہ مادوں کی روشن و پاکیزہ سیرت کے چہرے پر یہ دو تیل دیکھ لیا کریں۔

اللہم صل وسلم علی رسولک محمد وامنہ واجہ
کہا تحب وترضی عدد ما تحب وترضی

(۲۵) (۱) اللہ تعالیٰ کے ارشاد: هَذَانِ خَصْمَانِ

اِخْتَصِمُوا فِي رَبِّهِمْ کے شان نزول کے متعلق
قیس بن عباد بصری کی روایت کردہ حدیث

بخاری نے کہا ہے۔ حدیثی محمد بن عبد اللہ الرقاشی قال حدثنا
معتمر قال سمعت ابي (سليمان بن طرخان التيمي) يقول حدثنا ابو مجلز
(اسمہ لاحق بن حميد السدوسي) عن قيس بن عباد عن علي بن
ابي طالب انه قال انا اول من يخطو بين يدي الرحمن للخصومة
يوم القيامة وقال قيس بن عباد وفيهم انزلت، هذان خصمان
اِخْتَصِمُوا فِي رَبِّهِمْ، قال لهم الذين تبارزوا يوم بدر حمزة وعلي
وعبيدة وابو عبيدة بن الحارث وشيبة بن ربيعة وعتبة
والوليد بن عتبة۔ (صحیح بخاری ص ۵۶۵ غزوہ بدر)

معتمر بن سلیمان کہتا ہے کہ میں نے اپنے والد سلیمان تیمی سے روایت کر کے بیان کیا۔
ہم سے ابو مجلز یعنی لاحق بن حمید نے قیس بن عباد سے روایت کر کے بیان کیا۔
قیس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت علی نے کہا میں قیامت کے دن سب سے
پہلا شخص ہوں گا جو رجم کے سامنے جھکڑے (یعنی مقدمہ) کے لئے گھنٹوں کے بل نیم استرا
ہوگا۔ اور قیس بن عباد نے کہا کہ آیت هَذَانِ خَصْمَانِ اِخْتَصِمُوا فِي رَبِّهِمْ، ان چھ شخصوں کے
بارے میں نازل ہوئی ہے جو بدر کے دن (عمومی جنگ سے پہلے) ایک دوسرے کے
مقابل ہوئے تھے مسلمانوں میں سے حمزہ و علی اور عبیدہ یا ابو عبیدہ (فرزند

حارث بن عبدالمطلب) اور شریکین میں سے شیبہ و عتبہ اور ولید بن عتبہ۔
 اس روایت کے مطابق قیس بن عباد نے دو باتیں کہی تھیں۔ ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ
 کی طرف منسوب کر کے۔ اور ایک اپنی طرف سے حضرت علی کا اس نے یہ قول ذکر کیا تھا۔
 ”انا اول من یجتوبین یدی الرحمن للخصومة“، اور اپنی طرف سے
 یہ کہا تھا کہ یہ آیت مذکورہ بالا چھ شخصوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔
 پھر بخاری نے معتمر سے بواسطہ حجاج بن منہال بھی اسی اسناد کے ساتھ اس
 حدیث کی روایت کی ہے۔ حجاج بن منہال کی روایت میں عبیدہ ہے ابو عبیدہ
 نہیں ہے۔ (صحیح بخاری ص ۶۹۴ سورۃ الحج۔ کتاب التفسیر)
 نیز بخاری نے اسحاق بن ابراہیم صواف سے اس نے یوسف بن یعقوب
 مولائے بنی سدر سے اس نے سلیمان تیمی سے روایت کی ہے۔
 عن ابی مجلز عن قیس بن عباد قال قال علیؑ فینا نزلت هذه الآية
 هذه ان خصمان اختصموا فی ربهم (صحیح بخاری ص ۵۶۵)
 یعنی حضرت علی نے فرمایا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی۔ پس سلیمان
 تیمی سے اس کی روایت کرنے والے دو شخص ہیں۔ ایک اس کا بیٹا معتمر اور ایک
 یوسف بن یعقوب سدوسی۔ دونوں کی روایت میں اختلاف ہے معتمر کی روایت
 کے مطابق آیت ”هذه ان خصمان اختصموا فی ربهم“ کا حضرت علی وغیرہ
 کے بارے میں نازل ہونا قیس بن عباد کا ذاتی قول و فہم ہے۔ حضرت علی کی کہی
 ہوئی بات نہیں ہے۔ حضرت علی کی کہی ہوئی بات تو ”انا اول من یجتوبین
 یدی الرحمن للخصومة“ ہے اور یوسف بن یعقوب
 کی روایت کے مطابق آیت مذکورہ کا حضرت علی وغیرہ کے بارے میں نازل ہونا
 خود حضرت علی کی بتائی ہوئی بات ہے اور معتمر نے جس بات کو حضرت علی کی کہی ہوئی
 بتایا ہے اس کا یوسف کی روایت میں ذکر ہی نہیں ہے۔ معتمر و یوسف کی روایتوں

کا یہ اختلاف ناقابل حل ہے اور اس کی دلیل ہے کہ سلیمان تیمی کو ابو مجلز سے
سنی ہوئی یہ حدیث ٹھیک ٹھیک یاد نہ تھی معتمر سے اس نے کچھ بیان کیا تھا یوسف
بن یعقوب سے کچھ اور۔ لہذا اصولاً سلیمان تیمی کی یہ روایت نظر انداز کر دینے
کے لائق ہے امام بخاری اسے درج صحیح نہ فرماتے تو اچھا ہوتا۔ امام مسلم نے
اسے نظر انداز کر دیا ہے نیز بخاری نے لکھا ہے - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ قَالَ
حَدَّثَنَا سَفِيَانُ (الثوري) عَنْ أَبِي هَاشِمٍ عَنْ أَبِي مَجْلَزٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ عُبَادٍ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ تَزَلَّتْ
هَذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصِمَا فِي رِبْهِمَا فِي سِتَّةِ مِنْ قَرِيشَ عَلَى حُمْزَةٍ وَعَبِيدَةَ بْنِ الْحَارِثِ
وَشَيْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ وَعَتْبَةَ بْنَ رَبِيعَةَ وَالْوَلِيدَ بْنَ عَتْبَةَ (ص ۶۵)۔
قبیصہ بن عقبہ نے سفیان ثوری سے اس نے ابو ہاشم رمانی
یعنی یحییٰ بن دینار واسطی سے اس نے ابو مجلز سے اس نے قیس بن عباد سے
اس نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ابوذر نے کہا
ہے کہ آیت ”هَذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصِمَا فِي رِبْهِمَا“ قریش کے چھ انجانوں
کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ تین اہل ایمان میں سے تھے علی، حمزہ اور عبیدہ
بن حارث اور ان کے مقابلے میں تین اہل کفر میں سے تھے شیبہ بن ربیعہ
عقبہ بن ربیعہ اور ولید بن عقبہ۔

پھر بخاری نے یحییٰ بن جعفر سے اس نے وکیع بن جراح سے اس نے سفیان ثوری سے اسی اسناد کے ساتھ اس کی روایت کی ہے وکیع کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ قیس بن عباد نے کہا تھا کہ میں نے ابو زر غفاری سے یہ بات سنی وہ اسے قسم کھا کر بیان کرتے تھے۔ سمعت ابا ذر یقسم لنزل هولا والايات في هولا والمرهط الستة يوم بعد ما (صحیح بخاری ص ۵۶۵)

امام مسلم نے بھی اپنی کتاب صحیح مسلم کے آخر میں بواسطہ ابو بکر بن ابی شیبہ وکیع کی یہ روایت تخریج کی ہے نیز مسلم نے محمد بن المثنیٰ سے اس نے عبد الرحمن

بن مہدی سے اس نے سفیان ثوری سے اسی اسناد کے ساتھ اس کی روایت کی ہے اور سفیان ثوری کی طرح ہشیم بن بشیر واسطی نے بھی ابوباشم سے اسی اسناد کے ساتھ اس کی روایت کی ہے ہشیم سے بواسطہ یعقوب بن ابراہیم و حجاج بن منہال بخاری نے اور بواسطہ عمرو بن زرارہ مسلم نے۔ یعقوب کی روایت صحیح بخاری ص ۶۵۵ میں ہے اور حجاج کی ص ۶۹ میں ہے۔

ہشیم کے روایت میں بھی مذکور ہے کہ ابو ذر نے یہ بات قسم کھا کر بیان کی تھی۔ سفیان ثوری و ہشیم کے علاوہ منصور بن معتمر نے بھی ابوباشم سے اس کی روایت کی ہے مگر منصور نے اسے بس ابو جابر کے قول کی حیثیت سے ذکر کیا ہے (صحیح بخاری ص ۶۹) یعنی منصور نے اس کی اسناد میں نہ قیس بن عباد کا ذکر کیا نہ ابو ذر کا بخاری و مسلم دونوں نے منصور کی روایت پر سفیان ثوری و ہشیم بن بشیر کی روایت کو ترجیح دی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ابو جابر سے اس کی دو خصوصیات روایت کی ہے سلیمان تیمی نے اور ابوباشم نے دونوں کی اسناد میں یہ اختلاف ہے کہ سلیمان نے یہ بتایا ہے کہ راوی صحابی حضرت علی رضی اللہ عنہ میں قیس بن عباد کو یہ حدیث حضرت علی سے پہنچی تھی اور ابوباشم نے علی کی بجائے راوی صحابی حضرت ابو زر غفاری رضی اللہ عنہ کو قرار دیا ہے سلیمان کی بیان کردہ حدیث میں ناقابل حل اضطراب ہے اس کے دونوں میں ایک اس کا بیٹا معتمر اور ایک یوسف بن یعقوب سدوسی۔ دونوں کا بیان مختلف و متعارض ہے اس لیے سلیمان تیمی کی روایت نظر انداز کر دینے کے لائق ہے۔ چنانچہ امام مسلم نے اسے نظر انداز کر دیا ہے۔ اصول روایت کے لحاظ سے مسلم کا فیصلہ صحیح ہے اور امام بخاری کا اسے درج صحیح کر دینا صحیح نہیں ہے رہی ابوباشم کی بیان کردہ اسناد و حدیث تو اس کی تخریج بخاری و مسلم دونوں نے کی ہے اور دونوں بزرگوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے حالانکہ

یہ حدیث قطعاً بے اصل اور محض فضول گوئی ہے۔ قیس بن عباد یا ابو مجلز کو اس آیت کا مطالعہ کرنے اور اس کا سابق و سابق سمجھنے کی توفیق ملتی تو یہ بے سرو پا اور بے تنکی بات نقل کرنے کا گناہ نہ کھاتے۔ رہے بعد کے راویان اخبار تو وہ قرآن کریم کی تلاوت تو کرتے تھے۔ لیکن فہم قرآن سے عموماً بہت دور تھے۔ بخاری و مسلم نے اور ان کے شیوخ نے یس نہ سوچا کہ سورۃ الحج غزوہ بدر سے پہلے نازل ہوئی تھی نہ یہ خیال کیا کہ **لَا تَجِدُ اُمَّةً اِنْ خَصِمَانِ اخْتَصِمَا فِي رِبْهِنِمْ** سے پہلے اور اس کے بعد کیا مضمون ارشاد ہوا ہے۔ ناظرین سورۃ الحج کی چودھویں آیت پڑھیں ارشاد ہے۔ **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَالَّذِيْنَ هَادُوا وَالصّٰبِغِيْنَ وَالنّٰصِرِيْنَ وَالْمَجُوسَ وَالَّذِيْنَ اٰشْرَكُوا اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝**

یعنی لوگوں نے جو مذہب ہی گمراہ بن دیاں قائم کر رکھی ہیں ان کا تعصب بہت سے اشخاص کو ضد و عناد میں ڈال دیتا ہے۔ وہ صحیح بات سن کر نہیں دیتے اور دعویٰ کرتے رہتے ہیں کہ ہمارا دھرم ہی سب سے بہتر ہے۔ بشر کہیں اپنے دھرم ہی کو سچا قرار دیتے ہیں۔ آتش پرستوں کے نزدیک بس ان ہی کا دین یزدانی ہے۔ عیسائی اپنے گمراہ کو ہی برحق بتاتے ہیں۔ صابین اپنے مذہب کو ہی صحیح مانتے ہیں۔ یہودی اپنے ہی ملت کی حقانیت کا راگ الاپتے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب کے درمیان فیصلہ فرما دے گا اور سب کو معلوم ہو جائے گا کہ فی الواقع کونسا گمراہ حق پر تھا۔

اس کے بعد پندرہویں آیت میں دین حق کو پہچاننے کا طریق بتایا کہ اے انسان ان گمراہ بندیوں کے چکر سے نکل تو اللہ کا پیدا کیا ہوا اور پالا ہوا ہے یہ دیکھ کہ اللہ کے ساتھ تیرا کیا رویہ ہونا چاہیے۔ عبادت و طاعت کا یا بندگی سے سترابی و نافرمانی کا؟۔ عبادت و طاعت کا رویہ آسمان و زمین میں پائے جانے والے تمام فرشتوں کا ہے ان تمام روشن و تابناک کروں کا ہے۔ جنہیں سورج چاند اور ستارے کہا جاتا ہے

زمین پر پائے جانے والے پہاڑوں درختوں اور جانوروں کا ہے۔ عقل کا تقاضا ہے کہ انسان بھی اللہ کے ساتھ یہی عبادت و طاعت کا رویہ اختیار کرے اور اللہ تعالیٰ نے وضاحت کے ساتھ بتا دیا ہے کہ عبادت و طاعت کا رویہ اختیار کرنے والے بندے اس کے اجر و انعام کے حق دار ہیں اور سترابی و معصیت کی راہ چلنے والے اس کے عذاب کے سزاوار ہیں۔ مگر اس امر میں عقل سے کام لینے نہ لینے اور حریت عمل رکھنے کی وجہ سے انسانوں کا حال یکساں نہیں ہے۔ لہذا ان کا مال بھی یکساں نہ ہوگا۔

بہت سے انسان اللہ کی عبادت و طاعت کا رویہ اختیار کر کے موجوداتِ عالم سے ہم آہنگ ہو گئے تو وعدہ حق کے مطابق اجر و انعام کے حق دار قرار پائے اور بہت سے لوگوں نے سترابی و معصیت کا رویہ اختیار کر کے کائناتِ عالم سے جدا راستہ مکر چلایا وہ سزاوار عذاب ہو گئے۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔

الْمُتَرَاتِقِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يُسْجِدُ لِمَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ مِنَ الْإِنْسِ وَالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ
وَالنُّجُومِ وَالْجِبَالِ وَالشَّجَرِ وَالدَّوَابِّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ عَلَىٰ
الْعَذَابِ ۖ وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن مُّكْرِمٍ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۚ
لوگوں نے جو گروہ بندیاں قائم کر رکھی ہیں اللہ کے نزدیک ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس کے نزدیک تو انسانوں کے دو گروہ ہیں۔ ایک اس کی عبادت و طاعت کرنے والا۔ یہ مومنین کا فریق ہے۔ دوسرا اس فرض سے رد گردانی کرنے والا۔ یہ کفار کا فریق ہے۔ ان دونوں فریقوں کا اختلاف و جدال زر۔ زمین۔ زن کے بارے میں نہیں بلکہ اپنے رب کے بارے میں ہے۔ مومنین کہتے ہیں کہ تمام انسان اللہ کے ہی بندے ہیں۔ لہذا سب کو اس کی بندگی کرنی چاہیے۔ یہ کفار تو وہ کھانت بھانت کی بولیاں بولتے ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ اس کے قائل ہیں کہ یہ عالم ایک خود بخود وجود شوکار خانہ ہے۔ کوئی اس کا خالق و مالک نہیں ہے۔ کچھ لوگ دودھ امانتے ہیں۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ پیدا تو ہمیں اور ساری کائنات کو اللہ نے ہی کیا ہے۔ اور وہی سب کا پالنہار ہے۔ لیکن ہم تنہا

اس کی عبادت نہ کریں گے۔ اس کے ساتھ یا اس کے سوا ہمیں فلاں فلاں دیویوں اور دیوتاؤں کو بھی پوجنا ہے اور اپنی من چاہی زندگی گزارنی ہے اور بعض کا خیال ہے کہ اللہ نے اپنا کلوٹا بیٹا دنیا میں بھیج دیا تھا وہ سولی پر چڑھ کر ہماری تمام خطاؤں کا کفارہ ہو گیا ہے۔ اور بعض کا گمان ہے کہ اللہ کا ہماری برادری سے خاص تعلق ہے اس لئے ہم کچھ بھی کریں کوئی خاص پریشانی کی بات نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم پیروی کر نہیں سکتے اگرچہ ہمارے بزرگوں نے ان کی ظہور کی بشارت دی اور ان پر ایمان لانے کی تاکید کی ہے اور اللہ کے عہد کی رو سے ان کی پیروی ہم پر لازم ہے مگر ہمیں اللہ سے گلہ بلکہ اس پر غصہ ہے کہ اس نے اپنا آخری نبی ہماری برادری میں کیوں پیدا نہیں کیا۔ الغرض اہل ایمان اور اہل کفر کے مختلف مختلف فرقوں کے درمیان جھگڑا اس ذات ستودہ صفات کے بارے میں ہے جو سب کی پروردگار ہے ذرا سوچو تو سہی ایک شریف و کریم و شفیق باپ کی اولاد میں یہ جھگڑا ہو کہ بعض تو یہ کہتے ہوں کہ ہم سب کو اپنے والد بزرگوار کی خدمت و طاعت کرنی چاہیے اور بعض طرح طرح کی باتیں بنا کر اس کی خدمت و طاعت سے گریز کریں تو کیا یہ اختلاف کوئی معقول چیز ہے؟ اور یقین کرنا چاہیے کہ اس سے بڑھ کر نامعقول اختلاف کفار کا ہے۔ جو وہ مؤمنین سے اللہ کے بارے میں رکھتے ہیں۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج کی سولہویں آیت میں فرمایا۔ هٰذَا اِنْ خِصَمَانِ اخْتَصَمَا فِي رَبِّهِمْ ہ یہ دو گروہ ہیں جھگڑنے والے۔ انہوں نے جھگڑا کیا اپنے رب کے بارے میں۔ ظاہر ہے کہ هٰذَا اِنْ کا اشارہ مؤمنین و کفار کی طرف ہے یہ قیامت تک ہونے والے تمام مؤمنین و کفار کو متناول ہے۔ هٰذَا اِنْ سے بس علیٰ حمزہ و عبیدہ رضی اللہ عنہم اور شبیبہ و عتبہ و ولید کو مراد سمجھنے کی کوئی تک نہیں ہے۔ ایسی بے تکی اور قطعاً غیر معقول بات نہ حضرت علی کہہ سکتے تھے نہ حضرت ابوذر۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ قیس بن عباد نے بھی یہ بے تکی بات بیان نہیں کی تھی۔ یہ ابو جہل کی ہی ساختہ پرواختہ ہے۔

ابو بکر کا نام لاحق بن حمید ہے اس کا شمار تابعین میں ہوتا ہے اسے ثقہ بتایا گیا ہے لیکن امام الرجال یحییٰ بن معین نے اسے مضطرب الحدیث بتایا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۵۱) ثقہ سمجھنے کی وجہ یہ ہے کہ بظاہر نیک و صالح شخص تھا۔ کسی خلاف شرع کام میں اسے ملوث نہیں پایا گیا اور مضطرب الحدیث ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی قوت یادداشت اچھی نہ تھی بھول کر کبھی کچھ کہہ دیتا کبھی کچھ یحییٰ بن معین نے ابو بکر کو مضطرب الحدیث بتایا ہے تو یہ زیر نظر حدیث اس کی بڑی واضح دلیل ہے ابو بکر نے کسی یا وہ گو سے سن لیا تھا کہ آیت **رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ** اور عیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم اور شیبہ و عتبہ و ولید کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے بدر کے دن لڑائی کے آغاز میں باہم مقابلہ کیا تھا۔ اور نتیجہ میں حمزہ و علی رضی اللہ عنہما نے اپنے اپنے حریف کو قتل کر دیا تھا۔ اور عیدہ نے اپنے حریف کو زخمی کر دیا تھا اور خود بھی زخمی ہو گئے تھے۔ حمزہ و علی نے ان کے حریف کا بھی کام تمام کیا اور انہیں اٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک پر حضرت عیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے منہ رکھ دیا اور جان دیدی ہے جان ہی دیدی جگر نے آج پائے ناز پر عمر بھر کی بقراری کو قرار آ ہی گیا۔ یہ قصہ قطعاً صحیح ہے لیکن یہ قطعاً غلط ہے کہ آیت مذکورہ اس کے متعلق نازل ہوئی تھی کیونکہ یہ آیت اور پوری سورۃ الحج غزوہ بدر سے پہلے نازل ہوئی تھی ابو بکر نے نہ اس آیت کے معنی و مطلب پر دھیان دیا نہ اس کے سیاق کو دیکھا اور یہ بے بنی روایت کر ڈالی سلیمان تیمی کو ابو بکر نے بتایا کہ مجھے یہ بات قیس بن عباد سے معلوم ہوئی تھی اور قیس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور ابو بکر کو ابو بکر نے بتایا کہ مجھے یہ بات قیس بن عباد سے معلوم ہوئی تھی اور قیس کو حضرت ابوذر غفاری سے ابوذر نے قسم کھا کر کہا تھا کہ یہ آیت ان چھ اشخاص کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ابو بکر کو شاید یہ بھی معلوم نہ تھا کہ حضرت ابوذر نہ غزوہ بدر میں شریک تھے نہ غزوہ احد میں نہ غزوہ احزاب میں

پھر وہ جلیل القدر متقی صحابی ایسی بات قسم کھا کر کیسے کہہ سکتا تھا جس کا اسے کچھ علم نہ تھا جو نہ عقل سے ثابت ہے نہ نقل سے۔ فہم قرآن سے سلیمان تیمی وابو ہاشم کو کچھ تعلق ہوتا تو وہ ابو بکر کی بیان کردہ یہ بات اس کان سے سنتے اس کان سے اڑا دیتے مگر حدیث و روایت کے شوق نے انہیں اس کی روایت کرنے پر مجبور کر دیا۔ اور سلیمان تیمی نے یہ غضب ڈھایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا کہ انہوں نے فرمایا تھا: انا اول من یجتوب بن یدی الرحمن للخصومة یوم القیامة، یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر افتراء ہے۔ وہ ایسی بے تکی اور لایعنی بات نہیں کہہ سکتے تھے سلیمان تیمی کے تذکرہ میں لکھا ہے۔ کان ما نلا الی علی بن ابی طالب (تہذیب التہذیب) ہو سکتا ہے سلیمان کو اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت کا وہ جلوہ نظر آیا ہو جو ہماری چشم ہمارے مستور ہے۔

②۶ ان شاء اللہ کہنے کی فضیلت کے سلسلہ میں حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق حضرت ابو ہریرہ سے مروی ایک حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی روایت عبد الرحمن بن ہریرہ اعرج نے
 طاؤس یمانی نے اور محمد بن سیرین نے کی ہے۔

اعرج کی روایت

اعرج سے جعفر بن ربیعہ وابو الزناد (عبد اللہ بن ذکوان) نے جعفر کی روایت

صحیح بخاری کتاب الجہاد ص ۵۹۳ باب من طلب الولد للجهاد میں ہے اور
ابو الزناد کی روایت صحیح بخاری کتاب الانبیاء ص ۸۷۷ اور کتاب الایمان والندور
ص ۹۸۲ اور صحیح مسلم ج ۲ کتاب الایمان والندور میں اس روایت کا مضمون یہ ہے کہ
حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک دن فرمایا آج رات میں اپنی تمام بیویوں سے صحبت
کروں گا۔ نتیجہ میں ہر بیوی کو حمل رہے گا اور بیٹا جنے گی۔ وہ تمام بیٹے شہسوار
ہوں گے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے حضرت سلیمان کے ساتھی نے یہ سن کر کہا کہ
اِنْ شَاءَ اللہ کہہ لیجئے مگر حضرت سلیمان نے اِنْ شَاءَ اللہ نہ کہا۔ اپنے عزم کے مطابق
رات کو یکے بعد دیگرے سب بیویوں کے پاس گئے جو جعفر بن ربیعہ کی روایت کے
مطابق سو یا ننانوے (۹۹) تھیں اور ابو الزناد کی روایت کے مطابق نوے مگر ایک کے سوا کوئی حاملہ
نہ ہوئی۔ اس سے بھی آدھے دھڑکا بچہ پیدا ہوا روایت میں مذکور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھوں میں محمد کی جان ہے۔ اگر سلیمان نے اِنْ شَاءَ اللہ
کہا ہوتا تو ان کی خواہش کے مطابق (گھر کی فوج تیار ہو جاتی) ہر بیوی تندرست
لڑکا جنتی جو آگے چل کر شہسوار مجاہد ہوتا۔

طاؤس کی روایت

طاؤس سے ان کے فرزند عبداللہ بن طاؤس نے اور ہشام بن حجاب نے
روایت کی ہے۔ (۱) عبداللہ سے معمر بن راشد جزیری نے اس سے عبدالرزاق نے
اور عبدالرزاق سے امام احمد و عباس بن عبد العظیم عنہ نے اور محمود بن غیلان
و عبد بن حمید نے امام احمد کی روایت مسند ص ۲۷۵ پر ملے گی عباس کی
سنن نسائی کتاب الایمان والندور کے آخر میں دیکھیے محمود کی روایت صحیح بخاری
میں ہے (ص ۸۸ کتاب النکاح۔ (باب قول الرجل لا طوفن اللیلۃ علی نسائه)
اور عبد بن حمید کی روایت صحیح مسلم میں (ج ۲ کتاب الایمان والندور عبدالرزاق کی

بیان کی ہوئی کہانی بھی وہی ہے مگر عبدالرزاق کے ان چاروں تلامذہ کی روایات میں
 باہم کچھ اختلافات ہیں۔ (اول) احمد و عباس کی روایت کے مطابق یہ حدیث
 مرفوع ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی بات ہے اور محمود و
 عبد بن حمید کی روایت کے مطابق موقوف ہے حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ نہیں بتایا کہ یہ
 قصہ انہوں نے کس سے سنا تھا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا کسی اور
 یہ اختلاف یہ معنی رکھتا ہے کہ عبدالرزاق کو اس کا مرفوع ہونا یا موقوف ہونا اچھی طرح
 یاد نہ تھا اس لئے کبھی کبھہ دیا کبھی کبھہ (ثانی) محمود کی روایت میں ہے۔ فقال
 له الملك قل ان شاء الله، یعنی فرشتے نے حضرت سلیمان سے کہا ان شاء اللہ
 کہہ لو۔ لیکن عباس و احمد و عبد کی روایت میں فرشتے کا ذکر نہیں ہے۔
 (ثالث) چاروں کی روایت کے مطابق عبدالرزاق کی اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لو قال ان شاء الله لم يحسن وکان دس کالی حاجۃ
 محمود کی روایت میں دُر کا کی بجائے اُر جی ہے۔ یعنی اگر حضرت سلیمان نے ان شاء اللہ
 کہا ہوتا تو ان کی قسم نہ ٹوٹتی اور مقصد حاصل ہو جاتا۔ مگر اس حدیث کی کسی روایت
 میں بھی یہ نہیں ہے کہ حضرت سلیمان نے قسم کھا کر کہا تھا کہ آج رات میں تمام بیویوں
 کے پاس جاؤں گا پس قسم ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اگر تم کہو کہ
 کل میں ضرور ضرور سفر کروں گا۔ پھر کسی وجہ سے سفر نہ کرو تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ
 تم حانث ہو گئے تمہاری قسم ٹوٹ گئی۔ کیونکہ تم نے قسم کھائی ہی نہیں پھر یہ کیسے ہو
 سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیمان کو اس امر میں حانث
 قرار دیا ہو بلکہ اگر حضرت سلیمان قسم کھا کر بھی یہ بات کہتے تب بھی حانث نہ ہوتے
 کیونکہ اس کام کے کرنے کی قسم کھائی جائے جو انسان کے اختیار میں ہے اور ساتھ ہی متوقع
 نتیجہ کا بھی ذکر کیا جائے جس کا ظہور میں آنا اس کے اختیار میں نہ ہو اور قسم کھانے والا
 وہ کام کر لے جسے کرنے کی اس نے قسم کھائی ہے اور جو اس کے اختیار میں ہے

لیکن وہ نتیجہ نہ نکلے جس کی اسے توقع تھی تو وہ اپنی قسم میں جا بیٹ نہ ہوگا کسی شخص نے
 قسم کھائی کہ میں فلاں کھیت میں ایک من گیسوں بوؤں گا اور مجھے پچاس من کی پیداوار
 حاصل ہوگی اس نے اپنے قسم کے مطابق ایک من گیسوں بو دیئے لیکن پیداوار پچاس
 من نہ ہوئی تو وہ اپنی قسم میں حانت نہیں ہے کوئی شخص قسم کھا کر کہے کہ آج رات میں
 اپنی بیوی سے صحبت کروں گا اسے حمل رہ جائے گا اور بیٹا جنے گی قسم کے مطابق اس نے
 بیوی سے صحبت کی تو اس کی قسم پوری ہو گئی خواہ حمل نہ رہے یا رہے مگر بیٹی پیدا ہو۔
 پس یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”لَوْ قَالَ
 اَنْ شَاءَ اللّٰهُ لَمْ يَحْتَثْ فَرَمَایا ہو۔“ آنحضور کی طرف اس غیر معقول بات کی نسبت
 درست نہیں ہے یہ صرف عبدالرزاق یا مہمربا عبداللہ بن طاؤس کی فضول گوئی ہے۔
 (راجع) امام احمد و ترمذ بن غیلان کی روایت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیویاں
 پوری سو بتائی گئی ہیں اور غید بن حمید و عیاس عنبری کی روایت میں ستر (سبعین)
 ظاہر ہے کہ یہ اختلاف عبدالرزاق کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ معمر
 نے عبدالرزاق کو کیا بتایا تھا اور عبدالرزاق کے علاوہ کسی اور محدث نے معمر سے
 یہ حدیث روایت نہیں کی۔ مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر ہم یہ سمجھتے ہیں حتیٰ بجانب ہیں کہ
 عبدالرزاق کی بیان کردہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

(۲) ہشام بن جحیر سے سفیان بن عیینہ نے اور اس سے علی بن المہدینی اور ابن
 ابی عمر عدنی و محمد بن عباد نے روایت کی ہے علی بن المہدینی کی روایت صحیح بخاری
 میں ہے (ص ۹۹ کتاب الایمان والندور باب الاستثناؤ فی الایمان۔
 ابن ابی عمر اور محمد بن عباد کی روایت صحیح مسلم میں ہے جسے امام مسلم نے ابن ابی
 عمر کے الفاظ میں نقل کیا ہے۔

سفیان بن عیینہ کی یہ روایت مجموعی طور پر عبدالرزاق کی روایت کی طرح ہے
 مگر سفیان کے دونوں شاگردوں یعنی علی بن المہدینی و ابن ابی عمر کی روایتوں میں

تین توجہ طلب اختلافات ہیں۔ اول یہ کہ علی بن المہدی کی روایت حضرت ابو ہریرہ پر موقوف ہے اور ابن ابی عمر کی روایت مرفوع ہے یعنی اس میں تصریح ہے کہ یہ قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا۔ دوم یہ کہ علی بن المہدی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیویاں نوے بتائی ہیں (تسعين) اور ابن ابی عمر نے ستر (سبعين) سوم یہ کہ ابن المہدی کی روایت میں ہے کہ سفیان بن عیینہ نے اس میں ذکر کیا تھا کہ حضرت سلیمان کے صاحب (ساتھی) نے ان سے کہا کہ اِنْ شَاءَ اللہ کہہ لیجئے۔ ابن عیینہ نے ابن المہدی کو بتایا کہ صاحب سے مراد فرشتہ ہے۔ ابن عیینہ کی اس توضیح پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ ابن عیینہ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ صاحب سے مراد فرشتہ ہے کیا کسی نے موصوف کو خواب میں یہ بات بتائی تھی یا اسرائیلی صحیفوں میں سے کسی صحیفے میں پڑھی تھی یقیناً ایسا نہیں تو یہ توضیح محض ادعا ہے اور بے سرو پا رجحان الغیب بات ہے۔ اور ابن ابی عمر کی روایت میں فقال له صاحبہ او الملك قل اِنْ شَاءَ اللہ یعنی حضرت سلیمان سے ان کے ساتھی نے کہا یا فرشتہ نے۔ پس اگر یہ شک ابن ابی عمر کا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ابن ابی عمر کو ٹھیک یاد نہ تھا کہ سفیان بن عیینہ نے فقال له صاحبہ کہا تھا یا فقال له الملك کہا تھا۔ اور اگر یہ شک ابن عیینہ کی طرف سے تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ موصوف کو ٹھیک یاد نہ تھا کہ ہشام بن حجاز نے فقال له صاحبہ بیان کیا تھا یا فقال له الملك کہا تھا۔ یہ وجہ سفیان بن عیینہ کی اس بیان کردہ حدیث کو درجہ صحت سے ساقط کر دیتے ہیں۔

محمد بن سیرین کی روایت

ان سے ایوب سختیانی اور ہشام بن حسان نے روایت کی ہے ایوب سے وھیب بن خالد وحماد بن زید نے۔ وھیب کی روایت صحیح بخاری میں ہے (اصح سنن) (كتاب التوحيد باب في الهبة والامانة)

اس میں بیویوں کی تعداد مذکور نہیں ہے۔ اور حماد بن زید کی روایت صحیح مسلم میں ہے اس میں ہے۔ کان لسلیمان ستون امرأة، یعنی حضرت سلیمان کی بیویاں ساٹھ تھیں۔ اور ہشام کی روایت مسند احمد میں ہے۔ (مسند ص ۵، ۶) اس میں پوری سو بیویاں مذکور ہیں۔ اور بہر طریق محمد بن سیرین کی یہ روایت موقوف ہے یعنی حضرت ابوہریرہ نے یہ قصہ بیان کیا تھا یہ بتائے بغیر کہ انہیں یہ قصہ کس پرستی سے معلوم ہوا تھا۔

پس حضرت ابوہریرہ سے یہ حدیث اعرج نے طاؤس نے اور محمد بن سیرین نے روایت کی ہے اعرج کی روایت مرفوع ہے مگر بیویوں کی تعداد کے بارے میں مضطرب جعفر بن ربیعہ نے سوا یا ننا نوے تعداد بتائی ہے اور ابو الزناد نے سناوے اور طاؤس کی روایت وقف و رفع میں بھی مضطرب ہے اور بیویوں کی تعداد میں بھی کسی نے پوری توثیق نہیں کسی نے شتر کسی نے نوے۔ ابن سیرین کی روایت موقوف ہے اور ذکر عدد میں مضطرب کبھی پوری بیویاں بتائیں کبھی ساٹھ اس حدیث کے ان اختلافات کو حل کرنا ممکن نہیں ہے۔ لہذا اصول روایت کے لحاظ سے یہ حدیث درجہ صحت سے ساقط ہے اور درایت اس کے باطل ہونے کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ اس میں بیویوں کی کم از کم تعداد ساٹھ مذکور ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ انتہائی قوی سے قوی مرد بھی ایک عمارت میں یکے بعد دیگرے ساٹھ عورتوں سے جماع کرے۔ یہ کہانی صدر اول کے بعض واعظین نے ان شاء اللہ کہنے کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے وضع کی تھی اور اس لائق نہ تھی صحیح بخاری صحیح مسلم میں اسے ثبت کیا جاتا۔

(۲۷)

خدمت نبوی میں جنات کے حاضر ہونے سے انکار جو صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے

محدث ابو عوانہ نے ابوشمر جعفر بن ایاس سے اس نے سعید بن جبیر سے
سعید نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ
انطلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی طائفة من اصحابہ عامدین الحب
سوق عکاظ وقد حیل بین الشیاطین و بین خبر السماء و ارسلت علیہم الشہب
فرجعت الشیاطین فقالوا ما لکم۔ قالوا حیل بینا و بین خبر السماء و ارسلت
علینا الشہب۔ قالوا ما حال بینکم و بین خبر السماء و الا ما حدث فاضربوا
مشارك الارض و مغاربہا۔ فانظروا ما هذا الامر الذی حال بینکم و بین
خبر السماء۔ فانطلقوا فضربوا مشارق الارض و مغاربہا ینظرون
ما هذا الامر الذی حال بینہم و بین خبر السماء۔ قال فانطلق الذین
وجہوا نحو تہامة الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و هو عامد الی
سوق عکاظ و هو یصلی باصحابہ صلاة الفجر فلما سمعوا القرآن
تسمعون الہ۔ فقالوا هذا الذی حال بینکم و بین خبر السماء فہناک
ارجعوا الی قومہم فقالوا یا قومنا انا سمعنا قرانا عجبا یہدی الی الرشہ
فامنا بہ ولن نشک ربنا احدا۔ و انزل اللہ تعالیٰ علی نبیہ۔ قل
ارحی الی انہ استمع لفرین الجن و انما اوحی الیہ قول الجن

(صحیح بخاری م کتاب التفسیر سورة الجن) (وج ۱ ص ۶) کتاب الصلاة باب الجهر
بقراءة صلاة الفجر)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب اس قول کا حاصل یہ ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند اصحاب کے ساتھ بازار عکاظ کا قصد کر کے مکہ سے روانہ ہوئے
اور صورت حال یہ تھی کہ شیاطین جو کچھ آسمانی خبر سن بھاگتے تھے اب ان کے لئے اس
کی کوئی صورت نہ رہی تھی شیاطین اور آسمانی خبر کے درمیان زبردست روک
لگا دی گئی تھی۔ جو شیاطین عالم بالا کی سن سن لینے کے لئے آسمان کی طرف جاتے
ان پر شہاب ثاقب چھوڑ دئے جاتے اسی دوران میں شیطانوں کی ایک ٹولی آسمانی
خبر سننے کے لئے روانہ ہوئی مگر انہیں ناکام و بے نیل حرام اپنی برادری میں واپس آنا پڑا
انہوں نے قوم کو بتایا کہ اب ہمیں کوئی آسمانی خبر معلوم ہو سکنے کا امکان نہیں رہا۔ ہمارے
اور اس کے درمیان زبردست روک لگا دی گئی ہے اور ہم پر شہاب ثاقب چھوڑ دیا
جاتے ہیں۔ تمام شیاطین کو اس کی وجہ معلوم کر سکنے کا تجسس ہوا۔ ان کی رائے میں
روئے زمین پر کوئی نئی بات رونما ہونا اس کی وجہ تھا۔ اس لئے طے کیا کہ ہمیں الگ الگ
ٹولیوں میں پوربہ کچھ جا بجا کر اس نئی بات کا سراغ لگانا چاہیے۔ اس قرار داد کے
مطابق شیاطین کی ٹولیاں مختلف سمتوں میں روانہ ہو گئیں۔ ان میں سے ایک ٹولی کا گذر
”بطن نخلہ“ میں اس وقت ہوا جب نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاظ جاتے
ہوئے بطن نخلہ میں رات گزاری تھی اور اپنے اصحاب کو نماز فجر پڑھا رہے تھے۔ آپ کی
قرأت کی آواز سنی تو قریب آگئے کان لگا کر آیات قرآن سنیں اور اس نتیجہ پر پہنچ گئے
کہ اسی کلام کی وجہ سے ہم پر آسمانی خبر معلوم ہو سکنے کی راہ قطعاً مسدود کر دی گئی ہے
قرأت قرآن ختم ہو جانے کے بعد وہ شیاطین اپنی قوم کو یہ نہایت اہم اطلاع دینے کے لئے
واپس ہو گئے و انہیں بتایا کہ اے برادران قوم، ہم نے ایک حیرت انگیز پڑھنے کے لائق
کلام سنا ہے جو بھلائی کی راہ دکھاتا ہے تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے

اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیات اتاریں۔ قل اوحی الیّ اُمّہُ اُسْتَمِعْ نَعْمَ الْجَنّ اِلٰہ
اس آیت میں جس گروہ جنات کا ذکر ہے اس کی براہِ راست آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم
سے ملاقات نہیں ہوئی ان کا یہ قصہ ادران کا باہمی مکالمہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو
وحی حق کے ذریعے بتایا گیا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے یہ نہیں بتایا کہ مددِ وحی نے یہ قصہ کس سے
سنا تھا جس وقت کا یہ قصہ ہے شاید وہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اور خورِ حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے سنا ہوتا تو ضرور بتاتے کہ میں نے یہ قصہ آنحضور صلی اللہ
علیہ وسلم سے سنا ہے حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابن عباس نے ان باتوں میں سے جو
اس حدیث میں مذکور ہیں بعض باتیں دیگر صحابہ سے سُنی تھیں اور بعض باتیں خود اپنے
فہم و قیاس سے کہہ دی تھیں۔ عام مسلمانوں میں یہ بات معلوم و معروف تھی کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے قبل جب مکہ میں تھے تو ایک بار چند اصحاب کے ساتھ لے کر عکاظ
بازار میں بغرض تبلیغ تشریف لے گئے تھے۔ عکاظ میں پھر ذوالحجۃ و ذوالحجّاز میں ماہ
ذی قعدہ و ذی الحجہ میں بازار لگا کرتا تھا۔ ماہِ حرام ہونے کی وجہ سے دُور دُور سے
لوگ ان میلوں میں تجارت وغیرہ کے لئے آیا کرتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان
بازاروں میں تشریف لے جاتے اور لوگوں کو دعوتِ حق دیتے اگرچہ ابولہب وغیرہ
عموماً کسی کو آپ سے ملاقات نہ کرنے دیتے تھے۔ عکاظ کے راستہ میں نخبہ
نامی ایک مقام پڑتا تھا رات کو آپ نے وہیں قیام فرمایا۔ صبح کو اول وقت نماز فجر
پڑھی قرآن کریم کی قرأت سن کر کچھ جنات آگئے اور متاثر ہوئے بعد نماز انہوں نے
آپ سے ملاقات کی اور مشرف بہ اسلام ہو کر اپنی قوم میں واپس پہنچ کر آپ کا
اور قرآنِ عزیز کا ذکر خیر کیا اور انہیں بھی ایمان لے آئے اور آپ کی پیروی اختیار
کر لینے کی فہمائش کی پھر وقتاً فوقتاً جنات کے متعدد و فود حاضر خدمت ہو کر
فیضیاب ہوئے ہیں۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس مشہور عام قصہ کے ایک جز کو تو صحیح مانا اور تسلیم کیا اور ایک جز کو خواہ مخواہ کی افواہ قرار دے کر تردید فرمادی۔ تسلیم اس بات کو کیا کہ واقعی مقام نخلہ میں نماز فجر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم سن کر جنات متاثر ہوئے تھے اور تردید اس بات کی کہ پھر وہ آپ سے ملے اور بالمشافہ گفتگو کی۔ تردید کی وجہ ان کے نزدیک یہ تھی کہ قرآن کریم میں یہ قصہ دو جگہ مذکور ہے سورة الاحقاف ع ۴۶ پارہ ۲۶ میں اور سورة الجن ع ۱۰ پارہ ۲۹ میں لیکن دونوں جگہ یہ مذکور نہیں کہ وہ جنات آپ سے ملے تھے۔ سورة الاحقاف میں ہے۔ فَلَمَّا قُضِيَ وَلُوا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مِّنْ ذَرِينِ۔ یعنی جب قرأت قرآن ختم ہو گئی تو وہ جنات اپنی قوم کی طرف واپس ہو گئیں۔ اور سورة الجن کے آغاز میں ہے۔ قُلْ أَوْحَىٰ إِلَيَّ أَنَّهُ السَّمْعَ نَفْرٍ مِنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا (اے نبی لوگوں کو بتادے کہ میری طرف وحی فرمائی گئی ہے کہ جنات میں سے ایک گروہ نے کان لگا کر سنا تو) (آپس میں) کہا بے شک ہم نے پڑھنے کے لائق عجیب کلام سنا ہے پس جنات کا توجہ سے قرآن سنانا سن کر اس کے متعلق حسن تاثر کا اظہار اور اس پر ایمان لے آنے کا ذکر کرنا اور اپنی قوم کو نصیحت کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے معلوم ہوا تھا۔ اگر انہوں نے آپ سے ملاقات کی ہوتی اور رو بہ رو ہو کر ایمان لائے ہوتے اور حسن تاثر کا اظہار کیا ہوتا تو یہ آپ کے لئے چشم دید و گوش شنید واقعہ ہوتا۔

میں کہتا ہوں کہ اگر حضرت ابن عباس مزید غور و فکر سے کام لیتے تو شاید ان پر اپنے استدلال کی کمزوری واضح ہو جاتی کیونکہ ان جنات نے جو فامنا بد کہا تھا (پس ہم اس پر ایمان لے آئے) تو اس سے مراد انشائے ایمان نہیں بلکہ اخبار ایمان تھا۔ یعنی جیسے کوئی غیر شخص دین اسلام میں داخل ہوتے وقت امنت باللہ و ملتکتہ و کتبہ و رسلہ الخ کہتا ہے (ایمان لایا میں اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر) اور یہ انشائے ایمان ہوتا ہے تو ان جنات نے اپنی قوم سے اس طرح امنت بد نہیں کہا تھا بلکہ جیسے

کوئی جانا پہچانا پرانا مسلمان لوگوں کے سامنے اُمنت باللہ ورسولہ (ایمان لایا ہوں اللہ اور اس کے رسول پر) کہہ کر اپنے مؤمن ہونے کی خبر دیتا ہے اور اس ایمان کا اظہار کرتا ہے جو اسے پہلے سے حاصل ہے اسی طرح ان خوش نصیب جنات نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اپنی قوم میں جا کر اِنَا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الْرِشْدِ فَاْمْتَابَدَ کہہ کر خبر دی تھی کہ ہم نے ایک عجیب پڑھنے کے لائق سلام سنا ہے جو بھلائی کی راہ دکھاتا ہے تو ہم تو اس پر ایمان لا چکے ہیں پس وہ قوم کے سامنے یہ کہہ کر ایمان اختیار نہیں کر رہے تھے بلکہ قوم کو اپنے مؤمن ہو جانے کی خبر دے رہے تھے اور مقصد ان کا یہ تھا کہ جیسے ہم اس پر ایمان لا چکے ہیں تمہیں بھی اس پر ایمان لے آنا چاہیے۔ اور ان مؤمن جنات کا اپنی قوم میں واپس جا کر انہیں تبلیغ حق کرنا اور ایمان کی دعوت و ترغیب دینا بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے وحی سے ہی معلوم ہوا تھا آپ کا آنکھوں دیکھا ماجرا نہ تھا اور اَوْحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ السَّمْعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ كَا مُطْلَب یہ نہیں ہے کہ یہ وحی آپ پر جنوں کے قرآن سننے اور ایمان لے آنے کے کچھ دنوں بعد نازل ہوئی تھی۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے جس میں آپ کی تلاوت جنات نے سنی تھی تبھی آپ کو وحی کی گئی کہ جنات کا ایک گروہ کلام پاک سے متاثر ہوا ہے۔ یہ وحی اس لئے فرمائی گئی تھی کہ آپ خود کو ان سے ملاقات اور گفتگو کے لئے آمادہ کر لیں اور اپنے اصحاب سے خلوت میں مجاہدیں کہ وہ جنات آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کر سکیں۔

یہ تو حضرت ابن عباس کے استدلال کا جواب ہوا۔ رہی وہ دلیل جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ گروہ جن حاضر خدمت ہو کر ایمان لایا تھا اور آپ سے ضروری استفادہ کر کے اپنی قوم میں واپس ہوا تھا تو وہ یہ ہے کہ جس حسن و جامعیت کے ساتھ اس نے اپنی قوم کے سامنے دعوت حق رکھی تھی جیسا کہ سورۃ الاحقاف میں ہے اور جس خوبی کے ساتھ ان بد عقیدہ گروہوں اور برائیوں پر نقد کر کے جن میں عام جنات مبتلا تھے ان سے

باز آجانے کی فہمائش کی تھی جیسا کہ سورۃ الجن میں ہے وہ محض چند آیات قرآن سن لینے کا نتیجہ نہیں ہو سکتا تھا۔ آیات قرآن سننے سے تو انہیں یہ یقین حاصل ہوا تھا کہ یہ کلام حق اور راہ مستقیم کا رہنما ہے اور جس ہستی پر نازل ہوا ہے وہ غیر معمولی ہستی ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح اللہ کا رسول ہے بلاشبہ اس یقین نے انہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے کے لئے بے تاب کر دیا تھا تو وہ آپ سے ملے بغیر کیسے واپس ہو سکتے تھے۔ پھر سوچیے تو سہی ان کا اپنی قوم سے اُجیبو اُداعی اللہ سے۔

(اللہ کے داعی کی دعوت قبول کرو) کہنا اسی صورت میں تو معقول ہو سکتا تھا کہ خود انہوں نے اس کی دعوت قبول کر لی ہو اور چونکہ ان جنات کا خدمت نبوی میں حاضر ہو کر استفادہ کرتا۔ خود ہی سمجھ میں آجانے والی حقیقت تھی اس لئے قرآن مجید میں اس کا لفظ اذکر نہیں ہے اور اشارۃ النص سے ثابت ہونے والی بات بھی اسی طرح حق اور ناقابل انکار ہے جیسے عبارت النص سے ثابت ہونے والی بات حق اور ناقابل انکار ہے۔

اس کے بعد یہ سمجھیے کہ حضرت ابن عباس نے ان جنات کے متعلق یہ جو کہا ہے کہ یہ ان شیاطین میں سے ایک ٹولی تھی جو پورب کچم کے علاقوں میں یہ کھوج لگانے کے لئے نکلے تھے کہ وہ سب کیا ہے جس کی وجہ سے آسمانی خبر کا حصول ہمارے لئے ناممکن کر دیا گیا ہے۔ یہ ٹولی اتفاقاً بطنِ نخل پہنچ گئی۔ آیات قرآن سن کر وہ سمجھ گئے کہ اس رسول کی بعثت اور اس پر قرآن کا نزول ہی وہ سبب ہے یہ سراغ لگا کر وہ شیاطین آپ سے ملے بغیر اپنی قوم میں واپس ہو گئے اور انہیں اس صورتِ حال سے مطلع کر کے ایمان لے آنے کی ترغیب دی،، نو ابن عباس نے یہ سب کچھ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا نہ کسی صحابی سے بلکہ سورۃ الجن کی ان آیات سے اخذ کیا تھا۔ **وَإِنَّا لَمُسَوِّدُوا فَوْجًا نَّالَهَا مَلَأْتُ حَرًّا شَدِيدًا وَشَرَّهَا وَأَنَا لَنَا نَقَعْدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلشَّيْءِ فَمَنْ يَسْتَعِ الْآنَ يَجِدُ لَهُ شَرَّهَا بَاسَرًا صَدًّا۔** مگر ان آیات کا کوئی لفظ اور کوئی حرف یہ نہیں بتانا کہ ایمان لے آنے والے جنات کی یہ ٹولی اس سبب کا کھوج لگانے کے لئے نکلی تھی

اور نہ ان آیات میں اس کا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ اشارہ ہے کہ اس سبب کا سراغ لگانے کے لئے شیاطین کی ٹولیاں دوڑ دھوپ کر رہی تھیں پس ابن عباس کی یہ بات محض بے ثبوت ہے اور ایک مرتج غلطی جنات و شیاطین کو ایک سمجھ لینا ہے۔ قرآن میں تو جنات کا ذکر ہے اور ابن عباس نے شیاطین کا ذکر کیا ہے۔ ان عقیل و فہیم و مؤمن جنات کو شیاطین بتانا درست نہیں ہے شیاطین کا مصداق تو وہ ضدی و معاند اور مخالفان حق بندے ہیں جو خود بھی گمراہ و غلط کار ہوں اور دوسروں کو بھی گمراہ و غلط کار بنانے کے چکر میں رہتے ہوں۔ وہ انسانوں میں سے بھی ہوتے ہیں اور جنات میں سے بھی اس کے بعد سورۃ الاحقاف و سورۃ الجن کی آیات کی تفسیر اختصار کے ساتھ پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سورۃ الاحقاف میں ہے - (۱) **وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفْرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ** اور (یاد کرائے نبی) جب ہم نے تیری طرف جنوں میں سے ایک ٹولی کو پھیر دیا حال یہ ہوا کہ وہ کان لگا کر قرآن سن رہے ہیں۔ **فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنصِتُوا** پس جب وہ اس کے پاس آئے۔ یعنی اس جگہ جہاں آپ قرآن پڑھ رہے تھے۔ تو بولے خاموشی سے سنو۔ **كَيْسَادَ لَيْلَىٰ وَبِرَّحَ قَلَامٍ هَـۥ** فلما قضیٰ ولوا الی قومہم منذرین پس فراغت ہو گئی تو انہوں نے اپنی قوم کی طرف رخ کیا حال یہ کہ وہ غلط روئی کے برے انجام سے خبردار کرنے والے تھے یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت قرآن سے فارغ ہوئے تو وہ جنات آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور دین حق کی بنیادی باتیں سیکھیں تب اپنی قوم میں واپس گئے اور انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و دعوت سے اور آپ پر نازل ہونے والے قرآن کی عظمت و اہمیت سے آگاہ کر کے انہیں آپ پر ایمان لانے اور دعوت حق پر لبیک کہنے کی نصیحت کی چنانچہ ارشاد ہے - (۲) **قَالُوا اٰیْقُوْا مِنَّا اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اَنْزَلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوسٰی مَصَدِّقًا لِّہَا بَیِّنٰتٌ یَّہْدِیْہٖ اِلَی الْحَقِّ وَ اِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ** انہوں نے کہا اے ہماری قوم بے شک ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد اتاری گئی ہے تصدیق کرنے والی

(۴) یَقَوْمَنَا أَجِیْبُوا دَاعِیَ اللّٰهِ وَأَمِنُوا بِهِ یَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَیُخْرِجْكُمْ مِنْ عَذَابِ الْبُیْرِهِ اے برادران قوم اللہ کے داعی یعنی رسول کی بات مانو اور اس پر ایمان لے آؤ۔ اللہ تمہیں بخش کر تمہیں تمہارے گناہوں سے پاک صاف کر دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے پناہ دے گا۔۔۔ اس میں یَغْفِرُ لَكُمْ کے معنی کو متفہم اور یہ آیتیں بتا رہی ہیں کہ اپنی قوم کو نصیحت کرنے والے ان جنات نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی دعوتِ حق قبول کی تھی ایسا نہ تھا کہ بس قرآن سن کر آپ سے ملے بغیر واپس جا کر مصروفِ تبلیغ ہو گئے ہوں۔ اور سورۃ الجن میں ہے۔ قُلْ أَوْحَىٰ إِلَیَّ آلَہُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ اے نبی لوگوں سے کبہ میری طرف وحی کی گئی کہ جنات میں سے ایک گروہ نے کان لگا کر قرآن سنا ہے، پس ان سے ملاقات کرنے اور انہیں دین کی ضروری باتیں بتانے کا اہتمام ہونا چاہیے اس اشارہ حق کے مطابق آپ نے انہیں باریاب و فیضیاب ہونے کا موقع دیا

تب اپنی قوم میں واپس گئے تو قوم سے خطاب کرتے ہوئے.. فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا
عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۖ مَا بُولَے کہ ہم نے ایک حیرت انگیز پڑھنے کے لائق
کلام سنا ہے جو بھلائی اور سوچ بوجھ کی راہ دکھاتا ہے تو ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں۔
اور اس کے بعد جو باتیں یہاں سورۃ الجن میں مذکور ہیں اور جو باتیں سورۃ الاحقاف میں بیان ہوئی
ہیں انہیں ایک مربوط تقریر سمجھنا چاہیے اور ظاہر ہے کہ یہ تقریر ان میں سے ایک صاحب
ہی کی تھی باقی ساتھی اس کے مؤید تھے۔ سب کے سب ایک ساتھ نہ بولے تھے مقرر نے
کہا بھائیو اس سفر میں ہم نے بڑا حیرت انگیز پڑھنے کے لائق کلام سنا ہے۔ سوچ بوجھ
کی راہ دکھانے والا موسیٰ علیہ السلام پر جو جامع کتاب ہدایت اتاری گئی تھی اس کے بعد
اسی انداز کی یہ کتاب اتری ہے۔ ہم اس پر ایمان لا چکے یعنی اس کی حقانیت کا دل سے
یقین اور زبان سے اقرار کر چکے ہیں ہم نے اسے سن کر اس عظیم ہستی سے ملاقات کی جتنی
یہ کلام نازل ہوا ہے اور جیسے اللہ نے اب بندوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا ہے۔
اس سلسلے میں ہم قوم سے چند باتیں بیان کر دینا چاہتے ہیں (۱) ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا
شریک نہ مانیں گے (۲) ہمارے رب کا اقتدار بڑا بلند ہے اس کی ذات پاک کی طرف
بیوی اور فرزند کی نسبت نہایت غلط اور نازیبا ہے۔ اس لئے حضرت مریم اور ان کے
فرزند مسیح بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ہم اپنی بد عقیدگیوں سے تائب ہو چکے ہیں
(۳) قرآن سن کر ہمیں پتہ چلا کہ ہم نے دین میں جن مقتداؤں کی تقلید کی ہے انہوں نے
ہمیں اللہ کے متعلق جو باتیں بتائی تھیں وہ صحت و معقولیت سے تعلق نہیں رکھتیں جیسے
ابنیت کا عقیدہ کفارہ کا عقیدہ تثلیث کا عقیدہ (۴) گمراہ کن پیشواؤں کی تقلید میں
ہم سادہ لوحی اور اس غلط فہمی کی وجہ سے پڑے کہ ہم نے ان کے تلقین کردہ عقائد
کے علم بردار انسان بھی پائے اور جن بھی۔ ہم نے خیال کر لیا کہ یہ اکابر ایسے نہیں ہیں کہ
اللہ کے متعلق کوئی غلط بات بتائیں۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق غلط بیانی کرنے کی مجال نہ انسانوں
کو ہو سکتی ہے نہ جنات کو اس لئے ہمارے پیشوایان دین جو کہتے ہیں ٹھیک ہی کہتے ہیں۔

اس خوش فہمی کی وجہ سے ہم نے ان کے تلقین کئے ہوئے عقائد بے سوچے سمجھے قبول کر لیے اب قرآن سننے سے ہماری وہ غلط فہمی دور ہو گئی اور یقین ہو گیا کہ ان مقتداؤں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔

(۵) آپ حضرات اس پر بھی غور کریں کہ انسانوں اور جنوں میں باہم تعلق کیسے ہوا حالانکہ دونوں مخلوق الگ الگ ہیں۔ اس تعلق کی ابتدا انسانوں کی حماقت سے ہوئی۔ انہوں نے جنات کو اللہ کا قرابت دار گمان کر لیا اس خام خیالی کے تحت وہ جنات کو پوجتے اور انہیں خوش کرنے کے لئے طرح طرح کی بھٹیئیں اور قسم قسم کے نذرانے پیش کر کے ان سے اپنی مدد و حفاظت کی التجا کیا کرتے تھے ان انسانوں کی عقیدت اور پرارتھنا نے جنات کو مغرور کر دیا اور انسانوں کی پرستاری کو برقرار رکھنے کے لئے وہ بھی ان کے پاس آنے جانے اور ان کے کام آنے لگے کبھی قال بتا رہے ہیں کبھی چوری کا کیس حل کر رہے ہیں کبھی آئندہ کے متعلق پیشیں گولی جھاڑ رہے ہیں کبھی راز کی باتیں فاش فرما رہے ہیں کبھی گم شدہ چیز کا سراغ دے رہے ہیں۔ اس طرح انسانوں کی اس حماقت نے جنات میں خدائی کا کبر و غرور پیدا کر دیا (۶) اور تم جنات کی طرح تمہارے پجاری انسانوں کا بھی گمان یہ تھا کہ عوام کو جیسے چاہیں اُلو بنائیں کوئی شخص اللہ کی طرف سے آکر ہماری غیب دانی و خدائی کی پول کھولنے والا نہیں ہے (۷) اور ہم جنات کو اپنا اور اپنے پجاری انسانوں کا بھرم رکھنے کے لئے یہ محنت کرنی پڑتی تھی کہ عالم بالا کچھ سن گن لیں اور جو بات وہاں سے کان میں پڑے نمک مرچ لگا کر اسے اپنے پجاری انسانوں کو بتادیں وہ اسے مزید مصالحہ دار بنا کر لوگوں کو بتائیں تاکہ ہمارے لئے نذرانہ اور پوجا کے تحفے ملنے کا دائرہ اور وسیع ہو جائے (۸) مگر دیکھو ہمارے سنگھاسن ڈول رہے ہیں اب کسی جن کی مجال نہیں کہ عالم بالا سے کوئی بات اچک لائے کوئی ثابت زدہ جائے گا تو اس کی گھات میں لگا ہوا شعلہ اسے بھسم کر ڈالے گا۔ (۹) ہماری غیب دانی کا مدار تو اسی پر تھا ورنہ فی الواقع ہم جنات کو ذرا بھی غیب کا علم نہیں

ہم نہیں جانتے کہ زمین میں کیا ہونے والا ہے کوئی آفت برپا ہوگی یا خیر و برکت کا ظہور ہوگا
ان ہی آسمانی معلومات کی بنیاد پر ہماری غیب دانی و خدائی کا قلعہ قائم تھا جو ہمیں چوری
چھپے سننے سے حاصل ہو جایا کرتی تھیں اب قلعہ ہمارے ہونے سے نہیں بچ سکتا لہذا
اب ہمیں غرور و پندار کی قبر سے نکل کر حقائق کی دنیا میں جھانکنے کی ضرورت ہے۔

(۱۰) ہم جنات میں سے بعض نیک ہیں بعض بد ہم الگ الگ راستوں پر گامزن تھے
اب اللہ نے اپنی رحمت سے ہمارے اختلافات ختم اور سب نیک حال و نیک مال ہو جانے کی
صورت پیدا کر دی ہے (۱۱) اللہ کی حجت قائم ہو جانے کے بعد ہم راہِ راست اختیار کریں
تو مستحقِ عذاب ہوں گے اور ہمارا خیال یہ کہ اس کی گرفت سے بچ سکنے کی کوئی تدبیر ہم نہ
کر سکیں گے آپ لوگوں میں سے کسی کی سمجھ میں کوئی ایسی تدبیر و حیلہ مری آرہی ہو تو بتائے
پس ہم سب کو راہِ راست اختیار کر لینے کی ضرورت ہے (۱۲) وہ راہِ راست یہ ہی ہے کہ
ہم نے اللہ کی نازل کی ہوئی ہدایت سنی تو اس پر ایمان لے آئے۔ یہ ہی تم سب کا کردار۔

اب ناظرین اس نہایت دل پذیر تقریر کو آیات قرآن میں پڑھیں۔ ارشاد ہے کہ ان مؤمن
جنوں نے قوم سے کہا وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا اور ہم گنہگار اپنے رب کے ساتھ
کسی کو شریک نہ مانیں گے۔ وَانَّهُ تَعَالَىٰ جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا
وَلَدًا۔ نیز انہوں نے ذکر کیا کہ ہمارے رب کا اقتدار بڑا بلند ہے۔ نہ اس نے
کسی کو اپنی بیوی بنایا نہ بیٹا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ جنات مذہبِ عیسائی تھے
اور انہوں نے اس رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ سورتیں سنی تھیں جن میں
عیسائیوں کی اس بد عقیدگی کو رد کیا گیا ہے۔

وَانَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا۔ اور یہ کہ ہمارا کم عقل گروہ اللہ
پر بہتان باندھ کر حد سے گزری ہوئی بات کہتا تھا۔ سَفِيًہ سے مراد پارہ رویوں کا
گروہ ہے جنہوں نے عوام کو بتایا ہے کہ یسوع مسیح کی شکل میں اللہ نے دنیا میں اپنا اکلوتا
بیٹا بھیجا تھا۔ آدم و حوا نے جو گناہ کیا تھا وہ نسل در نسل تمام مردوں اور عورتوں کے

ذمہ لگا چلا آتا تھا۔ نوع انسانی کو اس گناہ سے نجات دینے کے لئے خدا کا بیٹا مسوع مسیح
 سولی پر چڑھا۔ اور خدا کے تین اقنوم ہیں۔ باپ بیٹا روح القدس۔ یہ تین ایک ہیں۔
 اور ایک تین ہے بھلا ان عقائد کا معقولیت سے کیا تعلق۔ وَ اَنَا ظَنَنَّا اَنْ لَّنْ نَقُولَ
 الْاِنْسَی وَ النِّجْنِ عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا، اور یہ کہ ہم نے خیال کر رکھا تھا کہ انسان
 اور جن اللہ کے متعلق کوئی غلط بات ہرگز نہ کہیں گے، ہماری اسی خوش فہمی نے
 اندھی تقلید کے جال میں پھانس دیا تھا۔ وَ اِنَّہٗ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِی
 یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَاِذَا دُوْهُمْ رَفَقًا، اور یہ کہ انسانوں میں سے
 کچھ اشخاص جنوں میں سے کچھ اشخاص کی پناہ لیا کرتے تھے تو انہوں نے ان کے پاس آمد و رفت
 بڑھادی تھی۔ وَ اَسْأَلُہُمْ ظَنُّوْا کہ اظننتم اَنْ لَّنْ یَبْعَثَ اللّٰہُ اَحَدًا۔
 اور یہ کہ ان انسانوں نے گمان کر رکھا تھا جیسا کہ تم جنوں نے گمان کر رکھا تھا کہ اللہ
 کسی (رسول کو) نہ بھیجے گا۔ تمہارے پجاری انسانوں کے توسط سے تمہاری خدائی کا
 ڈنکائیوں ہی بجاتا رہے گا۔ وَ اَنَا لَمِنَ السَّمَاوٰتِ فَوَحِشٌ نَّاهَا مَلِیْتُ سِرًّا
 مَّشْرِیْدًا وَ شَرُّہَا، اور یہ کہ ہم نے آسمان کی جستجو کی تو ہم نے اسے پایا کہ سخت
 پیرے اور شعلوں سے بھر دیا گیا ہے۔ وَ اَنَا لَنَّا لَقَعُکُمْ مِنْہَا مَقَاعِدٌ لِلسَّمْعِ
 فَمَنْ یَسْمَعُ اِلَّا اَنْ یَّجِدَ لَہٗ شَرًّا بَاْرَصِدًا، اور یہ کہ ہم سطح آسمان سے قریب کچھ
 ٹھکانوں میں جا بیٹھتے تھے سُننے کے لئے پس اب جو وہاں پہنچ کر سُننے تو ایک شعلہ سوزان
 تیار پائے۔ یعنی اب کسی جن کا کچھ سن لینا ممکن نہ رہا اور ہم جنات کی غیب دانی کا مدار
 اسی پر تھا۔ وَ اَنَا لَا نَذَرُی اَشْرًا رِّیْدُکَ یَہِیْءُ فِی الْاَرْضِ اِمَّا اَرَادَ بِہُمْ رِہْمًا
 اور یہ کہ ہم نہیں جانتے کہ آیا کوئی برائی ہے جسے باشندگان زمین کو پہنچانے کا قصد
 کیا گیا ہے یا ان کے رب انہیں بھلائی پہنچانے کا قصد فرمایا ہے۔ واضح رہے کہ ان آیات میں
 مؤمن جنات کے بیان میں جمع متکلم (ہم) حکمت تبلیغ کی غرض سے ہے جیسے کوئی
 مبلغ اسلام اُت پرستوں سے کہے کہ بھائیو اللہ نے ہمیں پیدا کیا وہی ہمارا رازق ہے

مگر ہم کیسی بے وقوفی کر رہے ہیں کہ اسے چھوڑ کر بے جان مورتیوں کو پوجتے ہیں جنہیں خود ہم نے اپنے ہاتھوں سے تراشا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ مبلغ خوربت پرستی و بت تراشی کی حماقت میں مبتلا نہیں ہے بلکہ اس کے مخاطب لوگ اس میں مبتلا ہیں مگر یہ طرز کلام اس سے زیادہ مؤثر ہے کہ وہ ان سے کہے تم کیسے بیوقوف ہو کہ بتوں کو پوجتے ہو جنہیں خود تمہارے ہاتھوں نے تراشا ہے بے شک مبلغ کا مقصور یہ ہی لیکن وہ "تم" کی بجائے ہم۔ اپنی نصیحت کو زیادہ مؤثر بنانے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے ان آیات کا صحیح مطلب سمجھنے میں یہ ہی چوک ہو گئی تھی کہ وہ یہ گمان کر بیٹھے کہ ان میں ایمان لے آئے والے جنات نے خود اپنے اعمال کا ذکر کیا تھا۔ یہ مؤمن جنات ذکی و فہیم اور ادب شناس بندے تھے ان کا حسن ادب دیکھئے کہ شرکی اسناد اللہ کی طرف نہیں کی رشد کی اسناد اس کی طرف کی ہے۔

وَإِنَّا مِنَّا الصَّالِحُونَ وَمِتَادُونَ ذَلِكَ كُنَّا طَائِفًا قِدَادًا، اور یہ کہ ہم میں سے بعض نیک و لائق ہیں اور بعض اس مرتبہ سے گزرے ہوئے ہیں ہم جبراً ہمارا سنوئے تھے۔ وَإِنَّا ظَنَنَّا أَنَّ لَنْ نَحْجِزَ اللَّهُمَّ فِي الْأَرْضِ وَلَنْ نَعْلُجَ جَزْءَهُ هَرَبًا، اور یہ کہ ہم سمجھ لیا کہ ہم زمین میں اللہ کو نہ ہرا سکیں گے (کسی تہ خانہ میں رو پوش ہو کر) اور نہ اسے ہرا سکیں گے بھاگ کر۔ وَإِنَّا لَهَا سَمِعْنَا الْهَدَىٰ أَمَنَّا بِهِمْ فَمِنْ يَوْمٍ مِّنْ بَرِيءٍ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَلَا رَهْقًا، اور یہ کہ جب ہم نے ہدایت سنی تو ہم بہت ایمان لے آئے پس جو شخص نے رب پر ایمان لے آئے تو اسے نہ کسی کمی کا خوف ہو گا نہ کسی زیادتی کا۔ وَإِنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُونَ وَمِنَّا الْقَاسِطُونَ مَنَ اسْلَمَ فَأُولَٰئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا، اور یہ کہ ہم میں سے بعض اللہ کے فرمان بردار ہیں اور بعض اللہ کا حق مارنے والے یعنی کافرونا فرمان ہیے پس جو بندے فرمان بردار ہوئے تو انہوں نے بھلائی تلاش کر لی۔ وَإِنَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا، اور یہ اللہ کا حق مارنے والے تو وہ جہنم کا ایندھن ہو گئے۔

(۲۸) سَجْدَةُ سُورَةِ النَّحْمِ کے متعلق بخاری کی روایت کردہ حدیث زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے حدیثنا سلیمان بن داؤد ابوالمریح قال حدثنا اسماعیل بن جعفر قال أخبرنا یزید بن خصیفۃ عن ابن قسیط عن عطاء بن یسار أنه أخبره أنه سأل زید بن ثابت فزعم أنه قرأ على النبي صلى الله عليه وسلم والنجم فلم يسجد فيها (صحیح بخاری ص ۱۴ طبع السند - اجواب سجدہ القرآن) ابن قسیط سے مراد قسیط کا پوتا یزید بن عبد اللہ بن قسیط بن اسامہ لیشی مدنی ہے یعنی عطاء بن یسار نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے ذکر کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ النجم سنائی جس کے آخر میں آیت سجدہ ہے تو آپ نے اس میں سجدہ نہیں فرمایا۔

بخاری کی ذکر کردہ اس حدیث سے مفہوم یہ ہی ہوتا ہے کہ عطاء بن یسار نے حضرت زید بن ثابت سے پوچھا تھا کہ سورۃ النجم کی آخری آیت پڑھ کر یا سن کر سجدہ کرنا ضروری ہے یا نہیں حضرت زید نے اس کے جواب میں بتایا کہ ایک بار میں نے رسول اللہ کو یہ سورۃ شریفہ سنائی تھی تو آپ نے سجدہ نہیں فرمایا۔، بخاری نے یہ حدیث سلیمان بن داؤد سے سنی تھی اور سلیمان نے اسماعیل بن جعفر سے لیکن امام بخاری کی روایت کردہ یہ حدیث غلط ہے۔ صحیح وہ ہے جس کی روایت اسی اسناد کے ساتھ امام مسلم اور نسائی نے کی ہے۔ مسلم نے اس کو یحییٰ بن یحییٰ بن ایوب اور قتیبہ بن سعید و علی بن حجر سے اور نسائی نے علی بن حجر سے سنا تھا اور ان سب نے اسماعیل بن جعفر سے اسی اسناد کے ساتھ کہ عطاء بن یسار نے بیان کیا

اِنَّهُ سَأَلَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ الْإِمَامِ - فَقَالَ لَا قِرَاءَةَ مَعَ الْإِمَامِ فِي شَيْءٍ وَزَعَمَ اِنَّهُ قَرَأَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " وَالنَّجْمَ " فَلَمْ يَسْجُدْ (صحیح مسلم ۱ ص ۲۱۵ طبع الہند - احادیث سجود التلاوة - سنن النسائی ۱ ص ۱۵۲)

۱ طبع لہند باب ترک السجود فی النجم .

یعنی عطائ بن یسار نے حضرت زید بن ثابت سے امام کے ساتھ نماز میں قرآن پڑھنے کے متعلق دریافت کیا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت قرآن کرنی چاہیے۔ یا نہیں۔ حضرت زید نے جواب دیا کہ مقتدی کو کسی بھی نماز میں قرأت نہ کرنی چاہیے نہ جہری نماز میں نہ سری نماز میں نہ سورۃ فاتحہ نہ کچھ اور۔ نیز زید بن ثابت نے ذکر کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ النجم سنائی تو آپ نے سجدہ نہ کیا۔ نہ مجھے سجدہ کرنے کی ہدایت فرمائی۔ پس عطائ بن یسار نے حضرت زید سے سورۃ النجم میں سجدہ کے متعلق سوال نہیں کیا تھا بلکہ امام کے ساتھ قرأت کے متعلق پوچھا تھا۔ بخاری کی روایت میں قرأت کا کوئی ذکر نہیں۔ اور عطائ بن یسار کا سوال سورۃ النجم کے سجدہ سے جوڑ دیا ہے۔ حالانکہ بہ بات حضرت زید نے عطائ کو از خود بتائی تھی چونکہ امام بخاری اور دیگر بہت سے محدثین اس کے قائل ہیں کہ مقتدی کو امام کے ساتھ سورۃ فاتحہ ضرور پڑھنی چاہیے۔ اس لئے حضرت زید بن ثابت کے اس جواب کو جو اس مسئلہ میں انہوں نے عطائ بن یسار کو دیا تھا۔ بخاری نے تو بالکل ہی اڑا دیا اور بات کچھ کی کچھ نقل کر دی۔ مسلم و نسائی نے بات تو ٹھیک نقل کی ہے لیکن اس کا ذکر مسئلہ قرأت مع الامام کے تحت نہیں کیا سجدۃ القرآن کے تحت اس کا ذکر کیا ہے مگر سخت تعجب اس پر ہے کہ امام بخاری زید بن ثابت کی حدیث غلط طریقہ سے کیسے ثبت فرمادی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اور ہمیں اپنی رحمت و مغفرت سے نوازے۔ (آمین)

(۲۹) **وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ** **کے نزول کے متعلق ابو حازم کی روایت**

ابو حازم کا نام سلمہ بن دینار ہے۔ مدینہ منورہ کے ایک واعظ تابعی تھے۔ صحابہ کرام
 میں سے صرف حضرت سہل بن سعد ساعدی انصاری رضی اللہ عنہ سے کچھ حدیثیں سنی
 اور روایت کی ہیں۔ امام بخاری و مسلم نے ابو حازم کی یہ حدیث بھی تخریج کی ہے۔
 عن سہل بن سعد قال انزلت "وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ
 مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ وَلَمْ يَنْزِلْ مِنَ الْفَجْرِ" فَكَانَ رِجَالٌ إِذَا ارَادُوا الصُّومَ رُبُّ
 أَحَدِهِمْ فِي رَجُلِيهِ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ وَالْخَيْطُ الْأَسْوَدُ وَلَا يَزَالُ يَأْكُلُ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُ
 رُؤْيَاهُمَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ بَعْدَهُ "مِنَ الْفَجْرِ" فَعَلِمُوا أَنَّهَا بَعْنَى اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ
 (صحیح بخاری ص ۲۵، کتاب الصوم و ص ۴۸، کتاب التفسیر سورة البقرہ (صحیح مسلم ص ۳۴۹)
 یعنی اس ارشاد میں پہلے من الفجر نہ اترتا تھا کچھ لوگوں نے سمجھ لیا کہ اس کے
 رو سے رات کو اس وقت تک کھانے پینے کی اجازت ہے جب تک سفید دھاگے اور کالے دھاگے
 میں تمیز نہ ہو جانے یعنی اتنا اجالا ہو جائے کہ یہ معلوم ہو سکے کہ یہ سفید دھاگا ہے اور یہ
 کالا۔ لہذا جب روزہ رکھنا ہوتا تو وہ رات کو ایک پاؤں میں سفید اور ایک پاؤں میں کالا دھاگا
 باندھ لیتے اور اس وقت تک کھاتے پیتے رہتے جب تک اجالے کے وجہ سے دونوں میں
 تمیز نہ ہو جاتی۔ بعد میں "من الفجر" نے نازل ہو کر حقیقت واضح کر دی کہ اس ارشاد
 میں سفید دھاگے سے مراد دن کا اجالا ہے اور کالے دھاگے سے مراد رات کا اندھیرا ہے
 اور مطلب یہ ہے کہ صحیح صادق ہونے تک کھاپی سکتے ہیں۔

یہ حدیث حضرت سہل بن سعد کے علاوہ کسی اور صحابی سے مروی نہیں ہے اور صرف

ابو حازم نے ہی حضرت سہل سے اس کی روایت کی ہے۔ سہل بن سعد کسین صحابہ میں سے ہیں۔ وفات نبوی کے وقت پندرہ سالہ تھے ہجرت سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئے کسینہ میں رمضان میں روزہ رکھنا فرض ہوا تھا اور دوسرے پارے کا ساتواں رکوع اتر چکا تھا جس میں رمضان میں روزہ رکھنے کا حکم اور اس کے متعلق ہدایات مذکور ہیں۔ ارشاد مذکور بھی اسی رکوع میں ہے اس وقت سہل بن سعد ۶ ریاضات سال کے بے شعور بچہ تھے۔ لہذا وہ ہذا بت خود اس بات سے واقف نہ تھے جو اس روایت میں مذکور ہے اور ابو حازم نے اس میں یہ نہیں کہا تھا کہ سہل بن سعد نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ لہذا یہ حدیث نبوی یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کی ہوئی بات نہیں ہے۔ نیز اس میں ابو حازم نے یہ بھی نہیں کہا تھا کہ سہل بن سعد نے یہ بات حضرت ابوبکر صدیق یا حضرت عمر یا حضرت عثمان یا حضرت علی یا حضرت عبداللہ بن مسعود یا فلاں صحابی سے سنی تھی لہذا یہ کسی ایسے صحابی کی بیان کی ہوئی بات بھی نہیں جو آیات قرآن کے مواقع نزول سے واقف اور تنزیل قرآن کے مشاہد تھے۔ ابو حازم نے تو اسے بس خود سہل بن سعد کی بتائی ہوئی بات کے طور پر نقل کیا ہے۔ لیکن ہم یقین تو کیا گمان بھی نہیں کر سکتے کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد مذکور کے متعلق یہ بے پرکی اڑائی ہو۔ اور کچھ مسلمانوں کے متعلق یہ ان ہوئی بات کہی ہو جو ابو حازم کی اس روایت میں ہے اس لئے کہ (۱) اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے متعلق اس میں جو مذکور ہے وہ بشری احوال اور مفاہیم میں سے ایک معروف و معلوم حقیقت ہے۔ یہ ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہتا ہے کہ کوئی بڑا عالم فاضل شخص کوئی مضمون لکھتا ہے اور اپنی دانست میں خوب لکھتا ہے مگر پھر اسے دیکھتا ہے تو کسی فقرہ میں کمی محسوس کرتا ہے کسی میں زیادتی تب کوئی لفظ یا الفاظ بڑھا کر کمی کو پورا اور زیادتی کو قلم زد کرتا ہے کیونکہ بہر حال انسانی علم کوتاہ و قاصر ہے لیکن علیم وخبیر اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ اس کے کلام کے کسی فقرے میں کوئی کمی رہ جائے اور کچھ دونوں بعد اس کمی کو پورا فرمانے کیلئے کوئی لفظ نازل فرمائے

انسان کے حق میں یہ وصف خوبی و ستائش کا وصف ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف اس وصف کی نسبت اس کی ذات پاک کی طرف ایک عیب کی نسبت کرنا ہے سبحانہ و تعالیٰ
 عما قال الظالمون ويقولون علواً کبیراً

(۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام صرف یہ ہی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی آیت یا آیتیں لوگوں کو پڑھ سنا دیں بلکہ آیات شریفہ کے معنی مراد کی وضاحت فرمانا بھی آپ کا فریضہ منصبی تھا۔ سورۃ النمل میں ہے وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو یہ ارشاد حق سنایا وکلوا واشربوا حتی یثبین لکم الخیط الابيض من الخیط الاسود من الفجر تو یقیناً اس کے معنی مراد کی بھی وضاحت فرمائی تھی ایسی وضاحت کہ لوگوں کو اس کا مطلب سمجھنے میں کبھی کوئی پوشیدگی محسوس نہ ہو چنانچہ متعدد احادیث میں مذکور ہے کہ آپ نے صبح کاذب اور صبح صادق کا فرق کلام کے ذریعے بھی واضح فرمایا اور مبارک ہاتھوں کے اشارہ بھی۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس وقت کچھ لوگوں پر اس ارشاد کا مطلب نہ کھلا ہو اور وہ پاؤں میں سفید اور کالا دھانگا باندھتے ہوں۔ یہ قطعاً ان ہوئی بات ہے جو اس روایت میں چند مسلمانوں کی طرف منسوب کی گئی ہے جو اس وقت مدینہ میں موجود تھے جب یہ ارشاد نازل ہوا تھا۔ لیکن نہ ابو حازم کی اس روایت میں ان میں سے کسی کا نام مذکور ہے نہ اور کسی روایت میں صبح کو کیا کسی ضعیف روایت میں بھی نہیں۔

(۳) استقرار و تتبع اور دلالت عقل کی بنا پر ہم یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ کرام کو۔ بڑے ہوں یا چھوٹے۔ شہری ہوں یا اعرابی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دین حق کے متعلق غلط بیانی کرنے سے معصوم و محفوظ رکھا ہے اور یہ فی الواقع آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بینات میں سے ایک معجزہ ہے۔ بنا بریں ہمیں یقین ہے کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے ہرگز یہ بات نہیں کہی تھی جس کی ابو حازم نے ان کی طرف منسوب کر کے روایت کر ڈالی تھی میں یہ نہیں کہتا کہ خود ابو حازم نے اسے گھڑی تھا

مگر میں یہ کہتا ہوں کہ ابو حازم نے حضرت سہل سے اس کو نہیں سنا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ابو حازم نے عوام میں سے کسی سے یہ بات سنی ہو اور بھول کر اسے حضرت سہل کی طرف منسوب کر دیا ہو۔ ابو حازم کے متعلق کتب رجال میں مذکور ہے کہ نیک و صالح شخص تھا اور وعظ و تقریر اس کا مشغلہ تھا مسجد نبوی میں اس کا حلقہ وعظ تھا۔ اور شاذ و نادر ہی کوئی واعظ ایسا ہوتا ہے جو وعظ گوئی میں محتاط ہو اور الٹی سیدھی روایات بیان کر کے محض کرم نہ کرے۔ (۴) قرآن کریم بتدریج نازل ہوا ہے۔ حسب ضرورت کبھی پوری سورت اتری ہے کبھی چند آیات۔ کبھی ایک آیت۔ لیکن ایسا نہیں ہوا کہ ایک یا دو لفظ اترے ہوں۔ ہر وہ روایت جس میں مذکور ہو کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں موقع پر قرآن میں یہ لفظ اتارا غلط اور واجب الرد ہے یا راوی کی غلط فہمی پر مبنی ہے۔

امام البخاری و امام مسلم نے ان علتوں پر غور نہیں کیا جو ابو حازم کی اس روایت میں ہیں و نہ اسے درج صحیح کرنے سے گریز فرماتے۔

۳۰ اسی ارشاد حق کے متعلق ابواسحاق سبیعی کی روایت

عن اسرائیل عن ابی اسحاق عن البراء قال کان اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان الرجل صائماً فحضر الافطار فنام قبل ان یفطر لم یأکل لیلتہ ولا یومہ حتی یمسی وان قیس بن صرمۃ الانصاری کان صائماً فلما حضر الافطار اقام امرأۃ فقال لہا عندک طعام؟ قالت لا وکن انطلق واطلب لک۔ وکان یومہ یعمل فخلبتہ مینہ فجاورت امرأۃ فلما رأته قالت خبیثۃ لک فلما انتصف النہار غشی علیہ۔ فذکر ذلک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فنزلت هذه الآية (صحیح بخاری ص ۷۷۳ کتاب الصوم سنن الترمذی سورۃ البقرہ

ابواب التفسیر۔ سنن ابی داؤد۔ کتاب الصوم۔ الباب الاول سورة البقرة
 اسرائیل بن یونس نے اپنے دادا ابواسحاق سبعی سے اور اس نے حضرت یرار بن عازب
 انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آغاز امر میں صحابہ کرام کا روزوں کے معاملہ میں
 عمل یہ تھا کہ کوئی صاحب شام کو افطار کرنے کے وقت روزہ افطار کرنے سے پہلے
 سو جاتے اور کچھ دیر بعد آنکھ کھلتی تو پھر تمام رات نہ کھاتے پیتے اور اگلے دن یوں ہی
 روزہ رکھ لیتے (یعنی صبح میں کچھ کھائے پئے بغیر اسے روزے پر روزہ رکھنا پڑتا
 قیس بن صرمہ انصاری کو یہ ہی حادثہ پیش آیا۔ وہ روزہ رکھے ہوئے دن بھر محنت
 و مشقت کا کام کرتے رہے شام کو بوقت افطار گھر آئے اور بیوی سے پوچھا کہ کچھ کھا
 کا بندوبست ہے۔ بولی۔ گھر تو کچھ ہے نہیں میں باہر جا کر تمہارے لئے (پڑوسیوں سے)
 کچھ مانگ لاؤں گی۔ بیوی باہر گئی۔ قیس تنکے ہوئے تختے لیٹ گئے تو آنکھ لگ گئی
 وہ کھانا لے کر آئی تو میاں کو سوتا پایا۔ بے چاری کو بڑا افسوس ہوا کہ اب انہیں کچھ کھائے
 پئے بغیر کل کا روزہ رکھنا پڑے گا۔ ایسا ہی ہوا۔ اور ضعف کی شدت کی وجہ سے
 قیس دو پہر کے وقت بے ہوش ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا
 ذکر کیا گیا تو آپ پر یہ ارشاد نازل ہوا یعنی وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم
 الخیط الابيض من الخیط الاسود ومن الفجر» امام بخاری نے اسرائیل
 کی بیان کو وہ یہ حدیث عبید اللہ بن موسیٰ عسی سے سنی تھی۔ اور محمد بن سابق نے بھی
 اسرائیل سے اس کی روایت کی تھی۔ اس کی تخریج بیہقی نے کی ہے اس میں ہے۔
 فذکرت ذلک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی قیس بن صرمہ کی بیوی نے اگر
 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ میرے شوہر کا یہ قصہ ہوا کھائے پئے بغیر روزے
 پر روزہ رکھنے کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گئے ہیں۔ اور ابو احمد زبیری اور اسود
 بن عامر نے بھی اسرائیل سے اس کی روایت کی ہے۔ ابو احمد کی روایت سنن ابی داؤد
 و مسند احمد میں ہے مگر ابو داؤد کی روایت میں ان صاحب کا نام صرمہ بن قیس نہ لکھا ہے

اور مسند کی روایت میں قیس بن صرمہ (سنن ابی داؤد کتاب الصوم الباب الاول مسند احمد ۴ ص ۲۹۵) اور بن عامر کی روایت بھی مسند احمد میں ہے مگر اس میں نام مذکور نہیں "وان فلانا الانصارى كان صائما.. ہے (مسند احمد ۴ ص ۲۹۵) اسرائیل کے علاوہ زہیر بن معاویہ نے بھی ابواسحاق سے اس قصہ کی روایت کی ہے۔ اس کی تخریج نسائی نے کی ہے (سنن نسائی۔ کتاب الصوم۔ تاویل قول اللہ تعالیٰ وکلووا واشربوا) زہیر کی روایت میں صاحب قصہ کو ابو قیس بن عمرو بتایا ہے۔ "نزلت فی ابی قیس بن عمرو اقی اھلہ وھو صائم بعد المغرب" ابو قیس نام نہیں کنیت ہے۔ یعنی ان کے بیٹے کا نام قیس تھا اور باپ کا نام عمرو۔ پس ابواسحاق سے یہ قصہ دو شخصوں نے روایت کیا ہے اسرائیل بن یونس نے اور زہیر بن معاویہ نے مگر صاحب قصہ کی شخصیت کے متعلق دونوں کے بیان میں ناقابل حل اختلاف ہے۔ اسرائیل نے قیس بن صرمہ کہا ہے یعنی اس کا نام قیس تھا اور اس کے باپ کا نام صرمہ اور زہیر نے ابو قیس بن عمرو بتایا ہے یعنی قیس اس کا بیٹا تھا اور اس کے باپ کا نام عمرو تھا۔ اسرائیل و زہیر دونوں کا یہ ناقابل حل اختلاف ابواسحاق سبعی کی جہت سے ہے۔ ابواسحاق نے اپنی جوانی اور کھولت کے زمانہ میں کسی سے یہ قصہ بیان نہیں کیا۔ اس لئے ان کثیر العدد لوگوں میں سے کسی نے ابواسحاق سے اس کی روایت نہیں کی جنہوں نے ابواسحاق سے اس کے ہوش و حواس اور عقل و فہم کے درست ہونے کے زمانہ میں حدیثیں سنی تھیں۔ مگر جب سخت بڑھاپے نے اس کے ہوش و حواس غارت کر دیے تب موصوف نے یہ قصہ بیان کیا اسرائیل کو صاحب قصہ کا نام قیس بن صرمہ بتایا اور زہیر کو ابو قیس بن عمرو۔ اور محمد بن اسحاق نے محمد بن جعفر بن زہیر کے حوالہ سے یہ بیان کیا ہے کہ ابو قیس جن کا نام صرمہ ہے نیک آدمی تھے۔ زمانہ جاہلیت میں راہب یعنی تارک الدنیا ہو گئے تھے اور عیسائیت اختیار کر لینا چاہتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کبر کے مدینہ تشریف لائے دزد مشرف بہ اسلام ہو گئے

وہ اچھے شاعر بھی تھے۔ اور حق بات کہنے کے خوگر۔ اس گھر میں قدم نہ رکھتے جس میں کوئی اجنبی شخص ہوتا یا احاطہ عورت ہوتی اپنے قبیلہ میں معزز و محترم تھے۔ جب مسلمان ہوئے تو بوڑھے ہو چکے تھے۔ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ ابوقیس صرمہ کے بارے میں ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد و کلام و شریعتی امر نازل ہوا تھا محمد بن اسحاق نے ابوقیس صرمہ کے تین شعر بھی نقل کئے ہیں جو الاصابۃ فی تذکرۃ الصحابۃ ج ۳ ص ۱۸۳ میں مذکور ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ ان تینوں شہروں میں سے کسی شعر میں بھی کوئی لفظی یا معنوی خوبی نہیں فصاحت سے بے بہرہ یہ اشعار بالو خود محمد بن اسحاق کی تکبندی ہیں یا کسی اور سے گھڑوائے ہوئے ہیں۔ لیکن کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ اس ابوقیس صرمہ کا احادیث صحیحہ میں کوئی ذکر نہیں حالانکہ بقول ابن اسحاق وہ نائی گرامی اور اپنی قوم میں معزز و محترم شخص تھے اس لئے انہیں تو خدمت نبوی میں بکثرت آمد و رفت کی سعادت حاصل کرنی تھی اور سینے مرزبانی نے ان کو ابوقیس صرمہ بن انس بن قیس بن مالک بتایا ہے۔ اور کہا ہے کہ ان کی عمر تقریباً ایک سو بیس سال ہوئی (الاصابہ) اور طبری کی روایت کے مطابق محمد بن اسحاق نے محمد بن یحییٰ بن حبان کے حوالہ سے ان صاحب کو صرمۃ بن انس بتایا ہے (ایضاً)

نیز طبری نے سدی کی زبانی یہ پورا قصہ نقل کیا ہے (تفسیر ابن جریر)

ابو اسحاق سبئی نے ابن اسحاق و سدی کا بیان کیا ہوا یہ قصہ کسی سے سنا تھا اور صحیح و معتبر نہ سمجھنے کی وجہ سے اس کو نقل کرنے سے باز رہے مگر جب برق پیری نے ابو اسحاق کے خرمین حفظ و ضبط و ہوش و حواس کو بھسم کر ڈالا تو دیگر بہت سی ان اپ شتاپ باتوں کے علاوہ یہ قصہ بھی اسرائیل وزیر سے نقل کر دیا۔

میں سمجھتا ہوں کہ فی الواقع صحابہ کرام میں کوئی شخص قیس بن صرمہ یا صرمہ بن قیس یا صرمہ بن انس یا ابوقیس بن عمرو یا صرمہ بن مالک نام کا نہ تھا۔ یہ نام بس افسانہ طراز اور قصہ گو لوگوں کے رکھے ہوئے ہیں۔ اور ان کا کسی محض فسر ضعیف شخصیت ہے۔

اسرائیل وزہر کی روایتوں میں یہ اختلاف بھی ہے کہ اسرائیل کی روایت کے مطابق وہ روزہ دار شخص بوقت افطار یعنی نماز مغرب سے کچھ پہلے پہنچا تھا اور زہر کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ وہ مغرب کے بعد گھر پہنچا تھا اس قصہ پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عورت کو معلوم تھا کہ اس کا شوہر تھکا ماندہ رن پیچھے گھر آئے گا۔ خود وہ بھی روزہ دار ہوگی اور گھر میں کوئی کھانے کی چیز نہیں ہے کھانے کا انتظام باہر سے کرنا ہے اور مجھے ہی کرنا ہے اس کے باوجود اس نے انتظام کیوں نہ کیا؟ پھر جب وہ باہر جا کر کھانا لے کر گھر آئی اور شوہر کو سوتا پایا۔ جگایا تو اس نے کمانے سے انکار کر دیا۔ تو کیا وہ عورت بھی بھوک رہی یا اس نے کچھ کھا پی لیا؟

کھایا یا پیاتو یہ ازدواجی محبت کے خلاف بات ہوئی۔ شوہر بھوکا پیاسا پڑا ہے تو اسے کچھ کھانا پینا کیسے گوارا ہوا ہوگا۔ نہ کھایا یا پیاتو وہ بے چاری بھی بھوک پیاس کی شدید تکلیف سے دوچار ہوئی ہوگی۔ شوہر کو تو ضعف کی وجہ سے غشی آگئی اور خود اس کا کیا حال ہوا؟ قصہ میں یہ جھول بتا رہا ہے کہ فی الواقع یہ قصہ ہوا ہی نہ تھا۔ بس سدی وغیرہ نے اسے خواہ مخواہ تصنیف کر لیا ہے۔ نیز یہ قصہ قدرے اختلاف کے ساتھ عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے منسوب کر کے روایت کیا ہے اس کی تخریج احمد و ابو داؤد نے فرمائی ہے سنن ابی داؤد کتاب الصیام سندہ ص ۲۴۷۔ نہ معلوم عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ نے یہ قصہ کس سے سنا تھا۔ حضرت معاذ بن جبل کو تو عبد الرحمن نے دیکھا بھی نہیں ان سے کچھ کہتے اور استفادہ کرنے کا تو ذکر ہی کیا الغرض ارشاد حق "وکلوا واشربوا حقیقۃً یسبب لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجور" کا سبب نزول یہ قصہ نہیں ہے نہ اس ارشاد کا معنی و مطلب سمجھنا اس قصہ پر موقوف ہے۔

حصہ دوم

②



پیش لفظ

قرآن و سنت پر صحیح عمل کے لیے ان کا صحیح فہم بہت ضروری ہے، جو اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب ہر طرح کے تعصب و تنگ نظری سے دور ہو کر انہیں پڑھا جائے، ہر قسم کے فقہی و مسلکی تحزب، عجمی آلودگی اور تقلید جامد سے آزاد ہو کر ان کا مطالعہ کیا جائے، امت کے ۱۴ سو سالہ فکری، علمی، عقلی اور فقہی سرمایہ سے پورا استفادہ تو کیا جائے لیکن حرف آخر کسی کو تسلیم نہ کیا جائے، بلکہ ان تمام چیزوں کو انسانی اجتہاد اور کوشش قرار دیکر ان میں خطا و صواب کا احتمال سمجھا جائے۔ ایسا تحقیقی عمل ہی درست ہو سکتا ہے اور امت کے سامنے مفید و مشرک نتائج پیش کر سکتا ہے۔ البتہ یہ ہے کہ آج امت میں تحقیق و سرچ کے کام تو بہت ہو رہے ہیں لیکن ان میں سے بیشتر کسی نہ کسی عقائدی، فکری یا سیاسی مکتب فکر کے تابع ہیں اور بسا اوقات یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے تحقیقی کام میں پہلے ہی سے ایسے نتائج فرض کر کے جو ان کے فکر و عقیدہ میں معاون ہوں اس کام کو کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایسے میں غیر جانبداریت ہاتھ سے جاتے رہنے کی وجہ سے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تحقیقی کام کی افادیت کم اور دائرہ اثر محدود ہو جاتا ہے۔

موتیوں اور جواہر پاروں میں اگر کچھ خرف ریزے اور کنکر شامل ہو جائیں تو یہ کنکر تو جواہر کبھی نہ بن سکیں گے البتہ موتیوں کی چمک دمک اور قیمت و عظمت ضرور گھٹ جائے گی، اس لیے ان کی قیمت و عظمت کا تقاضا یہی ہے کہ کنکریوں اور ٹھیکروں کو چھانٹ چھانٹ کر الگ کر دیا جائے نہ کہ الٹا ان کو موتی ثابت کرنے کی کوشش کی جائے۔ حدیث رسول جو قرآن کے بعد دوسرا ماخذ ہے، کے ساتھ کچھ ایسا ہی معاملہ پیش آیا کہ اس میں موتیوں کے ساتھ ہی کچھ خرف ریزے بھی شامل ہو گئے ہمارے محدثین کرام نے اس سلسلہ میں صحیح اور غلط کو چھانٹنے کے لیے بڑی محنتیں کیں رجال کا دفتر مرتب کیا تعدیل حدیث کے اصول و ضوابط متعین کیے، اور اس طرح ایک عملی مثال قائم کر دی کہ تحقیق کا سفر کیسے جاری رکھا جائے۔ ان کے راستہ کو اختیار کر کے ہم صحیح غلط میں تمیز کر سکتے تھے لیکن ان سوس کہ دور زوال میں جو کئی صدیوں سے چل رہا ہے، اس علمی طریقہ کی کما حقہ پیروی نہ کی جاسکی جس کی وجہ سے کتنی ہی بے سرو پا اور غلط روایتیں ہماری معتبر ترین کتابوں میں جگہ پائیں۔ ان کتابوں میں بخاری مسلم اپنی ممتاز خصوصیات کی بنا پر انتہائی اہمیت و عظمت کی حامل ہیں کہ حضرت امام بخاریؒ و مسلمؒ نے تحقیق و تنقید کی اعلیٰ مثال قائم کی تھی اور اس معاملہ میں دوسرا کوئی محدث اور امام ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا۔ تاہم علمی جلالت قدر کے باوجود وہ دونوں بھی بشری تھے اور بشری کام خطا و نسیان سے پاک نہیں ہوتا۔ اس لیے ان کے اندر بھی کمزور چیزیں پائی جاتی ہیں جن میں بہت سی روایات ایسی بھی ہیں کہ جو قرآن کے فہم میں غلطیاں اور غلط فہمیاں پیدا کرنے کی موجب بنتی ہیں۔ بخاری و مسلم نے کبھی ایسی بات کا دعویٰ نہیں کیا کہ ان کی تحقیق آثری ہے اور اس پر کوئی کلام نہیں ہو سکتا اور امت نے بھی عمومی تلقی بالقبول کے با وصف ان میں غلطی اور خطا کا احتمال تسلیم کیا ہے بلکہ بعض محدثین جیسے دارقطنی نے ان کی متعدد احادیث پر کلام بھی کیا ہے۔ اس حقیقت کے باوجود امت کے ایک بڑے طبقہ میں بخاری و مسلم کے تعلق سے بڑا غلو پایا جاتا ہے۔ اور اس غلو کی وجہ سے امت میں علمی و تحقیقی جمود و بحران موجود ہے۔ کچھ لوگ تحقیق کے نام پر صاف صاف انکار حدیث کی راوی میں جا پہنچتے ہیں اور کچھ جمود و تعطل اور ذہنی تنہکات کے ایسے شکار ہیں کہ اصح الکتاب بعد کتاب

اللہ کی بھول بھلیوں میں کم ہیں، مشکل یہ ہے کہ ان کتابوں میں پائی جانے والی متعدد غلط روایتوں کے باعث کتنے غلط تصورات امت میں پھیلے ہوئے ہیں اور کتنی ہی آیات قرآنیہ کے صحیح مفہوم پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ سچ ہے کہ۔
یہ امت روایات میں کھو گئی حقیقت خرافات میں کھو گئی

اس لیے شدید ضرورت ہے کہ افراط و تفریط سے ہٹ کر راہ اعتدال اپنائی جائے۔ امت میں تھکید و جمود کی فضا ٹوٹنے اور تحقیق و اجتہاد کا سفر دوبارہ جاری ہو۔ خوش آئند بات یہ ہے کہ اب اس سلسلہ میں بیداری پیدا ہو رہی ہے جو کتاب ہم قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں وہ بھی اسی مبارک سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو علامہ شبیر احمد ازہری میرٹھی کے گہر بار قلم کی رہن منت ہے۔ قسط الرجال کے اس زمانے میں ان کی ذات آیۃ من آیات اللہ ہے، اللہ نے موصوف کو قرآن و حدیث اور متعلقہ علوم میں امامت و اجتہاد کے درجہ پر فائز کیا ہے۔ ان کی پوری زندگی ورع و تقویٰ، احسان و سلوک اور فقر و زہد کا نمونہ رہی ہے، اسی سبب سے پردہ پیگنڈہ اور اشتہار بازی کے اس دور میں آپ کی شاہکار تحریریں، جو تحقیق و اجتہاد کا منہ ثبوت ہیں، ابھی تک الماریوں میں بند ہیں اور مسودات کی شکل میں پڑی ہوئی ہیں کئی اہم مسودات حادث کی نظر ہو گئے ہیں۔ قرآن پاک کے بعد حدیث نبوی علی صاحبہ الف الف تحیہ و سلام بھی نوجوانی سے آپ کا اوڑھنا بچھونا ہی ہے، تفسیر قرآن کے بعد، جس میں تفسیری روایات پر انتہائی اہم اور نفیس تحقیقات ہیں آپ نے مؤطا امام مالک، مسند احمد بن حنبل اور بخاری و مسلم پر علمی تحقیقی اور تشریحی کام کیا ہے، گویا یوں کہا جاسکتا ہے کہ اس طرح تقریباً پورے ذخیرہ حدیث پر آپ نے تنقیدی و تحقیقی نظر ڈالی ہے۔ اور اس کے لئے رجال کے دفتر کے دفتر کھنگالے ہیں، تقلید جامد اور مسلکی اور جماعتی تعصبات سے اوپر اٹھ کر آپ نے یہ فرض انجام دیا ہے اور خدا کی توفیق سے حدیث پر آپ کے ذریعہ اتنا عظیم کام ہوا ہے کہ گزشتہ دو صدیوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس میں شک نہیں کہ عہد حاضر میں عالم عرب میں اور خود برصغیر میں بھی کتب حدیث کے تشبیہ اور تعلیق، استخراج اور ترجیح و اشاعت سے متعلق بڑا کام ہوا ہے، مستشرقین کے طرز پر معیاری تشریحی انڈیکس اور اشاریے تیار کیے گئے ہیں، لیکن آپ کے کاموں کی نوعیت صحیح و ضعیف حدیثوں کی چھان پھٹک اور اہمات کتب حدیث و تفسیر میں جہ پائنی غلط موضوع اور باطل روایتوں کی رد و لایۃ اور رد لایۃ تحقیق اور صحیح و ضعیف کی تیز ہے اور یہ کام بغیر کسی جماعتی اور مسلکی تعصبت اور جانبداری کے انجام دیا گیا ہے۔ "حق حق ہے خواہ کہیں بھی ہو اور باطل باطل ہے خواہ اس کا مصدر کچھ بھی ہو"، یہ آپ کا اصل الاصول رہا ہے پھر یہ سارا کام تنقیح حدیث، نقد رجال اور تحقیق روادۃ کے مسلک اصول و ضوابط کی روشنی میں ہی انجام دیا گیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ علامہ کے اس عظیم الشان علمی ذخیرہ کو جو قرآن و سنت کے علاوہ تاریخ اسلامی کے بعض اہم پہلوؤں تک کو محیط ہے عصری معیار کے مطابق زیور طباعت سے آراستہ کر کے منظر عام پر لایا جائے اور اس کے لئے ایک بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے جو افسوس کہ مہیا نہیں۔

فاؤنڈیشن آف اسلامک اسٹڈیز ایک پرائیویٹ ادارہ ہے جسے سرکاری یا غیر سرکاری کوئی امداد نہیں ملتی، ادارہ نے علامہ کے مذکورہ علمی کاموں کی بتدریج اشاعت کا ایک منصوبہ بنایا ہے، جس کی تکمیل کے لئے زبردست مالی تعاون کا رہے۔ یہ منصوبہ خراج تحسین نہیں چاہتا بلکہ مالی وسائل کی تضافاً کرتا ہے۔ ادارہ کی طرف سے صحیح بخاری کا مطالعہ حصہ ل (قسط دوم) پیش کیا جا رہا ہے اس میں ۱۰۰ سے زائد احادیث پر کلام کیا گیا ہے اس جز کی قسط اول اس سے پہلے شائع ہو چکی ہے۔ اہل علم سے اس سلسلہ میں خصوصی توجہ کی درخواست ہے اس بارے میں ان کے مشوروں اور قیمتی آراء، استقبال کیا جائے گا۔
(ڈائریکٹر فاؤنڈیشن آف اسلامک اسٹڈیز)

(۱) ابن صیاد کی کہانی

کتب حدیث میں ابن صیاد کے متعلق جو روایات آئی ہیں انہیں زیر بحث لانے سے پہلے میں ناظرین کو اس کی حقیقت سے آگاہ کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

حضور اکرم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے جہاں یہود کے تین خاندان آباد تھے۔ نصیر یہودی کی اولاد، قرظہ یہودی کی اولاد، قیقاع یہودی کی اولاد بنی نصیر اور بنی قرظہ تو یثرب یعنی مدینہ منورہ سے فاصلہ پر رہتے تھے اور بنی قیقاع وسط یثرب میں سکونت پذیر تھے۔ تینوں قبیلوں میں سے مکار و شریر یہودیوں نے حضور اکرم ﷺ کی دعوت حق کو بے اثر کر دینے کی جو کھلی اور چھپی کوششیں کی تھیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ انہوں نے بنی قیقاع میں سے ایک سمجھ دار نابالغ بے حیا و بے ادب لڑکے کو جس کا نام عبد اللہ تھا نبوت کا ڈھونگ رچانے کے لیے منتخب کیا۔ اس لڑکے کے باپ کو صائد اور صیاد کہا جاتا تھا۔ اس لڑکے کو انہوں نے گنگنانے کے لیے کچھ بے معنی پڑھنت سکھائے تاکہ دیکھنے سننے والوں کا یہ تاثر قائم ہو کہ یہ لڑکا کسی نظر نہ آنے والی ہستی سے باتیں کر رہا ہے۔ اور ادھر ادھر کے مختلف لوگوں کے گھروں سے مختلف چیزیں اٹھا اٹھا کر مختلف جگہوں میں چھپا دیتے اور لڑکے کو بتا دیتے کہ فلاں شخص کی فلاں چیز فلاں جگہ ہے پھر تلاش کرنے والوں سے کہہ دیتے کہ صیاد کے بیٹے سے جا کر پوچھ لو۔ اس پر وحی اترتی ہے اور اسے غیب کی باتوں کا علم ہو جاتا ہے۔ ابن صیاد ایک ایک کو بتا دیتا کہ تیری چیز فلاں جگہ ہے۔ اس طرح مکار یہودیوں نے یثرب میں شہرت کر دی کہ ابن صیاد کے پاس اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے اور ہر شخص کو اس کے پاس اپنی مشکل کا حل مل سکتا ہے۔ لیکن آسمان حق کے نیچے باطل کا یہ خیمہ برپا نہ ہو سکا دیگر کوششوں کی طرح یہود اس خبیث کوشش میں بھی بری طرح ناکام ہوئے نہ باشندگان یثرب میں سے کوئی ابن صیاد کا معتقد ہوا۔ نہ نواح یثرب میں رہنے والے اعراب میں سے کسی نے اسے گھاس ڈالی۔ پھر جلد ہی ابن صیاد کو

غزوہ بدر کے بعد اپنے خاندان بنی قینقاع کے ساتھ مدینہ سے جلا وطن ہونا پڑا ان میں سے کچھ لوگ تو خیبر جا بے تھے اور کچھ ملک شام چلے گئے تھے۔ معلوم نہیں کہ ابن صیاد کون سے گروہ کے ساتھ تھا۔ حضور اکرم ﷺ پھر خلفائے ثلاثہ ابوبکر و عمر و عثمانؓ کے عہد میں مدینہ نہیں آیا۔ حضرت عثمان کے بعد مدینہ آ کر رہا۔ اور وہ اب ایک مسلمان تھا۔ معلوم نہیں کہ کب اور کہاں مشرف بہ اسلام ہوا۔ مدینہ منورہ میں ہی حضرت معاویہؓ کے جانشین و فرزند یزید کے عہد میں اس کا انتقال ہوا۔ اس اسلامی و مدنی زندگی میں ابن صیاد سے کوئی خلاف شرع قول یا عمل صادر ہونا ثابت نہیں۔ وہ اس خونخوار فتنہ موج سے بھی قطعاً کنارہ کش رہا جس کی خوفناک لہروں نے ہزاروں مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے کر تباہ کر ڈالا تھا۔

یہ ہے یہودی زادہ عبد اللہ ابن صیاد جو اپنی نوعمری میں یقیناً ایک فتنہ تھا جسے مکار و شریر یہودیوں نے مدینہ میں برپا کرنے کی کوشش کی تھی لیکن عقل و بلوغ کے بعد اس نے کہیں لوگوں کو الو بنانے کی بے ہودہ حرکت نہیں کی پھر توفیق حق نے اس کی دستگیری فرمائی اور مدینے میں ایک شریف و صالح مسلمان کی حیثیت سے اسے خاتمہ نصیب ہوا۔

لیکن تابعین کے عہد میں بہت سے شقی و دروغ باف و خدانا ترس روایت پیشہ اشخاص نمودار ہو گئے جنہیں حدیثیں گھڑنے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر افترا پردازی میں کوئی باک نہ تھا۔ انہوں نے بزرگوں سے ابن صیاد کی وہ حرکتیں سنیں جو نوعمری میں اس سے سرزد ہو گئی تھیں۔ پھر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے آخر زمانہ میں ہونے والے فتنہ دجال کے متعلق تنبیہات فرمائی ہیں اور بعد نماز ہونے والی دعاؤں میں سے آپ کی دعا یہ بھی ہوتی تھی۔ اللھم انی اعوذ بک من فتنۃ المسیح الدجال۔ بنا بریں ان دروغ باف راویوں کو شیطان نے یہ پٹی پڑھائی کہ ایسی حدیثیں گھڑی جائیں جن سے ثابت ہوتا ہو کہ ابن صیاد ہی وہ دجال ہے۔ پس کسی نے حضرت ابوذر غفاریؓ، کسی نے حضرت ابوبکرؓ ثقفیؓ، کسی نے حضرت ابوسعید الخدریؓ، کسی نے حضرت جابرؓ، کسی نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، کسی نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی طرف نسبت کر کے یہ حدیثیں گھڑ کر مسلمانوں میں پھیلانے کا جرم کمایا۔ کتب حدیث تالیف کرنے والے

محدثین نے ان جھوٹی حدیثوں کو کتب حدیث میں ثبت کر دیا حتیٰ کہ امام بخاری و امام مسلم بھی ان میں سے بعض حدیثیں درج صحیح فرما گئے۔

تحقیق حق و ابطال باطل کی غرض سے میں ان حدیثوں میں سے ایک ایک حدیث کی حقیقت سے بندگانِ خدا کو روایت و درایت کے مسلمہ اصول و ضوابط کے تحت آگاہ کر دینا چاہتا ہوں۔

إن أريد إلا الإصلاح ما استطعت و ما توفيقى إلا بالله. عليه توكلت و إليه أئيب

(۱) ابن صیاد کے متعلق حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب حدیث

اس کی تخریج امام احمد بن حنبل نے کی ہے۔

حدثنا عفان ثنا عبد الواحد بن زياد ثنا الحارث بن حصيرة ثنا زيد بن وهب قال قال ابو ذر لان احلف عشر مرار ان ابن صائد هو الدجال احب الي من ان احلف مرة واحدة انه ليس به قال و كان رسول الله ﷺ بعثني الي امه قال سلها كم حملت به . قال فاتيتها فسالتها فقالت حملت به اثني عشر شهرا قال ثم ارسلني اليها فقال سلها عن صحيحته حين وقع . فسالتها فقالت صاح صيحة الصبي ابن شهر . ثم قال له رسول الله ﷺ اني قد خبات لك خباء . قال قد خبات لي خطم شاة عفراء و الدخ . قال اراد ان يقول الدخان فلم يستطع فقال الدخ الدخ فقال رسول الله ﷺ احسأ فلن تعدو قدرك .

(مسند احمد ۵ / ص ۱۴۸)

ترجمہ۔ ہم سے عفان نے بیان کیا کہ ہم سے عبد الواحد بن زیاد نے بیان کیا کہ ہم سے حارث بن حصیرہ نے بیان کیا کہ ہم سے زید بن وہب نے بیان کیا کہ ابو ذر غفاری نے (ابن صیاد کا ذکر کرتے ہوئے) کہا میں دس بار قسم کھا کر کہوں کہ ابن صیاد ہی دجال ہے مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ ایک بار قسم کھا کر کہوں کہ وہ دجال نہیں ہے۔ ابو ذر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس کی ماں کے پاس یہ

پوچھنے کے لیے بھیجا تھا کہ وہ کتنی مدت حمل میں رہا۔ اس کی ماں نے بتایا کہ بارہ مہینے (یعنی ایک سال) پھر آپ نے مجھے دوبارہ اس کے پاس بھیجا یہ پوچھنے کے لیے کہ پیدا ہوتے وقت اس کی چیخ کیسی تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ زور سے چلایا تھا جیسے ایک ماہ کا بچہ چلاتا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ابن صیاد سے ملاقات کر کے فرمایا کہ (سنا ہے کہ تو دل میں چھپی باتیں بتا دیتا ہے) میں نے تجھ سے معلوم کرنے کے لیے ایک بات دل میں چھپائی ہے۔ (بتا وہ کیا ہے) بولا کہ تو نے ایک خاکستری رنگ کی بکری کے گلے کی رسی اور دغ کو چھپایا ہے۔ ابوذر نے کہا کہ وہ دغ خان کہنا چاہتا تھا مگر نہ کہہ سکا بس دغ دغ کہہ کے رہ گیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ دور ہو تو اپنے (گھٹیا) درجہ سے آگے نہ بڑھ سکے گا (جتنا ہے اتنا ہی رہے گا)۔

شروع سے آخر تک اس روایت کا مضمون جھوٹ ہی جھوٹ ہے اسے حارث بن حصیرہ ازدی کو فی نے گھڑا تھا۔ یہ شخص رافضی، جاہل اور بد عقیدہ اور ان لوگوں میں سے تھا جو علیؑ کی رجعت کے معتقد تھے یعنی علی دوبارہ اس دنیا میں آنے والے ہیں۔ یہ حارث زیادہ تر چپ رہنے کا عادی تھا اور بولتا تھا تو انا پ شناپ اور رافضیوں کے عقائد کی ترجمانی کرنے والی روایات بیان کرتا تھا۔ تھذیب التھذیب میں ہے کہ جریر نے اس کے متعلق کہا ہے: ”شیخ طویل السکوت بصر علی امر عظیم و هو الایمان بالرجعة و الغلو فی التشیع.“ عقلی نے کہا ہے کہ احادیث عدیدہ منکرہ لا یتابع علیہا منها حدیث ابی ذر فی ابن صیاد۔

اس خبیث نے حضرت ابوذر کی زبانی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو یکے بعد دیگرے دو بار ابن صیاد کی ماں کے پاس بھیجا تھا۔ حالانکہ ابوذر غزوہ احزاب کے بعد مدینہ آئے تھے اسی لیے غزوہ بدر و غزوہ احد و غزوہ احزاب میں شریک نہ تھے اور ابن صیاد اپنے باپ اور اہل قبیلہ کے ساتھ اوائل شوال ۳ھ میں غزوہ احد سے پہلے ہی مدینہ سے نکل گیا تھا۔ پھر ربیع الاول ۳ھ میں یہود کا خاندان بنی نضیر جلاوطن ہوا جب حقیقت یہ ہے تو رسول اللہ ﷺ کا ابوذر کو ابن صیاد کی ماں کے پاس بھیجنا خالص دروغ بے فروغ ہی تو ہوا۔ پھر اس خبیث نے ابوذر کی زبانی حضور اکرم ﷺ کا ابن صیاد سے ملاقات کرنا

وغیرہ وغیرہ جو بیان کیا ہے وہ بھی جھوٹ ہونے میں نہلے پر دہلا ہے۔ غرضیکہ حارث بن حصیرہ نے حق تعالیٰ کے خوف کو بالائے طاق رکھ کر رسول اللہ ﷺ پر ابو ذر اور زید بن بن وھب پر افتر پردازی کی تھی۔

اور احمد بن حنبل و عفان بن مسلم و عبد الواحد بن زیاد ثقہ و متقی محدث تھے مگر ثقہ محدثین عموماً اس مرض میں مبتلا تھے کہ استاد سے سنی ہوئی حدیث کو سند و متن کے ساتھ ٹھیک ٹھیک یاد رکھنا ہی ان کے پیش نظر رہتا تھا۔ روایت کردہ حدیث کا معنی و مطلب سمجھنے اور عقل و روایت کو استعمال کرنے سے انہیں چنداں دلچسپی نہ تھی۔ عبد الواحد بن زیاد نے یہ جھوٹی حدیث حارث بن حصیرہ سے سنی اور سوچے سمجھے تعبیر اپنے شاگرد عفان بن مسلم کو سنا دی۔ عفان نے اسی طرح اپنے شاگرد ابن حنبل سے نقل کر دی۔ ابن حنبل نے اپنے فرزند عبد اللہ سے۔ اس طرح یہ جھوٹی حدیث بھی دیگر صد ہا جھوٹی حدیثوں کی طرح درج مسند ہو گئی۔ لیکن کتب حدیث کے دیگر مصنفین نے اسے اپنی کتابوں میں درج کرنے کی غلطی نہیں کی۔

(۲) ابن صیاد سے متعلق حضرت ابو بکرہ ثقفی سے مروی حدیث

اس کی تخریج امام احمد اور ترمذی نے کی ہے۔ احمد نے اسے تین شیوخ سے سنا تھا۔ یزید بن ہارون۔ عفان بن مسلم اور مؤمل بن اسماعیل سے۔ یزید کی روایت یہ ہے:

”اخبرنا حماد بن سلمة عن علي بن زيد عن عبد الرحمن بن ابي بكرة عن ابيه قال قال رسول الله ﷺ يمكث ابوالدجال ثلاثين عاما لا يولد لهما ثم يولد لهما غلام اعور اضر شئ واقبله نفعا تنام عيناه و لا ينام قلبه ثم نعت ابويه فقال ابوه رجل طوال مضطرب اللحم طويل الانف كان انفه منقار و امه فرساحية عظيمة الثديين. قال فبلغنا ان مولودا من اليهود ولد بالمدينة فانطلقت انا و الزبير بن العوام حتى دخلنا على ابويه فرأينا فيهما نعت رسول الله ﷺ و اذا هو منجدل في الشمس في قطيفة له همهمة فسا لنا ابويه (اهذا ولد كما ؟) فقالا مكثنا ثلاثين عاما لا يولد لنا ثم ولد لنا غلام اعور اضر شئ واقبله نفعا فلما خرجنا

مررنا به فقال ما كنتم فيه؟ قلنا و سمعت. قال نعم انه تنام عيناى ولا
ينام قلبى فاذا هو ابن صياد. (مسند ۵ / ص ۴۰)

عفان کی روایت بھی یہی ہے۔ اس کے آخر میں قال حماد و هو ابن صياد
(مسند ۵ / ص ۴۹) اور یہی مؤمل کی روایت ہے۔ مگر اس کی روایت میں ہے ثم ولد
لنا هذا عور مسرورا مختونا اقل شى نفعنا و اضره. (مسند ۵ / ص ۵۱)

ترجمہ: ہمیں حماد بن سلمہ نے علی بن یزید بن جدعان سے روایت کرتے ہوئی خبر
دی۔ اس نے عبد الرحمن سے اس نے اپنے والد ابو بکرہ ثقفی سے روایت کی۔
ابو بکرہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دجال کے ماں باپ کے یہاں
(شادی سے) تیس سال تک کوئی بچہ نہ پیدا ہوگا۔ تیس سال گزر جانے پر ایک کانا
لڑکا پیدا ہوگا جو نقصان و تکلیف پہنچانے والی چیز زیادہ ہوگا اور فائدہ پہنچانے والی
چیز بہت کم ہوگا۔ اس کی آنکھیں سوکھیں گی اور دل نہ سوائے گا پھر آپ نے اس کے
ماں باپ کا حلیہ بیان کیا فرمایا کہ اس کا باپ لمبا ترنگا، تھل تھلاتے گوشت والا لمبی
ناک کا آدمی ہوگا گویا کہ اس کی ناک کسی پرندے کی چونچ ہے اور اس کی ماں
بھاری جسم کی بڑی بڑی چھاتیوں والی ہے۔ ابو بکرہ نے کہا کہ آپ سے یہ سننے کے
بعد ہمیں پتہ لگا کہ مدینہ میں ایک یہودی بچہ پیدا ہوا ہے تو میں اور حضرت زبیر بن
عوام اس کے گھر پہنچے دیکھا تو اس بچے کے ماں باپ کا حلیہ وہی ہے جو رسول اللہ
ﷺ نے دجال کے ماں باپ کا بتایا تھا۔ اور دیکھا تو وہ بچہ ایک چادر میں لپیٹا ہوا
دھوپ میں پڑا ہے ہوں ہوں کر رہا ہے۔ ہم نے اس مردہ عورت سے پوچھا کہ یہ
بچہ تمہارا ہی ہے۔ بولے ہاں۔ تیس سال تک ہمارے یہاں کوئی بچہ پیدا نہ ہوا پھر
یہ کانا لڑکا ہوا ہے۔ پیدائشی نال کٹا ہوا، خشنہ کیا ہوا جو تکلیف پہنچانے والی چیز زیادہ
ہے۔ نفع پہنچانے والی چیز کم ہے پس جب ہم اندر گھر سے نکل کر بچے کے پاس کو
آئے تو وہ بولا تم دونوں کس گفتگو میں تھے۔ ہم نے کہا ارے کیا تو نے ہماری بات
چیت سنی ہے؟ بولا ہاں۔ حقیقت یہ ہے کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں
سوتا۔ ترمذی نے عبد اللہ بن معاذ یہ بھی سے یہ حدیث روایت کی ہے اور اس نے

حماد بن سلمہ سے۔ ترمذی کی روایت میں یہ اضافہ ہے فکشف عن راسہ فقال ما قاتما
یعنی اس لڑکے نے اپنے سر سے چادر ہٹا کر ابو بکرہ وزبیر سے کہا تم دونوں نے کیا
کہا ہے۔ (سنن ترمذی ج ۲ ص ۲۹ طبع الہند ابواب الفتن باب ما جاء فی
ذکر ابن صیاد)

ترمذی نے اس قطعاً جھوٹی روایت کو حسن غریب بتایا ہے اور کہا ہے لا نعرفہ الا
من حدیث حماد بن سلمۃ۔ ترمذی کی اصطلاح میں حسن وہ حدیث ہے جو ایک سے
زائد طرق سے مروی ہو۔ چونکہ حماد بن سلمہ سے اس کی روایت چار شخصوں نے کی تھی یزید
بن ہارون، عفان، مؤمل اور عبد اللہ بن معاویہ اس لیے ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔
ترمذی کو اس حدیث کے متن میں جو جھوٹ ہی جھوٹ بھرا ہوا ہے نظر نہیں آیا اور یہ تاثر دیا
ہے کہ بس اس کی اسناد میں غرابت ہے۔ حماد بن سلمہ نے ہی اس کی روایت کی ہے۔ اور
اس کی اسناد میں جو اصل علت اور فساد ہے ترمذی نے اس کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا۔ وہ
ہے علی بن زید بن جدعان بصری جو ایک دروغ باف رافضی تھا۔ اسی نے لوگوں میں یہ
حدیث گھڑ کر پھیلائی تھی۔ عن ابی نصرۃ عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ
ﷺ قال اذا رأیتم معاویۃ علی هذه الاعواد (و اشار الی منبرہ فاقتلوہ)
جب تم معاویہ کو میرے اس منبر پر دیکھو تو اسے قتل کر ڈالنا۔ کبھی فاقتلوہ کی بجائے فارجموہ بک
دیتا تھا۔ اس حدیث کو گھڑنے سے اس کا مقصد حضرت معاویہ کو واجب القتل قرار دینے
کے علاوہ ان تمام صحابہ کرام کو مطعون اور معصیت رسول کا مرتکب قرار دینا تھا جنہوں نے
مسجد نبوی میں حضرت معاویہ کے منبر پر خطبے سنے تھے اور ان کی اقتداء میں جمعہ کی نماز پڑھی
تھی۔ اور ان میں خود ابو سعید خدری بھی تھے۔ یہ دجال کے متعلق ابو بکرہ ثقفی کی طرف
منسوب حدیث بھی اسی ظالم علی بن زید کی گھڑی ہوئی ہے۔ رہا حماد بن سلمہ تو وہ جھوٹا نہ
تھا۔ اچھی سیرت کا نیک و صالح اور بھولا بھالا آدمی تھا مگر کم فہم اور قوت حفظ سے محروم اور
روایت حدیث کا شوقین تھا۔

سخت افسوس وحیرت احمد بن حنبل و ترمذی پر ہے کہ اس قطعی جھوٹی اور باطل روایت

کی تخریج فرمانے کی غلطی انہوں نے کیوں کی۔ اس کے باطل ہونے کی تصریح کیے بغیر اس کا نقل کرنا جائز نہ تھا۔

اس کے باطل اور قطعاً غلط ہونے کے روشن وجوہ یہ ہیں:

(۱) ابو بکرہ ثقفی فتح مکہ وغزوہ حنین کے بعد محاصرہ طائف کے دوران ذی قعدہ ۸ھ میں مسلمان ہوئے اور مسلمانوں کے ساتھ مدینہ آ کر رہے۔ اس وقت مدینہ و نواح مدینہ میں کوئی یہودی نہ تھا۔ پھر یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ ابو بکرہ وزیر بن عوام صیاد یہودی کے گھر مدینہ میں ہی پہنچے ہوں اور اس سے اور اس کی بیوی سے پھر خود ابن صیاد سے بات چیت کی ہو۔

(۲) اس میں مذکور ہے کہ ابن صیاد ماں کے پیٹ سے کانا پیدا ہوا تھا۔ حالانکہ ابو سعید خدری کی حدیث میں جو آگے آرہی ہے مذکور ہے کہ ابن صیاد نے ابو سعید سے لوگوں کی شکایت کرتے ہوئے کہا تھا کہ مجھے دجال سمجھتے ہیں۔ وقد قال رسول اللہ ﷺ ان الدجال يكون اعور و لست باعور انا صحيح العينين (مسند احمد ۳/ص ۲۶) یعنی رسول اللہ ﷺ نے تو بتایا ہے کہ دجال کانا ہوگا اور میں کانا نہیں ہوں۔ میری دونوں آنکھیں ٹھیک ہیں۔

(۳) اس روایت سے مفہوم یہ ہوتا ہے کہ ابو بکرہ وزیر جب صیاد یہودی کے گھر گئے تھے تو اس کا لڑکا عبد اللہ بن صیاد دودھ پیتا بچہ تھا جو چادر میں لپٹا ہوا دھوپ میں سو رہا تھا۔ اس لیے کہ وہ سردی کا موسم تھا۔ وہ شیر خوار بچہ ان سے ہم کلام ہوا تو کیا یہ ایسی بات تھی کہ ابو بکرہ وزیر کو اس پر حیرت نہ ہوتی اور آ کر نبی ﷺ سے اس کا ذکر نہ کرتے۔

(۴) بچے کا ماں باپ کے لیے سودمند یا زیاں رسا ہونا شیر خواری کے زمانہ میں ثابت نہیں ہوتا۔ اس کا سراغ تو انہیں دودھ چھوٹنے کے کئی سال بعد لگ سکتا ہے۔ پھر ابن صیاد کے ماں باپ نے شیر خوار ابن صیاد کو ”اضر شیء و اقلہ نفعاً“ کیسے بتا دیا؟

(۵) اس حدیث میں مذکور ہے کہ خود نبی ﷺ نے دجال کے متعلق بتایا تھا کہ تمام

عیناء و لا ینام قلبہ اس کی آنکھیں سوئیں گی دل نہ سوئے گا یہ ہی ابو بکرہ وزیر بن عوام سے! بن صیاد نے اپنے متعلق کہا تھا۔ لیکن یہ وصف تو اللہ کے نبی کا ہے۔ دجال کا ابن صیاد کا وصف نہیں ہو سکتا۔

(۶) اس میں مذکور ہے کہ ابن صیاد پیدائشی نال کٹا ہوا اور ختنہ کیا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ تو ایک مدح و تعریف کا وصف ہے۔ ملعون دجال کا وصف نہیں ہو سکتا۔

(۷) اس میں مذکور ہے کہ ابن صیاد نے جو دھوپ میں پڑا سوراہا تھا۔ سر سے چادر ہٹا کر ابو بکرہ وزیر سے کہا۔ ما کنتما فیہ ما قلتما۔ حالانکہ اس کے متعلق ابو بکرہ وزیر نے کچھ نہیں کہا تھا اس کے متعلق جو کچھ کہا تھا اس کے ماں باپ نے ہی کہا تھا۔

(۳) عبد اللہ بن صیاد کے متعلق حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب حدیث

اس کے تین طریق ہیں یعنی تابعین میں سے تین شخص ہیں جن کے متعلق روایات آئی ہیں کہ انہوں نے ابوسعید خدریؓ سے ابن صیاد کے متعلق حدیث روایت کی تھی۔ وہ تین اشخاص یہ ہیں (۱) ابونضرہ (۲) ابوسلمۃ بن عبد الرحمن بن عوف (۳) ابوالوداک۔ تینوں کی روایت مضمون و متن کے لحاظ سے مختلف اور الگ الگ ہے میں ناظرین کے سامنے تینوں کی روایات رکھے دیتا ہوں۔

ابونضرہ کی روایت

ابونضرہ منذر بن مالک بن قطعہ عبیدی بصری کی کنیت ہے۔ اسے ثقہ تابعی قرار دیا گیا ہے لیکن امام بخاری نے اس کی روایت کی ہوئی کوئی حدیث درج صحیح نہیں کی۔ اس کی ذکر کردہ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ دروغ بانی و ژولیدہ بیانی واضطراب میں مبتلا تھا۔ کسی سے کچھ بیان کر دیا کسی سے کچھ۔ ابن صیاد کے متعلق ابوسعید خدری سے اس نے جو حدیث روایت کی ہے۔ وہ اس کی دروغ بانی کی کھلی ہوئی شہادت دے رہی ہے۔ ابونضرہ سے اس

کی روایت سعید بن ایاس جریری، علی بن زید بن جدعان، سلیمان بن طرخان تمیمی، ابو مسلمہ یعنی سعید بن یزید طاحی وعوف بن ابی جمیلہ اعرابی نے کی ہے۔ اور فی الواقع یہ تین حدیثیں ہیں الگ الگ مضمون والی۔

حدیث اول

مسلم نے کہا ہے : حدثنا محمد بن المثنی ثنا سالم بن نوح عن الجریری عن ابی نضرۃ عن ابی سعید قال لقیہ (یعنی ابن صیاد) رسول اللہ ﷺ و ابو بکر و عمر فی بعض طرق المدینۃ فقال له رسول اللہ ﷺ اتشهد انی رسول اللہ فقال هو اتشهد انی رسول اللہ فقال رسول اللہ ﷺ آمنت باللہ و ملائکته و کتبہ . ماتری ؟ قال اری عرشا علی الماء . فقال رسول اللہ ﷺ تری عرش ابلیس علی البحر . و ما تری قال اری صادقین و کاذبا او کاذبین و صادقا فقال رسول اللہ ﷺ دعوه . (صحیح مسلم ۲ ص ۳۹۷ طبع الہند کتاب الفتن ، ذکر ابن صیاد)

ترمذی نے بھی سفیان بن وکیع سے اس کی روایت کی ہے اس نے عبدالاعلیٰ سے اس نے جریری سے اسی طرح۔ اس اضافہ کے ساتھ فاحتبسہ و ہو غلام له ذو ابۃ۔ تیز اس میں ہے آمنت باللہ و کتبہ و رسلہ و الیوم الآخر۔ (سنن الترمذی ابواب الفتن باب ماجاء فی ذکر ابن صیاد ، حدیث ۳)

یعنی سعید بن ایاس جریری سے سالم بن نوح و عبدالاعلیٰ دو شخصوں نے روایت کی تھی۔ سالم کی روایت میں رسلہ و الیوم الآخر چھوٹ گیا ہے اور عبدالاعلیٰ کی روایت میں ملائکتہ نہیں ہے۔

امام احمد کہتے ہیں : حدثنا یونس ثنا حماد بن سلمۃ عن علی بن زید عن ابی نضرۃ عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ قال لابن صیاد ما تری ؟ قال اری عرشا علی البحر حولہ حیات . فقال رسول اللہ ﷺ تری عرش ابلیس (مسند ۳ ص ۶۶) و کذا رواہ عن عفان عن حماد بن سلمۃ بہ . (مسند ۳ ص ۹۷)

سعید بن ایاس جریری نے ابونضرہ سے جو روایت کی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ مدینہ کے کسی راستہ میں رسول اللہ ﷺ کی ابن صیاد سے ملاقات ہو گئی۔ آپ کے ساتھ ابو بکر و عمر تھے۔ آپ نے ابن صیاد کو روک کر کہا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس کے جواب میں وہ گستاخ ناہنجار بولا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اس پر آپ نے فرمایا میں ایمان لایا اللہ پر۔ اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر اور پچھلے دن پر۔ اس کے بعد آپ نے اس سے پوچھا تجھے کیا نظر آتا ہے؟ بولا پانی پر ایک تخت دیکھتا ہوں فرمایا تجھے ابلیس کا تخت نظر آتا ہے سمندر پر۔ آپ نے پوچھا اس کے علاوہ تجھے کیا نظر آتا ہے۔ بولا دو نیچے ایک جھوٹا یا اس نے یہ کہا کہ دو جھوٹے ایک سچا۔ آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو۔ اس روایت میں یہ جھول ہے کہ بقول ابونضرہ ابو سعید خدری نے ذکر کیا تھا کہ اس موقع پر ابو بکر و عمر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ خود اپنے متعلق نہیں کہا کہ میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ سوال یہ ہے کہ پھر ابو سعید کو کس سے معلوم ہوا کہ آپ کے اور ابن صیاد کے درمیان یہ یہ بات ہوئی۔ ابو سعید کو یہ بات خود رسول اللہ ﷺ سے معلوم ہو سکتی تھی یا حضرت ابو بکر سے یا حضرت عمر سے یا ابن صیاد سے۔ اس سوال کا ایک ہی جواب ہے کہ حضرت ابو سعید خدری نے ابونضرہ سے یہ قصہ بیان ہی نہیں کیا خود ابونضرہ نے اسے تصنیف کر کے ابو سعید خدری کی طرف منسوب کر دیا تھا۔ اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ یہ ہی حدیث اسی طرح سلیمان بن طرخان تیمی سے بھی ابونضرہ نے بیان کی تھی اور سلیمان کو بتایا تھا کہ مجھے یہ حدیث حضرت جابر بن عبد اللہ سے پہنچی ہے۔ چنانچہ امام مسلم نے کہا ہے حدثنا یحییٰ بن حبیب و محمد بن عبد الاعلیٰ قالا حدثنا المعتمر قال سمعت ابی (هو سلیمان بن طرخان التیمی) قال حدثنا ابو نضرۃ عن جابر بن عبد اللہ قال لقی النبی ﷺ و معہ ابو بکر و عمرو و ابن صائد مع الغلمان ف ذکر نحو حدیث الجریری عن ابی نضرۃ عن ابی سعید فی ابن صیاد (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹۷ کتاب الفتن، ذکر ابن صیاد) یعنی نبی ﷺ کے ساتھ ابو بکر و عمر تھے، آپ کی ابن صیاد سے ملاقات ہوئی جوڑکوں کے ساتھ تھا۔ یعنی کھیل کود میں لگا ہوا تھا۔

باقی حدیث وہی ہے جو جریری نے بواسطہ ابونضرہ ابوسعید خدری سے روایت کی ہے۔ سعید بن ایاس جریری اور سلیمان تیمی دونوں ثقہ ہیں دونوں سے ابونضرہ نے یہ حدیث بیان کی تھی۔ لیکن جریری کو یہ بتایا تھا کہ مجھے یہ حدیث ابوسعید خدری سے پہنچی ہے اور سلیمان کو یہ بتایا تھا کہ مجھے یہ حدیث جابر بن عبد اللہ انصاری سے پہنچی ہے۔ پس سند کے لحاظ سے جریری و سلیمان تیمی کی روایتوں میں تعارض ہے۔ اور بقاعدہ اذا تعارضا تساقطا دونوں ہی روایتیں ساقط الاعتبار ہیں جابر نے یہ تو بتایا تھا کہ ابو بکر و عمر رسول اللہ کے ساتھ تھے مگر خود اپنے متعلق نہیں بتایا کہ میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ پھر جابر کو یہ قصہ کس سے معلوم ہوا؟ کسی سے بھی نہیں کیونکہ نہ یہ بات ابونضرہ نے ابوسعید خدری سے سنی تھی نہ جابر سے بلکہ خود ابونضرہ نے ہی تصنیف کی تھی۔ لوگوں کو دھوکا دینے کی غرض سے کبھی ابوسعید کا نام لے دیا کبھی جابر کا۔

اب ذرا روایت اور عقل کی روشنی میں اس کا مضمون دیکھئے:

(۱) سر راہ کھلتے ہوئے لڑکوں میں سے ایک نابالغ لڑکے کو روک کر اس سے "اتشهد انی رسول اللہ" کہنا کیا حضور اکرم ﷺ کے پر وقار طریق تبلیغ سے میل رکھنے والی چیز ہے۔ پھر جب اس گستاخ لڑکے نے آپ کے جواب میں خود آپ سے کہہ دیا "اتشهد انی رسول اللہ" تو کیا حضور اکرم ﷺ کے نزدیک اس نابالغ و گستاخ لڑکے کا رسول اللہ ہونا ممکنات میں سے تھا کہ اس کے جواب میں گول مول ارشاد فرمایا "آمنت باللہ و رسلہ و الیوم الآخر" اور اس کے رسول اللہ ہونے کی صاف صاف تردید نہیں کی؟ ظاہر ہے کہ ہر عقل مند اس کا جواب نفی میں ہی دے گا۔

(۲) اور جب حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث ابونضرہ کی گھڑی ہوئی ہے ابوسعید خدری یا جابر انصاری کی بیان کی ہوئی نہیں ہے تو ابن صیاد کا پانی پر تخت ابلیس دیکھنا اور یہ بتانا کہ مجھے دو جھوٹے ایک سچا یاد دے چے ایک جھوٹا نظر آتا ہے۔ ابونضرہ کی ہی بکواس ہے۔ نہ رسول اللہ ﷺ نے ابن صیاد سے یہ پوچھا تھا نہ ابن صیاد نے یہ بتایا تھا۔

حدیث ثانی

ابونضرہ نے ابن صیاد کا عالم غیب سے تعلق ظاہر کرنے کی غرض سے گھڑی تھی۔ امام مسلم نے صحیح میں اور عبد اللہ بن احمد نے مسند احمد میں اسے درج کرنے کی غلطی کی ہے۔

مسلم نے کہا ہے حدثنا ابو بکر بن ابی شیبہ ثنا ابو اسامة (اسمہ حماد بن اسامة) عن الجریری عن ابی نضرة عن ابی سعید الخدری ان ابن صیاد سأل النبی ﷺ عن تربة الجنة فقال درمكة بيضاء مسك خالص (صحیح مسلم ۲ ص ۳۹۸ کتاب الفتن) ہم سے ابو بکر بن ابی شیبہ نے بیان کیا کہ ہم سے ابو اسامة یعنی حماد بن اسامة نے بیان کیا سعید بن ایاس جریری سے روایت کر کے اس نے ابونضرہ سے اس نے ابوسعید خدری سے کہ ابن صیاد نے نبی ﷺ سے جنت کی مٹی کے متعلق دریافت کیا کہ کیسی ہے فرمایا عمدہ میدہ ہے۔ سفید خالص مشک۔ یعنی وہ میدہ کی طرح سفید و نرم ہے اور بو میں وہ خالص مشک ہے۔ جس میں کسی چیز کی ملاوٹ نہ ہو۔ سوال یہ ہے کہ اس وقت ابن صیاد ایک شوخ یہودی بچہ تھا۔ دین اور عقل سلیم سے بے بہرہ۔، جنت اور اس کی نعمتوں کے متعلق پوچھنا تو کسی عاقل و دیندار شخص کی شان ہو سکتی ہے۔

مگر حماد بن سلمہ نے جریری سے اس کے برعکس روایت کی ہے قال احمد حدثنا عفان ثنا حماد بن سلمة عن الجریری عن ابی نضرة عن ابی سعید الخدری ان رسول الله ﷺ سأل ابن صائد عن تربة الجنة فقال درمكة بيضاء مسك خالص۔ قال (ابو سعید) فقال رسول الله ﷺ صدق (مسند ۳ ص ۳۳) یعنی خود رسول اللہ ﷺ نے ابن صیاد سے جنت کی مٹی کے متعلق پوچھا تھا کہ کیسی ہے۔ اس کے جواب میں ابن صیاد نے کہا درمكة بيضاء مسك خالص۔ آپ نے فرمایا کہ اس نے صحیح جواب دیا ہے۔ جریری کے اس حدیث میں دو شاگرد ہیں۔ ابو اسامة اور حماد بن سلمہ اور دونوں کی روایت متضاد ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی جانے کہ دراصل جریری نے کیا بیان کیا تھا۔ وہ جو ابو اسامة کی روایت میں ہے یا وہ جو حماد کی روایت میں ہے اور حماد کی تائید میں مسلم کی یہ روایت ہے۔ قال حدثنا نصر بن علی الجهضمی ثنا بشر یعنی ابن المفضل عن

ابی مسلمہ (سعید بن یزید الطاحی) عن ابی نصرۃ عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ لابن صائد ما تربة الجنة؟ قال درمكة بيضاء مسك يا ابا القاسم . قال صدقت . حالانکہ عقلاً یہ ناممکن ہے ۔ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابن صیاد سے وہ بات پوچھیں جس کا صحیح جواب کوئی نبی ہی دے سکتا ہے جسے اللہ نے جنت دکھائی ہو یا بذریعہ وحی اس کی خبر دی ہو ۔

الغرض یہ حدیث بھی خود ابو نصرہ کی گھڑی ہوئی ہے ابو سعید خدری کی بیان کردہ نہیں ہے ۔ اس کے گھڑنے کا مقصود ہی یہ تھا کہ ابن صیاد کو ایک پراسرار شخصیت ثابت کیا جائے جس کا تعلق عالم غیب سے تھا ۔

اب ابو نصرہ کذاب کی ابو سعید خدری کے حوالہ سے بیان کی ہوئی تیسری حدیث بھی پڑھ لیجئے جس میں مذکور ہے کہ ابن صیاد نے ابو سعید خدری کو شد و مد کے ساتھ باور کرایا کہ میں دجال نہیں ہوں ۔ پھر آخر میں اللہ کی قسم کھا کر کہا مگر مجھے معلوم ہے کہ وہ اس وقت کہاں ہے اور اس کی جائے پیدائش کون سی ہے ۔ ابو نصرہ سے اس قصہ کی روایت سعید بن ایاس جریری سلیمان تیمی اور عوف بن ابی جمیلہ اعرابی نے کی ہے ۔

جریری کی روایت

امام مسلم نے محمد بن قتی سے اس نے سالم بن نوح سے اس نے جریری سے روایت کی ہے
عن ابی نصرۃ عن ابی سعید الخدری قال خرجنا حجاجا او عمارا و معنا ابن صائد فنزلنا منزلا ففرق الناس و بقيت انا و هو فاستوحشت منه و حشة شديدة مما يقال فيه . و جاء بمناعه فوضعه مع متاعی فقلت ان الحر شديد فلو وضعته تحت تلك الشجرة ففعل فرفعت لنا غنم فانطلق فجاء بعس فقال اشرب ابا سعید . فقلت ان الحر شديد و اللبن حار . ما لی الا انی اكره ان اشرب من يده او قال آخذ من يده . فقال ابا سعید لقد هممت ان آخذ حبلا فاعلقه بشجرة ثم اختنق مما يقول لی الناس . يا ابا سعید من خفی علیہ حدیث رسول اللہ ﷺ ما خفی علیکم معشر الانصار . ألسنت اعلم الناس بحدیث رسول اللہ ﷺ اليس قد قال رسول اللہ ﷺ هو عقیم لا یولد له و قد ترکت ولدی

بالمدينة. او ليس قد قال رسول الله ﷺ لا يدخل المدينة ولا مكة. و
قد اقبلت من المدينة و انا اريد مكة. قال ابو سعيد حتى كدت ان
اعذره. ثم قال اما والله اني لا عرفه و اعرف مولده و اين هو الآن. قال
قلت نه تبالك سائر اليوم. و روى الترمذي نحوه عن سفیان بن و كيع
عن عبد الاعلى عن الجريدي به (ابواب الفتن). (صحيح مسلم طبع
الهند ۲ / ص ۳۹۸)

ابونضرہ نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے۔ ابوسعید نے ذکر کیا کہ ہم
حج یا عمرہ کی غرض سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ دوپہر کے وقت راہ میں ایک جگہ پڑاؤ کیا تو
لوگ آرام کرنے کی خاطر مختلف درختوں کے سایوں میں الگ الگ ہو گئے۔ ابن صیاد بھی
ہمارے ساتھ تھا میں اور وہ ایک جگہ رہ گئے۔ چونکہ ابن صیاد کے متعلق لوگوں میں یہ افواہ
پھیلی ہوئی تھی کہ وہ دجال ہے اس لیے مجھے اس سے بڑی بھاری وحشت محسوس ہوئی۔ اس
نے اپنا سامان لا کر میرے سامان کے ساتھ رکھ دیا میں نے کہا گرمی سخت ہے۔ یہاں کے
بجائے تم اپنا سامان اس درخت کے نیچے رکھ لیتے تو اچھا تھا۔ اس نے ایسا ہی کیا پھر ہمیں
بکریوں کا ریوڑ دکھائی دیا۔ ابن صیاد اس کی طرف چلا گیا تو چرواہے سے ایک بڑے برتن
میں دودھ لے آیا۔ بولا اے ابوسعید دودھ پی لیجئے۔ میں اس کے ہاتھ سے کوئی چیز لینا نہ
چاہتا تھا اس لیے میں نے عذر کر دیا کہ گرمی سخت ہے اور یہ دودھ گرم ہے۔ یعنی میں نہیں
پیوں گا۔ میرے طرز عمل کو محسوس کر کے وہ بولا۔ اے ابوسعید میرے دل میں آیا ہے کہ کسی
درخت میں ری لکا کر اس کا پھندا گلے میں ڈال کر خودکشی کر لوں۔ لوگوں کو جو میری طرف
سے بدگمانی ہے اب ناقابل برداشت ہو گئی ہے۔ اور لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی باتیں خواہ
معلوم نہ ہوں تم گروہ انصار کو تو خوب معلوم ہیں۔ اے ابوسعید آپ کو اور لوگوں سے بڑھ
چڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کا علم ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے
دجال کو کافر بتایا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ کافر ہوگا اور میں مسلمان ہوں کیا ایسا نہیں ہے کہ رسول
اللہ ﷺ نے دجال کو لاد ولد بتایا ہے یعنی اس سے کوئی بچہ نہ ہوگا۔ اور میں نے مدینہ میں
اپنے بچے چھوڑے ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ رسول اللہ نے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ نہ

مدینہ میں داخل ہو گا نہ مکہ میں اور میں مدینہ سے آ رہا ہوں اور مکہ جانے کا قصد ہے۔ ابوسعید کا بیان ہے کہ ابن صیاد کی اس بات سے میں بڑا متاثر ہوا کہ واقعی لوگ اس کی طرف سے خواہ مخواہ بدگمان ہیں۔ پھر اس نے کہا سنو اللہ کی قسم میں اسے یعنی دجال کو پہچانتا ہوں۔ مجھے اس کی جائے پیدائش کا بھی علم ہے اور یہ بھی کہ اس وقت وہ کہاں ہے۔ ابوسعید کا بیان ہے کہ ابن صیاد کی یہ بات سن کر میں نے کہا بات تراناں ہو۔

حماد بن سلمہ نے بھی جریری سے اسی طرح یہ حدیث روایت کی ہے۔ (مسند ۳/ص ۲۳ و ص ۹۷)

ابونضرہ کی بیان کی ہوئی جریری کی اس روایت میں مذکور ہے کہ ابوسعید خدری والبن صیاد کا یہ قصہ اثنائے راہ کا ہے جب ابوسعید وابن صیاد دیگر لوگوں کے ساتھ حج یا عمرہ کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔

سلیمان تیمی کی روایت

امام احمد نے یحییٰ بن سعید قطان سے اس نے سلیمان بن طرخان تیمی سے روایت کی ہے۔ عن ابی نضرۃ عن ابی سعید الخدری قال لقینی ابن صائد فقال عد الناس او احسب الناس یقولون (فی انی انا الدجال) و انتم اصحاب محمد ﷺ الیس سمعت رسول اللہ ﷺ ھو یھودی و انا مسلم و انه اعور و انا صحیح و لا یاتی مکة و لا المدینة و قد حججت و انا معک الآن بالمدينة و لا یولد له و قد ولد لی ثم قال مع ذاک انی لا علم ابن ولد و متی یمخرج و ابن ھو قال فلبس علی (مسند ۳/ص ۲۶)

ابونضرہ سے مروی ہے کہ ابوسعید نے ذکر کیا کہ ابن صیاد مجھ سے آ کر ملا (یعنی مدینہ میں) تو کہا سمجھ لو کہ لوگ مجھے دجال بتاتے ہیں۔ اور آپ لوگ یعنی گروہ انصار محمد ﷺ کے ساتھی ہو کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنا کہ دجال یہودی ہوگا۔ وہ کانٹا ہوگا۔ وہ نہ مکہ میں داخل ہو گا نہ مدینہ میں۔ وہ لا ولد ہوگا۔ اور میں مسلمان ہوں اور کانٹا نہیں ہوں۔ میری دونوں آنکھیں ٹھیک ہیں۔ اور میں حج کر چکا ہوں یعنی مکہ میں داخل ہو چکا

ہوں اور یہ دیکھئے میں آپ کے ساتھ مدینہ میں ہوں اور میں صاحب اولاد ہوں (یعنی پھر مجھے دجال سمجھنے کی کیا تک ہے)۔ پھر اس نے کہا اس کے باوجود میں یقیناً جانتا ہوں کہ وہ کہاں پیدا ہوا اور کب نکلے گا یعنی منظر عام پر آئے گا اور وہ اب کہاں ہے۔ ابوسعید کہتے ہیں کہ یہ کہہ کر اس نے معاملہ مجھ پر مشتبہ کر دیا۔ ابونضرہ کی بیان کی ہوئی سلیمان تیمی کی اس روایت میں مذکور ہے کہ ابوسعید وابن صیاد کی یہ ملاقات اور بات چیت مدینہ میں ہوئی تھی۔ باہر نہیں۔

عوف اعرابی کی روایت

امام احمد نے محمد بن جعفر سے اس نے عوف سے یہ روایت کی ہے۔

عن ابی نضرۃ عن ابی سعید الخدری قال اقلنا فی جیش من المدینۃ قبل هذا المشرق. قال فکان فی الجیش عبد اللہ بن صیاد و کان لا یسایرہ احد و لا یرافقہ و لا یواکلہ و لا یشاریہ و یسمونہ الدجال فینا انا ذات یوم نازل فی منزل اذ رانی عبد اللہ بن صیاد جالسا فجاء حتی جلس الیّ فقال یا ابا سعید الاثری الی ما یصنع الناس لا یسایرنی احد و لا یرافقنی احد و لا یشاربنی احد و لا یواکلنی احد و یدعوننی الدجال. و قد علمت یا ابا سعید ان رسول اللہ ﷺ قال ان الدجال لا یدخل المدینۃ و اتی ولدت بالمدينة. و قد سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ان الدجال لا یولد له و قد ولد لی. فو اللہ لقد هممت مما یصنع بی هؤلاء الناس ان آخذ حبلا فأخلو فأجعله فی عنقی فأختنق فأستریح من هؤلاء الناس. و اللہ ما انا بالدجال و لکن و اللہ لو شئت لا خیرتک باسمہ و اسم ابیہ و اسم امہ و اسم القریۃ الی یخرج منها. (مسند ۳/ص ۷۹)

ابونضرہ سے مروی ہے کہ ابوسعید خدری نے ذکر کیا کہ ہم مدینہ سے مجاہدین کے ایک لشکر میں بسوئے مشرق روانہ ہوئے (مکہ کی سمت حج یا عمرہ کی غرض سے نہیں کیونکہ مکہ تو مدینہ سے جہت جنوب میں ہے نہ کہ جہت مشرق میں) اس لشکر میں عبد اللہ بن صیاد بھی تھا۔ اس کا حال یہ تھا کہ لوگ اس سے کنارہ کش رہتے تھے نہ کوئی ساتھ چلتا تھا نہ ساتھ رہتا تھا نہ

اس کے ساتھ کوئی کھانا پیتا تھا اور لوگ اسے دجال کہا کرتے تھے۔ ایک دن جب کہ میں ایک منزل میں اتر اہوا تھا عبداللہ بن صیاد نے مجھے بیٹھا ہوا دیکھا تو آ کر میرے پاس بیٹھ گیا۔ اے ابوسعید آپ دیکھ نہیں رہے ہیں کہ لوگوں کا میرے ساتھ کیا رویہ ہے۔ نہ میرے ساتھ کوئی اٹھتا بیٹھتا ہے، نہ کھاتا پیتا ہے اور مجھے دجال کہتے ہیں۔ حالانکہ اے ابوسعید آپ کو خوب معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ دجال مدینہ میں داخل نہ ہوگا۔ اور میں تو مدینہ میں ہی پیدا ہوا ہوں۔ اور آپ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی سنا ہے کہ دجال لا ولد ہوگا حالانکہ میں صاحب اولاد ہوں۔ میرے دل میں خیال آیا ہے کہ تنہائی میں سی کا پھندا ڈال کر اپنا گلا گھونٹ کر مر جاؤں تو ان لوگوں کی بکواس سے میرا پنڈ کٹے۔ اللہ کی قسم میں دجال نہیں ہوں۔ لیکن اللہ کی قسم آپ چاہتے تو میں آپ کو اس کا اصل نام اس کے باپ اور اس کی ماں کا نام اور اس بستی کا نام بتا دیتا جہاں سے وہ نکلے گا۔ ابونضرہ کی بیان کی ہوئی عوف اعرابی کی اس روایت میں مذکور ہے کہ ابوسعید و ابن صیاد مجاہدین کے ایک لشکر میں مدینہ سے سوئے مشرق روانہ ہوئے۔ اثنائے سفر میں ایک منزل پر دونوں کی ملاقات اور بات چیت ہوئی۔ بمصدق دروغ گورا حافظہ نباشد ابونضرہ نے یہ قصہ تین شخصوں کو بتایا تھا۔ الگ الگ اور متضاد دو مختلف گویا دی مضمون تینوں کی روایت میں مشترک ہے۔ روایات کا یہ اختلاف و تضاد بجائے خود اس کی دلیل ہے کہ ابوسعید خدریؓ نے ابونضرہ سے یہ قصہ بیان نہیں کیا خود ابونضرہ نے ہی یہ قصہ گھڑا تھا تا کہ ابن صیاد کو دجال قرار دینے میں آسانی ہو جائے۔

اس قصہ کے غلط ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس میں مذکور ہے کہ ابن صیاد نے ابوسعید خدریؓ سے کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دجال لا ولد ہوگا، یہ قصہ واقعی ہوتا تو ابوسعید اس سے کہتے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات نہیں سنی کیونکہ دجال کے متعلق کتب حدیث میں جن صحابہ کرام کی حدیثیں مذکور ہیں ان میں سے کسی بھی صحابی نے رسول اللہ ﷺ کا یہ قول ”نقل نہیں کیا کہ دجال لا ولد ہوگا۔ اور اگر ابن صیاد نے ابوسعید سے آخر میں یہ بکواس کی ہوتی کہ مجھے دجال کے متعلق سب کچھ معلوم ہے۔ کہاں پیدا

ہوگا۔ اس کے ماں باپ کا کیا نام ہے۔ کس مقام سے نکلے گا۔ تو ابوسعید اس سے یہ باتیں ضرور معلوم فرماتے اور جھوٹے کو اس کی قبر تک پہنچاتے۔ وہ ہمارا زمانہ نہ تھا کہ کہنے والا جو چاہے کہہ دے اور لکھنے والا جو چاہے لکھ دے نظام اسلام قائم تھا مدینہ میں حاکم شرع موجود تھا ابوسعید ابن صیاد کی باتیں حاکم شرع کے یہاں پیش کرتے، کیا باور کیا جاسکتا ہے کہ ابوسعید کو یہ قصہ سنانے کے لیے کوئی راست گفتار سامع میسر نہ ہوا پس یہ ابونضرہ کذاب ہی ان کے ہاتھ لگا۔

ابوسلمہ کی روایت

اس کی تخریج صرف امام احمد نے کی ہے قال حدثنا ابو نعیم ثنا الولید یعنی ابن عبد اللہ بن جمیع قال اخبرنی ابو سلمة عن ابی سعید الخدری قال اتی رسول اللہ ﷺ ابن صیاد و هو یلعب مع الغلمان قال اتشهد انی رسول اللہ قال هو اتشهد انی رسول اللہ فقال رسول اللہ ﷺ قد خیأت لک حیثا قال دخ. قال اخسأ فلن تعدو قدرک (مسند ۳ / ص ۸۲)

ابونعیم یعنی فضل بن دکین نے کہا کہ ہم سے ولید بن عبد اللہ بن جمیع نے بیان کیا کہ مجھے ابوسلمہ نے ابوسعید خدری سے روایت کر کے بتایا ابوسعید نے کہا رسول اللہ ﷺ ابن صیاد کے پاس آئے وہ لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس کے جواب میں اس نے آپ سے کہا "کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں" فرمایا میں نے تجھ سے پوچھنے کے لیے دل میں ایک بات چھپائی ہے (بتاؤ کیا ہے) بولا دخ ہے۔ فرمایا دور ہو تو اپنے درجہ سے تہ بڑھ سکے گا۔

ابوسلمہ سے اس کی روایت صرف ولید بن عبد اللہ بن جمیع نے کی ہے جو ضعیف شیعہ تھا اور ثقہ لوگوں کی طرف غلط باتیں منسوب کرنے کا عادی تھا۔ ابن حبان نے اس کے متعلق 'لکھا ہے' 'ینفرد عن الاثبات بما لایشبه حدیث الثقات فلما فحش ذلک منه بطل الاحتجاج به۔ بزار نے کہا ہے احتملوا حدیثہ و کان فیہ تشیع عقلی کہتے ہیں فی حدیثہ اضطراب۔ بخاری نے اس کے طریق سے کوئی حدیث درج صحیح نہیں کی۔ مسلم

نے اس کی روایت کردہ حدیثیں تخریج کی ہیں حاکم نے کہا ہے لو لم یخرج له مسلم
لکان اولی (تہذیب التہذیب)

یہ تو سند کے لحاظ سے اس میں کلام تھا اب متن کو لیجئے تو:

(۱) بھلا خود حضور ﷺ کو اس کے پاس جانے کی کیا ضرورت تھی۔

(۲) اس کھنڈرے نابالغ لڑکے سے آپ کا فرمانا "اتشہد انی رسول

اللہ بے شک اور باوقار طریق تبلیغ کے منافی ہے۔ آپ کو تو اللہ کا حکم تھا اذع الی سبیل
ربک بالحکمة و السوطة الحسنہ۔

(۳) نہ ہی یہ کوئی معقول بات ہے کہ آپ نے امتحاناً اس سے فرمایا کہ قد

خبأت لک خبیئاً۔ جب کہ آپ قطعاً جانتے تھے کہ لا یعلم الغیب الا اللہ اور یہ کہ
علیم بذات الصدور ہوتا تو بس اللہ کی ہی صفت ہے۔

یہ روایت ولید بن عبد اللہ بن جمیع کی ہی گھڑی ہوئی ہے ابو سلمہ کی بیان کردہ اور ابو
سعید خدری سے سنی ہوئی حدیث نہیں ہے۔ اسی لیے احمد کے علاوہ اور کسی نے اسے قابل
الثقات نہیں سمجھا۔

ابو الوداک کی روایت

ابو الوداک کا نام و نسب جبر بن نوف ہمدانی بکالی کوئی ہے۔ امام نسائی نے اس کے
متعلق کہا ہے لیس بالقوی (تہذیب التہذیب) امام احمد نے کہا ہے۔

حدثنا عبد المتعال ثنا یحییٰ بن سعید الاموی ثنا مجالد عن ابی
الوداک عن ابی سعید قال ذکر ابن صیاد عند النبی ﷺ فقال عمر انه
یزعم انه لا یمربشی الا کلمہ (مسند احمد ۲/ ص ۷۹)

ہم سے عبد المتعال نے بیان کیا کہ ہم سے یحییٰ بن سعید اموی نے بیان کیا کہ ہم
سے مجالد بن سعید نے بیان کیا ابو الوداک سے روایت کر کے اس نے ابو سعید
خدری سے روایت کی۔ ابو سعید نے کہا نبی ﷺ کے پاس ابن صیاد کا ذکر ہوا تو
حضرت عمر نے کہا کہ ابن صیاد یہ دعویٰ کرتا ہے کہ جس چیز پر بھی اس کا گزر ہوتا ہے

و داس سے بات کرتی ہے۔

یہ روایت سند کے لحاظ سے بے حد ضعیف ہے۔ مجالد بن سعید نہایت ضعیف و غیر معتبر راوی ہے۔ اس کا شیخ ابوداک بھی ضعیف ہے اور اگر مجالد اور اس کے شیخ ابوالوداک سے اس کے بیان کرنے میں غلطی نہیں ہوئی ہے تو یہ اس وقت کی بات ہے جب شریر یہودیوں کی سازش کے تحت ابن صیاد نے نبوت کا ڈھونگ باندھا تھا جیسا کہ میں شروع میں بیان کر آیا ہوں۔

(۴) ابن صیاد کے متعلق حضرت جابرؓ کی طرف منسوب حدیث

یہ حدیث ابوالزبیر محمد بن منکدر، ابوسلمہ و سالم بن ابی الجعد سے مروی ہے۔

ابوالزبیر کی روایت

ابوالزبیر کا نام محمد بن مسلم بن تدرس ہے۔ ثقہ تابعی ہیں بہت سی حدیثیں حضرت جابر سے بلا واسطہ سنی ہیں اور بہت سی بالواسطہ ابن صیاد کے متعلق ابوالزبیر کی روایت مسند امام احمد میں ہے۔

حدثنا محمد بن سابق ثنا ابراهيم بن طهمان عن ابى الزبير عن جابر بن عبد الله انه قال ان امرأة من اليهود ولدت غلاما ممسوحة عينه طالعة نائمة فاشفق رسول الله ﷺ ان يكون الدجال فوجده تحت قطيفة يهمهم فاذنته امه فقالت يا عبد الله هذا ابو القاسم قد جاء فاخرج اليه فخرج من القطيفة فقال لها رسول الله ﷺ مالها قاتلها الله لو تركته لبين. ثم قال يا ابن صباد ما ترى قال ارى حقا و ارى باطلا و ارى عرشا على الماء. قال فلبس عليه فقال رسول الله ﷺ آمنت بالله و رسله ثم خرج و تركه ثم اتاه مرة اخرى فوجده فى نخل له يهمهم فاذنته امه فقالت يا عبد الله هذا ابو القاسم قد جاء فقال رسول الله ﷺ ما لها قاتلها الله لو تركته لبين. قال (جابر) فكان رسول الله ﷺ يطمع ان يستمع من كلامه شيئا فيعلم هو هو ام لا. قال يا ابن صائد ما ترى: قال

اری حقا و اری باطلا و اری عرشا علی الماء . قال اتشهد انی رسول
 اللہ . قال هو اتشهد انی رسول اللہ فقال رسول اللہ ﷺ آمنت باللہ و
 رسلہ فلیس علیہ ثم خرج فترکہ ثم جاء فی الثالثة او الرابعة و معہ ابو
 بکر و عمر بن الخطاب فی نفر من المهاجرین و الانصار و انا معہ . قال
 فبادر رسول اللہ ﷺ بین یدینا و رجا ان یسمع من کلامہ شیئا .
 فسبقته امہ الیہ فقالت یا عبد اللہ هذا ابو القاسم قد جاء . فقال رسول
 اللہ ﷺ ما لہا قاتلہا اللہ لو ترکته لیبن . فقال یا ابن صیاد ما ترى قال
 اری حقا و اری باطلا و اری عرشا علی الماء . قال اتشهد انی رسول
 اللہ . قال اتشهد انت انی رسول اللہ فقال رسول اللہ ﷺ آمنت باللہ
 و رسلہ فلیس علیہ فقال لہ رسول اللہ ﷺ یا ابن صائد انا قد خیانا
 لک خینا فما هو ؟ قال الدخ الدخ . فقال لہ رسول اللہ ﷺ اخصا
 اخصا فقال عمر بن الخطاب ائذن لی فاقتله یا رسول اللہ فقال ان یرکن
 هو فلیست صاحبه انما صاحبه عیسی بن مریم علیہ الصلاة والسلام و
 ان لا یرکن هو فلیس لک ان تقتل رجلا من اهل العهد . قال فلم یزل
 رسول اللہ ﷺ مشفقا انہ الدجال . (مسند ۳/ص ۲۸۳)

ابوالزبیر نے حضرت جابر سے روایت کی ہے۔ جابر نے بیان کیا کہ یہود میں سے
 ایک عورت نے ایک لڑکا جنا۔ اس کی ایک آنکھ پر جالا پھرا ہوا تھا اور حلقہ سے اٹھی
 ہوئی ابھری ہوئی تھی۔ (غرضیکہ وہ قطعی کا ناتھا) رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو
 آپ کو اندیشہ ہوا کہ وہ دجال ہو۔ حقیقت حال جاننے کے لیے آپ خود اس عورت
 کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ نے دیکھا کہ وہ ایک چادر کے نیچے پڑا ہوا ہوں
 ہوں کر رہا ہے آپ کو دیکھ کر اس کی ماں نے اسے آگاہ کر دیا کہ اے عبد اللہ یہ
 ابوالقاسم آئے ہیں نکل کر ان کے پاس جا تو وہ چادر سے نکل آیا۔ آپ نے اظہار
 افسوس کرتے ہوئے فرمایا۔ اس اللہ ماری عورت کو کیا ہوا۔ اسے اس کے حال پر
 چھوڑ دیتی تو وہ اپنی حقیقت واضح کر دیتا۔ یعنی میں اس کی ہوں ہوں سن کر اس کی
 حقیقت جان لیتا پھر آپ نے اس سے فرمایا اوصائد کے بیٹے تجھے کیا نظر آتا ہے؟
 بولا میں ایک حق دیکھتا ہوں اور ایک باطل اور مجھے پانی پر بچھا ہوا ایک تخت نظر آتا

ہے۔ یہ کہہ کر ابن صیاد نے آپ کو گول مول بتائی (یعنی حق اور باطل اور تخت کی کوئی وضاحت نہیں کی) تب آپ نے فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ جواب میں اس نے آپ سے کہا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ آپ نے فرمایا: میں ایمان لایا اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔ پھر آپ اسے چھوڑ کر نکل آئے۔ پھر آپ دوبارہ اس کے پاس تشریف لے گئے۔ تو اسے کھجور کے ایک باغیچہ میں ہوں ہوں کرتا ہوا پایا۔ اس بار بھی اس کی ماں نے آپ کو دیکھ کر اسے خبردار کر دیا کہ اے عبد اللہ یہ ابوالقاسم آگئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس اللہ ماری عورت کو کیا ہوا؟ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتی تو وہ اپنی حقیقت واضح کر دیتا۔ جابر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ خواہش رکھتے تھے کہ ابن صیاد کی کچھ بات سنیں تو جان لیں کہ وہ دجال ہے یا نہیں۔ پھر آپ کے اور اس کے درمیان وہی مکالمہ ہوا۔ آپ نے کہا اوصائد کے بیٹے تجھے کیا نظر آتا ہے۔ بولا میں ایک حق دیکھتا ہوں اور ایک باطل اور مجھے پانی پر ایک تخت نظر آتا ہے۔ آپ نے فرمایا ائتشهد انی رسول اللہ جواب میں بولا ائتشهد انی رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا آمنت باللہ ورسلہ۔ پس آپ نے بھی اس سے گول مول بات کہی۔ پھر آپ اسے چھوڑ کر نکل آئے۔ پھر تیسری یا چوتھی بار آپ اس کے پاس تشریف لے گئے۔ اس مرتبہ آپ کے ساتھ ابو بکر و عمر اور مہاجرین و انصار میں سے چند انتخاب تھے اور میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ اس کے گھر کے قریب پہنچ کر آپ جھپٹ کر ہم سے آگے چلے گئے آپ کو امید ہوئی کہ آج اس کی کچھ بات سن لیں گے۔ اس کی ماں نے دیکھ لیا تو وہ آپ سے پہلے ہی اس سے جا کر بولی اے عبد اللہ یہ ابوالقاسم آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس اللہ ماری کو کیا ہوا؟ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتی تو وہ اپنی حقیقت واضح کر دیتا۔ پھر آپ کے اور ابن صیاد کے درمیان وہی مکالمہ ہوا۔ آپ نے فرمایا اوصائد کے بیٹے تجھے کیا نظر آتا ہے۔ بولا میں ایک حق اور ایک باطل دیکھتا ہوں اور مجھے پانی پر ایک تخت نظر آتا ہے۔ آپ نے فرمایا ائتشهد انی رسول اللہ۔ وہ جواب میں بولا ائتشهد انی رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا آمنت باللہ ورسلہ۔ اس طرح آپ نے گول مول بات کہی۔ پھر

آپ نے فرمایا صائد کے بیٹے ہم نے تجھ سے پوچھنے کے لیے دل میں ایک بات چھپائی ہے بتاؤ کیا ہے۔ بولا درخ ہے درخ ہے۔ فرمایا دور ہو دور ہو۔ حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ اسے قتل کر دوں فرمایا اگر یہ وہی دجال ہے تو تم اس کے قاتل نہیں ہو۔ اس کے قاتل تو حضرت عیسیٰ بن مریم ہیں۔ اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو تمہارے لیے جائز نہیں کہ معاہدین میں سے کسی مرد کو قتل کرو۔ جابر نے کہا ہے رسول اللہ ﷺ کو یقین تو نہیں مگر برابر اندیشہ رہا کہ ابن صیاد دجال ہو۔

ناظرین باور کریں کہ یہ حدیث شروع سے آخر تک جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔ اور حضرت جابر کی بیان کی ہوئی نہیں ہے جس نے یہ حدیث گھڑی تھی وہ تو تھا ہی کوئی جہنمی تعجب اور افسوس تو ان راویوں پر ہے جنہوں نے عقل و فہم کو بالائے طاق رکھ کر اس کی روایت کرنے کا جرم کیا تھا حالانکہ اس کے غلط اور موضوع ہونے کی تصریح کیے بغیر اس کا نقل کرنا جائز نہ تھا۔ اس کے جھوٹ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں ابن صیاد کی رسول اللہ ﷺ سے جو بات چیت ذکر کی گئی ہے اس کا صدور اسی بچے سے ہو سکتا ہے جو کم از کم نو دس سال کا ہو پس اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ابن صیاد اہل میں پیدا ہوا تھا تو نبی ﷺ سے یہ گفتگو اس نے ۹ھ یا ۱۰ھ میں کی ہوگی۔ لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ اس وقت مدینہ میں کوئی یہودی شخص نہ رہتا تھا۔ نہ مرد نہ عورت۔ بجز ان معدودے چند اشخاص کے جو قبائل یہود میں سے مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ اوائل شوال ۳ھ یہود بنی قریظہ جلاوطن ہوئے جن میں عبد اللہ بن صیاد کے ماں باپ یعنی صیاد یہودی اور اس کی بیوی بھی تھے۔ پھر یہود بنی نضیر ۴ھ میں جلاوطن کیے گئے پھر غزوہ احزاب کے بعد ۵ھ میں یہود بنی قریظہ لقمہ شمشیر بنے بس ان کے نابالغ بچے اور عورتیں رہ گئیں جن کی مسلمانوں میں غلامیوں اور باندیوں کی حیثیت سے تقسیم ہو گئی۔ اب کوئی بتائے کہ ابوالزبیر کی روایت کردہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ اور ابن صیاد کی ملاقات اور بات چیت کا جو ذکر ہے وہ کس سنہ میں ہوئی ہوگی..... اس سوال کا جواب یہ ہی ہے کہ کسی سنہ میں بھی نہیں..... یہ ملاقات اور بات چیت قطعاً ایک ان ہونی چیز ہے اور خالص جھوٹ کے سوا کچھ نہیں ہے۔

(۲) پھر یہ کیسی حیرت کی بات ہے کہ اس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ کی ابن صیاد سے تین یا چار بار ملاقات ہوئی لیکن ہر ملاقات میں دونوں کے درمیان یکساں سوال و جواب ہوا اور بغیر کسی ادنیٰ فرق کے یکساں بات چیت ہوئی۔ کیا واقعات کی دنیا میں ایسا ممکن ہے۔

(۳) اس میں مذکور ہے کہ پہلی اور دوسری ملاقات میں حضور ﷺ کے ساتھ کوئی نہ تھا آپ تنہا ابن صیاد کے گھر تشریف لے گئے تھے مگر تیسری یا چوتھی ملاقات میں آپ کے ساتھ ابو بکر و عمر بھی تھے جابر بھی تھے اور مہاجرین و انصار میں سے چند اور اشخاص بھی۔ سوال یہ ہے کہ پہلی اور دوسری ملاقات کا ماجرا جابر کو کیسے معلوم ہوا۔ خود حضور ﷺ نے تو انہیں بتایا نہ تھا اور نہ جابر اس کا ذکر کرتے کہ آپ نے ہمیں یہ یہ بتایا۔ تو کیا ابن صیاد یا اس کی ماں نے حضرت جابر کو اس سے آگاہ کیا تھا؟ یہ بھی نہیں تو پھر حضرت جابر کو کیسے علم ہوا؟ ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ سوال کرے کہ اس قصہ کے راوی سب ثقہ ہیں امام احمد نے محمد بن سابق ثقہ سے اس نے ابراہیم بن طہمان ثقہ سے اس نے ابوالزبیر ثقہ تابعی سے اس کی روایت کی ہے پھر اسے موضوع اور جھوٹ قرار دینا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ بے شک یہ سب راویان کرام ثقہ ہیں۔ ان میں سے کوئی جھوٹا نہ تھا۔ ان کی غلطی تو بس یہ ہے کہ اس کے معنی و مضمون میں غور نہیں کیا اور بے سوچے سمجھے اس کی روایت کر ڈالی۔ اصل بات یہ ہے کہ ابوالزبیر نے بہت سی حدیثیں حضرت جابر سے سنی تھیں اور بہت سی حدیثیں دیگر اشخاص سے سنی تھیں انہوں نے ابوالزبیر کو بتایا تھا کہ انہیں یہ حدیثیں حضرت جابر سے پہنچی ہیں۔ ابوالزبیر نے دونوں قسم کی حدیثیں اپنے صحیفہ حدیث میں لکھ رکھی تھیں۔ دوسری قسم کی حدیثوں کو بیان کرتے ہوئے وہ ان اشخاص کا نام نہیں لیتے تھے جنہوں نے ابوالزبیر کو وہ بتائی یا سنائی تھیں۔ تہذیب التہذیب میں ابوالزبیر کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ لیث بن سعد مکہ آئے تو ابوالزبیر نے انہیں دو کتابیں دیں جن میں حضرت جابر سے مروی حدیثیں لکھی تھیں۔ لیث بن سعد نے دوبارہ ان کے پاس حاضر ہو کر پوچھا کہ کیا یہ سب حدیثیں آپ نے جابر سے سنی ہیں۔ ابوالزبیر نے

جواب دیا۔ ان میں وہ حدیثیں بھی ہیں جو میں نے براہ راست جابر سے نہیں سنیں دیگر اشخاص نے ان کے حوالہ سے بیان کی ہیں۔ میں نے عرض کیا آپ میرے لیے ان حدیثوں کو نشان زد کرویں جو آپ نے براہ راست و بلا واسطہ حضرت جابر سے سنی ہیں۔ ابو الزبیر نے امام لیث بن سعد کی یہ گزارش قبول فرمائی۔ (تہذیب التہذیب ج ۹)

اب دیکھئے ابن صیاد کے متعلق ابو الزبیر کی روایت کردہ اس حدیث کی اسناد میں حدیثی یا اخباری جابر یا سمعت جابر انہیں ہے بلکہ عن جابر ہے۔ پس یہ حدیث ابو الزبیر کو حضرت جابر کے حوالہ سے کسی شخص نے سنائی تھی۔ اور ابو الزبیر نے اسے صحیح گمان کر کے اس کی روایت کر دی۔ یہ اسی نامعلوم شخص کی گھڑی ہوئی ہے اسی نے غلط بیانی کر کے اسے حضرت جابر کی طرف منسوب کر دیا تھا۔ اسی علت کی وجہ سے ترمذی و ابن ماجہ نے بھی اسے درخور اعتنا نہیں سمجھا بخاری و مسلم کا تو ذکر ہی کیا۔

محمد بن منکدر کی روایت

صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ابی داؤد میں ہے۔ محمد بن منکدر نے کہا

رأيت جابر بن عبد الله يحلف بالله ان ابن الصائد الدجال . قلت تحلف بالله قال اني سمعت عمر يحلف على ذلك عند النبي ﷺ (صحیح البخاری ص ۱۰۹۳ کتاب الاعتصام باب من رأى ترك النكير من النبي ﷺ حجة لا من غيره صحیح مسلم طبع الهند ۲ ص ۳۹۸ ، سنن ابی داؤد کتاب الملاحم . ذکر ابن صیاد)

حضرت جابر اللہ کی قسم کھا کر کہہ رہے تھے کہ ابن صائد دجال ہے۔ میں نے کہا آپ اس پر قسم کھا رہے ہیں بولے میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس عمر کو یہ قسم کھاتے ہوئے سنا ہے۔ یعنی اگر یہ بات غلط یا مشکوک ہوتی تو رسول اللہ ﷺ نے منع فرماتے کہ قسم کھا کر نہ کہو۔

دجال کے معنی ہیں فریب کار، جھوٹا مدعی، قصد اغلط بات کو صحیح باور کرانے کی کوشش کرنے والا۔ آغاز امر میں ابن صیاد یقیناً ایک دجال تھا۔ فتنہ گر یہودیوں کے کہنے میں اگر

اس نے نبوت کا ڈھونگ رچایا تھا اور یہود نے لوگوں کو اس کا معتقد بنانے کی زبردست کوشش کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ابن صیاد اور یہود کی یہ فریب کاری قطعاً ناکام ہوئی۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے رسول اللہ کے پاس قسم کھا کر ابن صیاد کو جہال بتایا تھا تو انہوں نے قطعاً صحیح کہا تھا لیکن مدینہ سے نکل جانے کے بعد ابن صیاد نے پھر کہیں یہ فریب کاری نہیں کی پھر مدینہ منورہ آ کر شریف مسلمان آدمی کی طرح اس نے زندگی گزاری حضرت عمرؓ کی اس قسم کی بنا پر یہ سمجھ لینا کہ ابن صیاد ہی وہ دجال تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے مسیح الدجال بتایا ہے نری زیادتی اور غلط فہمی ہے۔

ابوسلمہ والی راویت

اس کو تخریج کرنے کی شدید احمقانہ غلطی ابو داؤد سجری نے کی ہے۔ اس کا ذکر کرنے سے پہلے میں یہ بتا دوں کہ ایک صحابیہ عورت تھی فاطمہ بنت قیس چند غپ شپ بیان کرنے اور اللہ سے نہ ڈرنے والے افسانہ بازوں نے اس کے حوالہ سے مسیح دجال کے متعلق ایک حدیث وضع کرنے اور لوگوں میں پھیلانے کا گناہ کمایا تھا اسے حدیث الجساسة کہا جاتا ہے اس میں مذکور ہے کہ مسیح دجال زنجیروں میں جکڑا ہوا کسی جزیرے میں ایک مکان کے اندر مقید ہے۔ وقت آنے پر اس کی زنجیریں کھول دی جائیں گی۔ وغیرہ وغیرہ

امام مسلم نے بھی اپنی کتاب صحیح مسلم میں یہ جھوٹی کہانی ثبت فرمادی تھی۔ اس کے مفصل ذکر اور اس پر مدلل بحث کا مقام ”صحیح مسلم کا مطالعہ“ نامی کتاب ہے۔ سر دست تو میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ولید بن عبد اللہ بن جمیع نے جس کا ذکر چند صفحات پہلے گذر چکا ہے کسی سے فاطمہ بنت قیس والی حدیث جسا سے سنی تھی ولید نے اللہ کی گرفت سے بے پروا ہو کر اس کے لیے دوسری سند گھڑ لی اور اسے ابوسلمہ بن عبد الرحمن کی طرف منسوب کر دیا اور صاحب سنن امام ابو داؤد سجری نے اسے اپنی کتاب میں ثبت فرمادیا۔ ابو داؤد نے لکھا ہے۔

حدثنا واصل بن عبد الاعلیٰ اخبرنا ابن فضیل (محمد) عن الولید بن عبد اللہ بن جمیع عن ابی سلمة بن عبد الرحمن عن جابر قال قال رسول اللہ ذات یوم علی المنبر بینما اناس یسیرون فی البحر فنقد

طعامهم فرفعت لهم جزيرة فخرجوا يريدون الخبز فلقيتهم الجساسة .
 فقلت لابی سلمة ما الجساسة ؟ قال امرأة تجر شعر جلدھا و راسھا
 قالت فی القصر رجل فذكر الحديث . قال ابو سلمة للولید هو
 المسیح . فقال لی ابن ابی سلمة شهد جابر انه هو ابن صائد قلت انه
 قد مات قال و ان مات قلت فانه قد اسلم قال و ان اسلم قلت فانه قد
 دخل المدينة قال و ان دخل المدينة . (سنن ابی داؤد کتاب الملاحم
 خبر الجساسة حدیث ۵)

اس حدیث میں جسارہ کا قصہ تو ولید بن عبد اللہ بن جمیع کا گھڑا ہوا نہیں ہے البتہ اس
 نے اس کی اسناد گھڑی تھی۔ نہ یہ حضرت جابر کا بیان کیا ہوا ہے نہ ابو سلمہ کا روایت کیا ہوا۔
 اس قصہ کی روایت کو ابو سلمہ کے سرمنڈھ کر اس نے ابو سلمہ کے فرزند عمر پر دروغ بانی کی کہ عمر
 بن ابی سلمہ نے مجھے بتایا کہ حضرت جابر نے کہا کہ وہ کسی جزیرہ کے قصر میں زنجیروں میں
 جکڑا ہوا شخص ابن صیاد ہے۔ وہی مسیح الدجال ہے جو آخر زمانہ میں خروج کرنے والا ہے۔
 پھر اس خبیث ولید نے یہ بیان کیا ہے کہ مجھے عمر بن ابی سلمہ کی بات سن کر تعجب ہوا میں نے
 کہا ابن صیاد تو مرچکا ہے نیز وہ مسلمان ہو چکا تھا نیز وہ مدینہ کے اندر رہنے بسنے والا تھا۔
 ان حقائق کے باوجود ابن صیاد وہ دجال کیسے ہو سکتا ہے جو جزیرے میں مقید ہے۔ لیکن عمر
 بن ابی سلمہ نے اصرار کیا کہ گواہ ابن صیاد مرچکا ہے گو وہ مسلمان تھا گو وہ مدینہ میں داخل تھا۔
 بہر کیف وہی مسیح دجال ہے اور وہی جزیرے میں مقید ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ قطعاً نامعقول ہے
 کہ مرجانے کے بعد کوئی شخص مقید ہو۔ پھر اسے دنیا میں فتنہ و فساد پھیلانے اور اہل عالم کو
 گمراہ کرنے کے لیے اللہ آزاد کر کے بھیجے۔ میں کہتا ہوں کہ عمر ابن ابی سلمہ صالح دہ پرہیزگار
 علمائے حق میں سے تھے۔ مدینہ منورہ کے قاضی بھی رہے۔ وہ ایسے نہ تھے کہ حضرت جابر پر
 یا کسی اور پر دروغ بانی کرتے ولید بن عبد اللہ بن جمیع نے ہی ان پر یہ افتراء پروا زمی کی تھی۔
 اللہ تعالیٰ ہی جانے کہ ابو داؤد نے سنن میں یہ قطعاً جھوٹی روایت کیوں درج کی
 تھی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ کسی کذاب رافضی نے سنن ابی داؤد میں کتاب الملاحم اور کتاب
 المہدی کا اضافہ کر دیا ہو۔

سالم بن ابی الجعد کی روایت

ابوداؤد نے ہی احمد بن ابراہیم سے اس نے عبید اللہ بن موسیٰ عیسیٰ سے اس نے شیبان بن عبد الرحمن نحوی سے اس نے اعمش سے اس نے سالم بن ابن ابی الجعد نے اس نے حضرت جابر سے روایت کی ہے کہ فقدنا ابن صیاد یوم الحرة (سنن ابی داؤد کتاب الملاحم . ذکر ابن صاید حدیث ۴) یعنی خلیفہ یزید بن معاویہ کے حکم سے باغی اہل مدینہ کے برخلاف جو فوج کشی ہوئی تھی اور بہت سے لوگ مدینہ سے متصل سلسلتان میں جسے حرہ کہتے ہیں قتل ہوئے تھے۔ تو ابن صیاد اس دن سے نہ مدینہ میں نظر آیا نہ کسی اور جگہ اس کے ہونے کا سراغ لگا۔

اغلب یہ ہے کہ وہ بھی اس موقع پر قتل ہو گیا تھا۔ مقتولین میں سے ہر ایک کی لاش تو جابر دیکھتے نہ پھرے ہوں گے نہ ہی حضرت جابر کی ابن صیاد سے کوئی قرابت داری تھی کہ اس کی تلاش کرتے۔ اہل مدینہ جب شکست کھا کر بھاگ نکلے تو ہتھیار ڈال کر امان طلب کر لی امیر لشکر مسلم بن عقبہ نے انہیں امان دے دی اور مقتولین کو بڑا سا گڑھا کھودوا کر دفن کرا دیا۔

(۵) ابن صیاد کے متعلق حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی حدیث

یہ حدیث ایوب بن تیمیمہ سختیانی عبد اللہ بن عون اور ابن شہاب زہری سے اور موسیٰ بن عقبہ سے مروی ہے۔ ایوب کی روایت صحیح مسلم و مسند احمد میں ہے۔
مسلم نے لکھا ہے:

حدثنا عبد بن حمید ناروح بن عبادۃ ناہشام (الدستوائی) عن ایوب عن نافع قال لقی ابن عمر ابن صیاد فی بعض طرق المدینة فقال له قولا اغضبه فانتفخ حتی ملأ السکة . فدخل ابن عمر علی حفصة و قد بلغها فقالت له رحمک الله ما اردت من ابن صیاد . اما علمت ان رسول

اللہ ﷺ قال انما يخرج من غصبة يغضبها (صحیح مسلم طبع الہند ص ۳۹۹ ، کتاب الفتن . ذکر ابن صیاد)

ہشام نے ایوب سے اور اس نے نافع سے روایت کی ہے کہ نافع نے ذکر کیا کہ مدینہ کی کسی گلی میں عبداللہ بن عمر اور ابن صیاد کی لڑ بھڑ ہو گئی۔ ابن عمر نے کوئی ایسی بات کہہ دی جس سے ابن صیاد غصہ میں اس قدر پھول گیا کہ گلی بھر دی یعنی گلی کی چوڑائی میں اس کا بدن بھر گیا۔ اس کے بعد ابن عمر اپنی بہن ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے۔ انہیں یہ خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ بولیں اللہ تجھ پر رحم کرے۔ ابن صیاد سے تیرا کیا مطلب تھا: کیا تجھے علم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دجال کا خروج غصہ کی وجہ سے ہی ہوگا جو اسے کسی بات پر آجائے گا۔ ہشام نے وہ بات بیان نہیں کی جس سے ابن صیاد کو غصہ آیا تھا۔ اس کا ذکر حماد بن سلمہ کی روایت میں ہے جو مسند احمد میں ہے حماد نے اس کی استاد میں ایوب کے ساتھ فقیہ المدینہ عبید اللہ بن عمر بن حفص کا بھی ذکر کیا ہے۔ امام احمد کہتے ہیں کہ:

حدثنا سريج و عفان و يونس قالوا حدثنا حماد بن سلمة عن ايوب و عبید اللہ عن نافع عن ابن عمر انه رأى ابن صائد في سكة من سكك المدينة فسه ابن عمر و وقع فيه فانتفخ حتى سد الطريق فضربه ابن عمر بعصا كانت معه حتى كسرها عليه . فقالت له حفصة ما شأنك و شأنه ؟ ما يولعك به اما سمعت ان رسول الله ﷺ يقول انما يخرج الدجال من غصبة يغضبها . (مسند ۶ ص ۲۸۳ احادیث حفصہ رضی اللہ عنہا)

حماد بن سلمہ نے ایوب و عبید اللہ سے ان دونوں نے نافع سے اس نے اپنے آقا عبداللہ بن عمر کے متعلق روایت کی کہ ابن عمر نے مدینہ کی ایک گلی میں ابن صیاد کو دیکھا تو اسے گالی دی اور اس کے متعلق بدکلامی کی۔ وہ غصہ میں بھر کر اس قدر پھولا کہ راستہ بند کر دیا۔ یہ دیکھ کر ابن عمر نے لاشی سے جوان کے ہاتھ میں تھی اس کی خبر لی یہاں تک کہ مارتے مارتے اس پر لاشی توڑ دی۔ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو یہ قصہ معلوم ہوا تو بھائی کو ڈانٹا اور سمجھایا کہ تیرا ابن صیاد سے کیا لینا دینا۔ اس سے بھڑنے کی کیا ضرورت

ہے کیا تو نے رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ دجال تو ایک غصہ کے باعث ہی نکلے گا جو اسے کسی بات پر آئے گا۔ ہشام کی روایت میں جو گره تھی حماد بن سلمہ کی روایت نے اسے کھول دیا لیکن کیا یہ باور کرنے کے لائق بات ہے کہ عبد اللہ بن عمر جیسا صالح و متقی اور کریم بن کریم صحابی بلا وجہ کسی مسلمان کو گالی بکے پھر ناحق مارتے مارتے اس پر لاٹھی توڑ ڈالے؟ اگر نافع نے یہ ان ہوا قصہ بیان کیا تھا تو انہیں اس کا علم کیسے ہوا۔ وہ نہ خود ابن عمر کے ساتھ تھے۔ نہ ابن عمر کے ساتھ ام المؤمنین حضرت حفصہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے نہ ابن عمر نے انہیں یہ قصہ سنایا تھا۔ کسی یا وہ گونے نافع کی طرف منسوب کر کے ایوب و عبید اللہ کو یہ قصہ بتا دیا تھا اسی لیے انہوں نے اسے بیان کرتے ہوئے حدثنا یا اخبرنا نافع یا سمعنا نافعا نہیں کہا۔ عن نافع کہا ہے۔ الغرض یہ قصہ سراسر غلط ہے اور اس میں ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کر کے جو حدیث نبوی پیوند کی گئی ہے وہ بھی بالکل غلط اور موضوع ہے۔ کسی بھی صحابی نے رسول اللہ ﷺ کا یہ قول نقل نہیں کیا ہے کہ دجال کسی کی بات پر غصہ میں آ کر خروج کرے گا۔ اس قصہ کو گھڑے نے والے شخص نے لوگوں کو دراصل یہ باور کرانا چاہا تھا کہ حضرت ام المؤمنین حفصہ بھی ابن صیاد کو دجال سمجھتی تھیں۔ اور میں شروع میں ہی بیان کر آیا ہوں کہ تابعین کے عہد میں جھوٹے لوگوں کا ایک گروہ تھا جو جھوٹی روایات گھڑ کر ابن صیاد کو مسیح دجال ثابت کرنا چاہتا تھا۔

عبد اللہ بن عون کی روایت

اور سنئے عبد اللہ بن عون بن اربطبان نے بھی نافع سے اس کی روایت کی ہے۔ اسے بھی امام مسلم نے بے سوچے سمجھے درج صحیح فرما دیا ہے۔ احمد نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔ کہتے ہیں

حدثنا روح بن عبادۃ ثنا ابن عون عن نافع عن ابن عمر قال لقيت ابن صائد مرتين. فاما مرة فلقيته و معه بعض اصحابه. فقلت لبعضهم نشدتكم بالله ان سالتكم عن شئ لتصدقني قالوا نعم. قلت اتحدثوني انه هو؟ قالوا لا (یہ عبارت غلط ہے عبارت یہ ہونی چاہئے) احدثتموني انه هو. قالوا لا. قلت كذبتم و الله لقد حدثني بعضكم و هو يومئذ اقلكم مالا و

ولدا انه لا يموت حتى يكون اكثر كم مالا و ولدا و هو اليوم كذلك.
قال فتحدثنا ثم فارقه.

عبداللہ بن عون نے نافع سے روایت کی نافع نے کہا کہ عبداللہ بن عمر نے ذکر کیا کہ میں ابن صیاد سے (جب وہ مدینہ آ کر رہنے لگا تھا) دو بار ملا ہوں۔ پہلی بار ملاقات ہوئی تو اس کے ساتھ اس کے ملنے جلنے والے تھے تو میں نے ان میں سے کسی سے کہا میں تم لوگوں کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں اگر میں تم سے کسی چیز کے متعلق دریافت کروں تو تم مجھ سے سچ بولو گے۔ بولے جی ہاں۔ میں نے کہا تم نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ وہ وہی ہے (یعنی تم نے اس ابن صیاد کے متعلق مجھے بتایا تھا کہ وہی مسیح دجال ہے) بولے جی نہیں ہم نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا۔ میں نے کہا تم نے غلط کہا بخدا تم میں سے کسی نے مجھے بتایا تھا اور اس وقت وہ یعنی ابن صیاد مال و اولاد کے لحاظ سے تم میں سب سے کم تر تھا۔ کہ وہ نہیں مرے گا تا وقتیکہ مال و اولاد کے لحاظ سے تم میں سب سے زیادہ ہو جائے اور وہ آج ایسا ہی ہے ابن عمر نے کہا کہ کچھ دیر ہم نے بات کی پھر میں اس سے الگ ہو گیا (میں کہتا ہوں کہ اس اول جلول بات کا مطلب نہ میری سمجھ میں آیا نہ کسی اور کی سمجھ میں آ سکتا ہے۔ آخر حضرت ابن عمر ابن صیاد کے ساتھیوں سے کیا معلوم کرنا چاہتے تھے اور جو انہیں بتایا کہ تم میں سے کسی نے مجھ سے کہا تھا جب کہ وہ مفلس و بے نوا تھا ”انہ لا يموت حتى يكون اكثر كم مالا و ولدا و هو اليوم كذلك“ تو اس کا کیا مطلب ہوا کیا ابن عمر کو اس پر تعجب ہو رہا تھا کہ وہ ابھی تک زندہ کیوں ہے جب کہ خوب مال دار اور صاحب اولاد ہو چکا ہے اور کیا ابن عمر نے اس شخص کے کہنے پر یقین کر لیا تھا اور سمجھ لیا تھا کہ مال و اولاد ہوتے ہی ابن صیاد مر جائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ اس پوری بات میں ذرا بھی معقولیت نہیں ہے محض مہمل بات ہے۔

اس کے بعد ابن عون کی اس روایت میں ہے کہ ابن عمر نے نافع کو بتایا

ثم لقيته مرة اخرى وقد تغيرت عينه (مسلم کی روایت میں ہے) وقد نفرت عينه فقلت متى فعلت عينك ما اري قال لا ادري. قلت ما تدري و هي في راسك. فقال ما تريد متى يا ابن عمران شاء الله تعالى ان

يخلق في عصا ك هذه خلقه و نخر كاشد نخر حمار سمعته قط فزعهم
 بعض اصحابي اني ضربته بعصا كانت معي حتى تكسرت و انا فوالله
 ما شعرت قال (نافع) فدخل (ابن عمر) على اخته حفصة فاخبرها
 فقالت ما تريد منه ؟ اما علمت انه قال تعني رسول الله ﷺ ان اول
 خروجه على الناس من غصبة بغضبها (مسند ٦ ص ٣٨٢ صحيح
 مسلم ٢ ص ٣٩٩ طبع الهند)

یعنی دوبارہ میری ابن صیاد سے ملاقات ہوئی دیکھا تو اس کی ایک آنکھ کی حالت
 غیر ہو گئی ہے۔ اوپر کو ابھری ہوئی اور سوچی ہوئی ہے۔ میں نے کہا تیری آنکھ میں یہ تغیر کب
 ہوا؟ بولا میں نہیں جانتا۔ میں نے کہا تو نہیں جانتا حالانکہ وہ تیرے سر میں ہے۔ بولا اے عمر
 کے بیٹے تو مجھ سے کیا چاہتا ہے۔ اگر اللہ چاہے کہ تیری لاشی سے ایسی ہی آنکھ پیدا فرمائے
 تو پیدا کر دے گا۔ اور اس نے گدھے کی طرح بڑی زور سے چنگھاڑ ماری تب بقول میرے
 بعض ساتھیوں کے میں نے اسے اپنی لاشی سے مارا۔ یہاں تک کہ وہ ٹوٹ گئی۔ لیکن خود
 مجھے اس کا پتہ نہیں کہ میں نے اسے مارا تھا۔ نافع کا بیان ہے کہ اس مار پیٹ کے بعد حضرت
 ابن عمر نے اپنی بہن ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے یہاں جا کر انہیں یہ واقعہ سنایا۔
 انہوں نے فرمایا۔ بھیا تیرا اس سے کیا مطلب کیا تجھے معلوم نہیں کہ لوگوں پر دجال کے خروج
 کا آغاز غصہ سے ہی ہوگا جو اسے کسی پر آئے گا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ یہ
 رسول اللہ ﷺ کی فرمائی ہوئی بات ہے۔

یہ روایت قطعاً ان روایات کے خلاف ہے جن میں مذکور ہے کہ ابن صیاد پیدائشی کا نا
 تھا۔ اور اس میں ایک بالکل غیر معقول بات مذکور ہے وہ یہ کہ حضرت ابن عمر نے ابن صیاد کو
 پیٹتے پیٹتے اپنی لاشی کو توڑ دی اور وہ اسے زد و کوب کرنے سے قطعاً بے خبر رہے۔ پھر ایوب کی
 روایت میں یہ ہے کہ ابن عمر کے پہنچنے سے پہلے ہی حضرت حفصہ کو اس کی خبر ہو گئی تھی۔ اور
 ابن عون کی اس روایت میں ہے کہ خود ابن عمر نے حضرت حفصہ کو اس قصہ سے آگاہ کیا
 تھا۔ بہر کیف ابن عون کی روایت ساقط الاعتبار ہے۔ عبد اللہ بن عون اہل سنت میں سے
 تھے شیعہ یا رافضی نہ تھے لیکن بد حفظ تھے۔ سنی ہوئی باتیں انہیں ٹھیک یاد نہ رہتی تھیں۔ عموماً

کچھ کا کچھ بیان کر دیتے تھے۔ اس روایت میں بھی ایسا ہی ہوا ہے کہ موصوف کو انہی طرح یاد نہ رہا کہ نافع نے کیا کہا تھا۔

زہری کی روایت

اس کی تخریج بخاری و مسلم و احمد و ترمذی نے کی ہے مطبوعہ قط اول ”صحیح بخاری کا مطالعہ“ ۳۰ حدیثوں پر مشتمل ہے۔ اس لحاظ سے اس حدیث کا نمبر ۳۱ ہے۔
یونس بن یزید ایلی نے زہری سے روایت کی ہے:

قال اخبرني سالم بن عبد الله ان ابن عمر اخبره ان عمر انطلق مع النبي ﷺ في رهط قبل ابن صياد حتى وجدوه يلعب مع الصبيان عند اطم بني مغالة وقد قارب ابن صياد الحلم فلم يشعر حتى ضرب النبي ﷺ بيده ثم قال لابن صياد اتشهد اني رسول الله فنظر اليه ابن صياد فقال اشهد انك رسول الاميين. فقال ابن صياد للنبي ﷺ اتشهد اني رسول الله فرفضه و قال آمنت بالله و برسله. فقال له ماذا ترى؟ قال يأتيني صادق و كاذب. فقال اخسأ فلن تعدو قدرك. فقال عمر دعني يا رسول الله اضرب عنقه فقال النبي ﷺ ان يكن هو فلن تسلط عليه و ان لم يكن هو فلا خير لك في قبله و قال سالم سمعت ابن عمر يقول ثم انطلق بعد ذلك رسول الله و ابي بن كعب الى النخل التي فيها ابن صياد و هو يخل ان يسمع من ابن صياد شيئا قبل ان يراه ابن صياد. فراه النبي ﷺ و هو مضطجع في قطيفة له فيها زمرة فرأت ام ابن صياد رسول الله ﷺ و هو يتقى بجذوع النخل فقالت لابن صياد يا صاف. و هو اسم ابن صياد. هذا محمد فثار ابن صياد. فقال النبي ﷺ لو تركته بين (صحیح بخاری ص ۱۸۱ کتاب الجنائز باب اذا اسلم الصبي فمات هل يصلي عليه شعیب بن ابی حمزہ نے بھی زہری سے اسی اسناد کے ساتھ اس کی روایت کی ہے مگر شعیب کی روایت کے آخر میں ہے فتناهی ابن صياد قال النبي ﷺ لو تركته بين (صحیح بخاری ص ۹۱۲ کتاب الادب باب قول الرجل للرجل اخسا و ۳۵۹ کتاب الشهادات باب شهادة المختبي)

عقیل بن خالد نے بھی زہری سے اسی اسناد کے ساتھ مگر صرف ابی بن کعب کے ساتھ تشریف لے جانے کا قصہ (صحیح بخاری ص ۳۲۵ کتاب الجہاد)

باب ما يجوز من الحذر والاحتیال مع من تخشى معرفته

صالح بن کیسان نے بھی زہری سے اسی اسناد کے ساتھ دونوں قصے۔ عمر کا بھی اور ابی بن کعب کا بھی (صحیح مسلم ص ۳۹۸ طبع الہند مسند ص ۱۳۹)

یونس و شعیب و عقیل و صالح بن کیسان کی اسناد کے مطابق زہری نے سالم سے اس نے اپنے والد عبد اللہ بن عمر سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عمر اور چند دیگر اشخاص کے ساتھ ابن صیاد کی طرف تشریف لے گئے۔ بنی مغالہ کے ٹیلے کے پاس اسے لڑکوں کے ساتھ کھیلتا ہوا پایا (بنی مغالہ یہود بنی قیقاع میں سے ایک خاندان تھا) اور وہ بلوغ کے قریب پہنچ گیا تھا (یعنی ۱۱-۱۲ سال کا مراہق لڑکا تھا) اسے حضور ﷺ کے آجانے کی خبر نہ ہوئی یہاں تک کہ آپ نے اس کے کاندھے پر ہاتھ مار کر اسے متوجہ کیا پھر آپ نے اس سے فرمایا کیا تو اقرار کرتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں ابن صیاد نے آپ کی طرف دیکھ کر کہا میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ امین یعنی اہل عرب کے رسول ہیں۔ (مدینہ کے اکثر یہود آپ کے متعلق اسی رائے کا اظہار کرتے تھے۔ ابن صیاد نے اپنے بڑوں سے یہ ہی سنا تھا) پھر وہ بولا کیا آپ اقرار کرتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں آپ نے اسے چھوڑ کر فرمایا ایمان لایا میں اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔ پھر آپ نے اس سے فرمایا تجھے کیا نظر آتا ہے؟ بولا میرے پاس ایک جھوٹا آتا ہے اور ایک سچا۔ یعنی مجھے دو غیبی ہستیاں دکھائی دیتی ہیں ان میں سے ایک کی بتائی ہوئی باتیں سچ ثابت ہوتی ہیں اور ایک کی بتائی ہوئی باتیں غلط نکلتی ہیں۔ فرمایا تجھ پر معاملہ مشتبہ کر دیا گیا ہے۔ یعنی اللہ کی طرف سے تجھ پر کوئی فرشتہ نہیں اترتا۔ اللہ بندوں کو اشتباہ و التباس میں نہیں ڈالتا اللہ کی طرف سے آئی اور فرشتہ حق کی بتائی ہوئی ہر بات حق ہوتی ہے تیری باگ ڈور تو شیطان کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی بتائی ہوئی بات اندھے کی لاشی ہے۔ کبھی لگ گئی کبھی نہ لگی۔ پھر آپ نے فرمایا (کہا جاتا ہے کہ تو دل کی بات بتا دیتا ہے) میں نے تجھ سے پوچھنے کے لیے ایک چیز دل میں چھپائی ہے (بتا دے کیا

ہے) بولا وہ دغ ہے (دغ ایک گھاس کو کہتے ہیں جو باغ میں اگ آتی ہے) فرمایا۔ دور ہو تو اپنی حد سے تجاوز نہ کر سکے گا۔ حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اس کی گردن مار دینے دیجئے۔ فرمایا اگر یہ وہ ہو یعنی مسیح و جال ہو تو تم اس پر قابو نہ پاسکو گے (کیونکہ اسے تو حضرت مسیح بن مریم کے ہاتھ سے قتل ہونا ہے) اور اگر یہ وہ نہ ہو تو اسے قتل کرنے میں تمہارے لیے کوئی بھلائی نہیں ہے۔ اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود عبد اللہ بن عمر تو اس موقع پر آپ کے ساتھ تھے نہیں۔ ہوتے تو ضرور بتاتے کہ میں بھی آپ کے ساتھ تھا اور جب وہ آپ کے ساتھ نہ تھے تو انہیں یہ سب باتیں کس سے معلوم ہوئیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ابن صیاد سے یہ بات چیت ہوئی عمر نے اسے قتل کر ڈالنے کی اجازت چاہی تو آپ نے یہ جواب دے کر انہیں اس سے باز رکھا۔ ابن عمر کو اس سے نہ رسول اللہ ﷺ نے آگاہ کیا نہ ان کے والد حضرت عمر نے نہ کسی اور شخص نے۔ لامحالہ یہ ابن عمر کی بیان کی ہوئی حدیث نہیں ہے۔ نہ ہی سالم ایسے تھے کہ اپنے والد کی طرف ان کہی بات بیان کرنے کی نسبت کرتے۔ یقیناً یہ زہری کی غلط بیانی ہے۔ جیسا کہ میں ابھی اس کو مدلل طور سے واضح کر دوں گا انشاء اللہ عمر نے بھی زہری سے اس کی روایت کی ہے۔ معمر سے ہشام بن یوسف صنعانی نے (صحیح بخاری ص ۴۲۹ کتاب الجہاد باب کیف يعرض الاسلام على الصبي) اور عبد اللہ بن مبارک نے (صحیح بخاری ۹۷۹ کتاب القدر باب يحول بين المرء و قلبه) اور عبد الرزاق نے (منن ابی داؤد کتاب الملاحم باب خبر ابن صياد) مسند احمد (ج ۲ ص ۱۴۸ و ص ۱۴۹)

ہشام و ابن مبارک کی روایت تو سند و متن کے لحاظ سے یونس و شعیب وغیرہ کی طرح ہے۔ ہشام کی روایت تام ہے اس میں دونوں قصے مذکور ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا حضرت عمر وغیرہ کے ساتھ ابن صیاد کے پاس جانا اور گفتگو کرنا جب کہ وہ لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا پھر آپ کا ابی بن کعب کے ساتھ جانا تا کہ آپ چھپ کر ابن صیاد کی بات سن سکیں مگر اس کی ماں کا اسے آگاہ کر دینا۔ مگر ابن مبارک کی روایت مختصر ہے۔ رہے عبد الرزاق تو ان کی روایت سند و متن میں اضافہ رکھتی ہے۔ سند کا اضافہ یہ ہے ”عن معمر

عن الزهري عن سالم او عن غير واحد قال قال ابن عمر انطلق رسول الله ﷺ و ابي بن كعب . الخ (مسند ص ۱۴۹) زہری نے سالم سے یا چند اشخاص سے روایت کی کہ ابن عمر نے ذکر کیا۔ الخ

یہ اسناد بتاتی ہے کہ زہری کو ٹھیک یاد نہ تھا کہ عبد اللہ بن عمر کی بیان کردہ یہ حدیث موصوف کو سالم سے پہنچی تھی یا سالم کے علاوہ دیگر اشخاص سے۔ یہ ہے زہری کی اصل اسناد۔ اور جب زہری نے یہ حدیث یونس بن یزید و عقیل و شعیب و صالح بن کیسان کو سنائی تھی تب اسناد سے او عن غیر واحد ساقط کر دیا تھا عن سالم عن ابن عمر کہا تھا۔ یہ لوگ دھوکے میں آ گئے کہ زہری نے یہ حدیث سالم سے سنی تھی لہذا بالکل صحیح ہے۔ حالانکہ صحیح طور پر معلوم نہیں کہ یہ حدیث زہری نے کس سے سنی تھی۔ سالم سے سننے کا انہیں صرف گمان تھا یقین نہ تھا۔ زہری نے اپنے گمان اور شک کو یقین کا درجہ دے کر اس کی روایت کر ڈالی۔ اپنی روایات کو لوگوں میں پھیلانے کی خاطر اس طرح کی تلخیصات زہری کر گزرتے تھے۔

اور عبدالرزاق کی روایت میں متن کا اضافہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دل میں سورة الدخان کی آیت یوم تاتى السماء بدخان مبين چھپائی تھی۔ آیت کے کلمات ابن صیاد کی زبان پر نہ آ سکے اس لیے وہ دغ دغ کر کے رہ گیا (مسند احمد ۲ ص ۱۴۸ سنن ابی داؤد کتاب الملاحم)

لیکن زہری کے تلامذہ کی روایات میں آیت کا ذکر نہیں۔ زہری سے یہ حدیث یونس، شعیب، عقیل، صالح بن کیسان اور معمر نے روایت کی ہے یونس و شعیب و عقیل و صالح نے آیت کا ذکر نہیں کیا۔ اور معمر سے ہشام و ابن مبارک و عبدالرزاق نے روایت کی ہے ہشام و ابن مبارک کی روایت میں بھی آیت کا ذکر نہیں ہے۔ اس سے یہ ہی سمجھ میں آتا ہے کہ آیت کا ذکر عبدالرزاق کا ادراج اور غلط اضافہ ہے۔

درایت کا فیصلہ یہ ہے کہ زہری کی روایت کی ہوئی اس حدیث میں دونوں قصے قطعاً غلط ہیں۔ ابن صیاد سے ملنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نہ حضرت عمر و غیرہ کے ساتھ گئے تھے نہ چوری چھپے اس کی بات سننے کے لیے ابی بن کعب کے ساتھ تشریف لے گئے تھے۔ رسول

اللہ ﷺ کا ایک نابالغ یہودی بچہ سے ملنے کے لیے جانا اور اس سے اس انداز سے بات کرنا جیسے ہم عمر لوگوں سے بات کی جاتی ہے اور اس سے پوچھنا کہ تجھے کیا نظر آتا ہے اور اس کا امتحان لینے کے لیے دل میں چھپا کر کوئی بات پوچھنا۔ قطعاً مستبعد اور غیر معقول ہے۔ اور چھپ چھپ کر اس کی بات سننے کی سعی کرنا آپ کی متانت اور شانِ بلند سے کوئی میل رکھنے والی چیز نہیں ہے نہ معلوم زہری نے یہ قصے کس یا وہ گو سے سن لیے تھے۔ لیکن سالم بن عبد اللہ بن عمر سے تو قطعاً نہیں سنے تھے۔

موسیٰ بن عقبہ کی روایت

ابوداؤد نے لکھا ہے

حدثنا قتيبة بن يعقوب بن عبد الرحمن عن موسى بن عقبه عن نافع قال
كان ابن عمر يقول و الله ما اشك ان المسيح الدجال ابن صياد
(كتاب الملاحم . ذكر ابن صائد)

موسیٰ نے نافع سے روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن عمر اللہ کی قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ میں اس میں شک نہیں کرتا کہ مسیح دجال ابن صیاد ہی ہے۔“

ابوداؤد کے علاوہ کسی اور محدث نے حضرت عبد اللہ بن عمر کا یہ قول نقل نہیں کیا۔ لیکن یہ ان کا قول نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ نہایت متقی و بلند پایہ صحابی تھے۔ انکل پچو بات کہنے والے۔ یا گمان کو یقین کا درجہ دینے والے نہ تھے۔ ان کے سامنے ہی ابن صیاد نے مدینہ میں ایک مسلمان کی حیثیت سے اپنی عمر کے آخری کئی سال گزارے تھے۔ جب وہ مدینہ آ کر رہا تھا تب ہی حضرت ابن عمر مسلمانوں کو بتا دیتے کہ یہ شخص دجال ہے۔ ابن عمر کی بات بے وزن نہ تھی۔ اہل مدینہ جو سب کے سب اہل اسلام تھے اور ان میں ہنوز بہت سے وہ حضرات بھی تھے جو صحبتِ نبوی کا شرف رکھتے تھے ابن صیاد کا مدینہ میں رہنا کبھی گوارا نہ کرتے۔ سنن ابی داؤد و ترمذی میں موجود حضرت ابن عمر کی طرف منسوب یہ قول میرے اس خیال کا مؤید ہے کہ کتاب الملاحم اور کتاب المہدی سنن ابی داؤد میں الحاقی ہیں۔ کسی رافضی کا اضافہ ہیں۔

(۶) ابن صیاد کے متعلق عبداللہ بن مسعود کی طرف منسوب حدیث

امام مسلم نے عثمان بن ابی شیبہ و اسحاق بن ابراہیم سے انہوں نے جریر بن عبد الحمید سے اس نے اعمش سے روایت کی ہے اس نے شقیق بن سلمہ ابو وائل سے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ ہمارا گزر چند بچوں پر ہوا ان میں ابن صیاد بھی تھا سب بچے آپ سے شرمنا کر بھاگ گئے ابن صیاد وہیں بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی یہ بے حیائی اچھی نہ لگی۔ آپ نے اس سے فرمایا کیا تو اقرار کرتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ بولا نہیں بلکہ آپ اقرار کریں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس دریدہ فتنی پر حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اسے قتل کر دینے دیجئے فرمایا اگر یہ تمہاری نظر میں ایسا ہی خبیث گردن زدنی ہے تو تم اسے قتل نہیں کر سکتے۔ (کیونکہ نابالغ ہے اور معاہدہ قوم میں سے ہے) روایت کے الفاظ یہ ہیں:

كنا مع رسول الله ﷺ فمررنا بصبيان فيهم ابن صياد ففر الصبيان و جلس ابن صياد فكان رسول الله ﷺ كره ذلك فقال له النبي ﷺ تربت يداك اتشهد اني رسول الله ؟ فقال لا بل تشهد اني رسول الله فقال عمر بن الخطاب ذرني يا رسول الله حتى اقتله فقال رسول الله ﷺ ان يكن الذي ترى فلن تستطيع قتله. (صحيح مسلم طبع الهند ۲ ص ۳۹۷)

احمد نے یونس بن محمد سے اس نے معتمر سے اس نے اپنے والد سلیمان تیمکی سے اس نے اعمش سے اسی طرح روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے ان یکن الذی تخاف فلن تستطيعه (مسند احمد ۳۵۷) ابو معاویہ نے بھی اعمش سے اس کی روایت کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کنا نمشی مع النبی ﷺ فمر بابن صياد فقال اني قد خبات لك خبا قال ابن صياد دخ قال فقال رسول الله ﷺ اخسا قلن تعدو قدرك فقال عمر يا رسول الله دعني اضرب عنقه . قال لا ان يكن الذي تخاف فلن تستطيع قتله (مسند ۱ ص ۳۸۰ . صحيح مسلم ۲ ص ۳۹۷)

اعمش سے یہ حدیث جریر و سلیمان تیمکی و ابو معاویہ نے روایت کی ہے۔ ان میں

سے کسی کی روایت میں یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابن صیاد سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے تھے بلکہ یہ مذکور ہے کہ وہ اتفاقاً مل گیا تھا۔ مگر جریر و سلیمان تیمی کی روایت میں ہے کہ آپ نے ابن صیاد سے فرمایا اے شاہد انی رسول اللہ۔ اس پر اس نے الٹا آپ سے یہ ہی کہا اس پر حضرت عمر نے اس کے قتل کی اجازت چاہی۔ روایت ابو معاویہ میں اس کی بجائے یہ مذکور ہے کہ آپ نے اس سے فرمایا۔ خبات لک خبا۔ اس نے کہا و خ اس پر حضرت عمر نے اسے قتل کر ڈالنے کی اجازت چاہی۔ جریر و سلیمان تیمی دونوں ابو معاویہ سے بد جہا ثقہ و ثبت ہیں۔ لہذا یہ سمجھنا بجا ہے کہ ابو معاویہ کو بھول ہو گئی۔ ابن مسعود کی حدیث میں جو ثابت ہے موصوف نے اسے چھوڑ کر زہری کی روایت کا مضمون لے لیا۔ ابن صیاد کے متعلق جو روایات کتب حدیث میں مذکور ہیں ان سب میں یہ عبد اللہ بن مسعود والی حدیث ہی درست و غیر معلول ہے جس کی تخریج مسلم نے جریر کے طریق سے کہی ہے۔

(۲) نماز فجر کے بعد طواف کر کے سورج نکلنے سے پہلے دو گانہ طواف ادا کر لینے کا مسئلہ

صحیح بات یہ ہے کہ اس شخص کو انتظار کرنا چاہئے جب اچھی طرح سورج نکل آئے تب دو گانہ طواف ادا کرے خواہ مسجد میں خواہ مسجد سے باہر۔ لیکن امام بخاری اس کے قائل تھے کہ سورج نکلنے سے پہلے بھی دو گانہ طواف ادا کر لینا جائز ہے۔ اس کی دلیل میں بخاری نے حضرت ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث درج صحیح کی ہے۔ جو حبیب بن ابی قریب بھری سے مروی ہے۔

عن عطاء عن عروة عن عائشة ان ناسا طافوا بالبیت بعد صلاة الصبح ثم فعدوا الى المذکر حتى اذا طلعت الشمس قاموا بصلون. فقالت عائشة فعدوا حتى اذا كانت الساعة التي تكره فيها الصلاة قاموا بصلون. (صحیح بخاری طبع الہند ص ۲۲۰ کتاب المناسک باب الطواف بعد الصبح و العصر)

حبیب نے عطاء بن ابی رباح سے اس نے عروہ بن زبیر سے اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ چند لوگوں نے نماز فجر کے بعد خانہ کعبہ کا طواف کیا پھر دو گانہ طواف ادا کیے بغیر واعظ کی مجلس وعظ میں سننے کے لیے بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ سورج نکلنے لگا تب وہ اٹھ کر دو گانہ طواف پڑھنے لگے۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ یہ لوگ بیٹھے رہے یہاں تک کہ جب وہ گھڑی ہو گئی جس میں نماز پڑھنا درست نہیں ہے تب اٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں۔

اس سے امام بخاری نے یہ سمجھا سمجھایا ہے کہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کے نزدیک سورج نکلنے سے پہلے دو گانہ طواف پڑھ لینا جائز ہے۔ لیکن اس استدلال اور قصہ کی صحت اس پر موقوف ہے کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ ثابت ہو کہ وہ نماز فجر کے بعد مکہ میں سورج نکلنے تک مسجد حرام میں رکی ہوں یا رکا کرتی ہوں حالانکہ ثابت یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں قیام کی مدت میں آپ اپنی منزل سے نماز فجر کے لیے حرم شریف میں آتی تھیں اور نماز فجر سے فارغ ہوتے ہی علی الفور اپنی منزل واپس ہو جاتی تھیں۔ نماز کے بعد حرم شریف میں نہ رکتی تھیں۔ لہذا بخاری کا نقل کردہ یہ قصہ ہی سرے سے غلط ہے۔ اس کا راوی حبیب بن ابی قریبہ مختلف فیہ شخص ہے متعدد اہل علم نے اسے ثقہ بتایا ہے لیکن یحییٰ بن سعید قطان اس سے مروی حدیث کی روایت نہیں کرتے تھے۔ امام احمد نے اس کے متعلق کہا ما احتج بحديثه۔ نسائی کا قول ہے ليس بالقوى (تہذیب التہذیب)

(۳) روزہ عاشوراء کے متعلق سعید بن جبیر کی روایت کی ہوئی حدیث عبد اللہ بن عباس

قال لما قدم النبي ﷺ المدينة وجد اليهود يصومون عاشوراء فسئلوا عن ذلك فقالوا هذا هو اليوم الذي اظهر الله فيه موسى وبني اسرائيل على فرعون ونحن نصومه تعظيما له. فقال رسول الله ﷺ نحن اولي بموسى منكم ثم امر بصومه (ص ۵۶۲). بيان الكعبة باب اتيان اليهود

النبي ﷺ حين قدم المدينة) صحيح بخاری

رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کو عاشوراء یعنی محرم کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھتے ہوئے پایا۔ اس کے متعلق ان سے پوچھا گیا کہ اس دن روزہ کیوں رکھتے ہو۔ بولے یہ وہی دن ہے جس میں اللہ نے (نرعون کو اس کے لشکر سمیت غرقاب کر کے) موسیٰ کو فرعون پر غالب فرمایا تھا اس عظمت و اہمیت کی غرض سے اس یادگار دن میں ہم روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے یہود سے کہا تم یہودیوں کی بہ نسبت ہم موسیٰ سے زیادہ قرب رکھنے والے ہیں۔ پھر آپ نے مسلمانوں کو عاشوراء کا روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔

صحیح بخاری میں یہ حدیث متقارب الفاظ کے ساتھ پانچ جگہ ہے مسلم و ابوداؤد و احمد نے بھی اس کی تخریج کی ہے لیکن اس حدیث کی روایات میں سے کسی روایت کی اسناد میں بھی یہ مذکور نہیں کہ سعید بن جبیر نے یہ حدیث حضرت ابن عباس سے سنی تھی ہر روایت کی اسناد میں ”عن ابن عباس“ ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ سعید و ابن عباس کے درمیان کوئی واسطہ ہو۔ اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ فی الواقع ابن عباس نے یہ حدیث بیان کی تھی تب بھی یہ اُن کی مُزسَل روایت ہے۔ نہ معلوم انہوں نے یہ بات کس سے سنی تھی کیونکہ جس وقت کی یہ بات ہے اُس وقت ابن عباس مکہ میں شیرخوار بچہ تھے۔

پھر اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عاشوراء کا روزہ نبی ﷺ اور آپ کے حکم سے مسلمانوں نے مدینہ میں آ کر یہود کو دیکھ کر رکھا تھا حالانکہ ثابت یہ ہے کہ مکہ میں قبیلہ قریش اس روزے کا عادی تھا اور آپ بھی مکہ میں اس دن روزہ رکھتے رہے تھے مدینہ پہنچنے پر جب ماہ رمضان میں روزہ رکھنے کا حکم آیا تب آپ نے صراحتہ لوگوں کو بتا دیا کہ عاشوراء کا روزہ فرض نہیں ہے جس کا دل چاہے رکھے نہ رکھے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”ان قریشا كانت تصوم يوم عاشوراء في الجاهلية ثم امر رسول الله ﷺ بصيامه حتى فرض رمضان فقال رسول الله ﷺ من شاء فليصمه

ومن شاء افطر (صحیح بخاری ص ۲۵۴)

حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث ہے صام النبی ﷺ یوم عاشوراء و امر بصیامہ فلما فرض رمضان ترک۔ نافع کا بیان ہے و کان عبداللہ لا یصومہ الا ان یوافق صومہ۔ یعنی عبداللہ بن عمر عاشوراء کا روزہ نہیں رکھتے تھے ہاں عاشوراء کا دن اُن دنوں میں پڑ جاتا جن دنوں میں وہ نفل روزہ رکھنے کے عادی تھے تب تو عاشوراء کے دن روزہ رکھ لیتے تھے۔ (صحیح بخاری ص ۲۵۴ کتاب الصوم، باب الول)

الغرض عاشوراء کا روزہ ملت ابراہیم کے بقایا میں سے تھا۔ رہی یہ بات کہ مدینہ پہنچ کر یہودی دیکھا دیکھی رسول اللہ ﷺ نے یہ روزہ رکھا ہوا اور رکھنے کا حکم فرمایا ہو تو یہ سعید بن جبیر کی ہی کہی ہوئی بات ہے حضرت ابن عباس کی بیان کی ہوئی نہیں ہے کیونکہ سعید بن جبیر کے علاوہ اور کسی نے ان سے اس کی روایت نہیں کی۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت

یہ ہی حدیث بخاری نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے احمد بن عبید اللہ غدانی (غین مضموم دال مفتوح) سے روایت کی ہے۔ کہا ہے

حدثنا احمد او محمد بن عبید اللہ الغدانی ثنا حماد بن اسامہ اخبرنا ابو

عمیس عن قیس بن مسلم عن طارق بن شہاب عن ابی موسیٰ قال دخل النبی

ﷺ المدینة واذا ناس من اليهود يعظمون عاشوراء ويصومونه فقال النبی

ﷺ نحن احق بصومه فامر بصومه (صحیح بخاری ص ۵۶۲ کتاب المناقب بیان

الکعبة۔ باب اتیان اليهود نبی اللہ ﷺ حين قدم المدینة

صحیح میں یہ حدیث درج کرتے ہوئے بخاری کو شک ہو گیا کہ ان کے شیخ کا نام احمد

تھا یا محمد۔ مگر التاریخ الکبیر میں بخاری نے بغیر شک احمد بن عبید اللہ غدانی ذکر کیا ہے۔

بخاری کے شیخ احمد غدانی نے بیان کیا کہ ہم سے حماد بن اسامہ نے بیان کیا کہ ہمیں

ابو عمیس یعنی عتبہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود نے خبر دی قیس بن مسلم سے روایت کر کے

اس نے طارق بن شہاب بجلی سے اس نے ابو موسیٰ اشعری سے کہ نبی ﷺ نے مدینہ پہنچ کر

دیکھا کہ یہود میں سے کچھ لوگ عاشوراء (دسویں محرم) کو عظمت والا دن سمجھتے اور اس میں روزہ رکھتے ہیں۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا۔ ہم اس دن کا روزہ رکھنے کے زیادہ حقدار ہیں۔ پس آپ نے اس کے روزے کا حکم دیا۔

حماد بن اسامہ ابو اسامہ سے یہ حدیث احمد غزالی کے علاوہ احمد بن حنبل و ابوبکر بن ابی شیبہ و محمد بن عبد اللہ بن نمیر و احمد بن منذر و علی بن مدینی نے بھی روایت کی ہے۔ احمد بن حنبل و ابوبکر و محمد بن نمیر کی روایت یہ ہے کہ ابو موسیٰ نے بیان کیا کان یوم عاشوراء یوما یعظمہ الیہود یتخذونہ عیدا فقال رسول اللہ ﷺ صوموہ انتم (مسند ص ۴۰۹۔ صحیح مسلم ص ۳۵۹ کتاب الصوم) احمد بن منذر کی روایت بھی اسی طرح ہے۔ اس اضافہ کے ساتھ قال ابو اسامہ فحدثنی صدقة بن ابی عمران عن قیس بن مسلم عن طارق بن شہاب عن ابی موسیٰ قال کان اہل خیبر یصومون یوم عاشوراء یتخذونہ عیدا و یلبسون نساء ہم فیہ حلیم و شارتهم فقال رسول اللہ ﷺ فصوموہ انتم (صحیح مسلم ایضاً) علی بن مدینی سے بخاری نے حدثنا علی بن عبد اللہ ثنا ابو اسامہ عن ابی عمیس عن قیس بن مسلم عن طارق بن شہاب عن ابی موسیٰ قال کان یوم عاشوراء یعدہ الیہود عیدا۔ قال النبی ﷺ فصوموہ انتم (صحیح بخاری ص ۲۶۸ کتاب الصوم)

پس احمد غزالی کی ذکر کی ہوئی حدیث پانچ مثبت وثقہ حضرات کی ذکر کی ہوئی حدیث سے ہٹ کر دوسری حدیث ہے۔ اس نے وہ حدیث ذکر کی ہے جو سعید بن جبیر نے ابن عباس سے روایت کی لیکن اسناد وہ ذکر کی ہے جو اس حدیث کی اسناد ہے جس کی طارق بن شہاب نے ابو موسیٰ سے روایت کی ہے۔ جو اسناد بیان کی ہے اس کی حدیث بیان نہیں کی۔ اور جو حدیث بیان کی ہے اس کی اسناد ذکر نہیں کی۔

طارق بن شہاب والی حدیث کی اسناد میں سعید بن جبیر والی حدیث کا پیوند لگا دیا۔ بخاری نے اس علت پر غور کیا ہوتا تو احمد غزالی کی بیان کی ہوئی اس غلط حدیث کو درج صحیح نہ کرتے۔

(۴) شب قدر کے بارے میں ابن عباس کی طرف منسوب ایک حدیث جو صحیح بخاری میں ابو مجلز و عکرمہ سے مروی ہے

امام بخاری نے کہا ہے:

حدثنا عبد الله بن ابي الاسود ثنا عبد الواحد ثنا عاصم (الاحول) عن ابي
مجلز وعكرمة قال قال ابن عباس قال النبي ﷺ هي في العشر الاواخر
هي في تسع يمضين او في سبع يبقين يعني ليلة القدر (صحیح بخاری
ص ۲۷۱ کتاب الصوم باب التمسوا ليلة القدر في السبع الاواخر)

ہم سے عبد اللہ بن ابی الاسود نے بیان کیا کہ ہم سے عبد الواحد بن زیاد نے بیان کیا
کہ ہم سے عاصم بن سلیمان احول نے بیان کیا ابو مجلز یعنی لاحق بن حُمید اور عکرمہ سے روایت
کر کے ان دونوں نے کہا کہ عبد اللہ بن عباس نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے شب
قدر رمضان کی آخری دس راتوں میں ہے۔ نوراتوں میں سے کسی رات میں جو گزر جائیں
(یعنی ۲۱ سے ۲۹ تک کسی رات میں) یا سات راتوں میں جو رہ جائیں (یعنی ۲۲ سے ۳۰ تک
کسی رات میں) اس کی اسناد سے بخاری نے یہ سمجھا کہ ابو مجلز و عکرمہ دونوں نے عبد اللہ بن
عباس سے یہ حدیث سنی تھی۔ لہذا اس کی سند متصل ہے۔ رِوَاۃ سب ثقہ ہیں پس یہ صحیح
حدیث ہے۔

لیکن امام احمد نے عفان بن مسلم سے روایت کی ہے:

عن عبد الواحد ثنا عاصم الاحوال عن لاحق بن حُمید وعكرمة قال قال
عمر من يعلم متى ليلة القدر. قال فقال ابن عباس قال رسول الله ﷺ
هي في العشر في سبع يمضين او سبع يبقين (مسند ۱ ص ۲۸۱)

محمد بن عقبہ سدوسی نے بھی عبد الواحد سے اسی اسناد کے ساتھ روایت کی ہے۔

قال قال عمر من يعلم متى ليلة القدر؟ فقال ابن عباس قال رسول الله ﷺ

هي في العشر وهي في تسع يمضين او في سبع يبقين (سنن بیہقی ۴ ص ۳۰۹)

عفان و محمد بن عقبہ دونوں نے عبد الواحد سے اس کی روایت کی ہے اور اسناد میں بتایا ہے کہ ابو مجلز و عکرمہ دونوں نے یہ کہا تھا کہ حضرت عمرؓ نے حاضرین سے پوچھا، "کون ہے جو جانتا ہو کہ شب قدر کس رات ہوتی ہے؟" حضرت عمرؓ کے سوال کے جواب میں ابن عباسؓ نے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث سنائی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابو مجلز و عکرمہ نے حضرت عمرؓ کی مجلس کا واقعہ بیان کیا تھا کہ عمرؓ نے حاضرین سے یہ سوال کیا۔ ابن عباسؓ کے علاوہ کسی کے پاس اس کا جواب نہ تھا بس ابن عباسؓ نے ہی ان کو حدیث سے جواب دیا اور ابو مجلز یا عکرمہ نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا۔ یقیناً وہ دونوں اس مجلس میں نہ تھے۔ لامحالہ دونوں نے یہ قصہ کسی اور شخص سے سنا ہوگا۔ وہ شخص کون تھا؟ اس کا ذکر نہ ابو مجلز نے کیا نہ عکرمہ نے۔ لہذا یہ اسناد متصل نہیں بلکہ منقطع ہے۔ عبد الواحد بن زیاد سے یہ حدیث تین شخصوں نے سنی تھی۔ بخاری کے شیخ عبد اللہ بن ابی الاسود نے، عفان بن مسلم و محمد بن عقبہ سدوسی نے، عفان و محمد بن عقبہ نے جیسا عبد الواحد سے سنا تھا ویسا ہی ٹھیک ٹھیک بیان کیا تھا لیکن عبد اللہ بن ابی الاسود نے اس کی اسناد میں "قالا قال عمر من يعلم متى ليلة القدر قال ابن عباس" نہیں کہا۔ "قالا قال ابن عباس" کہہ دیا۔ امام بخاری کو عفان و محمد بن عقبہ کی روایت معلوم نہ تھی۔ اپنے شیخ عبد اللہ بن ابی الاسود کی روایت سے دھوکا کھا کر اس کی اسناد کو متصل گمان کر لیا۔ یہ تو اس حدیث کی سند کے متعلق بات ہوئی۔ رہا اس کا متن تو عبد الواحد کے تینوں شاگردوں نے الگ الگ اور مختلف مختلف ذکر کیا ہے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ فی الواقع عبد الواحد نے کیا متن بیان کیا تھا۔ پس بخاری کی یہ حدیث نہ سند کے لحاظ سے درست ہے نہ متن کے لحاظ سے۔

(۵) مکہ مکرمہ پر چڑھائی کرنے والے لشکر کے دھنس جانے کی حدیث جو صحیح بخاری میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے

حدثنا محمد بن الصباح ثنا اسماعيل بن زكريا عن محمد بن سوقة عن نافع بن جبیر بن مطعم قال حدثني عائشة قالت قال رسول الله ﷺ

يغزو جيش الكعبة فاذا كانوا بيداء من الارض يخسف باولهم
واخرهم. قالت قلت يا رسول الله كيف يخسف باولهم واطرحهم
وفيهما اسواقهم ومن ليس منهم؟ قال يخسف باولهم واطرحهم ثم يبعثون
على نياتهم (ص ۲۸۴) (كتاب البيوع باب ما ذكر في الاسواق)

بخاری نے کہا کہ ہم سے محمد بن صباح نے بیان کیا کہ ہم سے اسماعیل بن زکریا نے
محمد بن سواق سے روایت کر کے بیان کیا۔ اُس نے جبیر بن مطعم کے بیٹے نافع سے، نافع
نے کہا کہ مجھ سے حضرت عائشہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک لشکر کعبہ پر
چڑھائی کرے گا (یعنی کعبہ شریفہ کو منہدم کر ڈالنے کی غرض سے آئے گا پس جب وہ زمین
کے ایک صحرا میں ہوں گے تو ان کے اگلوں پچھلوں سب کو دھنسا دیا جائے گا۔ حضرت ام
المؤمنین نے کہا کہ میں نے یہ سن کر عرض کیا وہ سب سیسے دھنسا دیئے جائیں گے حالانکہ ان
میں بازاری لوگ بھی ہوں گے اور وہ بھی جوان میں سے نہ ہوں گے یعنی ان کا ارادہ کعبہ کی
بے حرمتی کرنے کا نہ ہوگا کسی اور غرض سے ان کے شریک سفر ہو گئے ہوں گے۔ فرمایا سب
ہی دھنسا دیئے جائیں گے پھر ان کی نیتوں پر انہیں اٹھایا جائے گا (یعنی قیامت کے دن
بحرین کے ساتھ غیر مجرم لوگ نہ کیے جائیں گے)

”اسواقہم“ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ضرورت کی چیزیں فروخت کرنے کے لئے
کسی قافلہ کے ساتھ لگ جاتے ہیں۔

لیکن ابن ماجہ نے یہ حدیث اس اسناد کے ساتھ ذکر کی ہے۔

حدثنا محمد بن الصباح ونصر بن علی وھارون بن عبد اللہ الحمالی قالوا
حدثنا سفیان بن عیینہ عن محمد بن سواق سمع نافع بن جبیر یخبر عن ام
سلمة قالت ذکر النبی ﷺ الجيش الذی یخسف بہم فقالت ام سلمة یا
رسول اللہ لعل فیہم المکرۃ. قال انہم یبعثون علی نياتہم. (سنن ابن
ماجہ ص ۳۰۵ طبع الھند ابواب الفتن باب جيش البیداء)

امام احمد نے بھی سفیان بن عیینہ سے اسی اسناد و متن کے ساتھ اس کی روایت کی

محمد بن سوقة غنوی کوفی نے یہ حدیث دو شخصوں سے بیان کی تھی۔ اسماعیل بن زکریا سے اور سفیان بن عیینہ سے۔ دونوں کو بتایا تھا کہ مجھے یہ حدیث نافع بن جبیر سے پہنچی ہے۔ مگر اسماعیل کو اس نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام بتایا تھا اور ابن عیینہ کو ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا۔ اس کا مطلب یہ ہی ہوا کہ اسے یہ حدیث اچھی طرح یاد نہ تھی۔ اس لیے نہ اسماعیل بن زکریا کی روایت کو صحیح کہا جاسکتا ہے نہ سفیان بن عیینہ کی روایت کو معلوم نہیں کہ فی الواقع نافع بن جبیر نے محمد بن سوقة سے کیا بیان کیا تھا؟

(۶) صحیح بخاری کی حدیث کہ رسول اللہ ﷺ کی جب وفات ہوئی تو آپ کی زرہ تمیں صاع جو کے عوض ایک یہودی کے یہاں گرو تھی

امام بخاری نے کتاب الجہاد میں محمد بن کثیر سے اور کتاب المغازی میں قبیصہ بن عقبہ سے ان دونوں نے سفیان بن سعید ثوری سے روایت کی ہے۔

عن الاعمش عن ابراهيم عن الاسود عن عائشه قالت توفي النبي ﷺ ودرعه مرهونة عند يهودي بثلاثين صاعا من شعير (ص ۴۰۹ کتاب الجہاد باب ما قيل في درع النبي ﷺ والقميص في الحرب من ۶۳۱ آخر کتاب المغازی. ذکر وفاة النبي ﷺ)

یزید بن ہارون نے بھی سفیان ثوری سے اس کی روایت کی ہے (مسند ۶ ص ۲۳۷) سفیان ثوری کا بیان ہے کہ اعمش نے ابراہیم نخعی سے اس نے اسود بن یزید نخعی سے اس نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ کی وفات ہوئی حال یہ تھا کہ آپ کی زرہ ایک یہودی کے یہاں تیس صاع جو (تقریباً آتسی کلو) کے عوض گرو تھی۔ (گرو دی رکھی ہوئی تھی)

لیکن ام المؤمنین رضی اللہ عنہا یہ غلط بات کیسے کہہ سکتی تھیں کیونکہ غزوہ احزاب کے بعد ۵ھ میں یہودی قریظہ کی سرکوبی کے بعد مدینہ کے نواح میں بھی کوئی یہودی نہ رہا تھا شہر مدینہ تو یہود کے وجود سے پہلے ہی پاک ہو چکا تھا ۱۰ھ کے اواخر یا ۱۱ھ کے اوائل میں کوئی یہودی مدینہ میں تھا ہی نہیں کہ اس کے پاس آپ اپنی زرہ رہن رکھتے۔

سفیان ثوری کے علاوہ اعمش سے عبد الواحد بن زیاد، یعلیٰ بن عبیدطنافسی، ابو معاویہ، حفص بن غیاث، جرید بن عبد الحمید، عبد اللہ بن نمیر و یحییٰ بن زکریا وغیرہ بن یونس نے یہ حدیث روایت کی ہے مکران آٹھ ثقہ اشخاص کی روایت میں وفات کا ذکر نہیں ہے۔
عبد الواحد کی روایت یہ ہے:

ان النبی ﷺ اشتری طعاما من رجل یهودی الی اجل ورهنه درعا من حلید.

صحیح بخاری ص ۲۷۷ کتاب البیوع و ص ۳۲۱ کتاب الاستقراض و ص ۳۰۰ کتاب السلم و ص ۳۴۱ کتاب الرهن۔ صحیح مسلم کتاب البیوع یعنی نبی ﷺ نے ایک یہودی سے مدت طے کر کے ادھار غلہ خریدا تھا اور اس کے پاس اپنی زرہ رهن رکھ دی تھی۔

یعلیٰ بن عبید کی روایت بھی یہی ہے (صحیح بخاری ص ۳۰۰ کتاب السلم ابو معاویہ کی روایت بھی یہی ہے۔ اس میں من حدید نہیں ہے۔) (صحیح بخاری ص ۲۸۱ کتاب البیوع، صحیح مسلم)

حفص بن غیاث کی روایت بھی ابو معاویہ کی طرح ہے (صحیحین، نسائی) یہی جریر کی روایت ہے (صحیح بخاری ص ۳۴۱ کتاب الرهن)

عبد اللہ بن نمیر و یحییٰ بن زکریا کی روایت بھی یہی ہے (مسند ۶ ص ۳۰ و ص ۱۶۰ عیسیٰ بن یونس کی روایت صحیح مسلم میں ہے عبد الواحد کی روایت کی طرح پس یہ واقعہ بنی قریظہ کے استیصال سے قبل کا ہے۔ سفیان ثوری نے غلطی سے اس میں وفات کا ذکر کر دیا تھا۔ بخاری نے سوچے سمجھے بغیر سفیان کی غلط روایت درج صحیح کر دی۔ بخاری کو یہ بھی سوچنا چاہیے تھا کہ اگر وفات کے وقت آپ کی زرہ رہن رکھی ہوئی تھی تو اسے کس نے چھڑایا تھا، آپ کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تو اسے چھڑاتے اور تاریخ میں اس کا ضرور ذکر ہوتا۔

(۷) اختلافِ قراءۃ کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی حدیث جس کی بخاری وغیرہ نے شعبہ کے طریق سے تخریج کی ہے

حدثنا ابو الولید ثنا شعبۃ قال عبدالمملک بن ميسرة أخبرني قال سمعت النزال بن سيرة قال سمعت عبد الله يقول سمعت رجلا قرا اية سمعت من رسول الله ﷺ خلافها. فاخذت بيده فاتي به رسول الله ﷺ فقال كلا كما محسن. قال شعبۃ اظنه قال لا تختلفوا فان من كان قبلکم اختلافوا فهلكوا (ص ۳۲۵ کتاب الخصومات. باب اول ص ۴۹۴ او اخر کتاب الانبياء ص ۷۵۷ آخر کتاب فضائل القرآن).

امام بخاری نے صحیح میں یہ حدیث تین جگہ ذکر کی ہے اور امام احمد نے بھی اس کی روایت کی ہے (مسند ص ۳۹۳ و ۴۱۱ و ۴۱۲ و ۴۵۶)

شعبہ نے عبدالمملک بن ميسرة ہلالی کوفی سے اس نے نزال بن سیرہ کوفی سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے بتایا تھا کہ میں نے ایک شخص کو ایک آیت پڑھتے ہوئے سنا جو اس کے خلاف پڑھ رہا تھا جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی قراءت سنی تھی (اور آپ نے مجھے سکھائی تھی) میں اس کا ہاتھ پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گیا اور ماجرا عرض کیا (آپ نے اس سے بھی وہ آیت سنی اور مجھ سے بھی) پس فرمایا تم دونوں صحیح پڑھنے والے ہو۔ شعبہ کا بیان ہے کہ میرا غالب گمان یہ ہے کہ عبدالمملک بن ميسرة نے اس کے بعد یہ کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد فرمایا تھا اختلاف نہ کرو کیونکہ تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں انہوں نے اختلاف کیا تھا تو وہ تباہ ہو گئے۔ وہ شخص کون تھا؟ کسی روایت میں اس کا نام مذکور نہیں ہے مسند احمد میں ہے کہ شعبہ نے کہا کہ میں نے یہ حدیث مسعر بن کدام سے بھی سنی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مسعر نے اس میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد لا تختلفوا فان من كان قبلکم اختلافوا فهلكوا، نقل

کیا تھا۔ (مسند ۱ ص ۴۵۶)

لیکن یہ حدیث تو یہ بتا رہی ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے ہی ابن مسعود کو اور اس شخص کو جس کا نام مذکور نہیں ہے اختلاف میں ڈالا تھا۔ ابن مسعود کو جس طرح آپ نے وہ آیت سکھائی تھی دوسرے شخص کو اس کے برخلاف سکھائی۔ اور دونوں سے کہہ دیا کلا کما محسن۔ حالانکہ دو مختلف باتوں میں سے صحیح بات جو اللہ کی طرف سے نازل شدہ تھی ایک ہی ہو سکتی تھی عبد اللہ بن مسعود اور اس شخص کو اختلاف میں ڈال کر اختلاف نہ کرنے کی نصیحت فرمانے میں کیا معقولیت ہے؟

اور ظاہر ہے کہ عبد اللہ بن مسعود اور اس شخص کے درمیان وصل و فصل کا اختلاف نہ تھا۔ ورنہ ابن مسعود اس شخص کو پکڑ کر حضور ﷺ کے پاس نہ لے جاتے۔ عام مسلمانوں کا بھی حال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین وصل کے ساتھ پڑھے اور دوسرا شخص الحمد للہ رب العالمین • الرحمن الرحیم • مالک یوم الدین فصل کے ساتھ پڑھے تو اسے کوئی اختلاف قرار نہیں دیتا اور اس پر معترض نہیں ہوتا۔ شعبہ کی روایت کردہ یہ حدیث کو فی قاریوں کا تراشیدہ افسانہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ ابو داؤد، زر بن حبیش اور عبد الرحمن بن عابس کے طریق سے بھی اختلاف قرأت کے متعلق حضرت ابن مسعود کی حدیث مروی ہے جو قطعاً موضوع اور ابن مسعود پر بہتان ہے۔ یہ سب روایات مسند احمد میں ہیں۔

(۸) حضرت عمرو و هشام بن حکیم رضی اللہ عنہما کے درمیان
سورة الفرقان کی قرأت میں اختلاف کی حدیث جو صحیح بخاری
وغیرہ میں زہری کے طریق سے مروی ہے

زہری کا بیان ہے:

حدثني عمرو بن الزبير ان المسور بن مخرمة و عبد الرحمن بن

عبدالقاری حدثا انهما سمعا عمر بن الخطاب يقول سمعت هشام بن
 حکیم یقرء سورة الفرقان فی حیاة رسول اللہ ﷺ فاستمعت لقرائته
 فاذا هو یقرء علی حروف كثيرة لم یقرئنیہا رسول اللہ ﷺ فکدت
 اساوره فی الصلاة فتصبرت حتی سلم فلبته بردائه فقلت من اقراءک
 هذه السورة التي سمعتک تقرء. قال اقراءنیہا رسول اللہ ﷺ فقلت
 کذبت فان رسول اللہ ﷺ اقراءنیہا علی غیر ما قرأت فانطلقت به
 اقوده الی رسول اللہ ﷺ فقلت انی سمعت هذا یقرء بسورة الفرقان
 علی حروف لم تقرئنیہا فقال رسول اللہ ﷺ ارسله. اقرء یا هشام
 فقرأ علیه القراءة التي سمعته یقرء. فقال رسول اللہ ﷺ كذلك انزلت.
 ثم قال اقرأ یا عمر فقرأت القراءة التي اقراءنی فقال رسول اللہ ﷺ
 كذلك انزلت ان هذا القرآن انزل علی سبعة احرف فاقرئوا ما تيسر
 منه (صحیح بخاری ص ۳۲۶ کتاب الخصومات و ص ۷۷۷ کتاب
 فضائل القرآن و ص ۷۵۴ و ص ۱۰۳۵ کتاب استتابة المعاندين
 والمتردين و ص ۱۱۲۶ کتاب التوحيد) امام بخاری نے متقارب الفاظ
 کے ساتھ یہ حدیث پانچ جگہ ذکر فرمائی ہے۔

ابن شہاب زہری نے بتایا کہ مجھ سے عروہ بن زبیر نے بیان کیا۔ اس سے منور بن
 محرز اور عبد الرحمن بن عبد نے بیان کیا۔ ان دونوں نے حضرت عمر سے یہ قصہ سنا۔ حضرت
 عمر نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں میں نے هشام بن حکیم کو نماز میں سورۃ
 فرقان پڑھتے ہوئے سنا وہ اونچی آواز سے پڑھ رہے تھے میں کان لگا کر سننے لگا تو میں نے
 سنا کہ وہ بہت سے ایسے کلمات پڑھ رہے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے نہیں پڑھائے
 تھے حالانکہ مجھے سورۃ الفرقان آپ نے ہی پڑھائی تھی مجھے سخت غصہ آیا (کہ یہ شخص قرآن
 کریم میں تحریف کر رہا ہے کچھ کا کچھ پڑھ رہا ہے۔ قریب تھا کہ میں نماز میں ہی اس پر
 جھپٹ پڑوں لیکن میں نے ضبط کیا جب اس نے سلام پھیر دیا تو میں نے اسی کی چادر اس
 کے گلے میں ڈال کر کھینچی اور ڈپٹ کر پوچھا کہ یہ سورت تجھے کس نے پڑھائی اس نے کہا

رسول اللہ نے تب میں اسے کھینچتا ہوا رسول اللہ کے پاس لے گیا اور آپ کو ماجرا سنایا۔ فرمایا اسے چھوڑ دو تو سہی۔ اے ہشام سورۃ الفرقان پڑھو۔ ہشام نے اسی طرح پڑھی جس طرح میں نے اس سے سنی تھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے یہ سورت اسی طرح اتاری گئی ہے پھر فرمایا اے عمر تم پڑھو۔ میں نے اسی طرح پڑھی جس طرح رسول اللہ ﷺ نے مجھے پڑھائی تھی اور میں نے یاد کی تھی۔ فرمایا ٹھیک ہے یہ سورت اسی طرح اتاری گئی ہے۔ بے شک یہ قرآن سات حرفوں پر اتارا گیا ہے تو اس میں سے تمہیں جو آسان ہو پڑھو۔

اس حدیث کے متعلق میں تین باتیں عرض کروں گا

(اول) اس سے لازم آتا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے عمر و ہشام دونوں کو اختلاف اور غلط فہمی میں ڈالا تھا۔ جب آپ نے عمر کو سورۃ الفرقان پڑھائی تھی تو انہیں یہ نہیں بتایا کہ اس سورۃ کی فلاں فلاں آیت کو تم اس طرح بھی پڑھ سکتے ہو۔ عمر کو آپ نے ان حروف سے بے خبر رکھا جن حروف پر اسے پڑھنے کی ہشام بن حکیم کو تعلیم دی تھی۔ اگر عمر کو وہ حروف معلوم ہوتے تو انہیں ہشام پر غصہ نہ آتا اور جب آپ نے ہشام کو یہ سورت پڑھائی تو یہ نہیں بتایا کہ اس کی فلاں فلاں آیت کو تم اس طرح بھی پڑھ سکتے ہو۔ ہشام کو آپ نے ان حروف سے بے خبر رکھا جن حروف پر اسے پڑھنے کی عمر کو تعلیم دی تھی۔ حالانکہ وہ حروف جن سے آپ نے عمر کو بے خبر رکھا اللہ کے اتارے ہوئے تھے اسی طرح وہ حروف جن سے ہشام کو آگاہ نہیں کیا اللہ کے اتارے ہوئے تھے۔ آپ نے اللہ کے نازل فرمودہ کچھ حروف عمر سے بھی چھپائے اور ہشام سے بھی۔ اتفاقاً حضرت عمر ہشام سے سورۃ الفرقان نہ سن لیتے تو ان حروف کا علم نہ عمر کو ہوتا نہ ہشام کو۔۔۔

سوال یہ ہے کہ کسی عقلمند مسلمان سے کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ اس لازم آنے والی بات کو باطل نہ سمجھے؟ ہرگز نہیں۔ ہر مسلمان یہی عقیدہ رکھتا ہے اور یہی ہی حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بے کم و کاست اللہ کی نازل فرمودہ آیات بندوں کو پہنچائی ہیں۔ کوئی حرف یا کلمہ نہیں چھپایا۔ اور جس بات سے کوئی غلط بات لازم آئے وہ خود غلط ہوتی ہے۔ بنا بریں حضرت عمر و حضرت ہشام رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ قصہ جواز ہری نے بیان کیا ہے قطعاً غلط اور بے اصل ہے۔

(ثانی) معلوم ہے کہ حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی شدید نگرانی میں پورا قرآن مجید ایک مصحف میں لکھا گیا۔ تو سورۃ فرقان میں وہ حروف کہاں ہیں جو عمر کو معلوم نہ تھے یا جن کا هشام بن حکیم کو علم نہ تھا۔

(ثالث) اس حدیث کے آخر میں زہری نے بتایا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا قرآن سات حرفوں پر اتارا گیا ہے فاقروا ما تبسر منه۔ اس میں منہ کی ضمیر مجرور ”سبعة احرف“ کی طرف راجع ہے۔ لہذا منہا ہونا چاہئے، نہ کہ منہ حالانکہ فاقروا ما تبسر منه میں اللہ تعالیٰ کا قول ہے جو سورۃ المزمل کے اواخر میں مذکور ہے۔ اس میں ضمیر مجرور یقیناً قرآن کی طرف راجع ہے۔ زہری نے اللہ تعالیٰ کے قول کو اس حدیث کے آخر میں پیوند کر کے اسے رسول اللہ ﷺ کا قول قرار دیدیا۔ زہری کا خیال ہوگا کہ اس کی یہ تلخیص کسی پر نہ کھلے گی۔

الغرض یہ حدیث سراسر باطل ہے۔ زہری پر بے جا اعتماد کر کے اور غور و فکر سے کام لئے بغیر امام بخاری نے اسے درج صحیح کر دیا ہے مسلم و ترمذی و نسائی و احمد نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ زہری کے علاوہ اور کسی شخص نے عروہ بن زبیر سے اس کی روایت نہیں کی۔ میں سمجھتا ہوں کہ زہری نے یہ حدیث عروہ سے نہیں سنی، نہ عروہ نے بیان کی۔ کسی یا وہ گونے عروہ کی طرف منسوب کر کے زہری کو سنادی تھی۔ زہری نے اس کا نام ذکر نہیں کیا۔ اسناد میں عن عروہ کہا تھا جیسا کہ امام مالک کی اسناد میں ہے زہری کے دیگر شاگردوں نے غلطی سے عن عروہ کی بجائے اخبرنی عروہ یا حدثنی عروہ کہہ دیا ہے۔ (صحیح بخاری ص ۳۲۶)

(۹) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کے رضاعی بھائی کے آنے کا قصہ

امام بخاری نے کہا ہے:

حدثنا ابو الوليد قال ثنا شعبة عن الاشعث عن ابيه عن مسروق عن عائشة

ان النبی ﷺ دخل علیہا وعندها رجل فکانہ تغیر وجهہ کأنہ کمرہ ذلک
فقال انه اخي (من الرضاعة) فقال انظرون من اخوانک فانما الرضاعة من
المجاعة (ص ۷۶۲ کتاب النکاح باب من قال لا رضاع بعد حولین)

ہم سے ابوالولید یعنی ہشام بن عبد الملک طرابلسی نے بیان کیا کہ ہم سے شعبہ نے
بیان کیا اشعث سے روایت کر کے اس نے اپنے والد ابوالشعشاء سے اس نے مسروق سے
اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ نبی ﷺ (باہر سے ایک بار) ان کے پاس
تشریف لائے دیکھا تو ایک شخص بیٹھا ہوا ہے۔ اسے دیکھ کر روئے انور متغیر ہو گیا گویا کہ
آپ کو اس کا ام المؤمنین کے گھر بیٹھنا بُرا لگا۔ حضرت عائشہ نے آپ کی ناگواری محسوس
کر کے عرض کیا۔ یہ میرا رضاعی بھائی ہے۔ فرمایا تم عورتیں اچھی طرح دیکھ لیا کرو کہ
تمہارے رضاعی بھائی کون ہیں۔ جب بچہ عورت کے دودھ سے بھوک مٹاتا ہو اس زمانہ
میں ماں کے علاوہ کسی اور عورت کا دودھ پینے سے ہی وہ اس کی رضاعی ماں بن سکتی ہے یعنی
جب بچہ غذا کھانے لگے اور اس کا دودھ پینا چھوٹ جائے اس وقت کوئی عورت اسے دودھ
پلا دے تو وہ اس کی ماں نہ بنے گی۔

اس حدیث کے متعلق میں تین باتیں عرض کرتا ہوں

اول یہ کہ بخاری کے شیخ ابوالولید نے اس میں ”فکانہ“ غلط کہہ دیا تھا۔ اس حدیث
کے تمام طرق و روایات تحفۃ القاری ۹ کتاب الشہادات میں مذکور ہیں (ص ۴۰۷ تا ص ۴۰۹)
دوم یہ کہ یہ مسئلہ جماعی ہے کہ رضاعی بھائی حقیقی بھائی کی طرح محرم ہے۔

سوم یہ کہ یہ قصہ صحیح معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اس حدیث کی تمام روایات سے پتہ چلتا ہے
کہ رسول اللہ ﷺ اس شخص سے واقف نہ تھے اور یہ بڑی عجیب و بعید بات ہے کہ ام المؤمنین
رضی اللہ عنہا کا رضاعی بھائی مدینہ میں آئے اور حضور ﷺ سے ملاقات کئے اور اپنا تعارف
کرائے بغیر سیدھا آپ کے گھر ام المؤمنین کے پاس آ کر بیٹھ جائے اور کسی روایت میں اس کا
نام بھی مذکور نہیں ہے کہ کون تھا کس کا بیٹا تھا کس خاندان سے تھا۔ کہاں سے آیا تھا۔

اس لیے یہ قصہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۱۰) ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سلیمان بن یسار کے آنے کے متعلق بخاری کی روایت جو قطعاً غلط ہے

امام بخاری نے لکھا ہے:

”وقال سليمان بن يسار استأذنت علي عائشة فعرفت صوتي. قالت
سليمان ادخل فانك مملوك مابقي عليك شئ (صحيح بخاری
ص ۳۶۲ کتاب الشهادات باب شهادة الاعمى الخ)
بخاری نے جزم و یقین کے ساتھ یہ قصہ ذکر کیا ہے مگر مختصر ابن ابی شیبہ نے مصنف
میں اور ابن سعد نے طبقات میں اسے پورا نقل کیا ہے کہ سلیمان بن یسار نے کہا تھا
استأذنت علی عائشة فعرفت صوتي فقالت سليمان فقلت سليمان
فقلت ادیت مابقي عليك من کتابتك؟ قلت نعم الاشياء يسيرا قالت
ادخل فانك عبد مابقي عليك شئ (فتح الباری)

میں نے حضرت عائشہ سے حاضری کی اجازت چاہی۔ انہوں نے میری آواز
پہچان کر کہا سلیمان ہے۔ میں نے عرض کیا جی ہاں سلیمان ہوں فرمایا تمہارے بدل کتابت
میں سے جو رہ گیا تھا کیا تم ادا کر چکے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں بس معمولی سی رقم رہ گئی ہے۔
فرمایا اندر آ جاؤ کیونکہ تم ابھی آزاد نہیں ہوئے جب تک کچھ بھی تمہارے ذمہ باقی ہے تم
غلام ہو..... یعنی اگر سلیمان بن یسار نے اپنے مالک کو بدل کتابت کی پوری رقم ادا کر دی
ہوتی تو آزاد ہو جاتا اور ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے اندر آنے کی اجازت نہ دیتیں۔ مگر یہ
قصہ قطعاً غلط اور گھڑ بھوا ہے سلیمان بن یسار ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کا غلام تھا انہوں
نے اسے آزاد کر دیا تھا۔ اس نے نہ کبھی ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا نہ ان سے
کوئی حدیث اور علمی بات سنی مگر ان کی طرف منسوب کر کے متعدد حدیثیں روایت کی ہیں۔
ظاہر ہے کہ وہ سب سلیمان بن یسار کی مُرسل روایات ہیں اور اہل علم مُرسل روایت کو صحیح

نہیں مانتے اس لیے کسی شقی و احمق اور جاہل انسان نے یہ قصہ گھڑ لیا تا کہ سلیمان بن یسار کے متعلق لوگوں کو بتایا جاسکے کہ اس کا ام المؤمنین حضرت صدیقہ سے براہ راست سماع ثابت ہے۔ یہ قصہ گھڑنے والا جاہل یوں تھا کہ سلیمان بن یسار ایسا آزاد شدہ غلام نہ تھا جس نے مالک سے اپنی آزادی مال کے عوض خریدی ہو اور مالک نے اسے مکاتب بنایا ہو کہ تو اتنی رقم مجھے ادا کر دے تو آزاد ہو جائے گا۔ وہ تو ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا مملوک غلام تھا جسے انہوں نے محض بغرض اجر و ثواب بغیر کسی عوض کے آزاد فرما دیا تھا قصہ گھڑنے والے نے اسے مکاتب ظاہر کیا ہے جو قطعاً غلط ہے اس میں شدید جہالت کی بات یہ ہے کہ کوئی مسلمان عورت خاص اپنے مملوک غلام کے سامنے بے پردہ آ سکتی ہے نہ کہ کسی اور شخص کے مملوک کے سامنے۔ سورۃ النور میں عام مؤمن عورتوں کو اور سورۃ الاحزاب میں خاص امہات المؤمنین کو یہ ہدایت دی گئی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ سلیمان بن یسار ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مملوک نہ تھا وہ تو غیر کا مملوک تھا اور عاقل و بالغ تھا پھر کیسے درست ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے پردہ نہ کیا ہو اور اندر آنے کی اجازت دیدی ہو۔

(۱۱) رسول اللہ ﷺ کا عبد اللہ بن ابی کے پاس جانے کا قصہ جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

حدثنا مسدد ثنا معتمر قال سمعت ابي ان اسأ قال قيل للنبي ﷺ لو اتيت عبد الله بن أبي. فانطلق اليه النبي ﷺ وركب حمارا فانطلق المسلمون يمشون معه وهي ارض سبخة فلما اتاه النبي ﷺ قال اليك عني والله لقد اذاني نعن حمارك فقال رجل من الانصار مهيم والله لحمار رسول الله ﷺ اطيب ريحا منك. فغضب لعبد الله رجل من قومه فشتمه فغضب لكل واحد منهما اصحابه فكان بينهما ضرب بالجرید والایدی والنعال. فبلغنا انها نزلت "وان طانفتان من المؤمنین

اقتلوا فاصلحوا بينهما (صحیح بخاری ۳۷۱ کتاب الصلح)

مسلم نے بواسطہ محمد بن عبدالاعلیٰ اور امام احمد نے بواسطہ عارم معتمر سے اسی اسناد کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر - مسند ۳ ص ۱۵۷ و ۲۱۹)

مسد نے بیان کیا کہ ہم سے معتمر نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد سلیمان بن طرخان تمیمی سے سنا کہ حضرت انس نے کہا کہ نبی ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ عبد اللہ سے مل لیتے (تو اچھا ہوتا) آپ نے یہ بات مان لی اور ایک گدھے پر سوار ہو کر اس کے پاس آئے آپ کے ساتھ مسلمانوں کا ایک گروہ بھی تھا اور وہ شورہ زمین تھی۔ جب نبی کریم ﷺ اس کے پاس آئے تو وہ (نخوت و نفرت سے) بولا۔ مجھ سے الگ ہٹ تیرے گدھے کی بدبو نے مجھے اذیت میں ڈال دیا ہے۔ یہ بات سن کر انصار میں سے ایک شخص نے کہا تو یہ کہہ رہا ہے بخدا رسول اللہ کا گدھا بو میں تجھ سے پاکیزہ تر ہے۔ پس عبد اللہ کی حمایت میں اس کی قوم میں سے ایک آدمی نے غصہ میں بھر کر اس انصاری مسلمان کو گالی دی۔ تب اس کے بھی کچھ حمایتی بھر گئے اور اس کے بھی اور ان میں باہم لکڑیوں سے اور ہاتھوں اور جوتوں سے مار پیٹ ہوئی۔ ہمیں پتہ چلا ہے کہ ان ہی دونوں گروہوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَلَوْا فَاصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِي إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَاصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ○

اور اگر مسلمانوں میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو پس اگر ان میں سے ایک فریق دوسرے فریق پر زیادتی کرے تو لڑو اس فریق سے جو زیادتی کر رہا ہے تاکہ پلٹ آئے وہ اللہ کے حکم کی طرف، پس اگر وہ پلٹ آئے تو دونوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرادو اور حق دار کو اس کا حق دو بے شک اللہ صحیح حق ادا کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ اس حدیث کی سند بھی صحیح نہیں ہے اور متن تو قطعاً غلط ہے معتمر سے اس کی روایت مسد و اور محمد بن عبدالاعلیٰ اور عارم یعنی محمد بن فضل سدوسی نے کی ہے لیکن

تینوں کی اسناد میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو یہ بتاتا ہو کہ سلیمان تیمی نے حضرت انس سے یہ حدیث سنی تھی۔ اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ محمد بن ابی بکر مقدی نے بھی معتمر سے اس کی روایت کی ہے کہ معتمر کے باپ سلیمان نے بتایا تھا کہ اسے حضرت انس کے متعلق معلوم ہوا کہ انہوں نے بیان کیا تھا۔ مقدی کی اسناد سے واضح ہوتا ہے کہ سلیمان تیمی نے براہ راست انس سے یہ حدیث نہیں سنی۔ کسی نے انس کی طرف منسوب کر کے اسے سنائی تھی۔ کس نے؟ اس کا سلیمان نے ذکر نہیں کیا۔ ابن حجر کے الفاظ یہ ہیں۔

واخرجه الاسماعيل عن المقدمي عن معتمر عن ابيه انه بلغه عن انس بن مالك۔ پس اس حدیث کی سند منقطع ہے۔ اس میں ابراہیم تیمی اور حضرت انس کے درمیان ایک مجہول واسطہ ہے اور جب سند متصل نہیں منقطع ہے تو اس کو صحیح قرار دینے کی کوئی تک نہیں بخاری و مسلم کو دھوکا لگا کہ منقطع سند کو متصل سمجھ لیا۔ کیونکہ بخاری کے شیخ مسدد نے اور مسلم کے شیخ محمد بن عبد اللہ علی نے اس کی اسناد میں عن انس کہا تھا۔ حالانکہ لفظ عن اتصال پر دلالت نہیں کرتا۔ اس میں انقطاع و اتصال دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ رہا متن تو وہ یوں غلط ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ اور عبد اللہ بن ابی کی ملاقات کا جو ذکر ہے تو یہ غزوہ بدر سے پہلے کی بات ہو سکتی ہے جب کہ عبد اللہ بن ابی اور اس کے تین سوسا تھی مسلمان نہیں ہوئے تھے غزوہ بدر میں جب مسلمانوں کو اہل مکہ پر عظیم الشان فتح حاصل ہوئی تو اس سے متاثر ہو کر ہی وہ اپنے ساتھیوں سمیت مسلمان ہوا تھا۔ اور سورۃ الحجرات کی آیت جس کا اس قصہ میں ذکر ہے کہ اس کا نزول ان دو گروہوں کی باہمی لڑائی پر ہوا تھا جو اس ملاقات کے وقت لڑ پڑے تھے تو حضرت انس تو بڑی چیز ہیں کوئی بھی عقلمند آدمی یہ بات نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ لڑائی تو باشندگان یشرب میں سے اہل ایمان و اہل کفر کے درمیان ہوئی تھی۔ اور آیت میں ذکر باہم لڑ پڑنے والے دو مسلمان گروہوں کا ہے۔ پھر یہ آیت سورۃ الحجرات کی ہے جس کے متعلق تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ فتح خیبر کے بعد نازل ہوئی تھی۔

میں مانتا ہوں کہ بخاری و مسلم نے مقدی کی روایت پیش نظر نہ ہونے کی وجہ سے اس کی منقطع سند کو متصل گمان کر لیا تھا۔ لیکن اس کے متن کو سمجھنے اور اس میں غور کرنے اور

آیت شریفہ کے معنی و مطلب میں تدبر کرنے سے انہیں کس چیز نے روکا تھا؟ ذرا بھی عقل و
درایت سے کام لیتے تو اس باطل حدیث کو درج صحیح کرنے کی غلطی سے بچ جاتے۔

(۱۲) یا ایہا الذین آمنوا شہادۃ بینکم الایۃ کے شان نزول کے متعلق بخاری وغیرہ کی روایت کی ہوئی ایک غلط حدیث

یا ایہا الذین آمنوا شہادۃ بینکم اذا حضر احدکم الموت حین الوصیۃ
اثنان ذوا عدل منکم او آخران من غیرکم ان انتم ضربتم فی الارض
فاصابکم مصیبة الموت کے شان نزول کے متعلق بخاری و ابوداؤد و ترمذی کی
روایت کی ہوئی ایک غلط حدیث جو ایک قصے پر مشتمل ہے۔

بخاری نے علی بن عبداللہ مدنی سے، ابوداؤد نے حسن بن علی سے اور ترمذی نے
سفیان بن وکیع سے۔ ان تینوں نے یحییٰ بن آدم سے اس نے زکریا بن ابی زائدہ سے اس
نے محمد بن ابی القاسم طویل کوئی سے اس نے سعید بن جبیر کے فرزند عبدالملک سے اس نے
اپنے والد سعید بن جبیر سے روایت کی ہے۔

عن ابن عباس قال خرج رجل من بنی سہم مع تمیم الداری و عدی بن
بداء فمات السہمی بارض لیس بها مسلم فلما قدما بترکتہ فقدوا جاما
من فضة مخصوصا من ذهب فاحلفهما رسول اللہ ﷺ ثم وجدوا الجام
بمكة فقالوا ابتعناه من تمیم و عدی. فقام رجلان من اولیائہ فحلما
لشہادتنا احق من شہادتہما وان الجام لصاحبہم. قال وفيہم نزلت
ہذہ الآیۃ (صحیح بخاری ص ۳۹۰ کتاب الوصایا. سنن ابی داؤد،
کتاب القضاء باب شہادۃ اہل الذمۃ فی الوصیۃ فی السفر سنن
الترمذی ابواب التفسیر سورۃ المائدہ)

سعید بن جبیر نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ خاندان بنی سہم میں سے ایک شخص تمیم داری اور عدی بن بداء کے ساتھ بغرض تجارت شام کی طرف روانہ ہوا (بنو سہم قبیلہ قریش میں سے ایک معروف خاندان ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اسی خاندان سے تھے) دوران سفر اس سرزمین میں جہاں کوئی مسلمان نہ تھا اس سہمی شخص کا انتقال ہو گیا۔ تمیم وعدی نے اس کا متروکہ سامان واپس آ کر اس کے گھر والوں کے حوالہ کر دیا۔ گھر والوں کے علم میں تھا کہ وہ ایک چاندی کا گلاس لے کر گیا تھا جس میں سونے کی پتیاں لگی ہوئی تھیں۔ سامان دیکھا تو وہ گلاس نہ ملا (تمیم وعدی سے پوچھا۔ دونوں نے لاعلمی ظاہر کی تب یہ قصہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھا گیا) آپ نے انہیں قسم دلائی لیکن دونوں نے قسم کھا کر یہ ہی بتایا کہ ہم اس گلاس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔

پھر انہوں نے وہ گلاس کسی کے یہاں پایا پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ ہم نے تو اسے تمیم اور عدی سے خریدا ہے (اب حقیقت عیاں ہو گئی تمیم داری وعدی نے وہ گلاس چھپا لیا تھا) تب مرجانے والے سہمی کے وارثین سے دو شخصوں نے اٹھ کر قسم کھا کر کہا کہ تمیم وعدی کی شہادت کے مقابلہ میں ہماری شہادت قبول ہونے اور مانی جانے کے زیادہ لائق ہے یہ گلاس ہمارے مرجانے والے آدی کا ہی ہے۔ ابن عباس نے کہا کہ ان ہی لوگوں کے بارے میں سورہ مائدہ کی یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

لیکن اس قصے کا آیت سے کوئی تعلق نہیں۔ آیت شریفہ میں تو یہ حکم ارشاد ہوا ہے کہ کوئی مسلمان آخری وقت میں کسی کے حق میں اپنے کچھ مال کی وصیت کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ دو دیندار اور معتبر گواہوں کے سامنے وہ وصیت کرے یہ تو معلوم ہی ہے کہ وصیت کسی وارث کے لیے نہیں ہو سکتی اور تہائی مال سے زائد میں بھی وصیت نہیں چلتی۔ وصیت کرنے والا اپنے گھر اور وطن میں ہی ہو تو اس کی وصیت کے وہ دو گواہ اس کے خاندانی ہوں اور اگر وطن سے باہر کہیں وصیت کرنے کی صورت پیش آ جائے جہاں خاندانی لوگ موجود نہ ہوں تو غیر خاندان کے دو مسلمان اس کے گواہ ہو سکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس قصہ میں وصیت کا کوئی ذکر نہیں۔ مرنے والے سہمی شخص نے تمیم داری اور عدی بن بداء کے سامنے یہ

وصیت نہیں کی تھیں کہ میرے مال میں سے فلاں شخص کو اس مقدار میں مال دیدیا جائے اس نے تو ان سے بس یہی کہا ہوگا کہ میرے چھوڑے ہوئے اسباب و متاع کو مہربانی فرما کر میرے گھر والوں کو پہنچا دینا۔

لہذا یہ کہنا کہ یہ قصہ اس آیت کے نزول کا سبب ہے بالکل بے تکی بات ہے۔ ابن عباس ایسے کم فہم نہ تھے کہ یہ بے تکی بات کہتے رہا یہ قصہ تو معتمر کی روایت میں اختصار ہے۔ ابوصالح بادام نے جسے بازام اور باذان بھی کہا جاتا ہے جو حضرت علی کی بہن ام ہانی کا آزاد کردہ تھا پورا قصہ نقل کیا ہے۔ اس کی روایت ترمذی نے کی ہے اور اسناد میں تصریح کی ہے کہ ابن عباس نے اس کی روایت خود تمیم داری سے کی تھی۔ تمیم کا بیان ہے کہ وہ اور عدی بن بداء دونوں عیسائی تھے اور ملک شام تجارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ ان کے پاس بدیل بن ابی مریم پہنچ گیا جو خاندان بنی تھم کا آزاد کردہ تھا اس کے اسباب تجارت میں چاندی کا ایک گلاس بھی تھا اسے وہ بادشاہ کے حضور لے جانے کا قصد رکھتا تھا۔ وہ بیمار ہو گیا حتیٰ کہ زندگی کی آس نہ رہی تب اس نے تمیم وعدی کو وصیت کی کہ میرا اسباب و متاع میرے گھر والوں کو پہنچا دینا۔ اس کا انتقال ہو گیا تو تمیم وعدی نے اس کے اسباب میں سے وہ گلاس نکال کر ہزار درہم میں فروخت کر دیا۔ اور پانچ سو پانچ سو آپس میں بانٹ لیے بقیہ اسباب لا کر اس کے گھر والوں کو دیدیا گھر والوں نے ان سے گلاس کے متعلق پوچھا تو انہیں بتا دیا کہ مرحوم نے جو ہمارے حوالہ کیا تھا وہ ہم نے آپ لوگوں کو پہنچا دیا ہے تمیم کا بیان ہے کہ جب میں مشرف بہ اسلام ہو گیا (تہذیب التعذیب میں ہے کہ تمیم داری ۹ھ میں مسلمان ہوئے تھے) تو ہمارا وہ گناہ مجھے بہت کھلا۔ میں نے مرنے والے کے گھر والوں کے پاس جا کر اس کا اعتراف کر لیا اور پانچ سو درہم انہیں دیدیے اور بتایا کہ پانچ سو عدی بن بداء کے ذمہ ہیں۔ انہوں نے یہ قصہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھا فسألہم البینۃ فلم یجدوا فامرہم ان یتحلفوا بما یعظم بہ علی اہل دینہ فحلف فانزل اللہ یا ایہا الذین شہادۃ بینکم۔ الآیۃ یعنی رسول اللہ ﷺ نے ان سے ثبوت مانگا جو ان کے پاس نہ تھا تب فرمایا کہ اس سے قسم لو جو عیسائی لوگ کھایا کرتے ہیں وہ یعنی عدی بن بداء قسم

کھا گیا کہ میں اس گلاس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ ہم نے اسے نہیں بیچا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی تب عمرو بن عاص اور بنی تھم میں سے ایک اور شخص نے: ٹھہ کر قسم کھائی (کہ عدی بن عداء کے ذمہ گلاس کی قیمت کے پانچ سو درہم ہیں) تب عدی بن عداء سے وہ رقم وصول کی گئی۔ (سنن الترمذی تفسیر سورۃ المائدہ)

اس قصہ میں ابو صالح بادام نے یہ بالکل غلط کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے ثبوت مانگا۔ کیونکہ اس کی ضرورت ہی نہ تھی۔ جرم تو تمیم داری کے اعتراف اور پانچ سو درہم ادا کرنے سے قطعاً ثابت ہو چکا تھا۔ ابن جریج نے یہ قصہ عکرمہ سے روایت کیا ہے، اس کی روایت میں ہے کہ وہ تھمی شخص جب مرض الموت میں مبتلا ہوا تو اس نے اپنی وصیت اور سامان کی فہرست لکھ کر اپنے اسباب میں رکھ دی تھی تمیم داری وعدی بن عداء نے جب اس کا اسباب اس کے گھر والوں کے حوالہ کیا تو انہیں اسباب میں وہ تحریر مل گئی۔ اس کی تحریر کے مطابق اسباب میں سے گلاس کے علاوہ اور بھی کئی چیزیں نہ تھیں۔ ان سے پوچھا گیا تو گلاس کے متعلق دونوں نے یہ کہا کہ ہم نے اس سے خرید لیا تھا۔ اور دیگر چیزوں کا انکار کر دیا۔

اللہ ہی جانے کہ ان مختلف و متعارض روایات میں سے کوئی روایت صحیح اور واقعہ کے مطابق ہے۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ سرے سے یہ واقعہ ہی نہیں ہوا۔ نہ ابن عباس نے اسے بیان کیا۔ ہوا بھی ہو تو سورۃ مائدہ کی آیت کے نزول کا سبب نہیں ہے۔

(۱۳) صحیح بخاری کی ایک حدیث جس میں اذا سألتم الله فاسألوه الفردوس ہے جس کی عطاء بن یسار نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے۔

حدثنا ثبتي بن صالح (الوحاطي) ثنا فليح عن هلال بن علي عن عطاء بن يسار عن ابي هريرة قال قال النبي ﷺ من آمن بالله وبرسوله و اقام الصلاة وصام رمضان كان حقا على الله ان يدخله الجنة جاهد في سبيل

اللہ او جلس فی ارضہ النی ولد فیہا۔ قالوا یا رسول اللہ افلا نبشر الناس؟ قال ان فی الجنة مائة درجة اعدها اللہ للمجاهدين فی سبیل اللہ۔ ما بین الدرجتين كما بین السماء والارض فاذا سألتم اللہ فاسألوه الفردوس فانه اوسط الجنة واعلی الجنة۔ اراه قال وفوقه عرش الرحمن ومنه تفجر انهار الجنة۔ وقال محمد بن فلیح عن ابيه وفوقه عرش الرحمن۔ انه لم يشک كما شک يحيى بن صالح او حاطی (صحیح بخاری ص ۳۹۱ کتاب الجهاد باب درجات المجاهدين فی سبیل اللہ)

یعنی یحیی بن صالح کی طرح محمد بن فلیح نے بھی اپنے باپ فلیح سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ اس کی روایت میں ”اواه قال نہیں ہے۔“ یحیی بن صالح نے شک کے ساتھ اس حدیث میں وفوقه عرش الرحمن کا ذکر کیا تھا۔ اسے اچھی طرح یاد نہ تھا کہ فلیح نے اس حدیث میں یہ لفظ کہا تھا یا نہیں مگر محمد بن فلیح کی روایت میں شک نہیں ہے۔ اسے یاد تھا کہ فلیح نے اس حدیث میں یہ لفظ ذکر کیا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ تعجب ہے بخاری نے اس سے اہم فرق کو نظر انداز کر دیا جو یحیی بن صالح و محمد بن فلیح کی روایتوں میں ہے وہ یہ کہ یحیی نے تو ”جاهد فی سبیل اللہ او جلس فی ارضہ النی ولد فیہا ذکر کیا تھا۔ اور محمد بن فلیح نے جاهد کی جگہ ہاجر نقل کیا تھا۔ اس کی تخریج بھی بخاری نے کی ہے۔ قال حدثنا ابراهیم بن المنذر ثنا محمد بن فلیح قال حدثنی ابي عن هلال النخ (ص ۱۱۰۲) کتاب التوحید باب قوله وکان عرشه علی السماء

شرح نے بھی فلیح سے اسی اسناد کے ساتھ اس کی روایت کی ہے (مسند ص ۳۳۵) یونس بن محمد نے بھی فلیح سے مگر اسناد میں ایک بار عن عبد الرحمن بن ابی عمرۃ عن ابی ہریرۃ کہا تھا اور ایک بار عن عطاء بن یسار عن ابی ہریرۃ (مسند ص ۳۳۵) ابو عامر عقدی نے اور فزارۃ بن عمر نے بھی فلیح سے عن هلال بن علی عن عبد الرحمن بن ابی عمرۃ عن ابی ہریرۃ (مسند ص ۳۳۵ و ۳۳۹) پس فلیح سے یہ حدیث یحیی بن صالح و حاطی نے (بخاری) محمد بن فلیح نے (بخاری) سرتج و یونس و ابو عامر نے (احمد) روایت کی ہے۔

اس کے متعلق دو باتیں ذہن نشین کیجئے اول یہ کہ یحییٰ بن صالح کی روایت میں جاہد ہے اور محمد بن فلیح و یونس و ابو عامر سب کی روایت میں ہاجر۔ پس جاہد شاذ اور یحییٰ بن صالح کی غلطی ہے۔ فلیح نے اس میں ہاجر ذکر کیا تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان پانچ راویوں میں سے دو کی اسناد میں ہلال بن علی عن عطاء بن یسار عن ابی ہریرہ ہے اور دو کی اسناد میں ہلال بن علی عن عبدالرحمن بن ابی عمرو عن ابی ہریرہ اور ایک کی اسناد میں دونوں کا شک کے ساتھ ذکر ہے اس سے ثابت ہوا کہ فلیح کو اس کی سند محفوظ نہ تھی۔ وہ اس میں مضطرب تھا کبھی عطاء بن یسار کا ذکر کر دیتا کبھی عبدالرحمن بن ابی عمرہ کا لہذا یہ حدیث صحیح السند نہیں ہے۔

اب عطاء بن یسار کو دیکھیے اس سے یہ حدیث ہلال بن علی اور زید بن اسلم اور محمد بن حجاجہ تین شخصوں نے روایت کی۔

ہلال بن علی نے یہ بتایا ہے کہ عطاء بن یسار نے یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے۔ (صحیح بخاری)

رہے زید بن اسلم تو ان سے حفص بن میسرہ و ہمام بن یحییٰ اور عبدالعزیز دراوردی نے اس کی روایت کی ہے۔ حفص کی روایت سنن ابن ماجہ میں ہے:

حدثنا سويد بن سعيد ثنا حفص بن ميسرة عن زيد بن اسلم عن عطاء بن يسار ان معاذ بن جبل قال سمعت رسول الله ﷺ يقول الجنة مائة درجة بين كل درجة منها مابين السماء والارض وان اعلاها الفردوس وان اوسطها الفردوس وان العرش على الفردوس منها تفجر انهار الجنة فاذا سألتم الله فسلوه الفردوس (سنن ابن ماجه ص ۳۳۱ طبع الهند باب صفة الفردوس)

عبدالعزیز دراوردی کی روایت مسند احمد و سنن ترمذی میں ہے عن زید بن اسلم عن عطاء بن یسار عن معاذ بن جبل ان رسول الله ﷺ قال من صام رمضان وصلى الصلاة وحج البيت. لا ادرى ذكر الزكاة ام لا. الا كان حقا على الله ان يغفر له ان هاجر في سبيل الله او مكث بارضه التي ولد بها. قال معاذ

الاخبر بها الناس؟ فقال رسول الله ﷺ ذر الناس يعملون فان في الجنة مائة درجة ما بين كل درجتين كما بين السماء والارض. والفردوس اعلى الجنة و اوسطها وفوق ذلك عرش الرحمن ومنها تفجر انهار الجنة فاذا سألتهم الله فاستلوه الفردوس (مسند ۵ ص ۲۴۰) (سنن ترمذی ۲ ص ۷۶ طبع هند ابواب صفة الجنة) اس میں الا قطعاً غلط ہے۔

اور عطاء بن یسار نے معاذ بن جبل کو دیکھا بھی نہیں پس یہ روایت منقطع ہے۔
 ہمام بن منی کی روایت سنن ترمذی میں ہے عن زید بن اسلم عن عطاء بن یسار عن عبادة بن الصامت ان رسول الله ﷺ قال فی الجنة مائة درجة ما بین کل درجتین کما بین السماء والارض والفردوس اعلاها درجة ومنها تفجر انهار الجنة الاربعة ومن فوقها یكون العرش فاذا سألتهم الله فاستلوه الفردوس (سنن ترمذی ۲ ص ۷۶) (باب ما جاء فی صفة درجات الجنة ابواب صفة الجنة)

محمد بن حجاج کی روایت بھی ترمذی نے تخریج کی ہے قال حدثنا عباس العنبری ثنا یزید بن ہارون ناشریک عن محمد بن جحادة عن عطاء عن ابی ہریرة قال قال رسول الله ﷺ فی الجنة مائة درجة ما بین کل درجتین مائة عام (ایضا) شریک ضیف و منکر الحدیث شخص تھا۔ اور یہ متن ہلال بن علی کے ذکر کیے ہوئے متن کی بہ نسبت مختصر بھی ہے اور اس سے مختلف بھی اس لیے اس روایت کو ہلال بن علی کی روایت کی متابعت قرار دینا درست نہ ہوگا۔ ان روایات کا مطالعہ ہمیں اس نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ عطاء بن یسار کو یہ حدیث اچھی طرح یاد نہ تھی اور وہ اس کی روایت میں مضطرب تھا۔ کبھی ابو ہریرہ کا ذکر کر دیا کبھی معاذ بن جبل کا کبھی عبادة بن صامت کا۔ یہ تو سند کا اضطراب ہے۔ اب متن دیکھیے تو کبھی یوں کہہ دیا کہ اللہ نے جنت میں مجاہدین کے لیے سو درجے رکھے ہیں کبھی یہ کہ جنت میں سو درجے ہیں نماز اور روزے کا تو ذکر کیا ہے اور ایک روایت میں حج کا بھی ذکر ہے لیکن زکاة کا کسی روایت میں ذکر نہیں۔

عطاء بن یسار ایک قصہ گو و اعظ تھا نہ قوی الحفظ تھا نہ نافع وغیرہ کی طرح اہل علم میں

معدود تھا۔ دورانِ وعظ ان پٹا پٹا روایات ذکر کرنے کا عادی تھا۔ ابن یسار کے اضطراب کی وجہ سے ہی امام مسلم نے اس کی تخریج نہیں کی۔

امام بخاری بھی اس سے صرف نظر کر لیتے تو بہتر تھا۔ عطاء بن یسار کے علاوہ کسی بھی ثقہ راوی نے نہ حضرت ابو ہریرہ سے اس کی روایت کی ہے نہ حضرت معاذ بن جبل سے نہ حضرت عبادہ بن صامت سے البتہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے تقریباً اسی مضمون کی حدیث مروی ہے۔ نسائی نے لکھا ہے ”اخبرنا ہارون بن محمد بن بکار بن بلال ثنا محمد بن عیسیٰ بن القاسم بن سمیع ثنا زید بن واقد ثنی بسر بن عید اللہ عن ابی ادریس الخولانی عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ ﷺ من اقام الصلاة واتى الزكاة ومات لا يشرك بالله شيئا كان حقا على الله ان يغفر له هاجر او مات في مولده فقلنا يا رسول الله الانخير بها الناس فيستبشروا بها. فقال ان للجنة مائة درجة بين كل درجتين كما بين السماء والارض اعدها الله للمجاهدين في سبيله ولولا ان اشق على المؤمنين ولا اجد ما احملهم عليه ولا تطيب انفسهم ان يتخلفوا بعدى ما قعدت خلف سرية ولوددت انى اقتل ثم احىي ثم اقتل (سنن النسائي كتاب الجهاد. درجة المجاهدين)

امام بخاری نے عطاء بن یسار کی حدیث ذکر کی ہے اُس کے راویوں کی بہ نسبت نسائی کی تخریج کی ہوئی ابوالدرداء والی اس حدیث کے راوی زیادہ ثقہ ہیں۔

(۱۴) اللہ تعالیٰ کے ارشاد لا یستوی القاعدون

من المؤمنین غیر اولی الضرر والمجاهدون فی سبیل اللہ باموالہم وانفسہم کے متعلق ابواسحاق کی حدیث جسے اس نے براء بن عازب کی طرف منسوب کر کے بیان کیا تھا اور زہری کی حدیث جسے اس نے زید بن ثابت کی طرف منسوب کر کے بیان کیا تھا۔ نیز عبد الرحمن بن ابی الزناد کی حدیث ابواسحاق سبعمی سے شعبہ واسرائیل بن یونس وزہیر بن معاویہ ومسر بن کدام

وسلیمان بن طرخان تیمی و ابو بکر بن عیاش نے متقارب الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت براء بن عازب نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر اپنا ارشاد نازل فرمایا۔

لا یستوی القاعدون من المؤمنین و المجاہدون یعنی وہ مؤمنین جو جہاد نہ کریں اور وہ جو جہاد کریں۔ برابر نہیں ہیں جہاد کرنے والا مسلمان جہاد نہ کرنے والے مسلمان سے بدرجہا افضل ہے۔

اس میں غیر اولی الضرر نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے لکھنے کے لئے زید بن ثابت کو بلوایا۔ وہ حاضر ہوئے ادھر عمرو بن ام مکتوم نے جو نابینا صحابی تھے عرض کیا۔ جہاد کرنے کو میرا جی تو بہت مچلتا ہے لیکن میں اندھا ہوں۔ یہ فضیلت کیسے حاصل کروں، ان کی اس گزارش پر اللہ تعالیٰ نے غیر اولی الضرر نازل فرما کر واضح فرمادیا کہ اس آیت میں ذکر ان جہاد نہ کرنے والے مسلمانوں کا ہے جو غیر معذور ہوں معذور مسلمان مراد نہیں ہیں۔

شعبہ کی روایت صحیح بخاری و صحیح مسلم و مسند احمد میں ہے۔ شعبہ کی روایت میں ہے کہ زید بن ثابت لا یستوی القاعدون من المؤمنین و المجاہدون لکھ چکے تھے تو ابن ام مکتوم عرض گزار ہوئے۔ تب غیر اولی الضرر کا اضافہ آپ نے زید سے کرایا۔

(صحیح بخاری ص ۳۹۷ کتاب الجہاد و ص ۶۶۱ کتاب التفسیر سورة النساء، صحیح مسلم کتاب الجہاد، مسند احمد ص ۲۸۲ و ۲۹۹)

اسرائیل کی روایت صحیح بخاری میں ہے (ص ۶۶۱ کتاب التفسیر سورة النساء ص ۴۶ کتاب فضائل القرآن، زہیر بن معاویہ کی روایت مسند احمد میں ہے (ج ۴ ص ۳۰۱) مسر کی روایت صحیح مسلم میں اور سلیمان تیمی کی روایت سنن نسائی میں ہے ابو بکر بن عیاش کی روایت بھی نسائی نے تخریج کی ہے۔ (کتاب الجہاد)

ابو اسحاق سبعی کوئی ہمدانی کے متعلق وضاحت کے ساتھ بتایا جا چکا ہے کہ ثبوت وثقہ اور کثیر الحدیث شخص تھے اور آخر عمر میں ان کے خرمن حفظ و حواس پر بڑھاپے کی بجلی ایسی گرمی کہ احساس ہی نہ ہوتا تھا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ جوانی و قوت اور کھولت کے زمانے میں حدیثیں روایت کرنے کا مشغلہ رہا تھا وہی مشغلہ آخر دم تک رہا۔ آخری دور میں جن

لوگوں نے ان سے حدیثیں سنی ہیں اور ان کی روایت کی ہے ان کی روایت کردہ حدیثوں میں غلطیاں ہی غلطیاں ہیں۔ شاذ و نادر ہی ان کی کوئی روایت ایسی ہوتی ہے جس میں غلطیوں اور نامعقول اور بے نیکی باتوں کی آمیزش نہ ہو۔ یہ چھ راویان احادیث ایسے ہی ہیں جنہوں نے ابواسحاق سے ان کے آخری دور میں حدیثیں سنی تھیں۔

زیر کلام حدیث کی روایت کا ناظرین تفصیلی مطالعہ کریں تو ہر روایت میں ایسی بات ملے گی جو دیگر روایات میں نہیں ہے۔ قدر مشترک کے طور پر ان چھ اشخاص کی روایات میں جو بات مذکور ہے وہ یہ ہی ہے کہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو اس میں غیرِ اُولی الضرر نہ تھا۔ ابن ام مکتوم کے عرض گزار ہونے پر اللہ نے یہ لفظ نازل فرمایا۔ ابواسحاق تو اختلالِ حواس کی وجہ سے اس کی روایت کرنے میں کچھ معذور تھے لیکن بخاری و مسلم کو کیا ہو گیا تھا۔ ان کی سمجھ میں کیوں نہ آیا کہ یہ حدیث روایت کرنے کے لائق نہیں کیونکہ اس میں حق تعالیٰ کی طرف وہ فعل منسوب کیا گیا ہے جو بندوں کا ہی ہو سکتا ہے۔ ایک لائق فائق بندہ کچھ لکھتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس کی عبارت میں کوئی خلل و قصور رہ جائے دوسرا شخص اسے اس قصور سے آگاہ کرے تب وہ عبارت میں کچھ بڑھا کر اس قصور کو دور کر دے ایسا بھی ہوتا ہے اور خوب ہوتا ہے کہ لکھنے والا جب اپنے لکھے ہوئے پر نظر ثانی کرتا ہے تو اسے خود معلوم ہو جاتا ہے کہ جو اس نے پہلے لکھا تھا اس میں یہ کمی رہ گئی تھی۔ نظر ثانی میں اسے ٹھیک کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق تو یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنے نبی پر کوئی آیت اتارے جس میں کوئی لفظ رہ جائے۔ پھر اس لفظ کو نازل فرما کر اس کمی کو دور کرے۔ سبحانہ و تعالیٰ عما یقولون علواً کبیراً۔ مگر سفیان ثوری نے ابواسحاق سے حدیثوں کا استفادہ اس زمانہ میں کیا تھا جب وہ صحیح الحواس تھے۔ اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے سفیان ثوری نے بھی ابواسحاق سے یہ حدیث روایت کی ہے جو پاک صاف اور بے داغ ہے۔ سفیان ثوری کی روایت یہ ہے۔

امام احمد نے کہا ہے:

حدثنا وكيع ثنا سفیان عن ابی اسحاق قال سمعت البراء بن عازب
يقول لما نزلت هذه الآية وفضل الله المجاهدين على القاعدین اجزا

عظيما اتاه ابن ام مكتوم فقال يا رسول الله ما تأمرني . اني ضرير البصر . فانزل الله عزوجل غير اولى الضرر . فقال رسول الله ﷺ اتوني بالكتف والدواة او اللوح والدواة (مسند ۲ ص ۲۹۹)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حاضرین کو اللہ کی آیت پڑھ کر سنائی:

لايستوى القاعدون من المؤمنين غير اولى الضرر والمجاهدون في سبيل الله باموالهم وانفسهم فضل الله المجاهدين باموالهم و انفسهم على القاعدين درجة وكلا وعد الله الحسنى وفضل الله المجاهدين على القاعدين اجرا عظيما درجت منه ومغفرة ورحمة وكان الله غفورا رحيما .

ابن ام مكتوم آئے انہوں نے شروع سے یہ آیت نہیں سنی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ پڑھتے ہوئے سنا ”و فضل الله المجاهدين على القاعدين اجرا عظيماً الآية۔ عرض کیا یا رسول اللہ میں تو نابینا ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں شروع سے آیت پڑھ کر سنائی جس میں اللہ کا اتارا ہوا کلمہ غیر اولى الضرر ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت لکھوائی۔ بخاری و مسلم کو یہ حدیث بیان کرنی تھی تو سفیان ثوری کے طریق سے اس کی تخریج کرتے۔

زہری کی روایت کردہ حدیث زید بن ثابت

صالح بن کیسان نے ابن شہاب زہری سے روایت کی ہے:

عن سهل بن سعد الساعدي انه قال رأيت مروان بن الحكم جالسا في المسجد فاقبلتُ حتى جلست الى جنبه فاخبرنا ان زيدا بن ثابت اخبره ان رسول الله ﷺ املى عليه ”لايستوى القاعدون من المؤمنين والمجاهدون في سبيل الله الآية فجاءه ابن ام مكتوم وهو يملئها على . قال يا رسول الله لو استطيع الجهاد لجاهدت وكان رجلا اعمى فانزل الله على رسوله وفخذه على فخذي فثقلت على حتى خفت ان ترض

فخذی ثم سرى عنه فانزل الله غیر اولی الضرر.

(صحیح بخاری ۳۹۷ کتاب الجہاد۔ باب قول اللہ لا یتوی القاعدون الخ و

ص ۶۶۰ کتاب التفسیر سورة النساء)

ترمذی نے بھی صالح بن کیسان کی یہ روایت تخریج کی ہے (تفسیر سورة النساء) اور نسائی کی اسناد میں ہے عن عبد الرحمن بن اسحاق عن الزہری (سنن نسائی کتاب الجہاد۔ فضل اللہ المجاہدین علی القاعدین)

یعنی زہری نے سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ صحابی سے روایت کی ہے سہل نے ذکر کیا کہ میں نے مروان بن حکم (امیر مدینہ) کو مسجد میں بیٹھا ہوا دیکھا تو میں بھی آ کر اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ زید بن ثابت نے اسے بتایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے لکھنے کے لیے یہ آیت املا کی لا یتوی القاعدون من المؤمنین والمجاہدون ابھی آپ املا فرما ہی رہے تھے کہ ابن ام مکتوم ناہینا آ گئے۔ عرض کیا یا رسول اللہ کاش مجھے جہاد کرنے کی استطاعت حاصل ہو جائے تو میں بھی جہاد کروں آپ پر وحی نازل ہونے لگی لیٹ گئے میری رانوں پر آپ کی ران تھی۔ تو مجھے بے حد وزن محسوس ہوا۔ اندیشہ ہو گیا کہ میری ران چوراچورا ہو جائے گی۔ نزول وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ نے بتایا کہ اس آیت میں من المؤمنین کے بعد اللہ تعالیٰ نے غیر اولی الضرر نازل فرما دیا ہے۔ اور امام احمد نے اس اسناد کے ساتھ اس کی روایت کی ہے:

حدثنا عبد الرزاق قال اخبرنا معمر عن الزهري عن قبيصة بن ذؤيب عن زيد بن ثابت قال كنت اكتب لرسول الله ﷺ فقال اكتب "لا یتوی القاعدون من المؤمنین والمجاہدون فی سبیل اللہ" الآية فجاء عبد اللہ بن ام مکتوم فقال یا رسول اللہ انی احب الجہاد فی سبیل اللہ ولكن بی من الزمانة ماتری وذهب بصری قال زید فثقلت فخذ رسول اللہ ﷺ علی فخذی حتی خشیت ان ترضاها فقال اكتب لا یتوی القاعدون من المؤمنین غیر اولی الضرر والمجاہدون فی سبیل اللہ (مسند ۵ ص ۱۸۴)

پس زہری اس حدیث کی اسناد میں مضطرب تھے۔ معمر کو یہ بتایا کہ قبصہ بن ذویب نے زید بن ثابت سے اس حدیث کی روایت کی ہے اور صالح بن کیسان و عبدالرحمن بن اسحاق کو یہ کہ زید سے اس کی روایت کرنے والا مروان ہے اور مروان سے سہل بن سعد ساعدی اور یہ نہیں کہا کہ میں نے یہ حدیث سہل سے سنی تھی نہ یہ کہ قبصہ نے مجھے سنائی تھی۔ عن سہل بن سعد اور عن قبصہ بن ذویب کہا ہے۔ اس اضطراب کی وجہ سے یہ حدیث صحیح الاسناد نہیں ہے اغلب یہ ہی ہے کہ زہری نے یہ حدیث نہ سہل بن سعد سے سنی تھی نہ قبصہ سے۔ کسی یا وہ گونے اسے سہل کی طرف منسوب کر کے سنادی تھی اور کسی نے قبصہ کی طرف منسوب کر کے۔ فہم و روایت استعمال کرنے سے زہری وغیرہ کو کوئی سروکار نہ تھا۔ پس یہ حدیث بھی حدیث براء کی طرح باطل ہے۔

اور سنئے ابو داؤد نے سعید بن منصور سے اور امام احمد نے سفیان بن داؤد سے اور ان دونوں نے ابوالزناد کے بیٹے عبدالرحمان سے روایت کی ہے:

عن خارجة بن زيد قال قال زيد بن ثابت اني قاعد الى جنب النبي ﷺ يوما اذا وحى اليه و غشيت السكينة و وقع فخذه على فخذي حين غشيت السكينة. قال زيد فلا والله ما وجدت شيئا اتقل من فخذ رسول الله ﷺ ثم سرى عنه فقال اكب يا زيد فاخذت كتفا فقال اكب لا يستوى القاعدون من المؤمنين والمجاهدون. الآية فكتبت ذلك في كتف فقام حين سمعها ابن ام مكتوم وكان رجلا اعمى فقام حين سمع فضيلة المجاهدين. قال يا رسول الله فكيف بمن لا يستطيع الجهاد ممن هو اعمى واشباه ذلك قال فوالله ما مضى كلامه. او ما هو الا ان قضى كلامه غشيت النبي ﷺ السكينة فوقع فخذه على فخذي فوجدت من ثقلها كما وجدت في المرة الاولى ثم سرى عنه فقال اقرا فقرأت عليه. فقال النبي ﷺ غير اولى الضرر، قال زيد فالحقها فوالله كاني انظر الى ملحقها عند صدع كان في الكتف (مسند ۵ ص ۱۹۰)

یہ حدیث عبدالرحمن بن ابی الزناد کی گھڑی ہوئی ہے اور شعبہ وغیرہ کی روایت کی

ہوئی حدیث براء کے خلاف ہے کیونکہ اس میں یہ تصریح ہے کہ زید بن ثابت کے سامنے یہ آیت غیر اولیٰ الضرود کے بغیر نازل ہوئی تھی اور اس میں ہے کہ اس کے نازل ہونے پر آپ نے زید کو طلب کیا تھا۔

(۱۵) سفر جہاد میں روزہ رکھنے کی فضیلت کی حدیث جو سہیل بن ابی صالح سے مروی ہے

امام بخاری و نسائی نے عبدالرزاق کے طریق سے روایت کی ہے:

قال اخبرنا ابن جريح اخبرني يحيى بن سعيد وسهيل بن ابي صالح انهما سمعا النعمان بن ابي عياش عن ابي سعيد الخدري قال سمعت النبي ﷺ يقول من صام يوما في سبيل الله بعد الله وجهه عن النار سبعين خريفاً (صحيح بخاری ص ۳۹۸ کتاب الجہاد منن نسائی کتاب الصیام باب ثواب من صام يوماً فی سبیل اللہ (باب فضل الصوم فی سبیل اللہ)

ابن جریح نے بتایا کہ مجھے یحییٰ بن سعید انصاری اور سہیل بن ابی صالح نے خبر دی کہ ان دونوں نے نعمان بن ابی عیاش رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں ایک دن روزہ رکھے اللہ اس کے چہرے کو جہنم کی آگ سے ستر سال کے فاصلہ پر رکھے گا۔

امام احمد و نسائی نے شعبہ کے طریق سے اس کی روایت کی ہے۔ شعبہ نے اس کی اسناد میں عن سہیل بن ابی صالح عن صفوان بن یزید عن ابی سعید الخدري۔ کہا تھا (مسند ۳ ص ۲۵) سنن نسائی کتاب الصیام حماد بن سلمہ کی اسناد اس حدیث میں یہ ہے عن سہیل بن ابی صالح عن النعمان بن ابی عیاش عن ابی سعید (مسند ۳ ص ۸۳)

یہ ہی یزید بن عبداللہ بن المہادی کی اسناد ہے (سنن ابن ماجہ ص ۱۲۲ ابواب الصوم سنن نسائی، کتاب الصیام)

سفیان ثوری سے بھی یہ حدیث مروی ہے مگر ان کے شاگردوں میں سے قاسم و یزید بن ابی حکیم عدنی و عبداللہ بن ولید عدنی اور عبید اللہ بن موسیٰ نے کہا ہے عن سفیان عن سہیل عن العثمان عن ابی سعید (نسائی و ترمذی) اور عبداللہ بن نمیر نے کہا ہے حدیثا سفیان عن سہیل عن العثمان بن ابی عیاش عن ابی سعید (مسند ص ۲۶ ص ۵۹۔ سنن نسائی) یعنی عبداللہ بن نمیر نے سہیل کو سفیان کا شیخ بتایا ہے اور قاسم و غیرہ نے سہیل کو۔

حمید بن اسود نے کہا ہے حدثنا سہیل عن النعمان بن ابی عیاش قال سمعت ابا سعید الخدری۔ (سنن نسائی)

اور ابو معاویہ کی اسناد یہ ہے عن سہیل عن المقبری عن ابی سعید (سنن نسائی) انس بن عیاض اور سعید بن عبدالرحمان نے بھی سہیل سے اس کی روایت کی ہے۔ ان دونوں کی اسناد میں ہے عن سہیل عن ایہ ابی صالح عن ابی ہریرۃ ہے انس کی روایت مسند احمد و سنن نسائی میں ہے (مسند ص ۳۰۰۔ سنن النسائی کتاب الصیام)

اور سعید بن عبدالرحمن کی روایت سنن نسائی میں ابن جریج نے اس کی اسناد میں سہیل کے ساتھ یحییٰ بن سعید کا بھی پیوند لگا دیا ہے لیکن سہیل کے بقیہ سات تلامذہ نے یحییٰ بن سعید کا ذکر نہیں کیا پس یحییٰ بن سعید کا ذکر ابن جریج کا غلط اضافہ ہے۔ اس حدیث کی اسانید کا مطالعہ ہمیں اس نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ سہیل اس میں شدید اضطراب میں مبتلا تھا اور اس کی اسناد اسے اچھی طرح محفوظ نہ تھی۔ کبھی اسے ابو سعید خدری کی حدیث بتا دیا کبھی ابو ہریرہ کی حدیث قرار دیدیا۔ شعبہ کو اس نے یہ حدیث سنائی تو بتا دیا کہ مجھے یہ حدیث صفوان بن یزید سے پہنچی ہے اور ابو معاویہ سے کہہ دیا کہ میں اس کی روایت سعید مقبری سے کر رہا ہوں۔ انس بن عیاض اور سعید بن عبدالرحمن کو یہ باور کرایا کہ میں نے اس کی روایت اپنے والد ابو صالح ذکوان سے کی ہے۔ حماد بن سلمہ و غیرہ کو نعمان بن ابی عیاش کا نام بتا دیا۔ سہیل کے اس اضطراب کو رفع کرنے اور حقیقت حال جاننے کی کوئی سورت نہیں اسی لئے امام مسلم نے اس

کی تخریج کرنے سے اجتناب کیا ہے یہ تو اس کی اسناد کا حال ہے۔ رہا اس کا متن تو وہ منکر اور قصاص یعنی واعظین کا گھڑا ہوا ہی لگتا ہے۔ سفر جہاد میں روزہ رکھنے میں کوئی خوبی و نیکی نہیں ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے لیس من البر الصیام فی السفر۔

(۱۶) حضرت ابو ہریرہ سے مروی حدیث کہ ایک نبی کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا تو اس نے چیونٹیوں کا استہان ہی جلو ا دیا جس سے بے شمار چیونٹیاں جل کر ہلاک ہو گئیں

یہ حدیث زہری و اعرج و ہمام بن منبہ و محمد بن سیرین و حسن بصری سے مروی ہے۔ زہری و اعرج کی روایت صحیح بخاری و صحیح مسلم و غیرہ میں ہے۔ زہری نے کہا ہے۔

عن سعید بن المسیب و ابی سلمة ان ابا هريرة قال سمعت رسول الله ﷺ يقول قرصت نملة نبيا من الانبياء فامر بقرية النمل فأخرفت فلوخى الله اليه أن قرصتك نملة احرققت امة من الامم تسبح الله (صحیح بخاری ص ۴۲۴ کتاب الجہاد فی باب بعد باب اذا حرق المشرک المسلم هل يحرق . صحیح مسلم کتاب قتل الحیات و غیرہ ج ۴ ص ۳۹ طبع مصر سنن ابی داؤد و اخر کتاب الادب باب فی قتل الذئب مسند احمد ج ۲ ص ۴۰۲ سنن ابن ماجہ ص ۲۴۰ طبع ہند ابواب الصيد باب ما ينهى عن قتله)

یعنی زہری نے سعید بن مسیب و ابو سلمہ بن عبدالرحمن سے روایت کی ہے کہ ابو ہریرہ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک چیونٹی نے ایک نبی کے بدن میں کاٹ لیا تو اس نے چیونٹیوں کے پورے استہان میں آگ لگوا دی تو اللہ نے اسے وحی فرمائی کہ اس وجہ سے ایک چیونٹی نے تمہیں کاٹ لیا تم نے چیونٹیوں کی ایک پودی قوم کو جلو ا دیا جو اللہ کی تسبیح کرتی تھی۔

اس کی اسناد میں زہری نے یہ ذکر نہیں کیا کہ اس نے سعید بن مسیب و ابو سلمہ سے یہ حدیث سنی تھی نہ ان دونوں کے متعلق یہ بتایا کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے یہ حدیث سنی تھی اور ابو الزناد نے اعرج سے روایت کی ہے

عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال نزل نبی من الانبیاء تحت شجرة فلدغته نملة فامر بجهازه فاخرج من تحتها ثم امر ببيتها فاحرق بالنار فاوحى الله اليه فهلا نملة واحدة (صحیح بخاری ۴۶۷ کتاب بدء الخلق . صحیح مسلم سنن ابی داؤد، مسند ۲ ص ۴۴۹)

یعنی ایک نبی نے اثنائے سفر (دوپہر میں) ایک درخت کے نیچے پڑاؤ کیا۔ ان کے لئے بستر بچھا دیا گیا ایک چیونٹی نے کاٹ لیا تو اپنا سامان وہاں سے ہٹوا کر چیونٹی کے بل میں آگ لگوا دی اللہ نے وحی فرمائی کہ تمہیں انتقام ہی لینا تھا تو ایک ہی چیونٹی کو جلادیتے یعنی جس نے تمہیں کاٹا تھا (دیگر بہت سی بے قصور چیونٹیوں کو کیوں پھونک دیا) یہی حدیث محمد بن سیرین نے ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کی ہے (نسائی)

اور حسن بصری سے قتادہ و اشعث نے بروایت قتادہ حسن نے اسے حضرت ابو ہریرہ کے قول کی حیثیت سے ذکر کیا تھا۔ اسناد میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر نہ تھا اور بروایت اشعث حسن نے ابو ہریرہ کا بھی ذکر نہیں کیا تھا بس یہ کہا تھا نزل نبی من الانبیاء تحت شجرة۔ الخ

ان روایات میں سے کسی بھی روایت میں اس نبی کا نام مذکور نہیں ہے اور ابو ہریرہ کے علاوہ اور کسی صحابی سے یہ قصہ مروی نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ وہ نبی عزیر تھے۔ حکیم ترمذی اور کلاباذی اور قرطبی نے یہ بتایا ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام تھے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بالکل غلط بکواس ہے۔ آخر کلاباذی و قرطبی و حکیم ترمذی کے پاس کونسا ذریعہ علم تھا جس سے انہیں وہ معلوم ہو گیا جو نہ ابو ہریرہ کو معلوم تھا نہ رسول اللہ ﷺ کو۔

میں کہتا ہوں کہ ایک نبی کا جو فعل اس حدیث میں مذکور ہے وہ انبیائے کرام کی

سیرت سے کوئی میل نہیں رکھتا۔ یہ قصہ قطعاً رسول اللہ ﷺ کا بیان فرمایا ہوا نہیں ہے۔ ابوہریرہ نے کعب احبار یا کسی اور نو مسلم یہودی یا عیسائی سے یہ قصہ سنا ہوگا۔ اپنے اصحاب سے اس کی روایت کی انہوں نے یہ خیال کر کے کہ ابوہریرہ کی بتائی ہوئی ہر بات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی ہے غلطی سے اس کو حدیث مرفوع کے طور پر ذکر کر دیا۔

(۱۷) حضرت عبداللہ بن عمر کی طرف منسوب حدیث

جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید کو بنی جذیمہ کی طرف بھیجا تھا۔ پھر فرمایا تھا اللھم انی ابرأ الیک مما صنع خالد

عبدالرزاق بن ہمام اور عبداللہ بن مبارک نے معمر بن راشد سے روایت کی ہے عن الزہری عن سالم عن ابیہ قال بعث النبی ﷺ خالد بن الولید الی بنی جذیمۃ فدعاهم الی الاسلام فلم یحسنوا ان یقولوا اسلمنا فجعلوا یقولون صباناً صباناً فجعل خالد یقتل ویأسر و دفع الی کل رجل منا اسیراً حتی کان ذات یوم فامر ان یقتل کل رجل اسیرہ۔ فقلت واللہ لا اقتل اسری ولا یقتل رجل من اصحابی اسیرہ۔ حتی قدمنا علی النبی ﷺ فذکرناہ لہ فرفع النبی ﷺ یدیه فقال اللھم انی ابرأ الیک مما صنع خالد۔ مرتین صحیح بخاری ص ۶۳۲ کتاب المغازی باب بعث النبی ﷺ خالد بن الولید الی بنی جذیمۃ۔ ص ۱۰۶۶ کتاب الاحکام باب اذا قضی الحاکم بجور او خلاف اهل العلم فهو مردود۔

یعنی زہری نے سالم سے اس نے اپنے والد عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے خالد بن ولید کو بنی جذیمہ کی طرف بھیجا۔ خالد نے انہیں مسلمان ہو جانے کو کہا تو وہ اسلمنا (ہم مسلم بن گئے) نہ کہہ سکے اس کی بجائے صباناً صباناً (ہم صابی بن گئے) کہنے لگے تو خالد نے انہیں قتل کرنا اور گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ اور ہم میں سے یعنی لشکر اسلام

میں سے ہر شخص کو ایک ایک قیدی دیدیا۔ یہاں تک کہ ایک دن ہوا تو خالد نے حکم دیا کہ ہر آدمی اپنے قیدی کو قتل کر دے۔ میں نے قسم کھا کر کہا کہ نہ میں اپنے قیدی کو قتل کروں گا نہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی اپنے قیدی کو قتل کرے گا۔ یہاں تک کہ ہم نے واپس آ کر نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے اپنے ہاتھ اٹھا کر فرمایا خدا یا جو کام خالد نے کیا ہے میں تیرے حضور اس سے بیزاری و بے تعلقی کا اظہار کرتا ہوں۔ بخاری کے علاوہ نسائی نے عبد اللہ بن مبارک کے طریق سے اور امام احمد نے عبد الرزاق کے طریق سے اسی طرح اس کی روایت کی ہے۔

(سنن نسائی کتاب آداب القضاة باب الرد علی الجاکم اذا قضی بغير الحق مسند احمد ۳ ص ۱۵۰)

معمر کے علاوہ زہری سے یہ قصہ اور کسی نے روایت نہیں کیا۔ اور جس انداز سے معمر کی روایت میں یہ قصہ مذکور ہے قطعاً غیر معقول اور بے تکا ہے۔ اگر یہ قصہ یوں بیان کیا جاتا کہ خالد بن ولید نے بنی جذیمہ کو دعوت اسلام دی۔ وہ مٹھی بھر مسلمانوں کو خاطر میں نہ لائے اور جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ مگر تھوڑی ہی دیر میں انہیں شکست ہو گئی جنگ میں مجاہدین کے ہاتھوں ان کے کافی آدمی مارے گئے۔ آخر انہوں نے امان مانگی اور ہتھیار ڈال دیئے تب خالد نے بقیۃ السیف لوگوں کو گرفتار کیا اور ہر مجاہد کی نگرانی میں ایک ایک قیدی دیدیا ایک دو دن بعد خالد نے سب قیدیوں کو طلب کیا اور کہا اگر تم اسلام قبول کر لو تو آزاد کر دیے جاؤ گے ورنہ لقمہ شمشیر بنو گے۔ وہ بجائے اس کے کہ اسلما اسلما کہتے صبا صبا کہنے لگے خالد نے یہ سمجھ کر کہ یہ لوگ قبول اسلام سے انکار کر رہے ہیں انہیں قتل کرنے کا حکم دیدیا۔ لیکن عبد اللہ بن عمر نے خالد کا یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا کہ بخدا نہ میں اس قیدی کو قتل کروں گا جو میری نگرانی میں ہے نہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی اپنے اپنے قیدی کو قتل کرے گا۔

اس انداز سے یہ قصہ بیان کیا جاتا تو بے تکا نہ ہوتا گو پھر بھی غلط اور خلاف واقعہ ہی ہوتا۔ کیونکہ قبیلۃ بنی جذیمہ مکہ کے قریب ہی رہتا تھا۔ اور یہ قصہ ہوا ہوتا تو فتح مکہ کے بعد ہی ہو سکتا تھا۔ جب کہ اسلام جزیرہ عرب میں پھیل چکا تھا پھر یہ کیسے مانا جاسکتا ہے کہ

اس قبیلہ کے لوگ اسلما کہنے کی بجائے صبا نا کہیں۔ پھر کسی کافر کو دعوتِ اسلام دی جائے اور وہ جواب میں کہے اسلمٹ (میں مسلمان ہو گیا) تو اس کا جواب غیر معتبر ہے۔ اسے کہنا پڑے گا اشہد ان لا اله الا الله وان محمد رسول الله یعنی میں اللہ کی یکتائی اور محمد ﷺ کے رسول اللہ ہونے کا اقرار کرتا ہوں۔ اس شہادت کے بغیر اسے مسلمان نہیں سمجھا جاسکتا۔ اگر خالد بن ولید نے بنی جذیمہ کو دعوتِ اسلام دی تھی اور انہوں نے اسے قبول کر لیا تھا تو ان کے ایک ایک فرد کو جواب میں کلمہ شہادت بولنا تھا اور جب ان میں سے کوئی کلمہ شہادت زبان پر نہ لایا اور صبا نا صبا نا پکارا تو خالد انہیں دعوتِ اسلام قبول کرنے سے سرتاب سمجھنے اور انہیں گردن زدنی قرار دینے میں قطعاً حق بجانب تھے۔ لہذا یہ قطعاً بکو اس ہے کہ عبد اللہ بن عمر نے امیر کی شدید مخالفت کی تھی اور واللہ لا اقتل اسیری ولا یقتل احد من اصحابی اسیرہ کہا تھا اس مہم میں مجاہدین کے امیر خالد بن ولید تھے اور انہوں نے اگر اسلام سے سرتاب قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا تو یہ حکم ناروا و خلاف شرع نہ تھا۔ عبد اللہ بن عمر کوئی گروہ بند آدمی نہ تھے کہ لا یقتل احد من اصحابی اسیرہ کہتے۔ مجاہدین میں ان کے اصحاب کون لوگ تھے جو امیر خالد بن ولید کے بجائے ان کا حکم مانتے۔ اور یہ بھی قطعاً غلط اور رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک پر افتراء و بہتان ہے کہ آپ نے خالد کے عمل کو ناروا قرار دیا اور ہاتھ اٹھا کر اللہم انی ابرء الیک مما صنع خالد فرمایا ہو۔

اس قصہ کو گھڑنے اور بیان کرنے سے مقصود خالد بن ولید کی مذمت ہے کہ عامۃ المسلمین جسے سیف اللہ اور مجاہد عظیم اور اسلام کا بطل جلیل قرار دیتے ہیں وہ ایک خوں ریز و سفاک شخص تھا۔ خالد بن ولید کے متعلق یہ ناپاک خیال رافضیوں کا ہے اس کے دو سبب ہیں اول یہ کہ حضرت خالد کا بیٹا عبد الرحمن شیر بچہ بنی مخزوم حضرت معاویہ کے جانباز ساتھیوں اور حمایتیوں میں سے تھا۔ دوم یہ کہ وہ دیکھتے اور جانتے تھے کہ مسلمانوں کا بچہ بچہ خالد بن ولید کی عظمت کا قائل اور ان کا شاخاں ہے۔ ایران و شام میں جو عظیم الشان فتوحات خالد بن ولید کو حاصل ہوئی تھیں جن کی وجہ سے اسلامی مملکت کو بڑی وسعت نصیب ہوئی ہے ان کا ذکر ہر مسلمان کو سرشار اور خالد کی محبت سے معمور رکھتا ہے۔ مگر یہ

احساس رافضیوں کے دلوں کو تڑپاتا تھا کہ ان کے محبوب مقتدا شیر خدا علی مرتضیٰ کے کارناموں میں بس مرحب یہودی کا قتل آتا ہے وہ بھی مختلف فیہ ہے۔ اس احساس کے تحت انہوں نے متعدد کہانیاں گھڑ کر مسلمانوں میں پھیلائیں جن سے خالد بن ولید اور دیگر صحابہ کبار کے مقابلہ میں علی بن ابی طالب کی برتری ثابت ہو۔ اُن ہی جھوٹی کہانیوں میں سے یہ بنی جذیمہ کا قصہ ہے۔

در اصل یہ قصہ حکیم بن عباد رافضی کذاب نے گھڑا تھا۔ ابن اسحاق نے کہا ہے

حدثني حكيم بن عباد عن ابي جعفر الباقر قال بعث رسول الله ﷺ خالد بن الوليد حين افتتح مكة الى بني جذيمة داعيا لهم ولم يبعثه مقاتلا فاتاهم فقال ضعوا السلاح فان الناس قد اسلموا فوضعوه فاسر بهم فكتفوا ثم عرضهم على السيف فذكر القصة وزاد ثم دعا رسول الله ﷺ عليا فقال اذهب الى هؤلاء القوم واجعل امر الجاهلية تحت قدميك حتى جاءهم ومعه مال فلم يبق لهم احد الا وداه (فتح الباری)

مجھ سے حکیم بن عباد نے بیان کیا ابو جعفر باقر یعنی محمد بن علی سے روایت کر کے ابو جعفر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ فتح کر لیا تو خالد بن ولید کو بنی جذیمہ کے پاس تبلیغ اسلام کی غرض سے بھیجا ان سے جنگ کرنے کے لیے نہیں بھیجا تھا۔ خالد نے (اپنے ساتھیوں کے ساتھ) ان کے پاس پہنچ کر ان سے کہا کہ ہتھیار رکھ دو (ہم سے جنگ کرنا فضول ہے) کیونکہ تمام لوگ یعنی اہل مکہ مسلمان ہو چکے ہیں۔ انہوں نے ہتھیار رکھ دیے تب خالد نے ساتھیوں کو حکم دیا کہ ان کی مشکلیں کس لو چناچہ ان میں سے ہر ایک کے کاندھوں سے ملا کر ہاتھ باندھ دیے گئے۔ (اس طرح سب کو بے بس کر دیا گیا) پھر ان کو تلوار پر پیش کر دیا گیا یعنی حکم دیدیا گیا کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ کچھ مسلمانوں نے خالد کے اس حکم پر عمل کیا مگر عبداللہ بن عمر نے اس کی مخالفت کی کہ نہ میں کسی قیدی کو قتل کروں گا نہ میرا کوئی ساتھی یہ گناہ کرے گا۔ واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کو ماجرا سنایا گیا الخ۔

اس روایت میں یہ اضافہ ہے کہ پھر نبی ﷺ نے حضرت علی کو بلا کر حکم دیا کہ

بنی جذیہ کے یہاں جا کر جاہلیت کے کام کو قدموں سے روند دو۔ حسب حکم علی مال لے کر گئے اور ان کے ایک ایک مقتول کی دیت ادا کی۔

یعنی خالد بن ولید کی بھیانک غلطی کا تذکرہ علی سے کرایا گیا۔ ابو جعفر باقر متقی و پرہیزگار اور راست گفتار شخص تھے حکیم بن عباد کذاب رافضی نے ابو جعفر کی طرف اس جھوٹی کہانی کو روایت کرنے کی نسبت کر کے قطعاً افترا پر دازی و دروغ بانی کی تھی۔ مگر چونکہ یہ روایت مرسل تھی اور اہل علم کے نزدیک مرسل روایات قابل قبول نہیں ہیں۔ اس لئے کسی اور رافضی نے اس میں تصرف کر کے اسے متصل السند بنا دیا اور چپکے سے معمر کی کتاب میں جو ان احادیث پر مشتمل تھی جو معمر نے زہری سے اور اس نے سالم سے اور اس نے اپنے والد عبد اللہ بن عمر سے سنی تھیں اسے درج کر دیا۔ اغلب یہ ہے کہ معمر جب بصرہ میں مقیم تھے وہیں کوئی شاطر رافضی تھکیہ کر کے ان کے تلامذہ میں شامل ہوا اور یہ کارروائی کر گذرا۔ تہذیب المتحدیب میں امام ابو حاتم کا قول مذکور ہے ما حدث معمر بالبصرة فيه اغاليط وهو صالح الحديث۔ بخاری و نسائی نے اس کے معنی پر غور نہیں کیا اور ظاہری اسناد سے دھوکا کھا کر اسے صحیح گمان کر لیا۔ روافض تھے عجب طرح کی مخلوق تحصیل حاصل کی غرض سے انہوں نے روایات گھڑنے اور لوگوں میں پھیلانے کا نہایت بے باکی کے ساتھ جرم عظیم کیا ہے۔ میری مراد یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یقیناً بڑی فضیلت رکھنے والے اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ ان کی فضیلت کا ثبوت قطعاً روافض کی گھڑی ہوئی روایات کا محتاج نہ تھا۔

(۱۸) هشام بن عروہ کی روایت جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر لبید بن اعصم خنزرجی جادوگر نے سخت جادو کیا تھا جس کی وجہ سے آپ کچھ دن بہت پریشان رہے

امام بخاری نے هشام کی یہ روایت آٹھ جگہ ذکر کی ہے۔

صحیح بخاری ص ۴۵۰ کتاب الجہاد ص ۴۶۲ کتاب بدء الخلق پھر ص ۴۶۲ کتاب بدء

اُخلق ص ۸۵۷ کتاب الطب باب السحر ص ۸۵۸ کتاب الطب باب هل يستخرج السحر ص ۸۵۸ کتاب الطب باب السحر ص ۸۹۵ کتاب الادب

اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو سخت بھول کی شکایت ہو گئی خیال ہوتا کہ میں نے فلاں کام کیا ہے حالانکہ وہ آپ نے نہ کیا ہوتا کسی بیوی سے ہم بستر ہوئے ہیں اس لیے غسل فرماتے حالانکہ ایسا نہ ہوتا۔ کھانا کھا چکے ہیں حالانکہ نہ کھایا ہوتا۔ بدن میں ضعف آنے لگا اور نڈھال ہوتے چلے گئے تب دعا فرمائی اور دو فرشتوں کے ذریعہ آپ کو خواب میں بتایا گیا کہ لیبید بن اعصم نے آپ پر جادو کیا ہے اور وودی اروان نامی ایک کنوئیں میں ہے۔ دن میں آپ چند اصحاب کے ساتھ اس کنوئیں پر پہنچے اور وہ جادو اس میں سے نکلوا یا۔

اس حدیث کی صرف هشام بن عروہ نے اپنے والد عروہ سے اور عروہ بن زبیر نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔ اس کے متعلق میں کہتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول اور نہایت گرامی مرتبہ انسان تھے۔ انسان ہونے کے لحاظ سے جو عوارض انسان کو پیش آ سکتے ہیں آپ کو بھی پیش آئے جیسے تدریجاً جسمانی نشوونما، جوانی، بھوک، پیاس، بیماری، ادھیڑ پین پھر بڑھاپا، کمزوری، پھر وفات۔

لیکن حق تعالیٰ نے آپ سے فرمایا تھا۔ واللہ یفصمک من الناس۔ شروع سے آخر تک آپ زندگی بھر اس وعدہ حق کے مطابق حق تعالیٰ کی عصمت و حفاظت میں رہے۔ آپ کے دشمنوں نے مکہ مکرمہ میں ہجرت سے قبل اور مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد اور سفر یا حضر میں آپ کو ہلاک کرنے کی زبردست تدبیریں کیں کھلی اور چھپی ہر طرح کی چالیں چلیں مگر ناکامی و نامرادی کے سوا انہیں کچھ حاصل نہ ہوا۔ بحیثیت قوم یثرب میں رہنے والے اور یثرب کے آس پاس بسنے والے ظالم یہودی آپ کے بدترین دشمن تھے۔ انہوں نے آپ کو جادو سے بھی ہلاک کر ڈالنے کی خوب کوششیں کیں۔ بے خبری میں سر مبارک پر بھاری چکی کا پاٹ ڈال دینے کی بھی سازش رچی۔ آپ کو زہر دیکر مار دینے کی بھی تدبیر کی۔ اندھیرے میں آپ کو قتل کر ڈالنے کے منصوبے بھی گانٹھے لیکن حق تعالیٰ کی

عصمت ہمیشہ ان کی تدبیروں کو ان کے منہ پر مارتی رہی۔ یثرب کے خنزرجی منافق ساحر اعظم لبید بن اعصم نے بھی جو جادو میں یہودیوں کا بھی گرو بن گیا تھا آپ پر جادو کیا۔ اس کا جادو بھی دھرے کا دھرا رہ گیا۔ اللہ کی عصمت کے مقابلہ میں اس کا یا کسی بھی جادو گر کا جادو آپ پر نہیں چل سکتا تھا۔ پس ہشام بن عروہ کی روایت میں جو یہ مذکور ہے کہ اس جادو کے اثر سے آپ شدید بھول میں مبتلا ہو گئے تھے تو اسے ہم حق تعالیٰ کے ارشاد واللہ یعصمک من الناس کے خلاف ہونے کی وجہ سے ان ہوئی کہانی سمجھتے ہیں۔

ہشام کی بیان کی ہوئی روایات میں سے کسی بھی روایت کی اسناد میں یہ ذکر نہیں ہے کہ عروہ نے حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث سنی تھی۔ ہر روایت کی اسناد میں ”ہشام عن ایبہ عن عائشہ“ ہے میں سمجھتا ہوں کہ عروہ کو یہ کہانی کسی شخص نے ام المؤمنین کی طرف منسوب کر کے بتائی ہوگی۔ عروہ نے اس کا نام ذکر نہیں کیا اور ”عن عائشہ“ کہہ کر اس کو اپنے فرزند ہشام سے بیان کر دیا۔ ایسی متعدد حدیثیں ہمارے علم میں ہیں جن کی عروہ نے عن عائشہ کہہ کر روایت کی تھی حالانکہ وہ حدیثیں عروہ نے ام المؤمنین سے نہیں سنی تھیں۔ یہ حدیث بھی میرے نزدیک ایسی ہی ہے۔ اس کی اسناد متصل نہیں ہے۔ لہذا یہ حدیث اصولاً صحیح نہیں ہے اور درالینہ باطل ہے۔

(۱۹) کسی کا ہن (جو تشی) کی بتائی ہوئی بات کے کبھی صحیح ثابت ہونے کی توجیہ جو صحیح بخاری وغیرہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے

ان الملائكة تنزل في العنان وهو السحاب فتذكر الامر قضي في السماء فتسترق الشياطين السمع فتسمعه فتوحيه الى الكهان فيكذبون معها مائة كذبة من عند انفسهم (صحیح بخاری ص ۴۵۶ کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائكة)

یعنی اللہ کا حکم لے کر اس کی تعمیل کے لئے آسمان سے فرشتے بادل میں اترتے ہیں۔ بادل میں باہم ذکر کرتے ہیں کہ اللہ کی جناب سے فلاں فلاں اور یہ یہ فیصلہ کیا گیا ہے شیاطین چوری چھپے ان کی کوئی بات سن لیتے ہیں تو اسے کاہنوں کو بتا دیتے ہیں وہ ایک بات میں سو جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر لوگوں کو بتا دیتے ہیں (فرشتوں سے سنی ہوئی بات صحیح نکلتی ہے) (اس طرح عیب کی خبر دینے والے اس کاہن کی لوگوں میں واہ واہ ہونے لگتی ہے کہ دیکھو جیسا اس نے کہا تھا ویسا ہی ہوا ہے۔

یہ لیث بن سعد کی بیان کردہ حدیث ہے جو اس نے سلیمان بن یسار مصری سے سنی تھی۔ اس نے محمد بن عبدالرحمن ابوالاسود سے اس نے عروہ بن زبیر سے روایت کی تھی۔ سعید بن ابی ہلال نے بھی ابوالاسود سے یہ حدیث سنی تھی (صحیح بخاری ص ۴۶۴ بدء الخلق باب صفة النبی و جنودہ)

اس میں ہے فتقرها فی اذان الکھان کما تقر القارورة اور هشام بن یوسف صنعانی نے معمر بن راشد سے سنا اس نے زہری سے اس نے یحییٰ بن عروہ سے اس نے اپنے والد عروہ سے روایت کی ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا سأل رسول الله ﷺ ناس عن الکھان فقال ليسوا بشئ فقالوا يا رسول الله انهم يحدثونا احيانا بشئ فيكون حقا فقال تلك الكلمة من الحق يخطفها الجنى فيقرها في اذن وليه فيخلطون معها مائة كذبة (صحیح بخاری ص ۸۵۷ کتاب الطب آخر باب الکھانة)

ابن جریج نے بھی زہری سے اس کی روایت کی ہے۔ اسی طرح مگر اس میں ہے فيقرها في اذن وليه قرالدجاجة۔ (صحیح بخاری ص ۷۸۷ کتاب الادب باب قول الرجل للشيئ ليس بشئ (مسند ۶ ص ۸۷)

معقل بن عبید اللہ نے (صحیح مسلم کتاب السلام) اور شعیب نے بھی زہری سے اسی طرح ان روایات میں تصریح ہے کہ کاہنوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے سوال چند لوگوں نے کیا تھا۔ اور صحیح مسلم میں عبدالرزاق کے طریق سے ہے قال اخبرنا معمر عن

الزهری عن یحیی بن عروہ بن الزبیر عن ابیہ عن عائشة قالت قلت یا رسول اللہ ان الکھان کانوا یحدثوننا بالشئی فنجدہ حقاً قال تلک البکلمۃ الحق یخطفها الجنی الخ

اس میں مذکور ہے کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے عرض کیا تھا کہ کاہن لوگ ہم سے بات بیان کرتے تھے تو وہ بالکل صحیح نکلتی تھی الخ یہ عبدالرزاق کی سخت بھول اور غلط بیانی تھی کیونکہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی کبھی کسی کاہن سے بات چیت نہ ہوئی تھی نہ انہوں نے کسی کاہن کی کہی ہوئی بات کا یہ تجربہ کیا تھا کہ وہ حق ثابت ہوئی ہے۔ عبدالرزاق کو معمر سے سنی ہوئی حدیث ٹھیک یاد نہ رہی۔ معمر کی صحیح روایت وہ ہے جو ہشام بن یوسف نے بیان کی ہے جس کی تخریج بخاری نے کی ہے۔

پس عروہ سے یہ حدیث دو شخصوں نے روایت کی تھی ابوالاسود محمد بن عبدالرحمن نے جسے یتیم عروہ کہا جاتا تھا اس لئے کہ اس کی عروہ کے گھر ہی پرورش ہوئی تھی۔ باپ کے انتقال کے بعد عروہ نے اسے اپنی کفالت میں لے لیا تھا۔

اور یحیی بن عروہ نے ابوالاسود کی روایت میں عنان یعنی بادل میں فرشتوں کے اترنے کا ذکر ہے۔ یحیی بن عروہ کی روایت میں نہیں ہے۔

اہل عرب کاہن اس شخص کو کہتے تھے جو مقفی مسجع عبارت میں لوگوں کو مستقبل کی باتیں بتایا کرتا اور پیشین گوئیاں جھاڑا کرتا تھا کہ آئندہ یہ ہونے والا ہے۔ لوگ اس کے پاس اپنی قسمت کا حال معلوم کرنے کے لئے پہنچتے تھے اور مقررہ زمانہ پیش کرتے تھے جسے حلوان کہا جاتا تھا۔ کاہن اس کا مدعی ہوتا تھا کہ اس کی بعض جنات سے دوستی ہے۔ وہی اسے غیب کی باتیں بتاتے ہیں کہانت کا پیشہ اختیار کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی کاہن بننے والے کو کافی محنت و ریاضت کرنی پڑتی تھی۔ تنہائی میں مقفی مسجع عبارت بولنے کی مشق کرنا۔ اور اس انداز سے بات کہنا کہ جھوٹ نہ پکڑا جائے کافی دقت طلب کام تھا۔ کسی گروہ کا چیلا بن کر اور اس کی خدمت کر کے اس فن کے آداب و نکات سیکھنا ضروری تھا۔ مردوں کی طرح عورتیں بھی یہ فن سیکھتی تھیں پھر کہانت کی دکان چلاتی تھیں۔ عورت کو کاہنہ کہتے

تھے کاہنوں کی بتائی ہوئی باتوں کو ماننے والے جاہلوں کا حال یہ تھا کہ ان کی کبی ہوئی جھوٹی اور فضول باتوں کو نظر انداز کر دیتے اور اتفاقہ کا ہن کا کوئی تیر نشانہ پر لگ گیا یعنی کوئی واقعہ ایسا ہی ہو گیا جیسا کاہن نے بتایا تھا تو اسے خوب شہرت دیتے اور دیگر لوگوں کو بھی اس کاہن کے پاس جانے کی ترغیب دیتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ۔ اور رسول اللہ ﷺ نے مستقبل کا حال جاننے کے لیے کاہن کے پاس جانے کو اور اس کی کہی ہوئی بات کو سچ ماننے کو کفر بتایا ہے۔

اس حدیث میں بھی ہے کہ آپ نے کاہن کی بتائی ہوئی بات کو یس بشی کچھ نہیں“ کہا تھا۔ لیکن یہ جو اس میں مذکور ہے کہ کاہن کی بتائی ہوئی وہ بات صحیح ہوتی ہے جو کسی فرشتے سے سن کر کوئی جن اس کے کان میں ڈال دیتا ہے تو یہ قرآن کریم کی تصریحات کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہے اور رسول اللہ ﷺ کی فرمائی ہوئی بات نہیں ہے۔ نزول قرآن کا سلسلہ شروع ہونے سے پہلے تو ایسا ہو جاتا تھا کہ گھات میں لگے ہوئے جنات میں سے کسی جن کو کوئی آسمانی خبر معلوم ہو جائے لیکن نزول قرآن کا سلسلہ شروع ہو جانے پر اسے ناممکن بنا دیا گیا تھا۔ سورۃ الجن میں مؤمن جنات کا قول بیان فرمایا گیا ہے۔ ”وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَسْمَعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَصَدًا“ (اور ہم سطح آسمان کے قریب کچھ ٹھکانوں میں سننے کے لیے جا بیٹھتے تھے پس اب جو وہاں پہنچ کر سننے تو اپنے لئے ایک شعلہ سوزان تیار پائے۔ یعنی اب کسی جن کا سابق کی طرح سننا ممکن نہ رہا سورۃ الحجر میں ہے وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ إِلَّا مَنْ اسْتَرَقَّ السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ شِهَابٌ مُبِينٌ۔

اور سورۃ الصافات میں ہے لَا يَسْمَعُونَ إِلَى الْمَلَأِ الْأَعْلَى وَيُقَذَّفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُخُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاتَّبَعَهُ شِهَابٌ فَانْقَابَ“ یعنی وہ فرشتوں کی بات نہیں سن سکتے اور انہیں ہر طرف سے پھینکا جاتا ہے دھتکار کر۔ اور (اس ہنگامی سزا کے علاوہ) ان کے لیے (آخرت میں) دائمی عذاب ہے مگر جو

یکبارگی کوئی بات لے اڑا تو ایک تیز شعلہ اس کے پیچھے لگ گیا۔ آگ روک کر اسے بھسم کر ڈالا۔ پس شیطان پرست کا ہن اور جوشی لوگ جو لوگوں کو غیب کی باتیں بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ باتیں ہمارے جن دوست کی بتائی ہوئی ہیں جو آسمان سے سن کر آیا ہے تو بالکل غلط کہتے ہیں۔ شیاطین اپنی افتاد طبع اور جذب شوق کے تحت اس کی کوشش ضرور کرتے ہیں اور سن گن لینے کے لئے آسمان کی طرف ضرور جاتے ہیں لیکن ان کی ہر کوشش ناکام کر دی جاتی ہے۔ جو جن شیطان اوپر چڑھتا ہے جس طرف سے بھی چڑھتا ہے اسی طرف سے نیچے پھینک دیا جاتا ہے جیسے مکھیاں میٹھی چیز پر ٹوٹ ٹوٹ کر گرتی ہیں یا پروانے روشنی پر آ کر مرتے ہیں۔ گھر کے صحن میں گوشت دھونے کے لیے بیٹھو تو جن کووں کی نظر پڑے گی فوراً آ موجود ہوں گے بھگاؤ دھتکارو۔ اڑ جائیں گے اور پھر آ جائیں گے۔

(۲۰) حمید بن ہلال کی حدیث جس میں مذکور ہے کہ

حضرت انس نے بنی غنم کی گلیوں میں جبریل علیہ السلام اور ان کے ساتھی ملائکہ گھوڑوں کا غبار اٹھتا ہوا دیکھا تھا یہود بنی قریظہ پر فوج کشی کے وقت امام بخاری نے کہا ہے:

حدثنا موسى بن اسماعيل ثنا جرير بن حازم عن حميد بن هلال عن انس قال كاني انظر الى الغبار ساطعا في زقاق بني غنم موكب جبريل حين سار رسول الله ﷺ الى بني قريظة (صحيح بخاری ص ۵۹۱ کتاب المغازی) باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب ومخرجه الى بني قريظة

امام احمد نے بواسطہ وہب بن جریر جریر بن حازم کی یہ حدیث اسی اسناد و متن کے ساتھ روایت کی ہے۔ (مسند ص ۲۱۳)

بنی غنم قبیلہ خزرج میں سے ایک خاندان کا نام ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے بحکم حق یہود بنی قریظہ پر ان کی غداری و عہد شکنی کی پاداش میں فوج کشی

فرمائی تھی اور بنی غنم کے محلہ میں ہو کر گزرے تھے تو گلی میں ضرور غبار اٹھا ہوگا۔ مگر اس غبار کے متعلق حضرت انس کیسے کہہ سکتے تھے کہ یہ فرشتوں کے گھوڑوں کے سموں سے اٹھا ہوا غبار ہے یقیناً یہ بات حضرت انس کی کہی ہوئی نہیں ہے بلکہ حمید بن ہلال کی غلط بیانی ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اسحاق بن راہویہ نے اپنی روایت سے اسے ساقط کر دیا تھا چنانچہ امام بخاری نے ہی کہا ہے حدثنا اسحاق اخبرنا وهب بن جرير ثنا ابي قال ابي (جرير بن حازم) قال سمعت حميد بن هلال عن انس بن مالك قال كائني انظر الى غبار ساطع في سكة بني غنم. قال البخاري وزاد موسى يعني ابن اسماعيل موكب جبرئيل عليه السلام (صحيح بخاری ص ۲۵۷ کتاب بدء الخلق باب ذكر الملائكة)

اس باب میں یہ حدیث ذکر کر کے بخاری نے یہ بتایا ہے کہ اسحاق کی یہ روایت مختصر ہے موسیٰ بن اسماعیل کی روایت تام ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام احمد نے کہا ہے حدثنا وهب بن جرير قال ثنا ابي قال سمعت حميد بن هلال يحدث عن انس بن مالك قال كائني انظر الى غبار موكب جبرئيل عليه السلام ساطعا في سكة بني غنم حين سار النبي ﷺ الى بني قريظة (مسند ۳ ص ۲۱۳)

پس جریر بن حازم سے یہ حدیث موسیٰ بن اسماعیل اور وهب بن جریر دونوں نے یکساں روایت کی تھی یعنی دونوں کی روایت میں موكب جبريل کا ذکر تھا۔ وهب بن جریر سے امام احمد اور اسحاق بن راہویہ نے احمد کی روایت میں موكب جبريل کا ذکر ہے اسحاق کی روایت میں نہیں ہے بخاری کا خیال یہ تھا کہ اسحاق نے اختصار اس کا ذکر نہیں کیا۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کے غلط ہونے کی وجہ سے اسحاق نے اسے ساقط کر دیا تھا۔ دراصل جریر بن حازم نے اس کی اسناد میں عن انس غلط کہہ دیا ہے۔ ابن سعد نے سلیمان بن مغیرہ کے طریق سے روایت کی ہے عن حميد بن هلال قال كان بين بني قريظة وبين النبي ﷺ عهد فلما جاءت الاحزاب نقضوه و ظاهرهم فلما هزم الله الاحزاب تحصنوا۔ یہاں تک تو حمید بن ہلال کا بیان بالکل درست ہے۔ اس کے بعد اس نے کہا

ہے ”فجاء جبریل ومن معه من الملائكة فقال يا رسول الله انهض الى بنى قريظة فقال ان في اصحابي جهداً قال انهض اليهم فلاضعضنهم قال فادبر جبريل ومن معه من الملائكة حتى سطع الغبار في زفاق بنى غنم من الانصار (فتح الباری باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب ومخرجه الى بنی قریظہ) پس یہ حدیث حمید بن حلال کی مرسل روایت ہے جریر بن حازم نے غلطی سے عن انس کہہ کر مرسل کو متصل بنا دیا اس لئے دھوکا کھا کر امام بخاری نے اسے درج صحیح کر دیا۔

(۲۱) سات حروف کے متعلق ابن عباس کی طرف منسوب حدیث جس کی زہری نے روایت کی ہے

عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ قال اقرأني جبرئيل علي حرف فلم ازل استزيده فيزيديني حتى انتهى الي سبعة احرف

(صحیح بخاری ص ۴۲۷ بدء الخلق ذکر الملائكة وص ۷۴۶ کتاب فضائل القرآن باب انزل القرآن علی سبعة احرف صحیح مسلم ص ۲۷۳ کتاب الصلاة طبع ہند مسند احمد ص ۲۶۳ و ص ۲۹۹)

زہری نے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے اس نے حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جبریل نے مجھے قرآن ایک حرف پر پڑھایا تو میں برابر ایک سے زائد حرف پر پڑھنے کی ان سے خواہش کرتا رہا (جبریل نے کہا دو حرف پر پڑھ لیا کریں پھر میرے اصرار پر تین پھر چار پھر پانچ پھر چھ حروف پر پڑھ لینے کو کہا) آخر میں سات حروف پر پڑھنے کی اجازت دی۔

یہ حدیث شروع سے آخر تک لغو ہے۔ اسے روایت کرنے والوں میں سے کسی نے یہ نہ سوچا کہ (۱) ایک سے زائد حرف پر پڑھنے کی خواہش رسول اللہ ﷺ کو کیوں ہوتی جس حرف پر جبریل نے آپ کو قرآن پڑھایا تھا اسی پر قناعت کیوں نہ فرمائی۔

(۲) کوئی پڑھنے والا کسی کتاب کو ایک ہی طرز پر پڑھے تو یہ آسان ہے بہ نسبت

اس کے کہ اسے سات یا چھ یا پانچ یا چار یا تین یا دو انداز سے پڑھے۔ اس طرح کہ مثلاً ایک بار انعمت علیہم پڑھا۔ پھر نعمت پڑھ دیا۔ تیسری بار اُنْعَمْتُ اور چوتھی بار اُنْعَمْتُ اور پانچویں بار نِعْمْتُ اور چھٹی بار اُنْعَمْتُ اور ساتویں بار اِنْعَمْتُ پڑھ دیا۔

یہ تو شدید حرج اور تکلف و تکلیف اور اغلاط میں مبتلا کر دینے والی صورت ہے۔ ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کی یہ خواہش نہ ہو سکتی تھی کہ قرآن کے متعلق آپ کی امت ضیق و حرج تکلیف و تکلف اور اغلاط میں مبتلا ہو (۳) پھر کوئی بتائے تو سہی کہ قرآن کریم کی کس آیت۔ کس جملے اور کس کلمہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو بتایا تھا کہ اسے تم اس طرح بھی پڑھ سکتے ہو اور اس طرح بھی اور اس طرح بھی۔ صحیح تو کیا کسی ضعیف حدیث میں بھی یہ بات نہیں مل سکتی۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو قرآن کریم سکھایا۔ صحابہ سے بے شمار تابعین نے سیکھا اور ان سے بے شمار اتباع تابعین نے۔ اسی طرح ہر دور میں تو اترو تسلسل کے ساتھ قرآن کریم جملہ آیات و کلمات سمیت نقل ہوتا ہوا ہم کو پہنچا ہے، امیر حجاج بن یوسف ثقفی کے عہد تک مصاحف شریفہ کی کتابت اعراب و حرکات کے بغیر ہوتی رہی پھر تمام موجودہ اور آئندہ مسلمانوں کی سہولت کے لئے امیر حجاج نے ستر نہایت ثقہ و معتبر علمائے کرام کو آیات قرآن کو اعراب و حرکات سے آراستہ کرنے پر مامور کیا۔ وہی مصحف پوری دنیا میں پڑھا جاتا یا یاد کیا جاتا اور چھاپا جاتا ہے۔ مگر برا ہوا اختلاف سے گرویدگی و شغف رکھنے والوں کا انہوں نے قرآن کریم کو بھی اختلاف کی آماجگاہ بنا دینے کی بھرپور کوششیں کی ہیں۔ اور اس اختلاف کو حق ثابت کرنے کے لئے مرفوع حدیثیں بھی گھڑیں صحابہ کرام کی طرف منسوب کر کے آثار بھی تصنیف کیے۔ جاہل اور اللہ سے نہ ڈرنے والے راویوں نے ان موضوع احادیث و آثار کو روایت کر کے مسلمانوں میں پھیلایا اور محدث مصنفین نے سادہ لوحی و عدم بصیرت کی وجہ سے انہیں اپنی کتابوں میں ثبت کر دیا۔ ان ہی موضوع احادیث میں سے یہ زیر بحث حدیث بھی ہے جس کی زہری نے عبید اللہ سے اور اس نے ابن عباس سے روایت کی ہے۔

(۲۲) خیمہ جنت کے متعلق حدیث جو ابو عمران بخونی سے مروی ہے

ابو عمران عبد الملک بن حبیب ازدی بصری کی کنیت ہے۔ اسے ثقہ تابعی بتایا گیا ہے۔ اس نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے فرزند ابو بکر سے اور اس نے اپنے والد ابو موسیٰ اشعری سے خیمہ جنت کے متعلق حدیث مرفوع روایت کی ہے۔ اس کے متعلق تہذیب التہذیب میں ہے کہ اپنے والد ابو موسیٰ اشعری سے اس نے کوئی حدیث سنی تھی یا نہیں؟ اہل علم میں کسی نے اس کا اثبات کیا ہے اور کسی نے نفی۔ ابن سعد نے طبقات میں اس کا اثبات کیا ہے کہ اس کا نام ابو بکر ہی ہے اسمہ کنیتہ و کان قلیل الحدیث يستضعف مات فی ولاية خالد القسری۔ یعنی اس کا سرمایہ علم چند ہی حدیثیں ہیں اور اسے ضعیف سمجھا جاتا ہے۔ خیمہ جنت کے متعلق اس کی بیان کردہ حدیث ابو عمران جوئی سے ہمام بن منکب اور عبد العزیز بن عبد الصمدؒ اور ابو قدامہؒ یعنی حارث بن عبید نے روایت کی ہے۔

ہمام کی روایت میں ہے کہ اس خیمہ کا طول ساٹھ میل ہوگا۔ دراصل ہمام سے ۱۲ کی روایت حجاج بن منہال عفان بن مسلم عبد الصمد بن عبد الوارث اور یزید بن ہارون نے کی ہے۔

حجاج سے امام بخاری نے

قال حدثنا حجاج بن منہال ثنا ہمام قال سمعت ابا عمر ان الجونی یحدث عن ابی بکر بن عبد اللہ بن قیس (یعنی ابا موسیٰ) الاشعری عن ابیہ ان النبی ﷺ قال الخیمۃ درۃ مجوفۃ طولہا فی السماء ثلاثون میلًا فی کل زاویۃ منها للمؤمن من اہل لایراہم الاخرون (ص ۴۶۰ بدء الخلق باب ماجاء فی سفة الجنة وانہا مخلوقۃ)

مطلب یہ ہے کہ سورۃ الرحمن میں حور مقصورات فی الخیمات فرما کر انہیں

ایمان کے لیے جن خیموں کا ذکر ہوا ہے تو جنتی مومن کا وہ خیمہ اندر سے تراشا ہوا ایک موتی ہوگا جس کی لمبائی آسمان میں تیس میل ہوگی۔ اس کے ہر گوشہ میں مومن کے لیے بیوی ہوگی دوسرے گوشہ کی بیویوں کو وہ نظر نہ آئے گی۔

عقنان سے احمد نے روایت کی ہے۔ اس کی روایت میں طولھا ستون میلا ہے۔ (مسند ۴ ص ۴۰۰) عبد الصمد سے بھی احمد نے اس کی روایت میں بھی ستون ہے (مسند ۴ ص ۴۱۹) یزید بن ہارون سے بھی احمد نے یہ ہی (مسند ۴ ص ۴۱۱)

یزید بن ہارون کی روایت صحیح مسلم میں بھی ہے (صحیح مسلم کتاب صفة الجنة) اس تفصیل سے واضح ہوا کہ بخاری کے شیخ حجاج نے ستون کی جگہ ثلاثون غلط کہہ دیا تھا اور لفظ فی السماء بھی بخاری کی اس روایت میں غلط ہے عبد العزیز بن عبد الصمد عی کی روایت میں عرضھا ستون میلا ہے (مسند احمد ۵ ص ۴۱۱) صحیح مسلم سنن ترمذی اور ظاہر ہے کہ جب خیمہ کا عرض ساٹھ میل ہوگا تو طول اس سے زیادہ ہی ہوگا۔

ابو قدامہ کی روایت میں طولھا ستون میلا ہے۔ اس کا پورا متن یہ ہے ان للمؤمن فی الجنة خيمة من لؤلؤة واحدة مجوفة طولھا ستون میلا۔ للمؤمن فیھا اهلون يطوف علیھم المؤمن فلا یروی بعضهم بعضا (صحیح مسلم) مجھے تو یہ حدیث ابو بکر بن ابی موسیٰ کی غپ شپ ہی معلوم ہوتی ہے فی نفسہ یہ شخص ضعیف تھا اور اپنے والد سے اس کا سماع ثابت نہیں۔

(۲۳) اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنے سے غضب فرو ہو جانے کی حدیث جو عدی بن ثابت رافضی نے سلیمان بن صرد خزاعی سے روایت کی ہے

یہ حدیث ذکر کرنے سے پہلے میں سلیمان بن صرد کے متعلق بتا دوں کہ کون تھا؟ یہ

کوفہ کا باشندہ اور قبیلہ بنی خزاعہ میں سے ایک جاہل اور فساد کی شیعہ تھا۔ حضرت علی کے ساتھ جنگ صفین میں شریک تھا معاویہ اور آل معاویہ کا بغض اس کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔

حضرت معاویہ کے عہد میں تو کوئی خاص حرکت نہ کر سکا۔ مگر یزید بن معاویہ کے عہد میں یہ شخص ان شریکوں کا پوری طرح ہم نوا بن گیا جنہوں نے حضرت حسین بن علی کو جب وہ مدینہ سے مکہ چلے گئے تھے یزید بن معاویہ کے خلاف مسلح بغاوت کرنے پر آمادہ کیا۔ انہیں خطوط پر خطوط لکھ کر اپنی وفاداری و جان شاری کا یقین دلایا کہ آپ یہاں تشریف لے آئیں۔ آپ کے آتے ہی ہم اہل کوفہ حاکم کوفہ عبید اللہ بن زیاد کو قتل یا گرفتار کر کے کوفہ کا تخت حکومت آپ کے حوالہ کر دیں گے۔ کوفہ پر قابض ہوتے ہی مسلمانوں کی اکثریت آپ کے زیر علم آ جائے گی اور جلد ہی مکہ و مدینہ اور بلاد شام پر آپ قابض ہو جائیں گے۔ کوفیوں کے جھانسنے میں آ کر جب حضرت حسین کوفہ کے قریب پہنچے تو آپ کے پسینے کی جگہ اپنا خون بہانے والے کوفیوں میں سے ایک شخص بھی آپ کی حمایت کے لیے نہ آیا۔ حضرت حسین کے قتل ہو جانے کے بعد آپ کو خطوط لکھ کر بلانے والے یہ کوفی اشرار جن میں سلیمان بن صرد خزاعی اور مسیب بن نجبه فزاری پیش پیش تھے جمع ہوئے اور سب نے متفقہ طور پر اعتراف کیا کہ ہم نے حضرت حسین کے ساتھ غداری کر کے بہت بڑا گناہ کمایا ہے۔ اس گناہ سے توبہ کی شکل یہ ہی ہے کہ ہم ہر اس شخص کو قتل کر ڈالیں جس نے حسین اور ان کے ساتھیوں سے جنگ کی تھی خواہ اس کوشش میں ہمیں اپنی جانیں گنوانی پڑیں۔ اشرار کی اس پارٹی نے اپنا نام تو لٹاؤں رکھا اور سب کوفہ سے نکل نکل کر مقام بخیلہ میں جمع ہو گئے۔ متفقہ طور پر انہوں نے سلیمان بن صرد کو اپنا قائد و امیر مان لیا۔ والی کوفہ عبید اللہ بن زیاد کو اس فتنہ کی خبر ہوئی ان کا مقابلہ کرنے کے لئے لشکر لے کر نکلا۔ عین الوردہ نامی مقام پر فریقین میں جنگ ہوئی جس میں سلیمان بن صرد خزاعی مسیب بن نجبه اور تمام توابعین مارے گئے۔ عدی بن ثابت کذاب رافضی نے جو شیعوں کی مسجد کا امام اور ان کا خاص واعظ تھا یہ غضب ڈھایا کہ ایسی روایات گھڑیں جن سے سلیمان بن صرد کا صحابی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ان ہی میں سے یہ حدیث ہے جس کی تخریج بخاری و مسلم نے کی ہے۔

بخاری نے کہا:

حدثنا عبد ان عن ابى حمزة (محمد بن ميمون السَّكْرِي) عن الاعمش
عن عدی بن ثابت عن سليمان بن بن صرد قال كنت جالسا مع النبی
ﷺ ورجلان يستبان فاحدهما احمر وجهه وانتفخت او داجه فقال
النبي ﷺ كلمة لو قالها لذهب عنه ما يجد. لو قال اعوذ بالله من
الشيطان الرجيم ذهب عنه ما يجد. فقالوا له ان النبي ﷺ قال تعوذ
بالله من الشيطان الرجيم فقال وهل بي جنون؟ (ص ۴۶۴ بدء الخلق
باب صفة ابليس وجنوده حديث ۱۵) كذا رواه جرير عن الاعمش به
(صحيح بخاری ص ۹۰۳ كتاب الادب)

بقول عدی بن ثابت انصاری رافضی سلیمان بن صرد نے کہا کہ میں رسول اللہ کے
پاس بیٹھا ہوا تھا اور دو شخص آپس میں گالم گلوچ کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک کا
چہرہ غصے کی وجہ سے لال ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا یہ حال دیکھ کر فرمایا ایک
کلمہ ہے اگر یہ اسے کہہ لیتا تو غصہ کی یہ زیادتی ختم ہو جاتی۔ یہ اعوذ باللہ من
الشيطان الرجيم کہہ لیتا تو یہ حالت جاتی رہتی۔ حاضرین نے اس سے کہا کہ نبی
ﷺ یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ شیطان مردود سے اللہ کی پناہ لے۔ وہ بولا کیا مجھے
کچھ جنون ہے؟

اگر فی الواقع سلیمان بن صرد نے یہ قصہ بیان کیا تھا تو یوں کہا ہوگا کہ ان النبی
ﷺ جالسا ورجلان يستبان. الخ

عدی بن ثابت نے اسے بدل کر کنت جالسا عند النبی ﷺ کہہ دیا ہے
الغرض یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ عدی بن ثابت و سلیمان بن صرد دونوں غیر ثقہ ہیں اور
سلیمان تابعی ہے صحابی نہیں ہے اگر یہ حدیث سلیمان بن صرد کی بیان کی ہوئی ہے تو یہ اس کی
مرسل روایت ہے۔

(۲۴) عبد اللہ بن مسعود و عمار بن یاسر و حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم کی منقبت میں

اور سورۃ اللیل میں والذکر والانشی پڑھنے کے بارے میں علقمہ بن قیس نخعی کو فی حدیث جو اس نے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی تھی۔
مغیرہ بن مقسم ضعی نے ابراہیم نخعی سے اور اس نے علقمہ سے روایت کی ہے:

قال قدمت الشام فصليت ركعتين ثم قلت اللهم يسر لي جليسا صالحا فاتيت قوما فجلست اليهم فاذا شيخ قد جاء حتى جلس الى جنبى قلت من هذا قالوا ابو الدرداء فقلت انى دعوت الله ان ييسر لي جليسا صالحا فيسر ك لى. قال ممن انت؟ قلت من اهل الكوفة قال اوليس عندكم ابن ام عبد صاحب النعلين والوسادة والمطهرة؟ او ليس فيكم الذى اجاره الله من الشيطان يعنى على لسان نبيه ﷺ او ليس فيكم صاحب سر النبى ﷺ الذى لا يعلم احد غيره قال كيف يقرء عبد الله والليل اذا يغشى. فقرأت عليه والليل اذا يغشى والنهار اذا تجلى والذكر والانشى. قال والله لقد اقرئتها رسول الله ﷺ من فيه الى فى ص ۵۲۹ كتاب المناقب. مناقب عمار وحذيفه.

تنبیہ: امام بخاری کی اس حدیث میں اسناد یہ ہے ”حدثنا مالک بن اسماعیل ثنا اسرائیل عن المنيرة..... اور بعینہ اسی اسناد کے ساتھ بخاری نے اسے مختصر ابداء الخلق میں ذکر کیا ہے۔ اس میں ہے ”عن علقمة قال قدمت الشام فقلت من ههنا؟ قالوا ابو الدرداء قال افیکم الذى اجاره الله من الشيطان على لسان نبيه ﷺ (ص ۴۶۴ کتاب بدء الخلق. صفة ابليس و جنوده)

کتاب المناقب میں جو پوری حدیث ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ علقمہ نے بیان کیا کہ میں ملک شام پہنچا (ذشق کی جامع مسجد میں داخل ہوا) تو میں نے دو رکعت نماز پڑھی

(جسے تحیۃ المسجد کہا جاتا ہے) پھر میں نے دعا میں کہا خدایا کوئی نیک ہم نشین میرے لئے میسر فرما۔ دیکھا تو چند لوگ ایک جگہ بیٹھے ہوئے ہیں میں بھی ان کے پاس آ بیٹھا چانک ایک بڑے میاں آ کر میری برابر بیٹھ گئے۔ میں نے حاضرین سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں؟ بولے ابوالدرداء صحابی ہیں۔ میں نے (حضرت ابوالدرداء سے کہا میں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ مجھے کوئی نیک ہم نشین میسر ہو جائے اللہ نے آپ کو میرے لئے بھیج دیا یعنی میری دعا قبول فرمائی۔ فرمایا تم کن لوگوں میں سے ہو۔ میں نے عرض کیا باشندگان کوفہ میں سے فرمایا بھلا کیا تمہارے یہاں ام عبد کا بیٹا یعنی عبد اللہ بن مسعود نہیں ہے۔ رسول اللہ کا خادم خاص۔ آپ کے جوتے اور تکیہ اور وضو کا برتن اپنے ساتھ رکھنے والا۔ بھلا کیا تم میں وہ شخص نہیں ہے جسے اللہ نے شیطان سے پناہ دی تھی یعنی رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی خبر کے مطابق۔ (مراد اس سے عمار بن یاسر ہیں)۔ کیا تم لوگوں میں نبی ﷺ کا راز داں نہیں ہے کہ جس کے سوا کوئی آپ کے راز نہیں جانتا تھا۔ اس سے مراد حذیفہ بن یمان ہیں پھر ابوالدرداء نے فرمایا بتاؤ عبد اللہ بن مسعود سورۃ واللیل اذا بغشی کیسے پڑھتے ہیں۔ میں نے پڑھ کر وہ سورت سنائی واللیل اذا بغشی والنہار اذا تجلی والذکر والانثی۔ یہ سن کر ابوالدرداء نے قسم کھا کر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح مجھے یہ سورت سکھائی تھی۔ آپ کی زبان مبارک سے ہی میں نے اسے سیکھا تھا۔ اس لئے مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ عام صحابہ کرام اور اہل اسلام اس سورت میں وما خلق الذکر والانثی پڑھتے تھے۔ اور یہ ہی ان ساتوں مصاحف میں لکھا تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لکھوا کر مملکت اسلامیہ کے سات صوبوں میں بھیجے تھے اور حکم صادر فرمایا تھا کہ تمام اہل اسلام اسی مصحف کے مطابق قرآن لکھیں اور یاد کریں۔ علقمہ کا کہنا تھا کہ اس سورت میں وما خلق الذکر والانثی نہیں ہے ہمارے استاد عبد اللہ بن مسعود نے ہمیں والذکر والانثی بتایا تھا۔ علقمہ چاہتے تھے کہ سب لوگ اسی طرح پڑھیں ما خلق کے بغیر لیکن بحمد اللہ علقمہ اور اس کے ساتھیوں کی یہ کوشش پاؤں نہ چل سکی۔ اہل اسلام متفقہ طور پر وما خلق الذکر والانثی پڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ علقمہ کا بیان ہے کہ ابودرداء رضی اللہ

عنه نے بھی پرزور طریقہ سے یہ ہی بتایا تھا کہ والذکر والانشی ہے ویا خلق الذکر والانشی نہیں ہے۔

محدثین: بخاری و مسلم و احمد و ترمذی نے تو اپنی اپنی کتابوں میں ابوالدرداء کے متعلق علقمہ کی روایت کی ہوئی یہ حدیث نقل کی ہے تین علماءوں میں بحمد اللہ اسے راہ قبول نہ مل سکی۔

یہ پوری حدیث تو امام بخاری نے کتاب المناقب میں ذکر کی ہے اور بدء الخلق میں اسی اسناد کے ساتھ اسے مختصراً ذکر کیا ہے مگر شرط اختصار ملحوظ نہیں رکھی۔ طویل حدیث کو مختصر کر کے بیان کرنا جائز ہے بشرطیکہ معنی میں فرق نہ پڑے۔

اور یہاں واضح طور سے یہ فرق دو جگہ پڑ رہا ہے۔ اول یہ کہ حدیث مختصر میں مذکور ہے کہ علقمہ نے لوگوں سے پوچھا مَنْ هُنَا یعنی یہاں اس شہر میں بزرگ اور لائق زیارت ہستی کون ہے۔ لوگوں نے جواب دیا ابوالدرداء ہیں اور حدیث تام میں یہ ہے کہ علقمہ چند اشخاص کے پاس بیٹھ گئے تو ایک بڑے میاں آ کر اس کی برابر بیٹھ گئے علقمہ نے پوچھا یہ کون صاحب ہیں بتایا گیا کہ ابوالدرداء ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ دو الگ الگ بات ہیں۔ دوم یہ کہ حدیث تام میں اولیس فیکم من اجارہ اللہ من الشیطن ہے اس کا مقتضایہ ہے کہ ابوالدرداء جانتے تھے کہ عمار بن یاسر کوفہ میں ہیں۔ اور حدیث مختصر میں ہے افیکم من اجارہ اللہ من الشیطن کیا تم میں وہ شخص ہے جسے اللہ نے شیطان سے پناہ دی ہے یعنی وہ پوچھ رہے تھے کہ عمار کوفہ میں ہیں یا نہیں..... اسی لئے میں نے کہا کہ بخاری نے حدیث تام کو مختصر کرنے کی شرط اختصار ملحوظ نہیں رکھی۔

اعمش نے بھی ابراہیم نخعی سے یہ حدیث روایت کی ہے:

عن علقمة قال دخلت فی نفر من اصحاب عبد اللہ الشام فسمع بنا ابوالدرداء فاتانا فقال افیکم من یفرء قلنا نعم قال فایکم اقرء فاشاروا لی فقال اقرء فقرات واللیل اذا یغشی والنهار اذا تجلی والذکر والانشی قال انت سمعتها من فی صاحبکم؟ قلت نعم قال وانا سمعتها من فی

النبي ﷺ وهؤلاء يأبون علينا.

(صحیح بخاری ص ۳۷ کتاب التفسیر سورة الليل اذا يغشى، یہ سفیان ثوری کی اعمش

سے روایت کی ہوئی حدیث ہے۔

اور حفص بن غیاث نے اعمش سے جو روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

قدم اصحاب عبد الله على ابي الدرداء فطلبهم فوجدهم فقال ايكم
يقرء على قراءة عبد الله قالوا كلنا. قال فايكم احفظ؟ فاشاروا الى
علقمة قال كيف سمعته يقرء والليل اذا يغشى. قال علقمة والذكر
والانثى. قال اشهدوا اني سمعت النبي ﷺ يقرء هكذا. وهؤلاء
يريدون علي ان اقرء "وما خلق الذكرو الانثى" والله لا اتابعهم
(صحیح بخاری ص ۷۳)

حفص بن غیاث کی اس روایت میں قدم اصحاب عبد الله على ابي
الدرداء فطلبهم غلط ہے صحیح عبارت قدم اصحاب عبد الله الشام فطلبهم
ابو الدرداء ہے۔

ابو معاویہ نے بھی اعمش سے اس کی روایت کی ہے جو سفیان ثوری کی روایت کی
طرح ہے (مسند احمد ص ۶ ص ۴۵۱ صحیح مسلم ص ۴۷ طبع ہند۔ سنن الترمذی۔ ابواب القراءة)
اعمش نے اس حدیث میں عمار بن یاسر و حذیفہ و ابن مسعود کے مناقب کا ذکر نہیں
کیا۔ اعمش کی روایت کا مضمون یہ ہے کہ علقمہ نے بیان کیا کہ عبد اللہ بن مسعود کے
شاگردوں کا جنہوں نے حضرت ابن مسعود سے قرآن پڑھا تھا ایک گروہ ملک شام گیا۔ ابو
الدرداء رضی اللہ عنہ نے سنا کہ کوفہ سے ابن مسعود کے شاگرد آئے ہیں تو حضرت ابو الدرداء
ان سے ملنے کے لیے آئے۔ پوچھا ابن مسعود کی قراءۃ کے مطابق تم میں قرآن پڑھنے والا
کون ہے۔ بولے ہم سب ان ہی کے شاگرد ہیں۔ پوچھا تم میں سے کس کو زیادہ اچھا یاد
ہے۔ سب نے علقمہ کی طرف اشارہ کیا۔ تب ابو الدرداء نے علقمہ سے پوچھا بتاؤ ابن مسعود
واللیل اذا يغشى کیسے پڑھتے ہیں۔ علقمہ نے پڑھا واللیل اذا يغشى والنهار اذا

تجلی والذکر والانسی۔ ابودرداء نے کہا خود میں نے نبی ﷺ سے ایسے ہی سنا ہے اور میں ایسے ہی پڑھتا ہوں مگر یہاں جو اہل علم اور حفاظ قرآن ہیں اصرار کرتے ہیں کہ وما خلق الذکر والانسی پڑھنا چاہئے، واللہ میں ان کی بات نہ مانوں گا۔ ابراہیم نخعی کے اس حدیث میں دو راوی ہیں۔ مغیرہ بن مقسم ضبی اور سلیمان بن مہران اعمش، دونوں کی روایتوں میں یہ اختلاف ہے کہ بروایت مغیرہ علقمہ مسجد میں تحیۃ المسجد کے بعد چند اشخاص کے پاس بیٹھ گیا کہ ایک بڑے میاں آکر اس کے پاس بیٹھ گئے۔ علقمہ نے پوچھا یہ صاحب کون ہیں۔ کہا گیا کہ ابوالدرداء ہیں۔ اور اعمش کی روایت میں یہ مذکور ہے کہ حضرت ابوالدرداء کو پتہ چلا کہ کوفہ سے عبداللہ بن مسعود کے چند شاگرد آئے ہیں ابودرداء ان سے ملنے کے لئے آئے۔ ملاقات کی غرض یہ معلوم کرنا تھا کہ ابن مسعود سورۃ اللیل میں ”والذکر والانسی“ پڑھتے ہیں جیسا کہ خود ابودرداء پڑھتے ہیں یا ”وما خلق الذکر والانسی“ پڑھتے ہیں جیسا کہ دمشق کے تمام قراء کی قراءت ہے۔

اور داؤد بن ابی ہند نے شعبی سے اس نے علقمہ سے روایت کی ہے کہ علقمہ نے کہا:

لقت اباالدرداء فقال لی ممن انت؟ قلت من اهل العراق. قال من ايهم؟ قلت من اهل الكوفة قال هل تقرأ علی قراءة عبدالله بن مسعود؟ قلت نعم. قال فاقرا. فقرأت واللیل اذا يغشی والنهار اذا تجلی والذکر والانسی. قال فضحك ثم قال هكذا سمعت رسول الله ﷺ یقرأ ها. (صحیح

مسلم ۱ ص ۲۷۵ کتاب الصلاة، مسند ۶ ص ۴۲۸)

شعبی کی اس روایت سے علقمہ و ابودرداء کی ملاقات کے متعلق مغیرہ کی روایت کی تائید ہوتی ہے۔

پس علقمہ سے اس قصہ کی روایت عامر شعبی و ابراہیم نخعی نے کی ہے۔ دونوں کی روایت میں مذکور ہے کہ عبداللہ بن مسعود اور ابودرداء رضی اللہ عنہما دونوں والذکر والانسی پڑھا کرتے تھے اور ابودرداء نے علقمہ کو بتایا کہ یہ ہی نبی کریم ﷺ کی قراءت تھی شعبی کی روایت میں ابن مسعود و عمار بن یاسر و حذیفہ رضی اللہ عنہم کے مناقب کا ذکر نہیں

ہے۔ ابراہیم سے اعمش و مغیرہ بن مقسم نے روایت کی ہے۔ اعمش کی روایت بھی ذکر مناقب سے خالی ہے۔

بس مغیرہ کی روایت میں اس کا ذکر ہے۔ لیکن عمار بن یاسر کی منقبت جو اس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا تھا کہ اللہ نے عمار بن یاسر کو شیطان سے پناہ دی ہے۔ تو عمار بن یاسر کی سیرت اس کی قطعاً تردید کر رہی ہے۔

عمار کو حضرت علی سے بڑی محبت تھی وہ چاہتے تھے کہ حضرت عمر کے بعد علی کو ہی خلیفہ بنایا جائے۔ حضرت علی سمیت جب تمام مسلمانوں نے حضرت عثمان سے بیعت کر لی تو عمار نے بھی کر لی۔ حضرت عثمان کے عہد میں ایک بار سرعام عمار اور ابو لہب کے بیٹے کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو گیا دونوں فحش کلامی پر اتر آئے اُس نے اس کی مردہ ماں پر اور اس نے اُس کی مردہ ماں پر زنا کا الزام لگایا۔

حضرت عثمان نے بحکم قرآن دونوں پر حد قذف جاری کی۔ اس واقعہ سے عمار کے دل میں حضرت عثمان کا شدید بغض بھر گیا اور ان کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو گئے۔ جن لوگوں نے عثمان کے خلاف فتنہ بغاوت بھڑکایا تھا عمار ان میں پیش پیش تھے۔ عثمان کے قتل ہو جانے اور حضرت علی کے خلیفہ بن جانے کے بعد بھی آخر وقت تک عمار کو اپنے ناروا رویہ پر ندامت نہ ہوئی اور جب بھی عثمان کا ذکر کیا کلمہ شر ہی موصوف کی زبان سے نکلا۔ عثمان کو منافق اور کافر و مرتد بتاتے رہے۔

بلاشبہ وہ حضرت علی کے فدائی تھے۔ لوگوں کو حضرت علی کے زیر علم لانے میں اپنی توانائیاں صرف کر دیں جنگ جمل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آخر جنگ صفین میں اپنی جان ہی علی پر قربان کر دی اس لئے شیعان علی کے نزدیک عمار بن یاسر بڑی محبوب شخصیت ہیں۔ انہوں نے عمار کی فضیلت و منقبت میں بہت سی حدیثیں گھڑی ہیں۔ منقبت عمار کے متعلق ابو درداء کی طرف منسوب یہ حدیث بھی شیعوں کی گھڑی ہوئی ہے۔ خالص جھوٹ پاؤں نہیں چلتا۔ اس لئے منقبت عمار کے ساتھ حضرت ابن مسعود اور حضرت حذیفہ کی منقبت کا بھی پیوند لگا دیا ہے۔

مغیرہ بن مقسم ضعیفی کو فی محدثین میں سے ہے۔ اس کی روایات کتب حدیث میں مذکور ہیں۔ رافضی تو نہ تھا مگر شیعہ ضرور تھا۔ اس حدیث میں مناقب کا ذکر مغیرہ کا ہی بڑھایا ہوا معلوم ہوتا ہے رہی 'والذکر والانشی' کی قراءت۔ تو اس کی اصلیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے کبھی سہو و نسیان کے طور پر لفظ ما خلق ساقط ہو گیا۔ والذکر والانشی پڑھ دیا حفاظ قرآن سے ایسی غلطیاں ہوتی رہتی ہیں۔ مگر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے کوئی تلامذہ ان کے لئے شدید تعصب رکھتے اور سمجھتے تھے کہ صحابہ کرام میں قراءت قرآن و علم قرآن میں کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ خود ان سے پوچھا نہیں کہ آپ نے والذکر والانشی پڑھا ہے حالانکہ دیگر صحابہ و ما خلق الذکر والانشی پڑھتے ہیں اور یہ ہی عثمان امیر المؤمنین کی طرف سے آئے ہوئے مصحف میں ہے۔ ابن مسعود سے اس کے متعلق پوچھ لیتے تو وہ بتا دیتے کہ ما خلق مجھ سے سھواً چھوٹ گیا ہے۔ علقمہ وغیرہ نے گمان بلکہ یقین کر لیا کہ ہمارے شیخ عبداللہ بن مسعود نے جو ما الذکر والانشی پڑھا ہے۔ یہ ہی صحیح ہے۔ ہمارے شیخ کی وہی قراءت ہے جو رسول اللہ ﷺ کی تھی اور جو لوگ و ما خلق الذکر والانشی پڑھتے ہیں ان کی قراءت صحیح نہیں ہے۔ اپنی غلط گمانی کو صحیح ثابت کرنے کے لئے علقمہ نے بتایا کہ میں نے شام کا سفر کیا تھا اس میں ابو درداء صحابی سے میری ملاقات ہوئی۔ الخ

میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے دمشق میں علقمہ کو حضرت ابو درداء کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہو لیکن علقمہ کا یہ بیان کہ ابو درداء بھی والذکر والانشی پڑھتے ہیں غلط اور ناسزا ہے قبول ہے کیونکہ جب حضرت ابوبکر کے عہد اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی شدید نگرانی اور صحابہ کرام کی شہادت میں قرآن کریم ایک مصحف میں لکھا گیا تھا تو ابو درداء مدینہ میں ہی تھے۔ اگر ابو درداء کے علم میں یہ بات ہوتی کہ رسول اللہ ﷺ نے والذکر والانشی پڑھایا ہے تو ضرور اس کا ذکر کرتے یقیناً وہ ابوبکر و عمر و زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ کو اس سے آگاہ کرتے۔ حالانکہ علقمہ کے سوا کسی نے ابو درداء سے اس کی روایت نہیں کی۔ پھر حضرت عثمان کا بھیجا ہوا مصحف جب دمشق پہنچا اور وہاں کے تمام قراء

وما خلق الذکر والانثی پڑھتے تھے تو ابو درداء خاموش رہے انہوں نے امیر المؤمنین عثمان کو اس سے آگاہ نہیں کیا کہ مصحف میں ما خلق زائد لکھا گیا ہے۔ والذکر والانثی ہونا چاہیے تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ تو جب ہوتا کہ فی الواقع علقہ نے ابو درداء کے متعلق جو بات بتائی تھی درست ہوتی۔ ان وجوہ سے روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ یہ صرف علقہ کی غلط بیانی تھی۔ بنا بریں میں اس حدیث کو قطعاً باطل سمجھتا ہوں۔

(۲۵) گرگٹ کے متعلق صحیح بخاری کی حدیث کہ وہ اپنی پھونک سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ دہکاتا تھا

حدثنا عبید اللہ بن موسیٰ او ابن سلام عنہ ثنا ابن جریج عن عبد الحمید بن جبیر عن سعید بن المسیب عن ام شریک ان رسول اللہ ﷺ امر بقتل الوزغ وقال کان ینفخ علی ابراہیم علیہ السلام (ص ۴۷۴ کتاب الانبیاء ذکر ابراہیم علیہ السلام)

امام بخاری کو یاد نہ رہا کہ خود عبید اللہ بن موسیٰ بلخی سے یہ حدیث بلا واسطہ سنی تھی یا بواسطہ محمد بن سلام۔ بہر کیف عبید اللہ نے ابن جریج سے سنی اس نے عبد الحمید بن جبیر سے اس نے سعید بن مسیب سے اس نے ام شریک انصاریہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے گرگٹ کو مار ڈالنے کا حکم فرمایا اور کہا کہ یہ جانور اپنی پھونک سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ دہکاتا تھا۔

حجی بن سعید قطان (احمد) و محمد بن بکر برسانی و روح بن عبادہ (احمد و مسلم) نیز عبد اللہ بن وہب (مسلم) اور ابو عاصم نے بھی ابن جریج سے یہ حدیث اسی اسناد کے ساتھ روایت کی ہے۔ (مسند احمد ۶ ص ۴۳۱۔ صحیح مسلم ۴ ص ۳۸ طبع مصر۔ سنن دارمی ص ۲۵۵ طبع الہند)

سفیان بن عیینہ نے بھی عبد الحمید بن جبیر سے اس کی روایت کی ہے۔ اس میں کان

شیخ علی ابراہیم نہیں ہے۔ بخاری نے کہا ہے:

حدثنا صدقة بن الفضل ثنا ابن عيينة ثنا عبد الحميد بن جبير بن شيبه
عن سعيد بن المسيب ان ام شريك اخبرته ان النبي ﷺ امرها بقتل
الاوزاغ (ص ۴۶۶ کتاب بدء الخلق) امام احمد اور ابو بکر بن ابی شیبہ و عمرو الناقہ
واسحاق بن ابراہیم وابن ابی عمر نے بھی ابن عیینہ سے اس کی روایت کی ہے (مسند ۶
ص ۴۶۲ صحیح مسلم ۴ ص ۳۸ طبع مصر سنن ابن ماجہ ص
۳۴۰ طبع الہند)

تو کیا ابن عیینہ نے اس حدیث کو مختصر کر دیا تھا جو ابن جریج نے بیان کی تھی؟ اس
سوال کا جواب نفی میں ہے کیونکہ یہ کوئی بڑی اور لمبی حدیث نہ تھی کہ ابن عیینہ اسے مختصر
کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ ابن جریج کی روایت غلط ہے۔ اس نے عبد الحمید کی بیان کردہ
حدیث میں دوسری حدیث کا پیوند لگا دیا جس کی قتادہ نے سعید بن مسیب سے روایت کی
ہے جو سند کے لحاظ سے منقطع اور متن کے لحاظ سے غلط اور جھوٹی ہے۔ اس کی تخریج نسائی
نے کی ہے:

عن قتادة عن سعيد بن المسيب ان امرأة دخلت على عائشة وبیدھا
عكار فقالت ما هذا؟ فقالت لهذه الاوزاع لان نبی اللہ ﷺ حدثنا انه لم
یکن شنی الا یطفئ علی ابراهیم علیہ السلام الا هذه الدابة فامرنا
بقتلها (سنن النسائی کتاب المناسک، قتل الوزغ)

یعنی سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ ایک عورت ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی
اللہ عنہا کے پاس گئی تو ان کے ہاتھ میں ایک لکڑی دیکھی جس کا سر امڑا ہوا تھا۔ پوچھا یہ کیا
ہے یعنی آپ اس سے کیا کر رہی ہیں۔ فرمایا یہ ان گرگوں کو مارنے کے لیے ہے اس لئے
کہ نبی ﷺ نے ہم سے بیان کیا کہ حضرت ابراہیم کو جب آگ میں ڈالا گیا تو ہر جانور
اسے بچانے کی کوشش کر رہا تھا سوائے اس جانور یعنی گرگٹ کے۔ پس رسول اللہ ﷺ
نے ہمیں گرگوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا۔

اس کی اسناد میں یہ کلام ہے کہ قتادہ کا سعید بن مسیب سے کوئی حدیث سننا ثابت نہیں۔ پھر اُس عورت کا نام مذکور نہیں جس نے سعید کو یہ قصہ سنایا تھا۔ اور متن یوں غلط ہے کہ عروہ نے حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے ان رسول اللہ ﷺ قَالَ لِلْوَزَغِ فَوَيْسِقُ وَلَمْ اَسْمَعْهُ يَامُرُ بِقَتْلِهِ (صحیح بخاری ص ۲۷۴ کتاب الناسک و ص ۴۶۶ کتاب بدء الخلق)

حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے گرگٹ کو شیر جانور بتایا ہے اور میں نے آپ کو اسے مار ڈالنے کا حکم دیتے ہوئے نہیں سنا۔
الغرض ابن جریج کی گرگٹ کے متعلق روایت جس کی تخریج بخاری نے کی ہے غلط ہے۔

(۲۶) ام البشرکواء اور بنی اسرائیل کے متعلق ایک حدیث

معمر نے ہمام بن منبہ سے اس نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لولا بنو اسرائیل لم یخنز اللحم (ولم یخبث الطعام) ولولا حواء لم یخن انشی زوجها (صحیح بخاری ۴۶۹ کتاب الانبیاء و ص ۴۸۱) (صحیح مسلم ص ۴۷۵ کتاب النکاح طبع ہند مسند ۲ ص ۳۱۵) لم یخبث الطعام“ صحیح مسلم میں ہے۔

یعنی اگر قوم بنی اسرائیل نہ ہوتی تو گوشت نہ بُتا اور کھانا خراب نہ ہوتا اور حواء نہ ہوتی تو کوئی عورت اپنے شوہر کی خیانت نہ کرتی۔ اس حدیث کے دو جزء ہیں اور دونوں ہی باطل ہیں۔ یقیناً یہ حدیث نبی ﷺ کی بیان فرمائی ہوئی نہیں ہے۔

گوشت کا بُس جانا اور کھانے کا بگڑ جانا یعنی اس میں بد بو اور کیڑے پیدا ہو جانا ایسی چیز نہیں ہے جس کا آغاز بنی اسرائیل سے ہوا ہو۔ خاص و معلوم اسباب کے تحت یہ ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ ایسی بے تکی اور غیر معقول بات نہیں کہہ سکتے تھے۔ اور کسی عورت کا شوہر کی خیانت کرنا تین طرح سے ہوتا ہے۔ مال میں آبرو میں دین میں۔

مال میں خیانت یہ ہے کہ شوہر کے مال کو خورد بُرد کرے۔ اس کی اجازت کے بغیر اس کا مال دوسروں کو دے یا فضول چیزوں میں گنوائے، ظاہر ہے کہ حواء سے اس خیانت کا ارتکاب نہیں ہوا آبرو میں خیانت یہ ہے کہ شوہر کے علاوہ اپنا بدن کسی اور کے حوالہ کرے۔ یقیناً حواء اس خیانت کی بھی مرتکب نہیں ہوئی۔ دین میں خیانت یہ ہے کہ مرد تو مؤمن مسلم ہو اور اس کی بیوی کفر و شرک کی مرتکب ہو یا اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کا فرض ادا کرنے سے گریزاں ہو۔ حضرت نوح و حضرت لوط علیہما السلام کی بیویاں اسی خیانت کی مرتکب ہوئی تھیں جیسا کہ قرآن مجید میں تصریح ہے۔ یقیناً حواء نے یہ خیانت بھی نہیں کی۔ جس غلطی کا حواء سے صدور ہوا تھا اس میں حضرت آدم شریک تھے یعنی دونوں نے اس درخت کا پھل کھایا جس سے اللہ تعالیٰ نے انہیں منع فرمایا تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ حواء کے متعلق یہ بات کیوں فرماتے کیسے فرماتے۔ دراصل ابو ہریرہ نے یہ بے ہودہ بات کعب احبار سے سنی ہوگی۔ اس کا نام۔ لیے بغیر اسے بیان کر دیا حماد بن مہبہ نے اسے حدیث مرفوع قرار دینے کی غلطی کر ڈالی۔ اور بخاری و مسلم نے بے سوچے سمجھے اسے درج صحیح کر دیا۔

(۲۷) حضرت آدم کے قد کی لمبائی اور سلام و تحیت کے متعلق حدیث مرفوع

حماد بن مہبہ نے ہی حضرت ابو ہریرہ سے اس کی روایت کی ہے کہ اللہ نے آدم کو پیدا کیا اور اس کا قد ساٹھ ہاتھ (گز) تھا۔

پھر فرمایا اذهب فسلم علی اولئک النفر من الملائكة فاستمع ما یحیونک (وفی رواية ما یجیونک) به فانه تحیتک وتعبیة ذریعتک فقال السلام علیکم فقالوا السلام علیک ورحمة اللہ فراذوہ ورحمة اللہ فکل من یدخل الجنة علی صورة آدم فلم یزل الخلق ینقص حتی الآن (صحیح بخاری ص ۲۶۸ کتاب الانبیاء و ص ۹۱۹ کتاب الاستبذان باب اول (مسند ۲ ص ۳۱۵) (صحیح مسلم کتاب صفة الجنة ونعمها)

جافرشتوں کے اُس گروہ کو سلام کر پھر غور سے سن کہ وہ تجھے کس طرح جواب سلام دیتے ہیں۔ آدم نے جا کر کہا السلام علیکم فرشتوں نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ رحمۃ اللہ کا اضافہ کیا۔ انسان کا قد برابر گھٹتا آ رہا ہے اب تک اور جو شخص بھی جنت میں جائے گا وہ آدم کی صورت پر ہوگا۔

حضرت آدم کے قد کے متعلق جو اس حدیث میں مذکور ہے محض فضول بات ہے۔ گزشتہ بہت پرانی قوموں کے گھروں اور آثار سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ انہیں دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اس زمانہ کے انسانوں کے قد کاٹھ ہوتے ہیں ویسے ہی ماضی بعید میں ہوتے تھے آغاز تخلیق سے انسان رنگ و روپ اور قد و قامت میں مختلف چلے آ رہے ہیں کوئی بہت لمبا ترنگا۔ کوئی بونا ٹھنکنا۔ کوئی درمیانہ قد و قامت کے تفاوت میں زمین کے علاقوں کا بھی بڑا دخل ہے۔ کسی علاقے کے باشندے دراز قامت ہوتے ہیں اور کسی علاقہ کے باشندے کوتاہ قد ہوا کرتے ہیں۔ یہ تفاوت جیسا اب ہے ایسا ہی دو ہزار سال پہلے اور بیس ہزار سال پہلے تھا۔

حضرت آدم کے قد کا ساٹھ گز ہونا ابو صالح و ابو زرہ اور سعید بن مسیب و ابو عثمان فہدی سے بھی ابو ہریرہ کی حدیث کے طور پر سروی ہے۔ یہ سب روایات سند کے اعتبار سے ضعیف و دابی ہیں۔

رہی سلام و تحیت کی بات تو وہ واعظوں کی کہانیوں کی جنس سے ہے۔ ہمام بن منبہ نے کسی واعظ سے سن لی ہوگی۔ بھول کر اسے ابو ہریرہ کی حدیث کے طور پر ذکر کر دیا۔ مسلمانوں میں سلام و جواب سلام کے جو کلمات تواتر و توارث کے ساتھ معروف چلے آ رہے ہیں نبی کریم ﷺ کے تعلیم فرمودہ ہیں۔ آپ کی تعلیم سے پہلے اہل عرب ان سے نا آشنا تھے۔ نہ دیگر اقوام میں سے کسی قوم میں ان کا رواج نہ تھا ہر قوم اور ہر ملت میں سلام و جواب سلام کے مختلف الفاظ رائج تھے جواب تک چلے آ رہے ہیں اور بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کا تعلیم فرمایا ہوا طریق سلام و جواب سلام سب سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ افسانہ باز و جاہل راویوں نے بلا وجہ اس کا تعلق حضرت آدم سے جوڑ دیا ہے۔

(۲۸) حضرت ابوسعید خدری کی طرف منسوب حدیث کہ قیامت کے دن امت محمدیہ حضرت نوح علیہ السلام کے حق میں گواہی دے گی

اعمش نے ابوصالح سے اس نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يَجَاءُ بَنُو نُوْحٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقَالُ لَهُ هَلْ بَلَغْتَ؟ فَيَقُولُ نَعَمْ يَا رَبِّ فَيُسْأَلُ أَمَّتَهُ
هَلْ بَلَغَكُمْ؟ فَيَقُولُونَ مَا جَاءَنَا مِنْ نَذِيرٍ. فَيَقَالُ مَنْ شَهِدَكَ؟ فَيَقُولُ
مُحَمَّدٌ وَأَمَّتُهُ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَيَجَاءُ بِكُمْ فَتَشْهَدُونَ ثُمَّ قَرَأَ
رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى
النَّاسِ وَيَكُونَ الرِّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا. وَسَطًا قَالَ عَدَلًا (ص ۱۰۹۲
کتاب الاعتصام)

یہ ابواسامہ کی روایت میں ہے اور عبدالواحد کی روایت میں ہے فشہد انه قد
بلغ (صحیح بخاری ۴۷۰ کتاب الانبیاء)

جریر کی روایت میں ہے فیشہدون انه قد بلغ (ص ۶۲۵ کتاب
التفسیر سورة البقرة)

اعمش سے یہ حدیث عبدالواحد بن زیاد، جریر بن عبد الحمید، ابواسامہ جعفر بن عون
ابومعاویہ اور کعب نے متقارب الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری و مسند
احمد و سنن ابن ماجہ و سنن ترمذی میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن حضرت
نوح اور ان کی قوم کی حق تعالیٰ کے حضور پیشی ہوگی۔ حضرت نوح سے سوال ہوگا کیا تم نے
اپنی امت کو تبلیغ حق کی تھی۔ عرض کریں گے جی ہاں میں نے خوب تبلیغ کی لیکن ان کی
اکثریت نے میری تکذیب ہی کی۔ تب ان کی امت سے یعنی کفار امت سے پوچھا جائے
گا کہ کیا نوح نے تمہیں تبلیغ کی تھی اور پیام حق پہنچایا تھا۔ کہیں گے جی نہیں۔ ہمارے پاس

کوئی بھی متنبہ کرنے والا۔ کوئی بھی نبی نہیں آیا۔ تب نوح سے کہا جائے گا تم تبلیغ کرنے کے مدعی ہو یہ لوگ اس کے قطعی منکر ہیں تو تمہارے پاس اپنے دعویٰ کا کیا ثبوت ہے۔ تمہارے گواہ کون ہیں؟ عرض کریں گے خاتم النبیین محمد ﷺ اور ان کی امت میرے گواہ ہیں۔ تب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے متبعین اہل اسلام نوح کے حق میں گواہی دیں گے کہ نوح اپنے دعوے میں قطعاً سچے ہیں اور یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ یہ بیان فرما کر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی جو دوسرے پارے کے پہلے رکوع میں ہے۔ وکذٰلک جعلناکم الخ اور بتایا کہ ”لتکونوا شہداء علی الناس“ کا مطلب یہ ہی ہے کہ قیامت کے دن محمد ﷺ کی امت گذشتہ کافرو قوموں کے برخلاف اور ان انبیائے کرام کی موافقت میں گواہی دے گی۔ یہ امت اللہ کے نزدیک ثقہ و معتبر گواہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ نے بتایا کہ وسط جو اس آیت میں ہے عدل کے معنی میں ہے۔ عدل وہ ثقہ و معتبر شخص اور گروہ جس کی بات تسلیم کی جائے۔

اس حدیث کے متعلق میں تین اصولی باتیں عرض کرتا ہوں

(۱) حضرت نوح علیہ السلام پر ان کی قوم میں سے اچھے اشخاص ایمان لائے تھے اور بصدق دل آنحضرت کی پیروی میں لگ گئے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ غرقابی کے عذاب سے محفوظ رکھا۔ اور آئندہ نسل انسانی ان ہی سے چلی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں اس کی تصریحات ہیں۔ وہ مؤمنین اگرچہ اقلیت میں تھے بتانے والوں نے ان کی تعداد اسی بتائی ہے حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے مگر وہ گروہ حضرت نوح علیہ السلام کی سچائی کا آنکھوں سے دیکھنے والا گواہ تھا امت محمدیہ کی حضرت نوح کے حق میں گواہی سماعی اور گوش شنید ہے۔ اور ان کا مؤمنین کی گواہی بصری یعنی چشم دید ہے۔ پھر اس حدیث میں ان کا ذکر کیوں نہیں ہے؟ اگر رسول اللہ ﷺ نے یہ بیان فرمایا ہوتا جو اس حدیث میں مذکور ہے تو آپ قوم نوح کے مؤمنین کا ذکر ضرور فرماتے۔

(۲) جب امت محمدیہ اللہ کے نزدیک بروز قیامت بھی عدل و ثقہ اور بغایت معتبر گواہ ہے تو اس حدیث کی صحت کا یقین رکھنے والے دنیا میں اجماع امت کے معتبر ہونے کے قائل کیوں نہیں ہیں؟

(۳) قرآن کریم بتاتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں سے یہ پوچھے گا کہ تمہاری قوموں نے تمہاری دعوت کا کیا جواب دیا تھا پذیرائی کی تھی یا تکذیب، قوموں سے بھی بنیادی سوال یہ ہی ہوگا کہ ہم نے دنیا میں تمہاری ہدایت کے لئے جو رسول بھیجے تھے تو تم لوگوں نے ان کی دعوت حق کا کیا جواب دیا تھا۔ سورۃ الانعام میں ہے یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا اُجبتُمْ۔ اور سورۃ القصص میں ہے ”و یوم ینادیہم فیقول ماذا اُجبتُمْ المرسلین۔“ قرآن میں یہ کہیں نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ انبیائے کرام سے پوچھے گا کہ تم نے تبلیغ کی تھی یا نہیں۔

اللہ کا نبی تو اپنی امت کے کفار مکذبین کے برخلاف اللہ کا شہید ہوگا جیسا کہ ارشاد ہے ”فکیف اذا جننا من کل امة بشہید وجننا بک علی هؤلاء شہداء۔“ پس جو اس حدیث میں مذکور ہے وہ قرآن کریم کی تصریحات کے خلاف ہے۔

افسوس کہ متعدد مفسرین نے آیت شریفہ و کذلک جعلنا کم امة وسطا کی اسی باطل حدیث کے مطابق تفسیر کی ہے اور گمان کیا ہے کہ یہ تفسیر مرفوع یعنی رسول اللہ ﷺ کی بیان فرمودہ ہے۔ امام مسلم نے اس کی تخریج نہیں فرمائی۔ صرف اعمش نے ابو صالح سے اس کی روایت کی ہے اور اس کی روایات میں سے کسی بھی روایت کی اسناد میں یہ مذکور نہیں کہ ابو صالح نے حضرت ابوسعید سے یہ حدیث سنی تھی۔ ہر روایت کی اسناد میں ابو صالح عن ابی سعید ہے میں سمجھتا ہوں کہ ابوسعید خذری رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان نہیں کی۔ کسی واعظ نے ابوسعید کی طرف منسوب کر کے ابو صالح کو بتادی تھی آیات قرآنی کے معانی و مطالب سمجھنے سے راویان حدیث کو چنداں تعلق نہ تھا۔ اس لئے اس کی روایت کر دی گئی اور امام بخاری نے اسے متصل السند گمان کر کے اپنی کتاب میں ثبت فرمادیا۔

(۲۹) ابوسعید خدری کی طرف منسوب ایک حدیث

جس میں مذکور ہے کہ جہنم میں جانے والے لوگوں میں سے ایک شخص یا جوج و ما جوج کے علاوہ دیگر اقوام میں سے ہوگا تو ایک ہزار یا جوج و ما جوج کی قوم میں سے ہوں گے

اس کی اسناد بھی وہی ہے یعنی اعمش نے ابوصالح سے اور اس نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آدم کو پکار کر فرمائے گا اخرج بعث النار (اپنی نسل سے جہنم میں بھیجے جانے کے لائق لوگ نکالو) آدم کہیں گے وما بعث النار (ان کی تعداد کیا ہے) قال من كل الف تسعمائة و تسعة وتسعين۔ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے (۹۹۹) یہ بیان کر کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فعنده يشيب الصغير وتضع كل ذات حمل حملها وترى الناس سكارى وما هم بسكارى ولكن عذاب الله شديد اس ہولناکی کی حالت ایسی ہوگی کہ بچہ بوڑھا ہو جائے گا اور ہر بوجھ والی اپنا بوجھ رکھ دے گی۔ اور تو لوگوں کو مدہوش دیکھے گا۔ وہ کسی نشے کی وجہ سے مدہوش نہ ہوں گے مگر اللہ کی سزا سخت ہے۔

قالوا يا رسول الله اينذاك الواحد. قال ابشروا فان منكم رجلا ومن ياجوج وماجوج الفا. ثم قال والذي نفسى بيده ما انتم فى الناس الا كالشعرة السوداء فى جلد ثور ابيض او كشعرة بيضاء فى جلد ثور اسود (ص ۴۷۲)

سامعین صحابہ نے عرض کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اندر ایک کس فی ہزار ہی جہنم سے بچنے والے ہوں گے نو سو ننانوے جہنمی ہوں گے تو وہ ایک خوش قسمت کون ہوگا (یہ تو ہمارے لئے بڑے رنج و افسوس کی بات ہے کہ ہمارے اندر ہزار میں سے ۹۹۹ جہنمی نکلیں فرمایا خوشخبری سنو تم میں سے ایک شخص ہوگا اور یا جوج و ما جوج میں سے ہزار ہوں گے (اس روایت میں یا جوج و ما جوج میں سے ہزار کا ذکر ہے۔ پھر آپ نے فرمایا قسم اس ذات کی

جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم امت محمدیہ دیگر اقوام و امم میں ایسے ہو جیسے سفید بیل کی کھال میں کالا بال یا کالے بیل کی کھال میں سفید بال ہوتا ہے۔ یعنی دیگر اقوام کے لوگ تم سے تعداد میں بہت زیادہ ہوں گے۔ اعمش سے یہ حدیث ابواسامہ (ص ۲۷۲) جریر (ص ۹۶۷) دکیج (صحیح مسلم ص ۱۱۸ طبع ہند) حفص بن غیاث (صحیح بخاری ص ۶۹۳) نے روایت کی ہے۔ ابواسامہ و جریر دونوں کی روایت میں یا جوج و ما جوج میں سے ہزار کا ذکر ہے۔ اور دکیج و حفص کی روایت میں ۹۹۹ ہے۔

لیکن یہ رسول اللہ ﷺ کی ارشاد فرمودہ بات نہیں ہو سکتی کیونکہ اس میں مذکور ہے کہ آپ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ آدم سے فرمائیں گے کہ اپنی ذریت میں سے جہنم کا ایندھن بننے والوں کو الگ کر دو یعنی ۹۹۹ فی ہزار۔ یعنی ہر ہزار انسانوں میں سے ۹۹۹ جہنمی ہیں۔ اس پر سامعین نے عرض کیا اپنا ذلک الواحد تو آپ نے فرمایا ابشروا فان منکم رجلاً ومن یا جوج و ما جوج الفا۔ یہ ابواسامہ و جریر کی روایت میں ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ بعث النار کی گنتی تو یا جوج و ما جوج سے پوری ہوگی، ایک ان میں سے اور ایک دیگر اقوام میں سے دو شخص فاضل ہوئے کیونکہ بعث النار تو ۹۹۹ بتائے ہیں اور یہ ایک ہزار ایک ہو جاتے ہیں۔

اور دکیج و حفص بن غیاث کی روایت میں تسعمائة وتسعة وتسعين من یا جوج و منکم واحد ہے۔ تو یہ ہزار ہوئے اور جب بعث النار کی گنتی یا جوج و ما جوج سے ہی پوری ہوگئی تو منکم واحد بے معنی ہو گیا۔ پس یہ کسی صورت سے بھی صحیح بات نہیں ہو سکتی۔ نہ وہ جو ابواسامہ و جریر کی روایت میں ہے نہ وہ جو دکیج و حفص کی روایت میں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایسی مہمل بات نہیں کہہ سکتے تھے۔ یہ حدیث بھی حدیث نبوی نہیں ہے بس کسی واعظ کی غپ شب ہے حضرت آدم کو بعث النار کے اخراج کا حکم دینا بھی کوئی معقولیت نہیں رکھتا۔

(۳۰) حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے باپ آذر
 کے اخروی مال کے متعلق حضرت ابوہریرہ کی طرف منسوب
 حدیث جو ابن ابی ذئب کے طریق سے مروی ہے

امام بخاری نے کہا ہے:

حدثنا اسماعيل بن عبد الله ثني اخي عبد الحميد عن ابي هريرة عن النبي
 ﷺ قال يلقي ابراهيم اياه اذر يوم القيامة وعلى وجه اذر فترة وغبرة
 فيقول له ابراهيم الم اقل لك لا تعصني فيقول ابوہ فاليوم لا اعصيك.
 فيقول ابراهيم يا رب انك وعدتني ان لا تخزني يوم يبعثون فاي خزي
 اخزي من ابي الا بعد فيقول الله اني حرمت الجنة على الكافرين ثم يقال
 يا ابراهيم ماتحت رجلك؟ فينظر فاذا بذبح ملطخ فيؤخذ. بقوائمه
 فيلقى في النار. (صحيح بخاری ص ۴۷۳ کتاب الانبياء)

ہم سے اسماعیل بن عبد اللہ اویسی نے بیان کیا کہ مجھ سے میرے بھائی عبد الحمید
 اویسی نے بیان کیا محمد بن عبد الرحمن بن ابی ذئب سے روایت کر کے اس نے سعید مقبری
 سے اس نے ابوہریرہ سے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام کی قیامت کے دن اپنے
 باپ آذر سے ملاقات ہوگی حال یہ ہوگا کہ آذر کے چہرے پر سیاہی اور آلودگی ہوگی۔
 حضرت ابراہیم اس سے کہیں گے کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ میری تافرمانی نہ کر (یعنی
 میں نے جو تجھ سے کہا تھا کہ کفر و شرک اور شیطان پرستی سے تائب ہو کر اللہ کی بندگی و طاعت
 اختیار کر) کہے گا اب تیرا کہنا مانوں گا (اب تو کسی طرح مجھے بچا) تب حضرت ابراہیم عرض
 کریں گے اے میرے رب تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ تو مجھے قیامت کے دن رسوا نہ
 فرمائے گا۔ تو میرے نالائق باپ کا جو حال ہو رہا ہے اس سے بڑھ کر کیا رسوائی ہوگی۔ پس
 اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے کافروں پر جنت حرام کر دی ہے پھر کہا جائے گا اے ابراہیم
 تیری ٹانگوں کے نیچے کیا ہے؟ دیکھیں گے تو ایک گندگی میں لتھڑا ہوا ٹکڑا بگا ہے پس اس کی

ٹانگیں پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

ابن ابی ذئب محمد بن عبد الرحمن کے علاوہ اور کسی نے یہ حدیث روایت نہیں کی۔ اس کا متن بتا رہا ہے کہ ابن ابی ذئب اور اس سے یہ حدیث روایت کرنے والے محدثین عبد الحمید اویسی اس کا بھائی اسماعیل اور امام بخاری قرآن نہیں سے بہت دور تھے۔ اس کی وضاحت کرنے سے پہلے میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ ابن ابی ذئب اس کی سند میں بھی مضطرب تھا۔ اس نے عبد الحمید اویسی سے اس کی سند سعید المقبری عن ابی ہریرہ ذکر کی تھی یعنی یہ بتایا تھا کہ سعید مقبری نے ابو ہریرہ سے اس کی روایت کی ہے اور بخاری نے ہی بتایا ہے ”قال ابراهیم بن طہسان عن ابن ابی ذئب عن سعید بن ابی سعید المقبری عن ابیہ عن ابی ہریرہ (صحیح بخاری ص ۷۰۲ کتاب التفسیر)

یعنی ابراہیم بن طہمان کو جب ابن ابی ذئب نے یہ حدیث سنائی تو بتایا کہ سعید مقبری نے اپنے باپ گیسان ابو سعید مقبری سے اور اس نے ابو ہریرہ سے اس کی روایت کی ہے سعید ابو ہریرہ کے درمیان سعید کا باپ گیسان واسطہ ہے سند کا یہ اضطراب نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ نہ اس کا کوئی حل ممکن ہے، اضطراب کی وجہ سے یہ حدیث پایہ صحت سے ساقط ہے رہا متن تو وہ یوں غلط ہے کہ قرآن کریم یا کسی حدیث یا بائبل کے کسی صحیفے میں یہ نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت کے دن تجھے رسوا نہ کروں گا۔ بس جب یہ وعدہ تھا ہی نہیں تو حضرت ابراہیم اس کا حوالہ کیسے دیں گے پس یہ وعدہ حق کا ذکر ابن ابی ذئب نے بالکل غلط کیا ہے:

اور تعجب یہ ہے کہ وہ اسے صحیح عبارت میں ادا بھی نہ کر سکا۔ صحیح عبارت یہ ہوتی کہ ”یا رب انک وعدتنی ان لاتخزینی“ کہتا۔ ان کے بعد مضارع منفی منصوب لاتا۔ حالانکہ ابن ابی ذئب نے ان لاتخزنی کہا ہے۔ لاتخزنی حاضر کا صیغہ ہے اصل بات یہ ہے کہ سورۃ الشعراء کے پانچویں رکوع میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چند دعاؤں کی حکایت فرمائی ہے۔

آنحضرت نے عرض کیا تھا ”رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَالْحَقِّقْنِي بِالصَّالِحِينَ“

میرے رب مجھے حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرنے کی قوت عطا فرما اور مجھے پیش رو لائق بندوں کے ساتھ ملا دے۔

وَجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ اور بعد میں آنے والے لوگوں میں میرے لیے ذکرِ خیر طے فرما دے۔ وَأَجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ اور مجھے نعمتوں کی جنت کے وارثوں میں سے بنا۔

وَاعْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ اور میرے باپ کی مغفرت فرما۔ بے شک وہ گمراہوں میں سے رہا ہے۔

وَلَا تَخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ اور مجھے رسوا نہ فرما جو جس دن بندے زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔

باپ کے لیے مغفرت کی دعا اس وعدے کی وجہ سے فرمائی تھی جو بوقتِ ہجرت آپ نے اس سے کر لیا تھا۔ (سورہ مریم ع ۳۴)

یہ دعا اس معنی میں تھی کہ اسے توبہ کی توفیق نصیب ہو جائے مگر جب حضرت ابراہیم پر واضح ہو گیا کہ آزر اللہ کا ایک دشمن ہے ایمان لانے والا نہیں ہے یا یہ کہ وہ حالتِ کفر میں ہی مر چکا ہے تب اس کے لیے دعائے مغفرت سے باز آ گئے اور عرض کیا کہ اے رب میں ہر اس شخص سے بیزار ہوں جو کفر پر قائم رہا اور تائب نہ ہوا۔ جیسا کہ سورۃ التوبہ میں ہے ”وَمَا كَانَ اسْتَغْفَارَ اِبْرَاهِيمَ لِابِيهِ اِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا اِيَّاهُ“ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ اَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ۔

ابن ابی ذئب نے شاید کبھی ان آیات کی تلاوت ہی نہ کی تھی بلا وجہ گمان کر لیا کہ باپ کے لیے مغفرت کی دعا حضرت ابراہیم آخرت میں کریں گے۔ تعجب اور سخت تعجب ہے کہ نہ عبد الحمید نے ان آیات کو پڑھا اور سمجھا نہ اس کے بھائی اسماعیل نے اور نہ حضرت امام بخاری نے اور خواہ مخواہ حضرت ابراہیم کی دعا کو اللہ کا وعدہ بنا دیا۔ الغرض یہ حدیث اول سے آخر تک باطل ہے۔

(۳۱) کریب آزاد کردہ ابن عباس کی حدیث کہ رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو حضرت ابراہیم اور حضرت مریم کا مجسمہ بھی اس میں دیکھا۔

بکیر بن عبد اللہ الاشج نے ابن عباس کے آزاد کردہ غلام کریب سے روایت کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس نے کہا

دخل النبی ﷺ البیت فوجد فیہ صورة ابراهیم وصورة مریم فقال اما هم فقد سمعوا ان الملائكة لا تدخل بیتا فیہ صورة هذا ابراهیم فما له یستقسم (صحیح بخاری (ص ۲۷۳ کتاب الانبیاء ذکر ابراهیم علیہ السلام)

نبی ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو اس میں ابراہیم کا مجسمہ اور مریم کا مجسمہ پایا تو فرمایا (ان جاہلوں یعنی اہل مکہ نے خانہ کعبہ کے اندر یہ مجسمے رکھے ہیں) لیکن ان کا حال یہ ہے کہ وہ سن چکے ہیں کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کوئی مجسمہ ہو۔ یہ ابراہیم ہیں تو جوئے کے تیران کے ہاتھ میں کیوں ہیں! بھلا حضور اکرم ﷺ یہ بات کیسے کہہ سکتے تھے کہ اہل مکہ سن چکے ہیں کہ تصویر والے گھر میں فرشتے نہیں آتے۔ آپ سے پہلے تو مکہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد کوئی نبی مبعوث ہوا نہ تھا کہ مکہ والوں کو یہ بات بتاتا۔ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی نبوت کے بعد جو تیرہ سال مکہ میں گزارے تھے تو کبھی ان ایام میں اس کا ذکر نہیں فرمایا۔ یہ بات تو آپ نے مدینہ میں بتائی تھی کہ لا تدخل الملائكة بیتا فیہ کلب او صورة۔ پس یہ حدیث مدنی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ابن عباس نے جو بیان کیا تھا کریب کو ٹھیک یاد نہ رہا۔ صحیح وہ ہے جس کی عکرمہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے:

ان رسول اللہ ﷺ لما قدم مكة ابی ان یدخل البیت وفیہ الالهة فامر بها فاخرجت فاخرج صورة ابراهیم واسماعیل فی ابیدیہما من الازلام۔ فقال قاتلہم اللہ لقد علموا ما استقسما قط (صحیح بخاری

رسول اللہ ﷺ جب (فتح مکہ کے موقع پر) مکہ میں تشریف لائے تو آپ نے خانہ کعبہ میں داخل ہونے سے انکار فرمایا حال یہ تھا کہ اس میں مشرکین کے بت تھے۔ ان کے متعلق حکم فرمایا تو کعبہ بتوں سے صاف کر دیا گیا۔ ان بتوں میں حضرت ابراہیم واسماعیل کے مجسمے بھی تھے ان کے ہاتھوں میں جوے کے تیر دکھائے گئے تھے فرمایا ان مجسمے بنانے والوں اور انہیں کعبہ میں رکھنے والوں پر اللہ کی مار۔ یہ سبے ہودے لوگ قطعاً جانتے تھے کہ ابراہیم واسماعیل نے کبھی جوے کے تیروں کا استعمال نہیں کیا۔ (خبیثوں نے جان بوجھ کر ان پر یہ افترا پردازی کی ہے)۔

کریب نے ابن عباس سے سنی ہوئی بات ٹھیک یاد نہ رکھی۔ اسماعیل کی جگہ مریم کا ذکر کر دیا۔ اور لقد علموا کی جگہ لقد سمعوا لا کر ملا مکہ کے داخل نہ ہونے کی حدیث کا اس میں پیوند لگا دیا۔

اچھا کریب سے تو یہ غلطیاں ہو گئیں لیکن جن لوگوں نے کریب کی اس غلط حدیث کو روایت کیا ہے۔ انہیں کس باؤ لے کتے نے کاٹا تھا کہ اس کی روایت کرتے چلے گئے۔ اور بخاری کو کیا ہو گیا تھا کہ اس غلط حدیث کو درج صحیح فرما دیا۔

(۳۲) بنی اسرائیل میں سے ایک چتکبرے

اور ایک گمنجے اور ایک اندھے کی آزمائش کا قصہ جس کی عبدالرحمن بن ابی عمرہ واعظ نے حضرت ابو ہریرہ کی طرف منسوب کر کے روایت کی تھی

یہ قصہ صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں ہے۔ قصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان تینوں کی آزمائش منظور ہوئی۔ ایک فرشتہ ان کے پاس بھیجا وہ شکل انسانی میں متشکل ہو کر ابرص یعنی چتکبرے کے پاس آیا پوچھا۔ تجھے کس چیز کی زیادہ خواہش ہے۔ بولا میرا یہ مرض دور ہو جائے۔ مجھے اچھی کھال مل جائے کیونکہ عام لوگ مجھ سے گھسن کرتے

ہیں فرشتے نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا۔ اس کا برص زائل ہو کر بدن کی ساری کھال خوشنما بن گئی۔ تب فرشتہ بولا تجھے کون سا مال زیادہ پسند ہے؟ بولا اونٹ، فرشتہ نے اس کو دس مہینے کی گاہ بھن نہایت عمدہ اونٹنی دیدی اور اسے برکت کی نوید سنائی پھر وہ گنجنے کے پاس گیا۔ پوچھا تجھے کس چیز کی زیادہ چاہت ہے کہا میرا گنجا پن ختم ہو کر اچھے بال نصیب ہو جائیں۔ گنجا ہونے کی وجہ سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کا گنجا پن ختم ہو کر سر پر بڑے اچھے بال ہویدا ہو گئے۔ تب پوچھا تجھے کون سا مال زیادہ مرغوب ہے۔ بولا گائے، فرشتے نے اسے نہایت عمدہ پورے دنوں کی حاملہ گائے دی اور برکت کا مژدہ دیا۔ پھر وہ فرشتہ اندھے کے پاس آیا۔ پوچھا تیری سب سے بڑی آرزو کیا ہے۔ بولا میری آنکھیں روشن ہو جائیں کہ میں لوگوں کو اور سب چیزوں کو دیکھ سکوں۔ اس نے اُس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا۔ کُور اسی کھل گئیں۔ تب پوچھا کون سا مال تجھے زیادہ مطلوب ہے؟ بولا بکریاں۔ اُس نے اسے پورے دنوں کی حاملہ بڑھیا بکری دیدی تینوں کے مالوں میں بڑی برکت ہوئی۔ کچھ ہی عرصہ بعد سابق ابرص (چت کبڑے) کے اونٹوں سے ایک وادی اور سابق گنجنے کی گایوں سے ایک وادی اور سابق اندھے کی بکریوں سے ایک وادی بھر گئی۔ تب وہی فرشتہ اسی شکل و حالت میں چتکبرے کے پاس آ کر بولا۔ میں ایک غریب اور مسافر آدمی ہوں منزل پر پہنچنے کے جو ذرائع میرے پاس تھے ختم ہو گئے یعنی میں افلاس و بے نوائی میں مبتلا ہو گیا۔ اب اللہ کی مدد اور آپ کی اعانت میری دستگیری کرے تو میں اپنی منزل پر پہنچ سکتا ہوں ورنہ نہیں جس اللہ نے آپ کو اچھا رنگ روپ دیا۔ خوشنما کھال اور مال سے آپ کو نوازا اسی کا واسطہ دے کر میں آپ سے ایک اونٹ مانگ رہا ہوں جس پر سوار ہو کر منزل پر پہنچ سکوں۔ بولا میرے حقوق بہت ہیں (تجھے ایک اونٹ دینے کی گنجائش نہیں ہے) فرشتہ بولا لگتا ہے کہ میں تجھے پہچانتا ہوں۔ کیا تو چتکبرا اور محتاج نہ تھا جس سے لوگ گھٹن کرتے تھے۔ اللہ نے تجھے اچھی کھال بھی دی اور مال بھی دیا۔ بولا۔ واہ بھی واہ مال تو میرے پاس پشتوں سے چلا آ رہا ہے فرشتہ بولا اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تجھے اسی پچھلی حالت میں

کردے پھر اسی طرح گنجنے کے پاس آ کر اسی انداز سے بات کی اور گنجنے نے بھی اسے ویسا ہی جواب دیا تب اس سے بھی فرشتہ نے کہا اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تجھے اسی پچھلی حالت میں کردے پھر وہ سابق اندھے کے پاس آ کر اسی طرح بولا اور اس سے ایک بکری مانگی۔ اس نے کہا میں اندھا تھا اللہ نے مجھے سما کا کر دیا غریب تھا اللہ نے مال دار بنا دیا۔ ان بکریوں میں سے جتنی چاہو لے جاؤ۔ میری طرف سے کوئی روک ٹوک نہ ہوگی۔ فرشتہ نے کہا تو آزمائش میں پورا اتر اوہ دونوں ناکام رہے۔

(صحیح بخاری ص ۳۹۲ او آخر کتاب الانبیاء صحیح مسلم)

اس قصہ کو کسی بھی صحابی نے بیان نہیں کیا صرف عبدالرحمن بن ابی عمرہ نے جو ایک اناپ شناپ بیان کرنے والا داعظ تھا۔ حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً اس کی روایت کی ہے عبدالرحمن سے اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ نے اس سے ہمام بن۔ جی نے اس سے عمرو بن عاصم و عبداللہ بن رجاء نے (صحیح بخاری) اور شیبان بن فروخ نے (صحیح مسلم لفظی اعتبار سے صحیح مسلم کی روایت بخاری کی روایت کی بہ نسبت درست ہے بخاری کی روایت آخر سے تقریباً مہمل ہے۔ اس کے متعلق میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی بندوں کے بارے میں جو سنت ثابت ہے یہ قصہ اس کے منافی ہے اور عقل سلیم اسے صحیح ماننے پر آمادہ نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ کسی مال دار کا بخیل یا سخی ہونا بد یہی طور پر سب کو معلوم ہو جاتا ہے۔ دو مالدار شخص ہیں ایک کا حال یہ ہے کہ ضرورت مندوں پر صدقہ کرتا رہتا ہے۔ اللہ کا عائد کیا ہوا فریضہ زکاۃ پابندی سے ادا کرتا ہے۔ اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ بخیل نہیں ہے۔ دوسرا شخص کسی سائل کو کچھ نہیں دیتا۔ کبھی کسی ضرورت مند پر صدقہ نہیں کرتا زکاۃ ادا نہیں کرتا ظاہر ہے کہ وہ بخیل ہے۔ ابرص اور لنگڑا بخیل تھے اور وہ نابینا بخیل نہ تھا سخی تھا۔ تو ان کے بخل و سخاوت کو آزمانے کے لیے اللہ کو کوئی فرشتہ بھیجنے کی ضرورت نہ تھی کہ ان کے پاس پہنچ کر غلط بیانی کرے اور جھوٹ بولے۔ ان کے طرز عمل سے یہ خود ہی ثابت تھا یقیناً یہ قصہ نہ رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا نہ ابو ہریرہ نے اس کی روایت کی یہ تو شروع سے آخر تک عبدالرحمن بن ابی عمرہ کا گھڑا ہوا قصہ ہے۔

(۳۳) اتباع الانصار کے متعلق حدیث

جو ابو حمزہ انصاری سے مروی ہے

امام بخاری نے شعبہ کے طریق سے اس کی تخریج کی ہے شعبہ سے محمد بن جعفر غندر نے اور آدم بن ابی ایاس نے غندر کی روایت یہ ہے:

حدثنا شعبۃ عن عمرو (ہوا بن مرة) سمعت ابا حمزة رجلا من الانصار. قالت الانصار يا رسول الله لكل نبي اتباع وانا قد اتبعناك فادع الله ان يجعل اتباعنا فداً به. (قال عمرو بن مرة) فتمت ذلك الى ابن ابي ليلى فقال قد زعم ذلك زيد (صحيح بخاری ص ۵۳۴ کتاب المناقب)

ابو حمزہ نے عمرو بن مرہ سے بیان کیا کہ انصار نے عرض کیا یا رسول اللہ ہر ایک نبی کے پیروان کا رہوئے ہیں اور یقیناً ہم نے آپ کی پیروی کی ہے (لہذا ہم آپ کے پیروان کا رہیں) پس اللہ سے دعا فرمائیں کہ ہمارے پیروان کا کوہم میں ہی شامل فرمائے۔ پس آپ نے اس کی دعا فرمائی۔ عمرو بن مرہ کا بیان ہے کہ میں نے ابو حمزہ سے سنی ہوئی اس حدیث کا عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے ذکر کیا۔ اس نے کہا زید نے یہ ہی کہا تھا۔

”لکل نبی اتباع“ اس حدیث میں غندر نے غلط کہہ دیا تھا کیونکہ بعض نبی ایسے بھی ہوئے ہیں جنہیں دو ہی تابع نصیب ہوئے کوئی نبی ایسا بھی ہوا ہے کہ بس ایک ہی شخص اس پر ایمان لایا۔

شعبہ نے اس حدیث میں لکل قوم اتباع کہا تھا۔ غندر نے غلطی سے لکل نبی کہہ دیا۔ آدم کی روایت یہ ہے کہ:

حدثنا شعبۃ ثنا عمرو بن مرة قال سمعت ابا حمزة رجلا من الانصار قالت الانصار ان لكل قوم اتباعاً وانا قد اتبعناك فادع الله ان يجعل اتباعنا منا. قال النبي ﷺ اللهم اجعل اتباعهم منهم قال عمرو فذكرته

لابن ابی لیلی قال قد زعم ذلك زيد قال شعبة اظنه زيد بن ارقم
(صحيح بخاری ص ۵۳۳)

غندر کی روایت کے بعد بخاری نے آدم کی روایت لا کر یہ ہی بتانا چاہا ہے کہ غندر کی روایت میں لکل لکل نبی غلط اور مبنی بروہم ہے۔ صحیح لکل قوم ہے۔ اس کے متعلق میں یہ کہتا ہوں کہ عبدالرحمن بن ابی لیلی نے تو زعم ذاک زید کہا تھا زید بن ارقم نہیں یہ تو شعبہ کا خیال تھا بے دلیل خیال۔ ہو سکتا ہے کہ زید بن ثابت یا زید بن عبداللہ بن عمر یا زید نام کا کوئی اور شخص مراد ہو۔ محض ظن و گمان سے کسی راوی کی تعیین نہیں ہو سکتی۔ پس اس زید کی شخصیت پردہ خفا میں ہے۔ رہا ابو حمزہ تو اس کا نام طلحہ بن یزید تھا۔ کوفہ میں رہتا تھا اور قرظہ بن کعب انصاری کا آزاد کردہ تھا۔ اس سے صرف عمرو بن سرة کوئی نے دو ایک حدیثیں روایت کی ہیں۔ مجہول الحال شخص ہے۔ اہل علم کے زمرہ میں سے نہ تھا۔ اور اس نے یہ نہیں بتایا کہ میں نے یہ حدیث فلاں صحابی سے سنی تھی۔ پس اس کی اسناد صحیح و متصل نہیں۔ ایک مجہول الحال شخص کی سُرسل حدیث ہے اور اتباع سے مراد اس میں وہ لوگ ہیں جو نسب کے لحاظ سے اس و خزر ج میں سے نہ تھے۔ انصار کے خدام یا آزاد کردہ غلام تھے۔ ان تابعین کا متبوعین کے زمرے میں معدود ہونا معلوم و معروف بات ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے مولی القوم منهم۔ اس معلوم و معروف امر کے لیے انصار کا رسول اللہ ﷺ سے دعا کی درخواست کرنا سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔ یہ تو تحصیل حاصل کے قبیل سے ہے۔ پس یہ حدیث نہ سند کے لحاظ سے متصل ہے نہ متن کے لحاظ سے مقبول۔ ابو حمزہ کی کہی ہوئی فضولی بات ہے اس لئے درج صحیح ہونے کے لائق نہ تھی۔

(۳۴) ایک انصاری شخص کی رسول اللہ ﷺ سے عمل دینے
یعنی کسی عہدے پر لگانے کی درخواست بروایت قتادہ

شعبہ نے قتادہ سے اس نے حضرت انس سے روایت کی ہے:

عن اسید بن حضیران رجلاً من الانصار قال يا رسول الله الا تستعملنى
كما استعملت فلانا. قال ستلقون بعدى اثرة فاصبروا حتى تلقونى على
الحوض (صحيح بخارى ص ۵۳۵ كتاب المناقب)

اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا:

يا رسول الله استعملت فلانا ولم تستعملنى قال انکم سترون بعدى
اثرة فاصبروا حتى تلقونى (ص ۱۰۶۲ کتاب الفتن)

حضرت انسؓ نے حضرت اسید بن خضیر انصاری سے روایت کی ہے کہ ایک انصاری
شخص نے عرض کیا آپ مجھے عامل نہیں بناتے جیسا کہ آپ نے فلاں کو عامل بنایا ہے۔ یا
یوں کہا۔ مجھے بھی عامل بنائیے جیسا کہ آپ نے فلاں کو عامل بنایا ہے۔ آپ نے فرمایا
میرے بعد تم گروہ انصار ترجیح سے دو چار ہو گے۔ یعنی میرے بعد جن لوگوں کے ہاتھ میں
عنان حکومت آئے گی وہ عہدوں اور منصبوں میں تم پر دوسرے قبائل کے اشخاص کو ترجیح
دیں گے۔ تو اس پر صبر کرنا (یعنی جبراً پا ہو کر حکومت کے خلاف بغاوت نہ کرنا) یہاں
تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے آلو۔ یعنی قیامت تک تمہارا طرز عمل صبر اور بغاوت سے
اجتناب ہونا چاہیے۔

مسلم و ابوداؤد و ابن ماجہ و نسائی و ترمذی نے اس کی تخریج نہیں کی ہاں مسند احمد میں
یہ حدیث ہے (مسند ص ۳۵۱) لیکن یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ عمل دینے کے متعلق رسول
اللہ ﷺ کا طرز عمل یہ تھا کہ کسی جگہ کا حاکم مقرر کرنے یا کسی فوجی مہم میں لشکر کا سالار بنانے
یا زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے کے لئے کسی کو مامور فرمانے میں آپ اہلیت و صلاحیت کے
علاوہ یہ بھی ملحوظ رکھتے تھے کہ وہ شخص اس عہدہ و منصب کا خواہاں نہ ہو۔ کوئی شخص خود آپ
سے گزارش کرتا کہ مجھے فلاں منصب عطا فرمادیں یا کسی منصب پر میرا تقرر فرمادیں تو آپ
اسے عمل نہ دیتے تھے۔ صحابہ کرام میں آپ کا یہ طرز عمل معروف تھا۔ آپ نے صحابہ کے
سامنے زبانی بھی یہ ارشاد فرمایا تھا کہ عمل کے خواہشمند کو ہم عمل نہ دیں گے۔ آپ کے اس
طرز کار سے ناواقف ہونے کی وجہ سے کوئی آپ سے عمل کی خواہش کر بیٹھتا تو آپ صریحاً

اسے بتا دیتے تھے کہ خواہشمند کو ہم عمل نہیں دیتے قتادہ کی روایت کی ہوئی اس حدیث میں ہے کہ ایک انصاری نے آپ سے عمل کی درخواست کی۔ تو آپ نے جواب میں فرمایا سئلون بعدی اثرۃ۔ ظاہر ہے کہ آپ کا یہ جواب سائل کی درخواست سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔ آپ تو حسب عادت اسے یہی جواب دیتے کہ انا لانس تعمل احداً علی عملنا من سالہ یا من ارادہ۔ آپ کا جو جواب قتادہ کی اس حدیث میں مذکور ہے اُس کا مطلب تو یہ ہے کہ گویا آپ نے فرمایا ”ہاں بھی میں نے دوسرے شخص کو تجھ پر ترجیح دی ہے اور میرے بعد تم ترجیح سے دو چار ہو گے۔ اور یقیناً یہ مطلب صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ مطلب مراد ہوتا تو الاثرۃ معرفہ آتا یعنی آپ فرماتے ”سئلون بعدی الاثرۃ حالانکہ روایت میں اثرۃ نکرہ ہے۔

پس اس حدیث میں دو علت ہیں اول یہ کہ عادتِ مستمرہ کے مطابق اس میں آپ کا جواب مذکور نہیں جو آپ نے اُس سائل کو دیا ہو گا دوم یہ کہ جو جواب مذکور ہے وہ درخواست سے کوئی میل نہیں رکھتا پس اگر فی الواقع حضرت انسؓ نے حضرت اسیدؓ سے یہ حدیث سنی تھی اور قتادہ نے انسؓ سے تو قتادہ کو وہ حدیث ٹھیک یاد نہیں رہی۔ بہر کیف یہ حدیث غلط ہے جس کی بخاری نے تخریج فرمائی ہے۔

(۳۵) یؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصة

کی شان نزول کے متعلق قصہ بروایت فضیل بن غزوان

عبداللہ بن داؤد خریبی نے فضیل بن غزوان سے اس نے ابو حازم اشجعی سے (اس کا نام سلمان تھا۔ عزمہ اشجعیہ نامی ایک خاتون کا آزاد کردہ تھا۔ کوفہ میں رہنے لگا تھا) اس نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے:

ان رجلا اتی النبی ﷺ فبعث الی نسائہ (یطلب لہ الطعام) قلن ما معنا

الا الماء. فقال رسول الله ﷺ من يضم او يضيف هذا؟ فقال رجل من الانصار انا فانطلق به الى امرائه. فقال اكرمي (صحیح لفظ طعمی ہے) ضيف رسول الله فقالت ما عندنا الا قوت صبياني. فقال هيئي طعامك واصبحي سراجك ونومي صبيانك اذا ارادو عشاء فهيات طعامها واصبحت سراجها ونومت صبيانها ثم قامت كأنها تصلح سراجها فاطفأته فجعلوا يريانه انهما ياكلان فباتا طاريين. فلما اصبح غدا الى رسول الله ﷺ فقال ضحك الله الليلة او عجب من فعالكما. فانزل الله ”ويؤثرون على انفسهم ولو كان بهم خصاصة“. ومن يوق شح نفسه فاؤلئك هم المفلحون. (صحیح بخاری ص ۵۳۵ کتاب المناقب)

ابو اسامہ نے بھی فضیل بن غزوہ ان سے اسی طرح روایت کی ہے۔ مگر اس میں ہے کہ اس شخص نے اپنی بیوی سے کہا۔ ہذا ضیف رسول الله فلا تدخريہ شینا (صحیح البخاری کتاب التفسیر۔ سورة الحشر)

اس میں لا تدخريہ غلط ہے۔ صحیح لفظ لا تدخري عنہ ہے۔ یعنی رسول الله کے پاس ایک شخص آ گیا آپ نے یکے بعد دیگرے ہر بیوی کے یہاں اس کا کھانا تیار کرنے کی خبر بھیجی سب کی طرف سے یہ ہی جواب ملا کہ آج رات ہمارے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں ہے تب آپ نے صحابہ حاضرین سے فرمایا کہ آج رات کو کون شخص اسے مہمان بنائے گا۔ ایک انصاری نے عرض کیا میں۔ یہ شخص میرا مہمان رہے گا۔ وہ اسے گھر لے گیا بیوی سے ذکر کیا کہ یہ رسول الله کا مہمان ہے۔ بولی ہمارے پاس تو بس بچوں کے لائق کھانا ہو سکتا ہے۔ بولا ایسا کرنا کہ بچوں کو تو کھانے کے وقت بہلا کر تھپک کر سلا دینا۔ کھانے کے لیے ہم مل کر بیٹھیں گے اسی وقت چراغ بجھا دینا۔ مہمان کے سامنے ہم کھانا رکھ دیں گے اور ظاہر کریں گے گویا ہم دونوں بھی اسی کے ساتھ کھا رہے ہیں۔ مہمان شکم سیر ہو جائے گا ہم دونوں یوں ہی رات گزار لیں گے۔

بیوی نے ایسا ہی کیا صبح کو جب وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا

رات جو تم میاں بیوی نے مہمان کے ساتھ کیا اللہ کو بہت پسند آیا۔ اسی پر اللہ کا یہ قول نازل ہوا۔ ویؤثرون علی انفسہم الآیہ۔ جریر بن عبد الحمید اور وکیع نے بھی فضیل بن غزوان سے اس قصہ کی روایت کی ہے (صحیح مسلم کتاب الاشربة۔ باب اکرام الضیف وفضل ایثارہ)

پس فضیل سے عبد اللہ بن داؤد و ابواسامہ و جریر و وکیع نے اس کی روایت کی ہے ان میں سب سے بہتر وکیع کی روایت ہے۔

ان رجلا من الانصار یات بہ ضیف فلم یکن عنده الا قوته وقوت صبیانہ فقال لامراتہ نوّمی الصبیة واطفئی الشراج وقرّبی للضيف ما عندک. قال فنزلت هذه الآیة ویؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصة (صحیح مسلم کتاب الاشربة) (سنن الترمذی. ابواب التفسیر، سورة الحشر)

ان چاروں شخصوں کی روایت میں اس مہمان کا نام و مقام مذکور نہیں کہ کون تھا کہاں سے آیا تھا۔ نہ ہی اس شریف و کریم انصاری صحابی کا نام مذکور ہے جو اس کا میزبان بنا تھا۔ اور چاروں کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ویؤثرون علی انفسہم اسی کے متعلق نازل ہوا تھا۔

ان چار کے علاوہ خود فضیل بن غزوان کے بیٹے نے بھی جس کا نام محمد تھا اپنے باپ فضیل سے اس کی روایت کی ہے۔ اس نے انصاری میزبان کو ابو طلحہ بتایا ہے۔ اس کی تخریج مسلم نے کی ہے:

قال حدثنا ابو کریب ثنا ابن فضیل عن ابیہ عن ابی حازم عن ابی ہریرۃ قال جاء رجل الی رسول اللہ ﷺ لیضيفہ فلم یکن عنده ما یضيفہ فقال الا رجل یضيف هذا رحمہ اللہ فقال رجل من الانصار بقال له ابو طلحۃ فانطلق بہ الی رحلہ. وساق الحدیث بنحو حدیث جریر و ذکر فیہ نزول الآیة کما ذکرہ وکیع (صحیح

لیکن یہ محمد بن فضیل کی وہم پر مبنی غلطی ہے۔ حضرت ابو طلحہ زید بن سہل انصاری رضی اللہ عنہ مشہور و معروف صحابی ہیں۔ ان کی بیوی ام سلیم حضرت انس کی والدہ معروف صحابیہ ہیں۔ اور وہ خوشحال و توانگر آدمی تھے یہ قصہ ان کا ہوتا تو ابو ہریرہ اس انداز سے ان کا ذکر نہ کرتے یہ قصہ تو یہ بتا رہا ہے کہ وہ انصاری کوئی غریب و مسکین آدمی تھا پس اس قصہ کی پانچوں روایات میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ویؤثرون علی انفسہم اسی کے متعلق نازل ہوا تھا۔

راویوں کا یہ اتفاق ایک طرف یہ بتاتا ہے کہ بخاری و مسلم اور ان کے شیوخ جنہوں نے اس حدیث کی روایت کی ہے قرآن فہمی سے نا آشنا تھے اور دوسری طرف یہ کہ سرے سے یہ قصہ ہی نہیں ہوا۔ یہ محض ابو حازم اشجعی کی افسانہ گوئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کی بیان کردہ حدیث نہیں ہے۔ کیونکہ ویؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصة یقیناً مستقل آیت نہیں ہے کہ الگ سے اس کے نازل ہونے کا تصور کیا جاسکے یہ تو آیت کا ٹکرا ہے اور یؤثرون معطوف ہے۔ معطوف علیہ یحبون من ہاجر الیہم ہے۔ معطوف علیہ و معطوف کے درمیان نزول میں زمانی فاصلہ نہیں ہو سکتا۔ پوری آیت و النین تبوء والدار والایمان من قبلہم یحبون من ہاجر الیہم ولا یجدون فی صدورہم حاجة مما اوتوا ویؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصة • ومن یوق شح نفسه فاولئک ہم المفلحون ہے اور یہ پوری آیت سابقہ آیت پر معطوف ہے دونوں آیتوں میں اموال فے کے مصرف کا بیان ہے کہ ضرورت مند مہاجرین اور ضرورت مند انصار اس کا مصرف ہیں۔ یہ سورۃ الحشر کے پہلے رکوع میں سے ہیں سابق آیتوں کے ساتھ ان دونوں آیتوں کا نزول ۴ھ میں یہود بنی نضیر کو جلا وطن کر دینے کے بعد یکبارگی ہوا تھا۔ قصہ مذکورہ کو ویؤثرون علی انفسہم کا سبب نزول بتانا قطعاً غلط ہے۔

(۳۶) صفا و مروہ کی سعی میں کیا بطن وادی یعنی میلین اخضرین کے درمیان دوڑنا سنت نہیں ہے؟

عن بکیر بن الاشج ان کربیا مولی ابن عباس حدثه ان ابن عباس قال
لیس السعی بطن الوادی بین الصفا والمروة سنة. انما کان اهل
الجاهلیة یسمونها ویقولون لانجیز البطحاء الاشد (صحیح بخاری
ص ۵۴۳ کتاب المناقب)

بکیر بن اشج سے عبد اللہ بن عباس کے آزاد کردہ غلام کرب نے بیان کیا کہ عبد اللہ
بن عباس نے کہا ہے کہ صفا و مروہ کے درمیان بطن وادی میں دوڑنا سنت نہیں ہے۔ یہ تو اہل
جاہلیت کا طریقہ تھا وہ لوگ کہتے تھے کہ ہم بطحاء کو دوڑ کر ہی عبور کیا کرتے ہیں۔ بطحاء
سنگستانی علاقہ کو کہتے ہیں یہاں اس سے مراد صفا و مروہ کے درمیان کی وادی ہے جو نشیب
میں ہے اس وادی کے عرض میں دو سبز رنگ پتھر نشانی کے طور پر گڑے ہوئے ہیں انہیں ہی
میلین اخضرین کہا جاتا ہے ایک پتھر وہاں ہے جہاں کوہ صفا ختم ہو کر وادی شروع ہوتی ہے
دوسرا اس کے بالمقابل وہاں ہے جہاں وادی ختم ہو کر کوہ مروہ شروع ہوتا ہے عمرہ و حج
دونوں میں خانہ کعبہ کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سات چکر لگانے ہوتے ہیں۔ اسے سعی
کہتے ہیں۔ سعی کا آغاز صفا سے اور اختتام مروہ پر ہوتا ہے اور میلین اخضرین کے درمیان
دوڑ کر چلنا چاہیے۔ یہ بطن وادی میں یعنی میلین کے درمیان دوڑ کر چلنا مسنون عمل ہے۔
حضور اکرم ﷺ کا تمام صحابہ کرام اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا یہی عمل رہا ہے۔
حضرت عبد اللہ بن عباس نے حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ کا یہ عمل دیکھا تھا اور آپ
کے بعد خلفائے راشدین کے عمل کا بھی انہیں مشاہدہ ہوا تھا۔ پھر وہ اس کے سنت ہونے کا
انکار کیسے کر سکتے تھے۔ کرب نے ابن عباس کی طرف اس انکار کی نسبت غلط کی ہے۔ یہ بھی
کرب کی غلط بیانی ہے کہ ابن عباس نے اسے اہل جاہلیت کا عمل بتایا اور ان کا قول
لانجیز البطحاء الاشد نقل کیا تھا۔ سنن ابن ماجہ و سنن نسائی میں صفیہ بنت شیبہ کے
طریق سے مروی حدیث میں یہ خود رسول اللہ ﷺ کا قول بتایا گیا ہے۔

(۳۷) مسروق سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جنات کے آنے کی اطلاع ایک درخت نے دی تھی یہ حدیث بھی محض بکواس ہے۔

بخاری نے کہا ہے:

حدثني عبيد الله بن سعيد (ابو قدامة السرخسي ثنا ابو أسامة (حماد بن أسامة) ثنا مسعر عن معن بن عبد الرحمن قال سمعت ابي قال سالت مسروقا من اذن النبي ﷺ بالجن ليلة استمعوا القرآن فقال حدثني ابو ك يعنى عبد الله انه اذنت بهم شجرة. (صحيح بخارى ص ۵۴۴ كتاب المناقب باب ذكر الجن وقول الله تعالى قل اوحى الى انه استمع نفر من الجن)

مجھ سے عبید اللہ بن سعید نے اس سے ابو اسامہ نے اس سے مسعر بن کدام نے بیان کیا عبد اللہ بن مسعود کے پوتے معن بن عبد الرحمن سے روایت کر کے کہ میں نے اپنے والد عبد الرحمن سے سنا اس نے بتایا کہ میں نے مسروق سے پوچھا کہ جس رات جنات نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن سنا تھا تو رسول اللہ ﷺ کو جنات کے متعلق کس نے مطلع کیا تھا۔ مسروق نے کہا مجھ سے تیرے باپ عبد اللہ بن مسعود نے بیان کیا تھا کہ آپ کو ایک درخت نے ان کی اطلاع دی تھی.....

معن بن عبد الرحمن قاضی کوفہ کو ثقہ بتایا گیا ہے۔ صحیح بخاری میں اس کی روایت کردہ صرف یہ ہی حدیث مذکور ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تصریح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحی نے رسول اللہ ﷺ کو مطلع کیا تھا کہ جنات کے ایک گروہ نے بڑی توجہ کے ساتھ قرآن سنا ہے۔

پھر وحی حق نے ہی آپ کو بتایا کہ اس گروہ نے جا کر اپنی قوم سے یہ کہا۔ اس کا ذکر سورۃ الجن کے پہلے رکوع میں اور سورۃ الاحقاف کے چوتھے رکوع میں ہے۔ عبد اللہ بن

مسعود کے بیٹے عبدالرحمن کو سورۃ الجن کی ابتدائی آیت سے ذہول ہو گیا۔ یعنی ذہن اس کی طرف نہیں گیا ورنہ مسروق سے اس کے متعلق پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔ مسروق نے جواب میں عبداللہ بن مسعود کے حوالہ سے یہ بے پرکی اڑائی کہ ایک درخت نے رسول اللہ ﷺ کو ان جنات سے مطلع کیا تھا۔

مسروق سے مراد مسروق بن اجدع ثقہ اور نیک و صالح تابعی نہیں ہیں جو حضرت عبداللہ بن مسعود کے رشید تلامذہ میں سے تھے۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس سے مراد مسروق بن اوس تمیمی ربوئی ہے جس نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کچھ حدیثیں روایت کی ہیں وہ اہل علم میں شمار نہ ہوتا تھا اور مجہول الحال شخص تھا۔

اور میں سمجھتا ہوں کہ اس باب میں قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن لا کر امام بخاری نے مسروق والی اس روایت کے باطل ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ عبدالرحمن بن عبداللہ نے مسروق سے جو پوچھا تھا تو اس کی میں نے یہ توجیہ کر دی کہ عبدالرحمن کے ذہن میں اللہ کا ارشاد نہ آیا تھا لیکن اس کے راویوں یعنی معن بن عبدالرحمن پھر مسعر بن کدام پھر ابواسامہ پھر ابو قتادہ سرحسی کے اس کو روایت کرنے کی کیا توجیہ کی جائے؟ بجز اس کے کہ یہ روایات کے چکر میں پھنسے ہوئے لوگ قرآن سے غافل تھے۔

(۳۸) حضرت عبداللہ بن عمر کی طرف منسوب ایک غلط قصہ جس میں یا جلیح امر نجیح مذکور ہے

امام بخاریؒ نے کہا ہے:

حدثنا يحيى بن سليمان قال حدثني ابن وهب قال حدثني عمر (هو ابن محمد بن زيد بن عبد الله بن عمر) ان سالما حدثه عن عبد الله بن عمر قال ما سمعت عمر لشئ قط يقول اني لاطنه كذا الا كان كما يظن. بينما عمر جالس اذ مر به رجل جميل. فقال عمر لقد اخطأ ظني او ان

هذا على دينه في الجاهلية او لقد كان كاهنهم. على بالرجل فدعى له فقال له ذلك فقال ما رايتُ كاليوم استقبل به رجل مسلم. قال قاني اعزم عليك. الا ما اخبرتنى قال كنت كاهنهم في الجاهلية. قال فما اعجب ما جاءتك به جنيتك. قال بينا انا يوما في السوق جاء تني اعرف فيها الفزع فقالت الم تر الجن وابلاسها وبأسها من بعد انكاسها ولحوقها بالقلاص وأخلاصها - قال عمر صدق بينما انا نائم عند الهتهم اذ جاء رجل بعجل فذبحه فصرخ به صارخ لم اسمع صارخا قط اشد صوتا منه يقول يا جليح امر نجيح رجل فصيح يقول لا اله الا انت فقامت فما نشنا ان قيل هذا نبى (صحيح بخارى ص ۵۴۶ كتاب

المناقب باب اسلام عمر بن الخطاب)

ہم سے یحییٰ بن سلیمان بکفی نے بیان کیا کہ مجھ سے عبداللہ بن وہب نے بیان کیا کہ مجھ سے عمر بن محمد نے بیان کیا کہ اُس سے (اس کے دادازید کے بھائی) سالم نے بیان کیا۔ اس نے اپنے والد عبداللہ بن عمر سے روایت کی۔ عبداللہ نے کہا میں نے جس چیز کے متعلق حضرت عمر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں اسے ایسا خیال کرتا ہوں۔ تو وہ چیز ویسی ہی ثابت ہوئی۔

اس دوران میں کہ حضرت عمر بیٹھے ہوئے تھے اچانک ان کے پاس سے ایک خوبرو شخص گزرا۔ اسے دیکھ کر فرمایا میرے گمان نے غلطی کی ہے یا تو یہ اسی مذہب پر ہے جو جاہلیت میں اس کا مذہب تھا یا یہ اپنی قوم کا کاہن تھا۔ اس شخص کو میرے پاس لاؤ۔ اُسے پکارا گیا کہ تجھے امیر المؤمنین طلب فرما رہے ہیں۔ اس سے بھی حضرت عمر نے یہ ہی بات کہی کہ میرے خیال میں تو اپنے سابق مذہب پر ہے ہنوز مسلمان نہیں ہوا۔ اور اگر تو مسلمان ہے تو کفر کے زمانے میں تو اپنی قوم کا کاہن تھا۔ وہ بولا آج کی طرح میں نے کوئی دن نہیں دیکھا ایک مسلمان آدمی سے کیسی بات کی جا رہی ہے حضرت عمر نے نرمی سے کہا میں تجھے قسم دیکر پوچھتا ہوں سچ سچ بتا۔ تب اس نے اقرار کرتے ہوئے کہا میں جاہلیت میں اُن کا کاہن تھا۔ حضرت عمر نے کہا تو جنات میں سے جو عورت تیری دوست تھی اس نے

سب سے زیادہ عجیب بات۔ تجھے کیا بتائی تھی۔ ہوا میں ایک روز بازار میں تھا اچانک وہ آگئی گھبرائی گھبرائی سی لگی۔ پس اس نے یہ تین مصرع کہے۔

(اول) کیا تو نے جنوں اور اُن کی ناامیدی کو نہیں دیکھا

(ثانی) اور اوندھا کر دینے کے بعد اُن کی مایوسی کو۔ یعنی پہلے تو جنات انسانوں کو الٹی سیدھی باتیں بتا کر اوندھا کرتے رہتے تھے اور اب اپنے اس عمل کو جاری رکھنے سے مایوس ہو چکے ہیں۔ یعنی پہلے تو انہیں کوئی آسمانی خبر معلوم ہو جایا کرتی تھی۔ اب اس جہت سے قطعاً مایوس ہو چکے ہیں۔

(ثالث) اور کیا تو نے نہیں دیکھا جنات کے سفر کرنے والی اونٹنیوں اور ان کے ٹائوں سے جا ملنے کو۔ یعنی جہاں جنات کے استھان تھے وہاں سے اپنا بوریا بستر لپیٹ کر بھاگ رہے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا اس شخص نے سچ کہا۔ واقعی اس نے جن عورت سے جو اس کی یار تھی ایسا ہی سنا ہوگا۔ میں مشرکین کے معبودوں کے پاس یعنی بتخانہ میں سویا ہوا تھا کہ ایک آدمی ایک پتھر اُلے کر آیا۔ اُسے بتوں کے نام پر قربان کیا تو ایک چیخنے والے نے اس سے چیخ کر کہا۔ حضرت عمر کا بیان ہے کہ اس سے زیادہ بھاری آواز میں نے کسی چیخنے والے کی کبھی نہیں سنی۔ وہ کہہ رہا تھا اے جلیح ایک فیروز مند معاملہ ہے۔ ایک صاف صاف بولنے والا کہہ رہا ہے کہ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ عمر کہتے ہیں یہ سن کر میں اٹھ کھڑا ہوا پس زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق کہا گیا کہ یہ نبی ہیں۔ یعنی آپ کی نبوت کا چرچا ہو گیا۔

جلیح لغت میں وہ شخص ہے جس کی کینٹی پر دونوں طرف بال کھلے ہوئے ہوں۔ باب سمع سے آتا ہے جَلِیح الرجل انحسر شعره عن جانبی راسه (المعجم الوسيط)

امام بخاری نے یہ بکواس۔ حُجی بن سلیمان جعفی سے سنی تھی جس کے متعلق نسائی نے کہا ہے ”لیس بشقة۔ اور عقیلی نے کہا ہے لہ احادیثہ مناکیر (تہذیب التہذیب)

میں کہتا ہوں کہ یہ بکواس جو اُس نے امام بخاری کو سنائی تھی اور بخاری نے اسے حدیث..... صحیح حدیث۔ گمان کر کے بیان فرمادی ہے عبداللہ بن وہب کی روایت کی ہوئی نہیں ہے۔ یحییٰ بن سلیمان نے حدیثی ابن وہب کہہ کر غلط بیانی اور ابن وہب پر افترا پردازی کی تھی۔ یہ تو ابو جعفر باقر اور محمد بن کعب قرظی کی مرسل اور بے سرو پا روایت ہے۔ دونوں کی روایت میں اُس شخص کا جس نے حضرت عمر کے سامنے اقرار کیا تھا کہ زمانہ جاہلیت میں وہ اپنی قوم کا کاہن تھا۔ سواد بن قارب سدوسی نام بتایا ہے۔ یحییٰ بن سلیمان جعفی نے باقر اور قرظی کا ذکر کیا ہوا قصہ لے کر اس میں کچھ ذکر و حذف کا تصرف کر کے اس کے لیے یہ اسناد گھڑ دی۔ ابن وہب عن عمر بن محمد عن سالم عن ابن عمر اور اس کذاب کی دیدہ دلیری دیکھئے کہ عن کی بجائے اسناد مذکور میں ہر شخص کے لیے صیغہ تحدیث استعمال کر ڈالا۔ شاید بخاری نے اسی طرز بیان سے دھوکا کھا کر اسے متصل السند اور صحیح گمان کر لیا۔ اس شخص نے ایک تصرف تو یہ کیا کہ جدیہ عورت کے رجز کے تین مصرعے بیان کیے۔

پہلا مصرع الم تر الجن وابلاسها وزن سے بھی ساقط ہے اور اس میں ابلاسها منصوب ہے اور دوسرا مصرع ویاسها من بعد انکاسها۔ تیسرا ولحقها بالقلاص و احلاسها ہے۔ ان دونوں کا لفظ آخر مجرور ہے۔ اور تیسرا مصرع بھی وزن و بحر سے ساقط ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ یحییٰ بن سلیمان کو نظم و نثر کی تمیز نہ تھی۔ حالانکہ ابو جعفر باقر اور محمد بن کعب قرظی کی مرسل روایت میں یہ تینوں مصرعے اس طرح ہیں:

عجبت للجن وابلاسها

ویاسها من بعد انکاسها

ورحلها العیس یا احلاسها

یہ تینوں مصرعے با وزن اور صحیح القافیہ ہیں۔ دوسرا تصرف اس کذاب نے یہ کیا کہ مرسل روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے سواد بن قارب سے کہا اخبرنی عن بعض ما رأیت فقال انی ذات لیلة بواد اذ سمعت صائحا یقول یا جلیح خبرنجیح رجل فصیح یقول لا اله الا الله۔ یعنی مرسل روایت کے مطابق یا جلیح

الح سننے والا سواد بن قارب ہے اس نے حضرت عمر کو اپنا یہ قصہ سنایا تھا۔ لیکن یحییٰ بن سلیمان جعفی نے اسے خود حضرت عمر کی طرف منسوب کر دیا ہے کہ وہ بتخانے میں سوئے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے آکر ساتھ لایا ہوا پتھر اذبح کیا تب یہ آواز آئی اسے عمر نے سنا۔ تیسرا تصرف یہ کہ مرسل روایت میں تو لا الہ الا اللہ ہے اور اس شخص نے لا الہ الا انت کہہ دیا ہے اور یہ نہیں بتایا کہ انت ضمیر کا مخاطب کون ہے۔

باقر و قرظی کی مرسل روایت میں ان تین مصرعوں کے بعد یہ اضافہ ہے۔

تھوی الی مکة تبغی الھدی

مامؤمنوھا مثل ارجاسھا

فاسم الی الصفوة من ہاشم

واسم لعینیک الی راسھا

اور یہ کہ سواد بن قارب نے تین رات لگا تار کہنے والے جن سے یہ اشعار سنے۔ ان اشعار کے بعد وہ سواد بن قارب سے کہتا تھا۔

قد بعث محمد

فانھض الیہ ترشد

سواد کا بیان ہے کہ یہ سن کر میں کا اپنے لگا حتیٰ کہ گر گیا۔ صبح ہوئی تو مکہ مکرمہ کی طرف کوچ کیا۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ آپ ہجرت فرما کر یثرب جا چکے ہیں۔ تب وہ مدینہ آیا اور خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یہ شعر پڑھے:

اتانی زئی بعد لیل وہجعة

ولم یک فی ماقد بلوت بکاذب

ثلاث لیل قولہ کل لیلۃ

اتاک نبی من لؤئی بن غالب

فکن لی شفیعاً یوم لاذو شفاعة

سواک بمغن عن سواد بن قارب

حضرت عمر نے یہ سن کر سواد بن قارب کو چمٹا لیا اور فرمایا کہ میں تمہاری زبانی یہ قصہ تم سے سنا چاہتا تھا..... فی الواقع یہ قصہ واعظین کا گھڑا ہوا ہے۔ سواد بن قارب ایک فرضی شخص ہے جسے ان لوگوں نے صحبت نبوی کا شرف عطا کر دیا ہے۔ یحییٰ بن سلیمان جعفی واقف تھا کہ محدثین مرسل روایت کو ضعیف و غیر معتبر قرار دیتے ہیں۔

اس نے محدثین کو دھوکا دینے کے لیے اس قصہ میں التماسیدھا تصرف اور سواد بن قارب کا نام حذف کر کے اپنی دانست میں اس کے لئے قابل قبول سند وضع کر کے بخاری سے بیان کر دی۔ ممکن ہے محمد بن اسماعیل بخاری کے علاوہ دیگر طالبان حدیث سے بھی اس نے اسے بیان کیا ہو لیکن ہمارے علم میں بخاری کے علاوہ اور کسی نے اس کی روایت نہیں کی کاش امام بخاری اسے درج صحیح نہ فرماتے۔

(۳۹) ابوطالب سے تخفیف عذاب کے متعلق دو متعارض حدیثیں

ایک حدیث حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور ایک حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے۔

﴿حدیث عباس﴾ عبد الملک بن عمیر کا بیان ہے کہ ہم سے عبد اللہ بن حارث بہ نے بیان کیا کہ ہم سے عباس بن عبد المطلب نے بیان کیا کہ میں نے نبی ﷺ سے کہا ما اغنیٰ عن عمک فانه کان بحوطک وبغضب لک؟ قال هو فی ضحضاج من نار ولولا انا لکان فی الدرك الاسفل من النار (صحیح بخاری ص ۵۴۸ کتاب المناقب ص ۹۱۷ کتاب الادب ص ۹۷۲ کتاب الرقاق، آخر باب صفة الجنة والنار، مسند احمد ۱ ص ۲۰۶ و ص ۲۰۶، صحیح مسلم ۱ او آخر کتاب الایمان)

آپ نے اپنے تایا ابوطالب کو کیا فائدہ پہنچایا وہ دشمنوں سے آپ کی حفاظت کرتا اور آپ کی خاطر غضبناک ہوتا تھا۔ فرمایا وہ آتش جہنم کے ایک چشمہ میں ہے۔ اور میں نہ ہوتا تو وہ آتش جہنم کے نچلے طبقے میں ہوتا۔

عبدالملک بن عمیر سے یہ حدیث سفیان ثوری وابوعوانہ وسفیان بن عیینہ نے روایت کی ہے۔ متقارب الفاظ کے ساتھ۔ وضاحت کی خاطر ابن عیینہ کی روایت کے الفاظ بھی نقل کیے دیتا ہوں۔

قلت یا رسول اللہ ان ابی طالب کان یحوطک وینصرک فہل نفعہ ذلک؟ قال نعم وجدلته فی غمرات من النار فاخرجته الی ضحضاح (صحیح مسلم) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ابوطالب آپ کی حفاظت اور مدد کرتا تھا تو اس بات نے اسے مرنے کے بعد کوئی فائدہ پہنچایا ہے آپ نے فرمایا میں نے اسے آتش جہنم کی سختیوں میں (یا بھنور میں) پایا تو میں اسے ایک چشمہ کی طرف نکال لایا۔ مطلب یہ کہ وہ سخت عذاب میں اور سر سے پاؤں تک آگ کی لپیٹ میں تھا میں نے دعائے تخفیف کی تو فرشتوں نے اللہ کے حکم سے آگ کے بھنور سے نکال کر ضحضاح میں رکھ دیا جس کی آگ میں اس کے بس قدم ہی قدم ہیں۔ قدم سے اوپر سر تک کا حصہ آگ سے بچا ہوا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عباس کے پوچھنے سے پہلے ہی ابوطالب کے حق میں یہ تخفیف ہو چکی تھی کہ آتش جہنم کے گردابوں سے نکال کر اسے آگ کے ایک چشمہ میں رکھ دیا گیا۔ یہ تخفیف اُس حمایت کی وجہ سے تھی جو رسول اللہ ﷺ کے لئے اس کی جہت سے کفار مکہ کے مقابلہ میں نمایاں ہوئی تھی۔ یہ حمایت نہ ہوتی تو وہ بدترین عذاب جہنم کا سزاوار تھا اس لئے کہ اس نے ذرا بھی عقل سے کام نہیں لیا اور آخر وقت تک اُس شریف و کریم بھتیجے کی بات مان کر نہ دی جو اس کا سب سے بڑا خیر خواہ تھا جس نے نوجوانی میں بکریاں چرا کر اُس کی اور اس کے اہل و عیال کی کفالت کی تھی اور جس نے شادی سے قبل دو بار تجارتی سفر کر کے جو نفع عظیم کمایا تھا سب چچا ابوطالب کے حوالہ کر دیا تھا۔ جس نے نادہ کی بعد اپنی بیوی خدیجہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بے شمار دولت ابوطالب اور اس

کے اہل و عیال پر بھی بے دریغ صرف کی تھی یقیناً ان دنیوی احسانات کے مقابلہ میں ابوطالب کی حمایت چنداں وزن دار نہ تھی پھر بھی حق تعالیٰ نے اس حمایت کے طفیل میں اسے جہنم کے درکِ اسفل کے حوالہ نہیں کیا جس کا وہ فی نفسہ مستحق تھا۔

﴿حدیث ابوسعید خدری﴾ ان سے عبد اللہ بن خطاب نے جو انصار میں سے خاندان بنی نجار کا آزاد کردہ تھا۔ اس سے یزید بن عبد اللہ بن الہاد نے روایت کی ہے۔ انہ سمع النبی ﷺ وذكر عنده عمه ابو طالب فقال لعله تنفعه شفاعتي يوم القيامة فيجعل في ضحضاح من النار يبلغ كعبه يغلي منه دماغه (صحیح بخاری ص ۵۴۸ کتاب المناقب)

ابوسعید خدری نے نبی ﷺ سے سنا حال یہ تھا کہ آپ کی مجلس میں آپ کے تایا ابوطالب (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد) کا ذکر ہو رہا تھا تو آپ نے فرمایا اسید ہے کہ قیامت کے دن میری شفاعت اسے نفع دے تو آگ کے ایک پایاب چشمے میں کر دیا جائے اس کی آگ ٹخنوں تک پہنچے گی اس کی وجہ سے اس کا دماغ کھولے گا۔

کتاب الرقاق میں بخاری نے اس حدیث کی ابراہیم بن حمزہ سے روایت کی ہے۔ اس میں ہے يغلي منه ام دماغه۔ (صحیح بخاری ص ۹۷۱ باب صفة الجنة والنار حدیث ۱۵)

اس میں ابراہیم بن حمزہ بخاری کے استاد نے ام دماغه غلط کہہ دیا ہے ام الدماغ کوئی چیز نہیں ہے۔ ام داسہ کہتا تو ٹھیک تھا ام الراس دماغ کو ہی کہتے ہیں صحیح مسلم اور مسند احمد میں بھی یہ حدیث ہے۔ اس حدیث کی جملہ روایات میں يغلي منه دماغه ہے۔ (مسند احمد ص ۵۰ و ص ۵۵)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ابوطالب کے حق میں نبی کریم ﷺ کی یہ شفاعت قیامت کے دن ہوگی تب ہی وہ ضحضاح من النار میں رکھا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ ابوسعید خدری کی یہ حدیث حدیث عباس سے کھلا ہوا تعارض رکھتی ہے۔ نہ ترجیح کی کوئی صورت ہے نہ تطبیق کی لہذا بقاعدہ اذا تعارضا تساقطا ماننا پڑے گا کہ نہ وہ حدیث صحیح ہے نہ یہ۔

درایت کا فیصلہ یہ ہے کہ جب حضور اکرمؐ جانتے تھے کہ ابوطالب کا انتقال کا فر ہونے کی حالت میں ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرما دیا تھا ما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولیٰ قریبی من بعد ما تبین لهم انهم اصحاب الجحیم۔ تو ممکن نہ تھا کہ آپ ابوطالب کے حق میں کُلی یا جزوی دعائے مغفرت فرمائیں۔ اس آیت کے نزول کے بعد آپ نے کسی بھی مشرک رشتہ دار کے حق میں دعائے مغفرت نہیں فرمائی نہ آخرت میں فرمائیں گے۔

(۴۰) وما جعلنا الرؤیا التي اريناك الا فتنه للناس کی تفسیر جو عکرمہ نے ابن عباس کی طرف منسوب کی ہے

قال هی رؤیا عین اریہا رسول اللہ ﷺ لیلۃ أُسری بہ الی بیت المقدس (صحیح بخاری ص ۵۵۰ کتاب المناقب باب المعراج و ص ۲۸۶ کتاب التفسیر و ص ۹۷۸ کتاب القدر)

امام بخاری نے ۳ جگہ اسے نقل کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جو ارشاد ہے وما جعلنا الرؤیا التي اريناك الا فتنه للناس (اور اے نبی! ہم نے تجھے جو خواب دکھایا ہے اسے ہم نے لوگوں کے لیے ایک آزمائش کی چیز بنا دیا ہے) تو عکرمہ کا بیان ہے کہ ابن عباس نے کہا ہے کہ اس آیت میں الرؤیا سے مراد آنکھ کی رؤیا ہے جو رسول اللہ کو اس رات دکھائی گئی تھی جس رات کہ آپ کو مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا تھا رؤیا عربی زبان میں خواب کو کہتے ہیں یعنی سونے کی حالت میں انسان کو جو نظر آتا ہے۔ اور دنیا میں ہر مرد اور ہر عورت کا خواب رؤیا عین ہی ہوتا ہے یعنی وہ جو کچھ دیکھتا ہے اپنی آنکھوں سے ہی دیکھتا ہے گردن یا گھٹنے یا کہنی وغیرہ سے نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے جایا گیا تو کیا آپ وہاں جا کر سو گئے تھے اور سونے کی حالت میں وہاں آپ نے کوئی خواب دیکھا تھا؟ یقیناً اس کا جواب نفی میں

ہے۔ پھر عبد اللہ بن عباس یہ فضول و بے معنی بات کیسے کہہ سکتے تھے جو عکرمہ نے ان کی طرف منسوب کی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ آیت وما جعلنا الرؤیا التي اريناك سورة بنی اسرائیل کے چھٹے رکوع میں ہے۔ اور نہ اس سے پہلی آیات میں اسراء یا معراج کا کوئی ذکر ہے نہ بعد کی آیات میں ہے ختم سورت تک۔ صرف اس سورت کی پہلی آیت میں ہے سبحان الذی اسرى بعبدہ لیلاً۔ لا یہ تو اس آیت میں الرؤیا کو واقعہ اسراء و معراج سے متعلق کرنے کی کوئی تک نہیں ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ابن عباس نے یہ فضول و بے معنی بات نہ کہی ہوگی۔ خود عکرمہ کی کہی ہوئی بات ہے۔ ابن عباس کا نام اسے رائج کرنے اور لوگوں میں پھیلانے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ اس آیت میں الرؤیا خواب ہی کے معنی میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خواب میں وہ سرزمین دکھائی تھی جہاں آپ کو اور مؤمنین کو مکہ سے ہجرت کر کے جانا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا اريت دار هجرة تكم بين لابتيں ارضا ذات نخل وزروع. او كما قال.

صحیح بخاری میں یہ حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے (كتاب المناقب باب هجرة النبي ﷺ واصحابه الى المدينة۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے اس خواب کا ذکر فرمایا۔ اسے سن کر ان کی ڈھارس بندھی کہ عنقریب ہمیں مکہ کے ظالموں سے نجات مل جائے گی۔ کفار کو اس کا علم ہوا تو انہیں دل لگی کا نیا شگوفہ مل گیا کہ دیکھو محمد نے کیا بے پرکی اڑائی ہے۔ کس طرح اپنے اصحاب کو اُلو بنا رہے ہیں۔ جزیرہ عرب میں کون قبیلہ اور کونسی بستی ہے جو ان بیوقوفوں کو پناہ دیکر ہم سے دشمنی مول لینے کی جرأت کر سکے۔

(۴۱) الذین جعلوا القرآن عِضِّین کی تفسیر بروایت

سعید بن جبیر

سعید بن جبیر سے مروی ہے عن ابن عباس قال ہم اهل الكتاب جزء وہ اجزاء فامنوا ببعضه وکفروا ببعضه (صحیح بخاری ص ۵۶۲، کتاب المناقب باب اتیان اليهود النبی ﷺ حين قدم المدينة (حدیث ۵)

سعید بن جبیر نے کہا کہ عبد اللہ بن عباس نے کہا کہ الذین جعلوا القرآن عِضِّین سے مراد اہل کتاب ہیں۔ انہوں نے قرآن کے حصے کر دیے بعض حصوں پر ایمان لائے اور بعض کو ماننے سے انکار کر دیا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ تفسیر صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ آیت سورۃ الحجر کے چھٹے رکوع میں ہے اور اس سے پہلی اور بعد کی آیات میں اہل کتاب کا کوئی ذکر نہیں سورۃ الحجر مکیہ ہے۔ ہجرت حبشہ سے بھی بہت پہلے نازل ہوئی تھی۔

پوری آیت یہ ہے کَمَا أَنزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِّينَ۔ مُقْتَسِمِينَ کے معنی ہیں اپنا اپنا حصہ پانے والے۔ اور القرآن اس میں علمی معنی میں نہیں ہے یعنی اس سے مراد قرآن مجید نہیں ہے بلکہ لغوی معنی میں ہے۔ یعنی وہ کتاب جو پڑھنے اور سیکھنے کے لائق ہو۔ اور عِضِّینَ عِضَّة کی جمع ہے بمعنی کذب و باطل عِضِّینَ نصبی حالت میں جمع سالم ہے۔ رفعی حالت میں عضون ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لائے تھے اور آپ پر نازل ہونے والے قرآن کو جھوٹ اور باطل قرار دے رہے تھے اُن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ اس لائق ہیں کہ ہم ان پر عذاب بھیجیں جیسا کہ ہم پچھلی امتوں پر عذاب نازل کر چکے ہیں۔ جنہوں نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا اور پڑھنے کے لائق چیز کو جس پر نبی وقت نے کار بند ہونے اور جسے پڑھنے اور یاد کرنے کی نصیحت کی تھی جھوٹی اور غلط باتوں کا مجموعہ قرار دیا تھا۔

(۴۲) لا یتوی القاعدون من المؤمنین

غیر اولی الضرر والمجاهدون فی سبیل اللہ باموالہم وانفسہم کی تفسیر میں مقسم مولائے عبداللہ بن حارث کی حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت

ابن جریج کا بیان ہے کہ مجھے عبدالکریم جزری نے خبر دی کہ عبداللہ بن حارث کے آزاد کردہ غلام مقسم نے بیان کیا کہ عبداللہ بن عباس نے اس آیت کے متعلق کہا لا یتوی القاعدون من المؤمنین عن بدر والخارجون الی بدر (صحیح بخاری ص ۵۶۴ کتاب المغازی غزوہ بدر و ص ۶۶۱ کتاب التفسیر۔ سورۃ النساء)

یعنی ابن عباس نے بتایا کہ یہ آیت غزوہ بدر میں شریک ہونے اور شریک نہ ہونے والے مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس نے بتایا کہ شریک ہونے والے نہ شریک ہونے والوں سے بدر جہا فائق و برتر ہیں۔ بخاری نے اس حدیث پر اعتماد کیا اور اسے صحیح قرار دیا ہے اور دو جگہ اسے ثبت کیا ہے۔ حالانکہ اس کا راوی مقسم ضعیف ہے۔ اہل علم نے اس کے متعلق کہا ہے روی عن ابن عباس مالا یتابع علیہ۔ اُس کی یہ روایت اس کے ضعیف اور کم عقل و کم فہم ہونے کی واضح دلیل ہے اس لیے کہ اس آیت میں نہ کوئی اجمال ہے نہ کچھ ابہام۔ اس کا معنی و مطلب بالکل واضح ہے۔ مقصود اس سے اہل ایمان کو جہاد کی ترغیب دینا ہے۔ یہ آیت اطلاق کے ساتھ بتاتی ہے کہ وہ مؤمن جو جان و مال کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرے اُس مؤمن سے بدر جہا افضل ہے جو معذور نہ ہونے کے باوجود جہاد نہ کرے۔ پس جو بات اللہ تعالیٰ نے اطلاق کے ساتھ ذکر فرمائی ہے ابن عباس ایسے کم فہم یا کج فہم نہ تھے کہ خواہ مخواہ اور بلا وجہ اس کی تخصیص و تقيید کر دیتے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ابن عباس نے غزوہ بدر کا بطور مثال ذکر کیا ہو جیسے ہم قاعدہ کلیہ الفاعل مرفوع کی مثال میں کہہ دیں کہ جاء زید میں زید فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ابن عباس نے یہ کہا ہو کہ بحکم لا یتوی القاعدون من المؤمنین غیر اولی

الضرر والمجاهدون الخ. مؤمن مجاہد اس مؤمن سے بدرجہا افضل ہے جو غیر معذور ہونے کے باوجود جہاد نہ کرے۔ چنانچہ جو تقریباً ۳۱۳ مؤمنین غزوہ بدر میں شریک ہوئے وہ ان مؤمنین سے بدرجہا افضل ہیں جو اس وقت مدینہ میں ہی تھے اور غزوہ بدر میں شریک نہ ہوئے۔ مقسم نے کم عقلی کی بنا پر یہ سمجھ لیا کہ ابن عباس اس آیت کو غزوہ بدر سے متعلق نازل شدہ بتا رہے ہیں کہ اس میں القاعدون سے مراد وہ مؤمنین ہیں جنہوں نے بدر کے معرکہ میں حصہ نہیں لیا۔ اور المجاہدون سے مراد غازیان بدر ہیں۔ پس مقسم کی یہ روایت اس کی غلط فہمی کا نتیجہ تھی اور صحیح بخاری میں جگہ پانے کے لائق نہ تھی۔

(۴۳) ایاس بن بکیر رضی اللہ عنہ کے بدری صحابی ہونے کی دلیل میں بخاری کی ذکر کی ہوئی ایک روایت جو حل نہ ہونے والی چیتاں ہے

امام بخاری نے کہا ہے:

وقال الليث حدثني يونس عن ابن شهاب فقال اخبرني محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان مولى بنى عامر بن لؤى ان محمد بن اياس بن البكير وكان ابوه قد شهد بدرا اخبره (ص ۵۶۹ غزوہ بدر)

لیث نے کہا کہ مجھ سے یونس بن یزید الملی نے بیان کیا ابن شہاب زہری سے روایت کر کے۔ یونس کہتے ہیں حال یہ تھا کہ ہم نے زہری سے پوچھا تھا تو زہری نے کہا مجھے محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان نے خبر دی جو خاندان بنی عامر بن لؤی کا آزاد کردہ تھا کہ ایاس بن بکیر کے فرزند نے اسے خبر دی۔ اور یہ ایاس بکیر بدر میں شریک ہوئے تھے۔

اس کے بعد بخاری نے کچھ ذکر نہیں کیا۔ نہ یہاں نہ کسی دوسری جگہ بخاری کے علاوہ دیگر محدثین نے بھی میرے علم میں اس اسناد کے ساتھ کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ اس

سے اتنا تو معلوم ہوا کہ ایاس بن بکیر بدری صحابی تھے۔ یونس نے زہری کیا پوچھا تھا اور محمد بن ایاس بن بکیر نے محمد بن عبدالرحمن بن ثوبان کو کیا بتایا تھا؟ یہ سب پردہ خفا میں ہے۔ اللہ ہی جانے کہ بخاری نے اسناد مذکور کا متن کیوں بیان نہیں کیا۔ اسی لیے میں نے اسے حل نہ ہونے والی چیتاں کہا ہے۔

(۴۴) حضرت جبریل علیہ السلام کے متعلق عکرمہ کی حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت

بخاری نے کہا ہے:

حدثني ابراهيم بن موسى قال اخبرنا عبد الوهاب ثنا خالد عن عكرمة
عن ابن عباس ان النبي ﷺ قال يوم بدر هذا جبرئيل اخذ براس فرسه
عليه اداة الحرب (صحيح بخاری ص ۵۷۰ غزوة بدر باب شهود
الملائكة بدرا)

عکرمہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے مسلمانوں سے بدر کے دن فرمایا یہ جبریل ہیں اپنے گھوڑے کا سر تھامے ہوئے ان کے جسم پر جنگ کا سامان ہے یعنی زرہ بکتر اور ہتھیار۔ مگر غضب یہ ہے کہ بعینہ اسی اسناد و متن کے ساتھ بخاری نے غزوہ احد میں بھی یہ حدیث ذکر کی ہے وہاں یوم بدر کی جگہ اس حدیث میں یوم احد کہا ہے۔ (صحیح بخاری ص ۵۷۸)

یہ حدیث بخاری کے افراد میں سے ہے یعنی بخاری کے علاوہ اور کسی محدث نے اس کی تخریج نہیں کی اور ابراہیم بن موسیٰ سے صرف بخاری نے ہی اس کی روایت کی ہے۔ اب یہ فیصلہ کرنے کی کوئی صورت نہیں کہ اس حدیث میں یوم بدر صحیح ہے یا یوم احد۔

تعب ہے کہ بخاری کو عمر بھر اس غلطی کا احساس نہیں ہوا نہ ان کے تلامذہ میں سے کسی تلمیذ نے ان سے اس کے متعلق پوچھا۔ کیونکہ محدثین عموماً گونگے بہرے ہوتے تھے۔ ان

سیدھا جو شیخ نے بیان کیا تلامذہ نے یاد کر لیا اور لکھ لیا اور اس کی روایت کر ڈالی۔ الغرض اس ناقابل حل اضطراب و اختلاف کی وجہ سے یہ حدیث صحت سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ یہ اختلاف نہ ہوتا تب بھی یہ ابن عباس کی مرسل روایت ہی تھی کیونکہ وہ نہ غزوہ احد میں موجود تھے نہ غزوہ بدر میں۔ مکہ میں والدین کے پاس کم سن بچہ تھے۔

(۴۵) سورۃ الفتح کی ابتدائی آیتوں کے متعلق عکرمہ کی روایت جو قتادہ کی غلطی کے باعث حضرت انس کی طرف منسوب ہو گئی ہے

ترمذی نے معمر بن راشد کے طریق سے روایت کی ہے:

عن قتادة عن انس قال انزلت على النبي ﷺ ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر مرجعه من الحديبية فقال النبي ﷺ لقد انزلت على اية هي احب الي مما على الارض ثم قرأها النبي ﷺ فقالوا هنيئا مرينا يا رسول الله لقد بين الله لك ما يفعل بك فماذا يفعل بنا؟ فنزلت عليه ليدخل المؤمنين والمؤمنات جنت تجري من تحتها الانهار. حتى بلغ فوزاً عظيماً. (سنن الترمذی، ابواب التفسير سورة الفتح)

ترمذی نے اسے حسن صحیح بتایا ہے۔

یعنی قتادہ نے حضرت انس کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حدیبیہ سے واپس ہو رہے تھے تو آپ پر یہ آیت اتری۔ انا فتحنا لک فتحاً مبیناً (بے شک اے نبی ہم نے تیرے لئے کھلی ہوئی فتح نمودار کر دی ہے۔ فتح کے معنی میں کھولنا۔ جیت اور موافق فیصلہ کو بھی فتح کہا جاتا ہے۔ حدیبیہ میں مکہ کے مشرکین کی پیش کی ہوئی شرطوں کو قبول فرما کر بحکم حق رسول اللہ ﷺ نے ان سے مصالحت فرمائی اور دس سال تک کے لیے

نا جنگی کا معاہدہ کیا یہ صلح حدیبیہ بڑی مبارک اور آئندہ حاصل ہونے والی عظیم الشان فتوحات کا دیباچہ تھی۔ اسی لئے اسے اللہ تعالیٰ نے فتح مبین کہا ہے۔ لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر تاکہ اللہ تیری خاطر معاف کر دے اُس کو جو وقت سے پہلے ہوا اور اس کو جو وقت سے پیچھے ہوا تیری غلطی کی وجہ سے.....

اس کی وضاحت یہ ہے کہ جنگ بدر میں اللہ کی نصرت نے کفار کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیا تھا۔ مسلمانوں کو چاہئے تھا کہ ان کی اچھی طرح خوں ریزی کر کے بقیۃ السیف کو گرفتار کر کے پیشقدمی کر کے مکہ فتح کر لیتے مگر مسلمانوں نے صرف ستر کافروں کو قتل کیا باقی لوگ شکست کھا کر بھاگے تو ان کا تعاقب نہ کیا بس ستر اشخاص کو پکڑ لینے پر قناعت کی مال غنیمت سمیٹنے میں لگ گئے۔ جو کام بعد میں ہونا چاہئے تھا یعنی مال غنیمت سمیٹنا اور گرفتار کرنا اسے مسلمانوں نے اولیت دیدی۔ ما تقدم سے مراد یہ ہی ہے اور جو کام پہلے ہونا چاہئے یعنی دشمنوں کی اچھی طرح خوں ریزی کر کے ان کی قوت کچل دینا اسے پیچھے ڈال دیا آئندہ کے لیے اٹھا چھوڑا۔ مآخرا سے مراد یہ ہی ہے۔ غزوہ بدر میں یہ غلطی نہ ہوئی ہوتی تو نہ جنگ احد پیش آتی نہ جنگ احزاب اور فتح مکہ میں چھ سال کی تاخیر نہ ہوتی۔ یہ تقدیم و تاخیر کی غلطی مجاہدین سے ہوئی تھی لیکن بحیثیت قائد اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا اور اسے آپ کی غلطی بتایا ہے۔ اور اس کی حکمت کو منظور ہوا کہ صلح حدیبیہ کے ذریعہ اس غلطی کی تلافی ہو جائے۔ پس اس ارشاد میں ذنب سیاسی غلطی کے معنی میں ہے۔ اس سے مراد گناہ یعنی ارتکاب معصیت نہیں ہے۔ کیونکہ رسول پاک ﷺ نے عمر بھر کبھی کسی معصیت کا ارتکاب کیا ہی نہیں نہ ظہور نبوت سے پہلے نہ ظہور نبوت کے بعد۔ جن لوگوں نے اس ارشاد میں ذنب کو بمعنی معصیت لیا ہے انہوں نے غلطی کی ہے کیونکہ اس میں ذنب بمعنی معصیت ہوتا تو وما یتاخر فرمایا جاتا حالانکہ اللہ کے اس قول میں وما تاخر بصیغہ ماضی ہے۔ وینتم نعمتہ علیک اور تا کہ پورا فرمائے اپنی نعمت کو جو تجھ پر مبذول ہو رہی ہے و یتهدیک صراطاً مستقیماً اور تجھے سیدھی راہ چلائے۔ وینصرک اللہ نصراً عزیزاً۔ اور مدد فرمائے تیری باعزت بے مثال مدد۔

قائدہ نے حضرت انس سے روایت کی ہے کہ اس آیت کے نازل پر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا۔ باور کرو مجھ پر ایسی آیت اتری ہے جو زمین پر موجود تمام کائنات سے بڑھ کر مجھے پسند ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ وہ بولے یا رسول اللہ مبارک ہو۔ اللہ نے واضح فرمادیا ہے جو آپ کے ساتھ کیا جائے گا۔ تو ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ اس پر یہ ارشاد نازل ہوا۔

لیدخل المؤمنین والمؤمنات جنت تجری من تحتها الانهار خالدين فيها ويكفر عنهم سيئاتهم وكان ذلك عند الله فوزا عظيما۔ اس ارشاد میں حق تعالیٰ نے اہل ایمان مرد و زن کو ہمیشہ جنت میں رہنے اور ان کی برائیوں کو ان سے زائل کر دینے کی بشارت دی ہے۔

ترمذی نے اسے غلطی سے حسن صحیح بتا دیا ہے۔ اس میں اتنی بات تو صحیح ہے کہ حدیبیہ سے واپسی میں سورۃ الفتح نازل ہوئی۔ لیکن آگے جو کچھ ہے یعنی صحابہ کرام کا اس آیت کو سن کر ہینا مربنا یا رسول اللہ لقد بین اللہ ما یفعل بک فماذا یفعل بنا کہنا۔ ان کے کہنے پر لیدخل المؤمنین الآیۃ اترنا۔ سب غلط اور بے سرو پا ہے۔ کیونکہ اس سے مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اولاً اس سورۃ کی پہلی آیت وینصرک اللہ نصراً عزیزاً نازل ہوئی رسول اللہ ﷺ نے خوش خوش وہ صحابہ کو سنائی۔ ان کے کہنے پر لیدخل المؤمنین کا نزول ہوا۔ حالانکہ لیدخل المؤمنین مستقل آیت نہیں بلکہ آیت کا ٹکڑا ہے۔ جو چاہے مصحف شریف میں دیکھ لے کہ وینصرک اللہ نصراً عزیزاً کے بعد هو الذی انزل السکینۃ فی قلوب المؤمنین لیزدادوا ایماناً مع ایمانہم۔ ولله جنود السموات والارض وکان اللہ علیما حکیماً ہے۔ اس کے بعد لیدخل المؤمنین الآیۃ ہے اور حقیقت یہ ہے اور یہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث میں ہے کہ پوری سورۃ الفتح جو چار رکوعات پر مشتمل ہے حدیبیہ سے واپسی کے دوران میں یکبارگی نازل ہوئی ہے (صحیح بخاری ص ۶۰۰)

اور ترمذی نے حدیث انس کے طور پر جو روایت نقل کی ہے اور اسے حسن صحیح بتا دیا

ہے وہ حضرت انس کی بیان کی ہوئی نہیں ہے۔ اس کا قائل تو عکرمہ ہے چنانچہ امام بخاری نے شعبہ کے طریق سے روایت کی ہے:

عن قتادة عن انس بن مالك انا فتحنا لک فتحا مبينا قال الحديبية قال اصحابه هينا مرينا فما لنا فانزل الله ليدخل المؤمنین والمؤمنات جنات الخ قال شعبة فقدمت الکوفة فحدثت بهذا كله عن قتادة (عن انس) ثم رجعت فذكرت له فقال اما انا فتحنا فعن انس واما هينا مرينا فعن عكرمة.
(صحيح بخاری ۶۰۰ کتاب المغازی، غزوة الحديبية حديث ۳۳)

مطلب یہ ہے کہ قتادہ نے معمر و شعبہ دونوں سے یہ حدیث بیان کی تھی اور اسناد میں عن انس کہا تھا۔ دونوں نے یہ ہی سمجھا کہ پوری حدیث حضرت انس کی بیان کی ہوئی ہے۔ معمر نے بھی اس کی روایت حدیث انس کے طور پر کر دی جس کی تخریج ترمذی نے کی ہے اور شعبہ نے بھی کوفہ پہنچ کر حدیث انس کے طور پر اس کی روایت کر دی پھر جب شعبہ بصرہ واپس پہنچے تو قتادہ سے ذکر کیا کہ آپ سے سنی ہوئی یہ حدیث میں نے کوفہ میں حدیث انس کے طور پر روایت کی ہے تب قتادہ نے بتایا کہ انس سے تو میں نے بس یہ سنا تھا کہ انا فتحنا لک فتحا مبينا میں فتح مبين سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔

رہی یہ بات کہ صحابہ نے آپ سے ہینا مرينا لک یا رسول اللہ۔ هذا لک فمالنا۔ اس پر ليدخل المؤمنین کا نزول ہوا تو یہ مجھے انس سے نہیں بلکہ عکرمہ سے معلوم ہوا تھا۔ یہ ہے صحیح بخاری کی روایت کا مطلب۔ اس سے ثابت ہوا کہ قتادہ نے جب معمر و شعبہ سے شروع میں یہ حدیث بیان کی تھی تو غلطی سے اسناد میں عکرمہ کا ذکر کرنا بھول گئے۔ عن انس کہہ کر اسے بیان کر دیا۔ شعبہ کی اس وضاحت سے ثابت ہو گیا کہ یہ عکرمہ کی اڑائی ہوئی بے پر کی بات ہے۔ حضرت انس کی بیان کی ہوئی حدیث نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آخر قتادہ کی عقل کو کیا ہو گیا تھا۔ اے عکرمہ کی کہی ہوئی یہ بات روایت کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ سچ ہے:

یہ امت روایات میں کھو گئی حقیقت خرافات میں کھو گئی

(۴۶) عبد اللہ بن ثعلبہ بن صغیر کے چہرے پر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پھیرنے کی حدیث

بخاری نے لیث بن سعد کا قول نقل کیا ہے۔ حدیثی یونس عن ابن شہاب قال
اخبرنی عبد اللہ بن ثعلبہ بن صغیر و کان النبی ﷺ قد مسح وجهہ عام الفتح
(ص ۶۱۵)

لیث نے کہا مجھ سے یونس نے بیان کیا ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہوئے کہ
زہری نے کہا کہ مجھے عبد اللہ بن ثعلبہ بن صغیر نے خبر دی اور رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے
سال اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا تھا۔ بخاری نے یہ ذکر نہیں کیا کہ عبد اللہ بن ثعلبہ نے زہری کو
کیا بتایا تھا۔ کس چیز کی خبر دی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس طرح یہ روایت معمایا چیتا بن گئی ہے۔

کوئی بخاری سے پوچھتا کہ اس مہمل روایت کو ذکر کرنے سے فائدہ کیا ہوا؟ کیا یہ
کہ عبد اللہ بن ثعلبہ غزوہ فتح میں شریک تھا؟ نہیں۔ کیونکہ روایت میں یوم الفتح نہیں ہے۔
عام الفتح ہے۔ اور امام احمد و حمیدی نے یونس کے طریق سے تام و با معنی حدیث نقل کی ہے
اس میں عام الفتح نہیں ہے۔

احمد و حمیدی دونوں نے عبد اللہ بن الحارث سے روایت کی ہے عن یونس عن ابن
شہاب قال اخبرنی عبد اللہ بن ثعلبہ و کان رسول اللہ ﷺ مسح وجهہ انہ
رأی سعد بن ابی وقاص یوتر برکعة واحدة لا یزید علیہا حتی یقوم من جوف
اللیل (مسند ۵ ص ۴۳۲) حمیدی کی روایت میں ہے رأیت سعد بن ابی وقاص اذا
صلی العشاء اوتر برکعة (سنن البیہقی ۳ ص ۲۵)

زہری نے کہا مجھے عبد اللہ بن ثعلبہ نے اور اس کے چہرے پر رسول اللہ ﷺ نے
ہاتھ پھیرا تھا۔ بتایا کہ اس نے حضرت سعد کو دیکھا ہے کہ نماز عشاء کے بعد ایک رکعت وتر
پڑھتے تھے۔ اس سے زائد نہیں۔ یہاں تک کہ اندرون شب یعنی آدھی رات کے بعد نماز
تہجد کے لئے اٹھتے پس بخاری نے جو یونس کی روایت کی ہے وہ قاصر و بے معنی ہے۔

پھر کتاب الدعوات میں بھی بخاری نے زہری کی بیان کی ہوئی یہ حدیث ذکر کی ہے
 اُس میں یہ تصور تو نہیں ہے لیکن بخاری سے دوسری فاش غلطی ہو گئی ہے۔ لکھا ہے حدثنا
 ابو الیمان قال اخبرنا شعيب عن الزهري قال اخبرني عبد الله بن ثعلبة
 وكان رسول الله ﷺ قد مسح عنه انه رأى سعد بن ابى وقاص يوتر
 بركة (صحيح البخاری ص ۹۲۰ کتاب الدعوات باب الدعاء للصبيان
 بالبركة ومسح رؤسهم)

اس میں بخاری نے مَسَحَ عَنْهُ ذکر کیا ہے اس کے معنی ہیں ”اس کے چہرہ سے گرد
 وغیرہ صاف کی“ حالانکہ ابو الیمان بخاری کے شیخ نے مَسَحَ عَنْهُ نہیں بلکہ مَسَحَ وَجْهَهُ
 کہا تھا۔ اس لئے کہ امام بخاری کے علاوہ احمد بن حنبل محمد بن یحییٰ اور ابو زرعة نے بھی
 ابو الیمان سے اس کی روایت کی ہے۔

احمد کی روایت میں ہے کہ زہری نے کہا:

حدثني عبد الله بن ثعلبة بن صعيير العذري. قال (الزهري) وكان رسول
 الله ﷺ قد مسح وجهه زمن الفتح انه رأى سعد بن ابى وقاص و كان
 سعد قد شهد بدرا مع رسول الله ﷺ. يوتر بركة واحدة بعد صلاة
 العشاء لا يزيد عليها حتى يقوم من جوف الليل (مسند ۵ ص ۳۲) ذہلی
 اور ابو زرعة کی روایت بھی یہی ہے (فتح الباری ۱۱ ص ۱۳۷) ثابت ہوا کہ
 بخاری نے ”مَسَحَ عَنْ وَجْهَهُ“ غلط کہہ دیا ہے۔

اب یہ سمجھئے کہ زہری نے عبد اللہ بن ثعلبہ کے متعلق یہ جو کہا ہے کہ رسول اللہ نے فتح
 کے سال یا فتح کے زمانہ میں اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا تھا تو یہ زہری کا بے دلیل دعویٰ ہے
 اس کا مطلب ہے کہ بقول زہری عبد اللہ بن ثعلبہ حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں پیدا ہو چکا
 تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ فتح مکہ کے موقع پر اپنے باپ ثعلبہ بن صعیر
 انصاری کے ساتھ تھا کیونکہ کسی مجاہد کو اپنے ساتھ اپنا بچہ لے جانے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔
 اگر یہ ہوا ہے تو ایسے ہوا ہوگا کہ نبی کریم جب فتح مکہ وغزوہ حنین وغزوہ طائف سے فارغ

ہو کر مدینہ واپس آئے تو آپ نے مدینہ میں ثعلبہ کے اس بیٹے کو جس کا نام عبداللہ تھا اور چھوٹا سا بچہ تھا دیکھا تو از روئے شفقت اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

(۴۷) سنین ابو جملہ کے متعلق زہری کی غلط روایت جس کی بخاری نے تخریج کی ہے

کہا ہے: حدثنی ابراہیم بن موسیٰ ثنا هشام (ہو ابن یوسف) عن معمر عن الزہری عن سنین ابی جمیلہ قال (الزہری) اخبرنا ونحن مع ابن المسیب قال وزعم ابو جمیلہ انه ادرك النبی ﷺ وخرج معه عام الفتح (ص ۶۱۵ غزوۃ الفتح)

زہری نے سنین ابو جملہ سے روایت کی ہے۔ کہا زہری نے اس وقت ہم سعید بن مسیب کے ساتھ تھے جب ابو جملہ نے ہمیں خبر دی..... بقول زہری ابو جملہ کا دعویٰ تھا کہ اس نے نبی ﷺ کا زمانہ پایا ہے اور وہ آپ کے ساتھ فتح مکہ کے سال نکلا تھا۔ یعنی غزوۃ فتح میں شریک تھا.....

یہ حدیث بھی ناقابل حل معما ہے اس میں یہ مذکور نہیں کہ سنین نامی شخص نے جس کی کنیت ابو جملہ تھی سعید بن مسیب کی موجودگی میں زہری کو کیا بتایا تھا۔ کس چیر کی خبر دی تھی۔ بخاری نے اسے بس یہ ثابت کرنے کے لئے درج صحیح فرما دیا تھا کہ ابو جملہ سنین اُن صحابہ میں سے ہے جو غزوۃ فتح میں شریک تھے جیسا کہ زہری نے ابو جملہ کا دعویٰ نقل کیا ہے۔ تعجب ہے کہ بخاری نے یہ نہ سوچا کہ اگر ابو جملہ غزوۃ فتح میں شریک تھا تو یقیناً کم از کم پندرہ سال کا جوان ہوگا۔ پھر زہری کی اس سے ملاقات کب اور کیسے ہو گئی۔ بیداری میں تو ہوئی نہیں۔ زہری نے اسے خواب میں دیکھا ہوگا۔ حالانکہ تمام اہل علم اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ حضرت انس کے علاوہ زہری نے کسی صحابی کو نہیں دیکھا نیز سب نے سنین ابو جملہ کو تابعی بتایا ہے الغرض یہ روایت بالکل غلط ہے اور سخت حیرت ہے کہ بخاری نے کیسے اس بے معنی اور غلط روایت کو درج صحیح کر دیا۔

(۴۸) عبد اللہ بن عباس سے مروی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول علیٰ اقضانا وأبی اقرأنا

سفیان ثوری سے مروی ہے:

عن حبيب بن ابي ثابت عن سعيد بن جبير عن ابن عباس قال قال عمر
علي اقضانا وأبی اقرأنا وانا لندع من لحن أبي. وأبی يقول اخذته من في
رسول الله ﷺ فلا اتركه لشئ. قال الله تعالى ما ننسخ من آية
اونسها نأت بخير منها او مثلها (ص ۷۴۸ كتاب فضائل القرآن باب
القراء من اصحاب رسول الله ﷺ)

غیب نے سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن عباس نے کہا کہ حضرت
عمر نے فرمایا۔ علی ہم اصحاب رسول میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں۔ (یعنی کسی
پیچیدہ امر میں جس میں حقیقت کا سراغ لگنا مشکل ہو علی بن ابی طالب کا فیصلہ بڑا موقع ہوتا
ہے) اور قرآن کریم ہم میں سب سے بہتر پڑھنے والے ابی بن کعب ہیں۔ اور ہم یقیناً ابی
بن کعب کی کچھ قراءت چھوڑتے ہیں۔ (یعنی اسے قبول نہیں کرتے۔ ابی کہتے ہیں کہ میں
نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر اسے یاد کیا ہے تو میں کسی وجہ سے بھی اسے نہیں چھوڑوں گا۔
حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے ”ما ننسخ من آية“ حضرت عمر کا مطلب یہ تھا کہ قرآن کی
کچھ آیتیں منسوخ ہو گئی ہیں۔ اللہ نے انہیں منسوخ کر کے دیگر آیات ان کی جگہ نازل
فرمادی تھیں۔ پس ان منسوخ آیات کو اب بھی تلاوت کیے جانا درست نہیں ہے۔ لیکن ابی
بن کعب کو ان کی قراءت و تلاوت پر اصرار ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جو بات اس روایت میں
مذکور ہے اس پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ حضرت عمر کو ان آیات کے منسوخ ہونے کا علم یقیناً
رسول اللہ ﷺ سے ہی ہوا ہوگا۔ تو آپ نے ابی بن کعب کو کیوں نہیں بتا دیا تھا کہ فلاں
فلاں آیت منسوخ ہو گئی ہے۔ اس کی قراءت و تلاوت موقوف کر دو۔ اگر آپ ابی بن کعب
کو یہ بتا دیتے تو ابی بن کعب ان منسوخ آیات کی قراءت و تلاوت پر اصرار کیوں کرتے۔ اور

اگر یہ مان لیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر وغیرہ کو جب اُن آیات کے منسوخ ہو جانے کی خبر دی تھی تو اس مجلس میں ابی بن کعب حاضر نہ تھے اس لئے وہ اس سے بے خبر رہ گئے۔ تو آپ کے بعد جب حضرت عمر نے انہیں رسول اللہ ﷺ کے حوالہ سے بتایا ہوگا کہ جناب قاری صاحب آپ فلاں فلاں آیت جو پڑھتے ہیں وہ منسوخ ہیں۔ انہیں پڑھنا چھوڑ دیجئے تو ابی بن کعب کو عمر کی بات یقین نہ ہوا۔ یقین ہوتا تو ان آیات کی قراءۃ سے باز آ جاتے۔ تو کیا ابی بن کعب جیسے ذی علم و جلیل القدر صحابی کے متعلق یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ عمر بن خطاب جیسے بزرگ مرتبہ راوی کی بات کو قبول نہ کریں۔ اس عظیم اشکال کا کوئی جواب نہیں دیا جاسکتا۔

اس کا راوی حبیب بن ابی ثابت مدلس شخص تھا جیسا کہ تہذیب المعجم میں اور دیگر کتب رجال میں صراحۃً مذکور ہے۔ اس نے عن سعید بن جبیر کہا ہے۔ حدثنی یا اخبرنی سعید یا سمعت سعید انہیں کہا۔ کسی یا وہ شخص نے سعید بن جبیر کی طرف منسوب کر کے حبیب کو یہ بات بتائی ہوگی۔ حبیب نے اس کا نام حذف کر کے عن سعید کہہ دیا۔ اور اگر فی الواقع یہ سعید کی بیان کی ہوئی بات ہے تو اس نے بھی حدثنی یا اخبرنی ابن عباس یا سمعت ابن عباس نہیں کہا عن ابن عباس کہا ہے۔ اگر سعید نے اسے بیان کیا ہے تو یقیناً براہ راست حضرت ابن عباس سے نہیں سنا۔ نہ حضرت عمر نے عبد اللہ بن عباس کو یہ اُن ہوئی بات بتائی تھی نہ عبد اللہ بن عباس نے سعید یا کسی اور کو..... متعدد روایات ہیں جو سعید بن جبیر نے حضرت عبد اللہ بن عباس سے نہیں سنی تھیں کسی شخص نے ابن عباس کے حوالہ سے سعید کو سنا دیں۔ سعید نے اس شخص کا نام لیئے بغیر عن ابن عباس کہہ کر ان کی روایت کر دی۔

روایت پیشہ تابعین و اتباع تابعین نے اسناد میں لفظ عن لا کر بے ہودہ اور غلط روایات کو مسلمانوں میں پھیلانے کے لئے بڑی کثرت سے استعمال کیا ہے۔

اس روایت کے غلط ہونے کی نہایت واضح دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت ابو بکر کے عہد میں پورا قرآن کریم تمام صحابہ کرام کے اجماع و اتفاق سے ایک مصحف میں لکھا گیا پس اگر

ابی بن کعب کے علم میں کچھ ایسی آیات بھی ہوتیں جو ان کے علم میں محکم تھیں منسوخ التلاوة نہ تھیں تو وہ ابو بکر و عمر و غیر ہما کو ان سے ضرور آگاہ کرتے اور انہیں ثبت مصحف کراتے۔

تیسری اہم بات یہ ہے کہ آیت ”ما ننسخ من آية او ننسها نأت بخیر منها او مثلها یہود کے اس زعم کی تردید میں نازل ہوئی ہے کہ تورات اور موسوی شریعت غیر منسوخ ہیں اور ہم اسی پر عمل کرنے کے مکلف ہیں۔ مسلمانوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ قرآن مجید نے پچھلی کتابوں کو اور شریعت محمدیہ نے پچھلی شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ اس آیت کا خود قرآن کریم میں نسخ کے اثبات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس آیت کی مفصل تفسیر کے لئے تفسیر مفتاح القرآن کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

(۴۹) عدتِ وفات کے متعلق عبد اللہ بن ابی ملیکہ کی غلط بیانی جو بخاری نے صحیح قرار دیکر درج صحیح کر دی ہے

امام بخاری نے اپنی اسناد کے ساتھ حبیب بن شہید سے روایت کی ہے:

عن ابن ابی ملیکہ قال ابن الزبیر قلت لعثمان بن عفان ”والذین يتوفون منكم ويلدرون ازواجا وصية لازواجهم متاعا الى الحول غير اخراج قد نسختها الآية الاخرى فلم تكتبها او تدعها. قال يا ابن اخي لا غير شيئا منه من مكانه (صحیح بخاری ص ۶۵۰)

اور دوسری روایت میں ہے:

عن ابن ابی ملیکہ قال قال ابن الزبیر قلت لعثمان هذه الآية التي في سورة البقرة والذين يتوفون منكم ويلدرون ازواجا وصية لازواجهم قد نسختها الاخرى فلم تكتبها؟ قال ندعها يا ابن اخي (كما هي في المصحف) لا غير شيئا منه من مكانه (ص ۶۵۱) (كتاب التفسير سورة البقرة)

ابن ابی ملیکہ نے عبد اللہ بن زبیر کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے حضرت عثمان امیر

المؤمنین سے عرض کیا (جب ان کے حکم سے مصحف شریف کی سات نقلیں لکھی جا رہی تھیں) کہ سورة البقرہ کی یہ آیت والذین يتوفون منکم ويلذون ازواجاً وصية لازواجهم (ع ۳۱) منسوخ ہے (اس کی رو سے بیوہ عورت کو ایک سال عدت گزارنا ہوتا) اسے آیت والذین يتوفون منکم ويلذون ازواجاً يتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشراً (ع ۳۰) نے منسوخ کر دیا ہے (اس کی رو سے بیوہ کی عدت چار ماہ دس رات ہیں) تو منسوخ آیت کو مصحف شریف میں آپ کیوں لکھوا رہے ہیں۔ حضرت عثمان نے جواب میں فرمایا اے میرے بھتیجے جو مصحف میں لکھا ہوا ہے میں اس میں کچھ اڈل بدل نہیں کروں گا۔ اس کی ہو بہ ہو نقل کرانی ہے۔

امام بخاری نے ابن ابی ملیکہ کی یہ روایت دو شخصوں سے سنی تھی۔

(۱) اُمیہ سے (۲) عبد اللہ بن ابی الاسود سے۔ دونوں کی روایت بالترتیب نقل فرمائی ہے لیکن دونوں کی اسناد میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو یہ بتاتا ہو کہ ابن ابی ملیکہ کو براہ راست عبد اللہ بن زبیر سے اس کا علم ہوا ہوتا تو اسناد میں اس کا ذکر ضرور ہوتا۔ اس سے مفہوم یہی ہوتا ہے کہ کسی نامعلوم شخص نے عبد اللہ بن زبیر کا یہ قول ابن ابی ملیکہ کو بتایا تھا۔ اس شخص کا اس نے اسناد میں ذکر نہیں کیا۔ پس سند کے لحاظ سے یہ روایت متصل نہیں بلکہ منقطع ہے۔ حالانکہ سند کا متصل ہونا صحیح حدیث کی لازمی شرط ہے۔ اس لیے بخاری کو چاہئے تھا کہ اسے ذکر نہ کرتے۔ درایہ دیکھے تو اس کے باطل اور بے سرو پا ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس میں مذکور ہے کہ عبد اللہ بن زبیر نے رکوع ۳۱ کی آیت کو منسوخ بتایا اور حضرت عثمان نے بھی اسے تسلیم کیا۔ کیونکہ عبد اللہ بن زبیر نے یہ سمجھا تھا کہ اس آیت میں بیوہ کی عدت ایک سال مذکور ہے حالانکہ حضرت عثمان و عبد اللہ بن زبیر اور تمام صحابہ کرام اور بعد کے تمام مسلمان جانتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے عہد میں کسی بھی مسلمان بیوہ نے ایک سال عدت نہیں گزاری نہ مکہ مکرمہ میں نہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں۔ اگر رکوع ۳۱ کی آیت میں بیوہ کی عدت ایک سال بتائی گئی ہوتی تو لازمی طور پر اس پر عمل ہوا ہوتا۔

پھر یہ کہ حکم منسوخ لازمی طور پر حکم ناسخ سے پہلے ہونا چاہیئے اور عبد اللہ بن زبیر اور حضرت عثمان دیگر تمام مسلمانوں کی طرح خوب جانتے تھے کہ آیت والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشر اہل پہلے مذکور ہے۔ چھ آیتوں کے بعد آیت والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً وصیۃ لازواجھم متاعاً الی الحول غیر اخراج ہے۔ اور دونوں آیتیں اسی ترتیب سے نازل ہوئی تھیں۔ لہذا پہلی آیت بعد میں آنے والی آیت کی ناسخ نہیں ہو سکتی اور عبد اللہ بن زبیر اور حضرت عثمان ایسے نادان نہ تھے کہ یہ سمجھتے کہ بعد والی آیت پہلے نازل ہوئی تھی اور پہلی آیت بعد میں اتری تھی۔ اس لیے ابن ابی ملیکہ نے عبد اللہ بن زبیر و حضرت عثمان کی طرف منسوب کر کے جو بیان کیا ہے خود ابن ابی ملیکہ کی کج فہمی کا نتیجہ ہے۔ ابن زبیر نے قطعاً اس کا ذکر نہیں کیا۔ بخاری نے ابن ابی ملیکہ کی اس غلط بیانی کو جو خود اس کی کج فہمی کا نتیجہ تھی صحیح قرار دیکر غلطی کی ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ فی الواقع دوسری آیت یعنی والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً وصیۃ لازواجھم متاعاً الی الحول غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم فی ما فعلن فی انفسھن من معروف۔ بیوہ کی عدت کی کیت بیان کرنے کے لئے نہیں بلکہ جاہلیت کے ایک رواج کو باطل قرار دینے کے لئے نازل ہوئی ہے جو اہل عرب میں بیوہ کی عدت کے متعلق رائج تھا۔ وہ یہ کہ شوہر کے مرنے کے بعد اس کی بیوی گھر میں الگ تھلگ کسی کوٹھڑی یا کمرے میں سال بھر پڑی رہتی تھی۔ تمام سال غسل نہ کرتی اور مرنے والے شوہر کے لئے نوحہ کرتی رہتی۔ وہ شوہر اپنے گھر والوں کو وصیت کر دیتا تھا کہ میرے مرنے کے بعد سال بھر تک میری بیوی کو میرے سوگ میں اور رونے پینے میں مشغول رکھا جائے اسے کھانا دیا جائے لیکن گھر سے نکلنے کی اجازت نہ دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے اس رواج کو ختم کر کے بیوہ کی عدت بس چار ماہ دس رات رکھی ہے اور اگر اس کا شوہر سال بھر کی وصیت کر مرا ہو تو اس وصیت کو باطل قرار دیا ہے۔ دوران عدت وہ بس بناؤ سنگھار سے پرہیز رکھے۔ نکاح یا نکاح کی بات چیت نہ کرے۔ گھر کے افراد سے بولنے چالنے اور غسل وغیرہ کرنے پر قطعاً کوئی

پابندی نہیں۔ چار ماہ دس رات گزار لینے کے بعد وہ بناؤ سنگھار اور نکاح کر سکتی ہے اور مرنے والے شوہر کے گھر سے جا سکتی ہے۔ ایک جاہلی شاعر نے بیوی سے کہا تھا۔

اذا مت فانعینی بما انا اہلہ و شقی علی الجیب یا ابنۃ معبد
الی الحول نوحی بعد موتی و اصرخی ومن ینک حولاً کاملاً فقد اعذر

(۵۰) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب اتباع متشابہات کے متعلق حدیث جو عبید اللہ بن ابی ملیکہ نے روایت کی ہے

بخاری نے عبد اللہ بن مسلمہ ^{تغنی} سے اس نے یزید بن ابراہیم تیسری سے روایت کی ہے عن ابن ابی ملیکہ عن القاسم بن محمد عن عائشہ قالت تلا رسول اللہ ﷺ هذه الآية هو الذي انزل عليك الكتاب منه آيت محكمات هن ام الكتاب و آخر متشابہات فاما الذين في قلوبهم زيغ فيتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة و ابتغاء تاويله. الآية

قالت قال رسول اللہ ﷺ فاذا رأيت الذين يتبعون ما تشابه فاولئك الذين سمي الله قاحذوهم (صحیح بخاری ص ۶۵۲ کتاب التفسیر. سورة آل عمران)

ابن ابی ملیکہ نے قاسم بن محمد سے اور اس نے حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر ام المؤمنین سے فرمایا ”پس جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو متشابہات کے پیچھے پڑتے ہوں تو وہی لوگ ہیں جن کا اللہ نے ذکر کیا ہے یعنی ان کے دلوں میں کجی ہے۔ تو ان سے تم بچے رہنا۔

امام احمد بن حنبل نے بواسطہ عبد الرحمن بن مہدی یزید بن ابراہیم تیسری سے یہ ہی

حدیث روایت کی ہے اس میں ہے کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا ”فاذا رایتم الذین یتبعون ما تشابه منه الخ (مسند ۶ ص ۲۵۶) اس روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے مخاطب حاضر مسلمان تھے جب کہ بخاری کی روایت کے مطابق آپ کی مخاطب خاص ام المؤمنین تھیں۔

اور ترمذی نے عبد بن حمید سے اس نے بواسطہ ابو الولید طیا لسی یزید بن ابراہیم تستری سے اسی اسناد کے ساتھ یہ حدیث یوں نقل کی ہے ”قالت سئل رسول اللہ ﷺ عن هذه الآية فقال اذا رایتم الذین ویتبعون الخ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے ذکر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا جب تم دیکھو الخ (سنن ترمذی ۲ ص ۱۲۴ ابواب التفسیر۔ سورۃ آل عمران)

پس یزید بن ابراہیم تستری بصری سے یہ حدیث تین شخصوں نے روایت کی ہے۔ عبد اللہ بن مسلمہ قعنبی نے عبد الرحمان بن مہدی نے ابو الولید طیا لسی نے مخرج اور اسناد ایک ہونے کی وجہ سے تینوں کی روایت معنی کے لحاظ سے ایک ہونی ضروری تھی۔ اور یہ تینوں راوی مثبت وثقہ اور ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ حالانکہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ تینوں کی روایت میں اختلاف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہی تو ہے کہ یزید بن ابراہیم نے قعنبی سے کچھ بیان کر دیا تھا اور ابن مہدی سے کچھ اور ابو الولید سے کچھ اور یعنی اسے ابن ابی ملیکہ سے سنی ہوئی یہ حدیث اچھی طرح یاد نہ تھی۔ بخاری نے اسے درج صحیح کر کے غلطی کی ہے۔ یوں بھی یزید بن ابراہیم تستری جو بنو تمیم کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھا مثبت وثقہ راوی نہ تھا۔ اہل علم نے اسے صرف ان حدیثوں میں قابل اعتماد سمجھا ہے جو اس نے حسن بصری اور محمد بن سیرین سے روایت کی ہیں۔ تہذیب التہذیب میں ہے صدوق ثقة فی الحسن و ابن سیرین..... نیز بتایا ہے کہ اس شخص نے بواسطہ قتادہ حضرت انس سے منکر حدیثیں روایت کی ہیں۔ روی عن قتادة عن انس احادیث منکرۃ۔

یزید بن ابراہیم تستری کے علاوہ ابن ابی ملیکہ سے یہ حدیث ابوب بن ابی تمیم ختانی اور ابو عامر خزازی صلیح بن رستم مزی نے بھی روایت کی ہے۔

ایوب کی روایت مسند احمد و سنن ابن ماجہ میں ہے۔

امام احمد نے کہا ہے ”حدثنا اسماعیل (یعنی ابن علیہ) أخبرنا ایوب عن عبد الله بن ابي مليكة عن عائشة قالت قرأ رسول الله ﷺ هو الذي انزل عليك الكتاب منه آيت محكمات هن ام الكتاب و آخر متشابهات. الآية قال فاذا رأيتم الذين يجادلون فيه فهم الذين عني الله فاحذروهم (مسند ۶ ص ۴۸ مقدمہ سنن ابن ماجہ ص ۶)

ابن ماجہ کی روایت میں ہے قال يا عائشة اذا رأيتم الخ یعنی رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا جب تم ان لوگوں کو دیکھو اس کے بارے میں کج گنجی کر رہے ہیں تو سمجھ لو کہ وہی ”الذين في قلوبهم زيغ“ کے مصداق ہیں یعنی ان کے دلوں میں کجی ہے پس ان سے بچے رہنا۔

ابو عامر خزاز کی روایت ترمذی نے تخریج کی ہے۔

عن ابن ابي مليكة عن عائشة رضى الله عنها قالت سألت رسول الله ﷺ عن قوله تعالى فاما الذين في قلوبهم زيغ فيتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة و ابتغاء تاويله قال فاذا رأيتمهم فاعرفيهم یعنی ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق پوچھا کہ فاما الذين الخ کا مطلب کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا پس جب تو انہیں دیکھے تو انہیں پہچان لینا ترمذی نے یہ حدیث محمد بن بشار سے اس نے ابوداؤد طیالسی سے اس نے ابو عامر خزاز سے روایت کی ہے۔ مگر ان میں سے کسی کو بھی تو فتنہ نہ ملی کہ اپنے شیخ سے پوچھتا کہ رسول اللہ ﷺ کے اس جواب کا سوال سے کیا تعلق تھا۔ اوپر سے نیچے تک اس بے معنی و مہمل بات کو نقل کرتے چلے آئے۔

پس ابن ابی ملیکہ سے یہ حدیث تین شخصوں نے روایت کی تھی یزید بن ابراہیم تسری نے ایوب سختیانی نے ابو عامر خزاز نے تینوں کی روایت سند میں مختلف ہے اور متن میں مضطرب۔ یزید نے ابن ابی ملیکہ اور ام المؤمنین کے درمیان قاسم بن محمد واسطہ ذکر کیا

ہے۔ ابو عامر خزاردی ابوب نے کوئی واسطہ ذکر نہیں کیا۔

ان روایات کے مطالعہ سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی بیان کی ہوئی حدیث نہیں ہے۔ ابن ابی ملیکہ نے اُن سے اس کو نہیں سنا اور قاسم بن محمد سے سنا ہو تو ٹھیک یا نہ رکھا۔

(۵۱) حسبنا اللہ ونعم الوکیل کے متعلق بخاری کی روایت کی ہوئی ایک غلط حدیث

امام بخاری نے لکھا ہے

حدثنا احمد بن يونس اراه قال ثنا ابو بكر عن ابي حصين عن ابي الضحى عن ابن عباس حسبنا الله ونعم الوكيل قالها ابراهيم حين ألقى في النار وقالها محمد ﷺ حين قالوا "ان الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم فزادهم ايمانا وقالوا حسبنا الله ونعم الوكيل۔

امام بخاری سے احمد بن یونس نے بیان کیا۔ بخاری کا گمان تھا کہ احمد بن یونس نے کہا کہ ہم سے ابو بکر بن عیاش نے بیان کیا ابو حصین یعنی عثمان بن عاصم اسدی سے روایت کر کے اُس نے ابو الضحیٰ یعنی مسلم بن صبیح سے اس نے عبد اللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا جس وقت انہیں آگ میں ڈالا گیا تھا اور محمد رسول اللہ ﷺ نے کہا تھا جب افواہ باز لوگوں نے ذکر کیا تھا کہ لوگوں یعنی اہل مکہ نے تم مسلمانوں سے لڑنے کے لئے زبردست تیاری کی ہے۔ لڑنے والے بھی اور ہتھیار بھی خوب اکٹھے کر لیے ہیں تو اہل ایمان نے (رسول اللہ ﷺ کی طرح) حسبنا اللہ ونعم الوکیل کہا۔۔۔ قرآن شریف میں تو قالوا۔۔۔ ہے ضمیر جمع ان زخمی صحابہ کرام کی طرف پھرتی ہے جو غزوہ بدر میں زخمی ہوئے تھے اور جب یہ سنا گیا کہ مکہ کے مشرکین راستہ سے ہی واپس آ کر مدینہ کی آبادی پر حملہ کرنے والے ہیں تو اللہ و رسول کے حکم کے تحت

اسی حالت میں کفار کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ انہیں لئے ہوئے حمراء الاسد نامی مقام پر پہنچ گئے۔ لیکن مکہ کے کفار کو واپس آنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ بڑھتے ہوئے مکہ پہنچ گئے۔ اہل ایمان کو افواہ باز اعرابیوں نے اہل مکہ کی طرف سے خوفزدہ کرنے کی کوشش کی اور کہا ”ان الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم“ لیکن مؤمنین کے دلوں میں کوئی گھبراہٹ پیدا نہ ہوئی۔ اللہ سے ان کے تعلق میں مزید اضافہ ہوا اور انہوں نے خوفزدہ کرنے والوں کو یہ جواب دیا **حسبنا الله ونعم الوكيل** ہمیں اللہ کافی ہے اور کیا خوب ذات ہے وہ بھروسے کے لائق ابو حصین نے ابوالضحیٰ سے روایت کی ہوئی اس حدیث میں حضرت ابراہیم کا ذکر تو کیا تھا۔ ابوبکر بن عیاش نے اس میں اپنی طرف سے ”قالها محمد ﷺ۔ کا پیوند لگا دیا۔ چنانچہ بخاری ہی کہتے ہیں۔

حدثنا مالک بن اسماعیل ثنا اسرائیل عن ابی حصین عن ابی الضحی عن ابن عباس قال کان اخر قول ابراهیم حين ألقى فی النار حسبی الله ونعم الوکیل (صحیح بخاری ص ۶۵۵)

ہم سے مالک بن اسماعیل نے بیان کیا کہ ہم سے اسرائیل بن یونس نے بیان کیا ابو حصین عثمان بن عاصم سے روایت کر کے اس نے ابوالضحیٰ سے اس نے عبد اللہ بن عباس سے روایت کی کہ جس وقت حضرت ابراہیم آگ میں ڈالے گئے تو اُن کا آخری کلام یہ تھا۔ **حسبی الله ونعم الوکیل**۔ پس ابو حصین سے اسرائیل و ابوبکر بن عیاش نے اسرائیل کی روایت میں صرف حضرت ابراہیم کا ذکر ہے۔ اور اسرائیل روایات حدیث میں قابل اعتماد ہونے کے لحاظ سے ابوبکر بن عیاش سے بدرجہا فائق ہے۔ ابوبکر بن عیاش بدحفظ اور منکر الحدیث شخص تھا۔ شاید ہی اس نے کوئی حدیث صحت کے ساتھ روایت کی ہو۔ اسی لئے میں نے کہا کہ ابوبکر بن عیاش نے غلطی سے اس میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر پیوند کر دیا ہے۔ ابوالضحیٰ نے صرف حضرت ابراہیم کا ذکر کیا تھا لیکن اس نے نہ حضرت ابن عباس سے اسے سنا نہ ابن عباس نے اُس سے یا کسی اور شخص سے اسے بیان کیا کیونکہ حضرت ابراہیم کے متعلق نہ قرآن شریف میں یہ بات آئی ہے نہ رسول اللہ سے مروی کسی صحیح یا ضعیف حدیث میں نہ

اسرائیلی صحیفوں میں سے کسی صحیفے میں۔ پھر ابن عباس کو اس کا علم کیسے ہو سکتا تھا۔ یقیناً وہ اس وقت اُس آتش کدہ نمرود کے پاس نہ تھے جب حضرت ابراہیم کو اس میں ڈالا گیا تھا۔

پھر ابن عباس یہ بے سرو پا بات کیسے کہہ سکتے تھے۔ کسی یا وہ گونے ابن عباس کی طرف منسوب کر کے ابوالنضجی سے اسے بیان کر دیا۔ عام راویوں کی طرح ابوالنضجی کو بھی رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کو ملحوظ رکھنے کی توفیق نہیں ملی تھی کہ کفٰی بالمرء کذباً ان یحدث بکل ما سمع انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کر دیا کرے۔ الغرض یہ بے سرو پا حدیث حضرت ابن عباس کی بیان کی ہوئی نہیں ہے۔

(۵۲) اللہ تعالیٰ کے ارشاد ان الدین توفاهم الملئکة
ظالمی انفسہم۔ الایۃ (النساء ۱۴) کے شان نزول کے
متعلق عکرمہ کی ابن عباس سے روایت جو قطعاً غلط ہے

عکرمہ نے کہا ہے

اخبرنی ابن عباس ان ناساً من المسلمین کانوا یکثرون سواد المشرکین
علی رسول اللہ ﷺ یأتی السہم من قبل اصحاب النبی ﷺ یرمی بہ
فیصیب احدهم فیقتله او یضرب فیقتل فانزل اللہ ان الذین توفاهم الملئکة
ظالمی انفسہم (صحیح بخاری ص ۶۶۱ سورة النساء. کتاب التفسیر و
ص ۱۰۴۹ کتاب الفتن باب من کرہ ان یکثر سواد الفتن والظلم)

یعنی مختلف قبائل میں جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے مگر اپنے قبائل میں ہی رہ رہے تھے
ہجرت کرب کے مدینہ نہ آئے تو مسلمانوں کی جب اُن قبائل سے جنگ ہوتی تو وہ قبائلی
مسلمان بھی اپنے اپنے قبیلہ کے کفار کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ میں آ جاتے۔ ان کا

ارادہ تو مسلمانوں سے جنگ کرنے کا نہ ہوتا لیکن اس طرح وہ مسلمانوں کے دشمنوں کی نفی میں اضافہ کا سبب بن جاتے تھے۔ جنگ ہونے کی صورت میں ان میں سے کوئی مسلمانوں کی طرف سے آئے ہوئے کسی تیر سے گھائل ہو کر ہلاک ہو جاتا۔ کوئی معرکہ میں کسی مسلمان کے ہاتھ سے مارا جاتا تو ان کے متعلق یہ ارشاد نازل ہوا۔ یہ عکرمہ کی غیپ شب ہے۔ حضرت ابن عباس کی طرف اُس نے اس کی غلط نسبت کر دی ہوگی۔ آیت اپنے معنی و مفہوم میں بالکل واضح ہے۔ اس کا نزول ان لوگوں کے بارے میں ہوا ہے جو فتح مکہ سے قبل مختلف قبائل میں سے مسلمان ہو گئے تھے نبی کریم ﷺ نے انہیں ہدایت فرمائی تھی کہ ہجرت کر کے مدینہ آ جائیں تاکہ فرائض اسلام پر آزادی کے ساتھ کاربند ہو سکیں اور احکام اسلام کا تفصیلی علم حاصل کر لیں وہ ہجرت کر سکتے تھے لیکن اپنی معاشی مصلحتوں کی بنا پر انہوں نے حکم ہجرت کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ اور مسلمان ہو جانے کے باوجود اہل کفر کے ساتھ ہی رہتے رہے۔ ان ہی کی مذمت میں یہ ارشاد نازل ہوا تھا۔ فرمایا ”ان الدین تو فاهم الملائكة ظالمی انفسهم قالوا فیم کنتم بے شک جن لوگوں کا حال یہ تھا کہ قدرت کے باوجود ہجرت نہ کر کے انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تھا فرشتوں نے جب ان کی رو حیں قبض کیں تو ان سے کہا تم نے کس حال میں زندگی گزاری یوں تو تم نے خود کو اسلام سے منسلک کر لیا تھا لیکن عملی طور پر تمہیں اذان، نماز، زکاۃ وغیرہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ قالوا کنا مستضعفین فی الارض۔ وہ جواب میں بولے کہ ہم اپنے علاقہ میں بودے قرار دیے ہوئے تھے۔ اس لئے کھلم کھلا کفار کے مقابلہ میں ہمیں اسلامی شعار کے اظہار کا یا رانہ تھا۔ قالوا الم تکن ارض الله واسعة فتهاجروا فیہا فرشتوں نے جواب میں کہا۔ کیا اللہ کی پیدا کی ہوئی زمین فراخ نہ تھی۔ اپنے وطن میں تمہیں مسلمانوں کی طرح رہنا سہنا ممکن نہ تھا تو اسے چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جاتے۔ فاو لنک ما واهم جہنم و ساءت مصیرا۔ پس ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت بری جائے بازگشت ہے۔ ظاہر ہے کہ اس آیت کے الفاظ سے قطعاً وہ بات نہیں نکلتی جو عکرمہ کی روایت میں مذکور ہے۔ بخاری نے ذرا بھی عقل سے کام لیا ہوتا تو اسے درج صحیح نہ کرتے۔

(۵۳) متعہ جائز ہونے کے متعلق عبداللہ بن مسعود کی طرف منسوب ایک جھوٹی حدیث جو صحیح بخاری میں تین جگہ درج ہے اور مسلم نے بھی اس کی تخریج کی ہے

خالد بن عبداللہ طحان نے اسماعیل بن ابی خالد حمسی سے روایت کی ہے اس نے قیس بن ابی حازم سے اس نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہ کنا نغزو مع النبی ﷺ وليس معنا نساء فقلنا الا نختصيٰ فنهانا عن ذلك فرخص لنا بعد ذلك ان نتزوج المرأة بالشوب ثم قرء يا ايها الذين آمنوا لا تحرموا طيبات ما احل الله لكم (صحیح بخاری ص ۶۶۲ . سورة المائدة)

ہم مسلمان نبی ﷺ کے ساتھ جہاد کے سفر کرتے تھے اور ہمارے ساتھ بیویاں نہ ہوتیں۔ تو ہم نے عرض کیا کیا ہم خصی نہ ہو جائیں (کہ شہوت کا جوش ہمیں پریشان نہ کرے) آپ نے ہمیں اس سے منع فرمادیا اس کے بعد آپ نے ہم مسلمانوں کو اجازت دیدی کہ ہم کپڑے کے عوض عورت کو عارضی بیوی بنالیں۔ یہ بیان کرنے کے بعد عبداللہ بن مسعود نے سورہ مائدہ کی یہ آیت پڑھی۔ ”اے اہل ایمان اُن پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال فرمائی ہیں۔“

یحییٰ بن سعید قطان نے اسماعیل سے اسی اسناد کے ساتھ اس کی روایت کی ہے مگر اس کے آخر میں نہ متعہ کی اجازت کا ذکر ہے نہ عبداللہ بن مسعود کا سورہ مائدہ کی آیت پڑھنا مذکور ہے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں ”عن ابن مسعود قال کنا نغزو مع النبی ﷺ ليس لنا نساء فقلنا يا رسول الله الا نختصيٰ فنهانا عن ذلك (صحیح بخاری ص ۷۵۹ کتاب النکاح، باب تزویج المعسر الذی معہ القرآن والاسلام)

محمد بن عبید نے اسماعیل سے اسی اسناد کے ساتھ ”عن قیس عن ابن مسعود

قال الخ باقی روایت تمام تر خالد طحان کی روایت کی طرح ہے مگر محمد بن عبید نے ”ولیس لنا نساء“ ذکر کیا ہے (مسند احمد ص ۴۲۰)

وکیع نے اسماعیل سے اسی اسناد کے ساتھ روایت کی ہے وحن شباب کے اضافہ کے ساتھ۔ عن قیس عن عبد الله قال كنا نغزو مع النبي ﷺ ونحن شباب فقلنا يا رسول الله الا نستخصى فنهانا ثم رخص لنا في ان ننكح المرأة بالثوب الى الاجل ثم قرء عبد الله لا تحرموا طيبات ما احل الله لكم. الآية (مسند احمد ۱ ص ۴۳۳)

امام مسلم نے بواسطہ محمد بن عبد اللہ بن نمیر وکیع و عبد اللہ بن نمیر و محمد بن بشر سے اور ان تینوں نے اسماعیل سے روایت کی ہے عن قیس قال سمعت عبد الله يقول كنا نغزو مع رسول الله ﷺ ليس لنا نساء فقلنا الا نستخصى فنهانا عن ذلك ثم رخص لنا ان ننكح المرأة بالثوب الى اجل ثم قرء عبد الله الخ (صحیح مسلم ۱ ص ۴۵۰ طبع ہند)

جریر بن عبد الحمید نے بھی اسماعیل سے۔ عن قیس قال قال عبد الله كنا نغزو مع رسول الله ﷺ وليس لنا شئ فقلنا الا نستخصى. الخ (صحیح بخاری ص ۷۵۹ کتاب النکاح باب ما یکرہ من التبتل والخصاء صحیح مسلم ۱ ص ۴۵۰)

پس اسماعیل بن ابی خالد سے یہ جھوٹی حدیث خالد طحان، یحییٰ قطان، وکیع، محمد بن عبید طنسی عبد اللہ بن نمیر و محمد بن بشر اور جریر نے روایت کی تھی۔ ان ساتوں اشخاص کی روایت کے متعلق تین باتیں بتانے کے بعد اس حدیث پر کلام کروں گا۔

(اول) صرف مسلم کے شیخ محمد بن عبد اللہ بن نمیر نے اس کی اسناد میں یہ نقل کیا ہے کہ قیس بن ابی حازم نے یہ حدیث عبد اللہ بن مسعود سے سنی تھی حالانکہ اسماعیل کے تلامذہ میں سے خالد طحان و یحییٰ قطان و محمد بن عبید و وکیع نے عن قیس عن عبد الله کہا ہے جریر نے عن بھی نہیں کہا عن قیس قال قال عبد الله بن مسعود کہا ہے ان روایات سے

ثابت ہوا کہ مسلم کے شیخ محمد بن عبد اللہ بن نمیر نے اس کی اسناد میں ”عن قیس قال سمعت عبد اللہ“ غلط کہہ دیا تھا قیس نے براہ راست عبد اللہ بن مسعود سے اسے نہیں سنا۔
(ثانی) خالد طحان کی روایت میں لیس معنساء ہے۔ یہ غلط ہے۔ اسماعیل بن ابی خالد نے تو اس میں ”لیس لئانساء“ ذکر کیا تھا۔ لیس معنساء کا مطلب یہ ہے کہ بیویاں سفر میں ساتھ نہ ہوتی تھیں۔ اور لیس لئانساء کا مطلب یہ ہے کہ بیویاں تھیں ہی نہیں۔ ابن مسعود وغیرہ اس وقت غیر شادی شدہ تھے۔

(ثالث) بخاری کی تخریج کی ہوئی روایت جریر میں ”لیس لنا شئی“ غلط ہے۔ اسماعیل نے تو لیس لئانساء ذکر کیا تھا۔

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ تابعین کی ایک ٹولی متعہ کے جواز کی قائل تھی حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام نے صراحتاً لوگوں کو بتایا تھا کہ متعہ زنا کی ہی ایک شکل ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اسے قطعاً حرام بتایا ہے۔ البتہ حضرت عبد اللہ بن عباس کو اس کے متعلق غلط فہمی ہو گئی تھی اور وہ کہتے تھے کہ ضرورتاً متعہ کیا جاسکتا ہے۔ آدمی کہیں سفر میں جائے اور وہاں چند روز رہنے کا اتفاق ہو تو عارضی طور پر چند روز کے لئے کسی عورت کو بیوی بنا کر رکھ لے تو کوئی حرج نہیں۔ حضرت علی کو ابن عباس کے اس فتویٰ کا علم ہوا تو سخت برہم ہوئے اور ابن عباس کو اس پر خوب جھڑکا۔ تب وہ اپنے اس غلط فتویٰ سے دست بردار ہو گئے۔ لیکن نفس پرست فرقہ شیعہ نے جو علی کی محبت کا بڑا دھم بھرتے ہیں متعہ کے مسئلہ میں حضرت علی کی تصریح کو پس پشت ڈال دیا اور ابن عباس کے اُس فتویٰ کو جس سے انہوں نے رجوع کر لیا تھا اپنے آئین میں داخل کر لیا ان میں سے روایت پیشہ چند شقی لوگوں نے متعہ کا جواز ثابت کرنے کے لئے جھوٹی حدیثیں گھڑ کر اور متعدد صحابہ کرام کی طرف منسوب کر کے مسلمانوں میں پھیلائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان روایات کے فتنہ میں پڑنے سے باز رکھا۔ ان ہی جھوٹی روایات میں سے یہ روایت ہے جس کی تخریج کرنے کی شدید غلطی بخاری و مسلم دونوں سے سرزد ہوئی ہے۔ بخاری و مسلم کی نظر دیگر محدثین کی طرح بس کسی روایت کی اسناد پر ہی رہتی تھی۔ اپنے معیار کے مطابق جس حدیث کے روایات

انہیں اللہ نظر آئے۔ اور اسناد سے مفہوم ہوا کہ صحابی تک سند کے درمیان سے کوئی راوی چھوٹا ہوا نہیں ہے۔ بس اسے صحیح قرار دیکر اپنی کتاب میں ثبت کر دیا۔ اگر وہ حدیث کسی آیت کے متعلق ہوتی تو بخاری و مسلم یہ نہیں سوچتے تھے کہ آیت کا جو مطلب اس حدیث میں ذکر ہوا ہے وہ فی نفسہ درست ہے یا نہیں۔ ماقبل و مابعد سے مرتبط ہے یا نہیں۔ اسلام کے ثابت اصول و قواعد کے مطابق ہے یا نہیں۔ ایسی کتنی ہی حدیثیں ہیں جنہیں محض ان کی ظاہری سند سے دھوکا کھا کر بخاری و مسلم نے درج صحیح کر دینے کی غلطی کی ہے۔ ان ہی میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے جسے قیس بن ابی حازم نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی طرف منسوب کر کے روایت کر دینے کی حماقت کی تھی۔

قیس سے لے کر امام احمد بن حنبل اور امام بخاری و امام مسلم تک اس کے راویوں میں کسی بندہ خدا نے یہ سوچا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد یا ایہا الدین آمنوا لا تحرما طیبات ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین • وکلوا مما رزقکم اللہ حلالا طیباً واتقوا اللہ الذی انتم بہ مؤمنون • اہل ایمان کو رہبانیت سے روکنے کے لیے نازل ہوا تھا۔ رہبانیت کا مطلب ہے دنیوی علائق سے قصداً کنارہ کش ہو کر طیبات یعنی کھانے پینے کی پاکیزہ و لذیذ چیزوں اور صاف ستھرے اچھے کپڑوں سے خود کو دور رکھ کر آبادی سے الگ تھلگ کسی غار یا کٹی میں اللہ کی عبادت میں مصروف رہنا۔ طیبات سے مراد اس ارشاد میں کھانے پینے کی لذیذ و پاکیزہ چیزیں ہیں۔ کیونکہ وکلوا مما رزقکم اللہ حلالا طیباً فرمایا ہے۔ دیگر آیات میں بھی طیبات اسی معنی میں آیا ہے۔ ارشاد ہے انفقوا من طیبات ما کسبتم و ما اخرجنا لکم من الارض (سورۃ البقرہ) قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق قل ہی للذین آمنوا فی الحیوة الدنیا خالصۃ یوم القیامۃ (سورۃ الاعراف ع ۴)

کس قدر جاہل تھا وہ شخص جس نے سورۃ مائدہ کی اس آیت میں طیبات سے مراد متعہ بتایا تھا۔ اور کس قدر ظالم اور شقی اور جھوٹا تھا وہ جس نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف اس کی نسبت کی تھی۔

قیس سے لے کر بخاری و مسلم و احمد بن حنبل تک کسی راوی نے یہ بھی نہ سوچا کہ اس میں عبد اللہ بن مسعود کا قول مذکور ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کے سفر کرتے تھے اور ہمارے لئے بیویاں نہ تھیں تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم خصی نہ ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ سفر جہاد کوئی ہلکا پھلکا آسان کام نہ تھا۔ پیدل یا اونٹ یا گھوڑے پر سوار ہو کر سفر طے کیا جاتا۔ پھر دشمن سے مقابلہ ہوتا۔ یہ سب صعوبتیں اور مشقتیں جو مجاہدین کو اٹھانی پڑتی تھیں کیا ان کے اندر عورتوں سے سلاپ کے ایسے شدید جذبات ابھار سکتی تھیں کہ وہ ان جذبات کے دباؤ سے بے چین اور پریشان ہو کر خصی ہو جانے کی اجازت چاہتے کہ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری؟ ہرگز نہیں قطعاً نہیں ہاں اگر اس میں یہ مذکور ہوتا کہ ہم ناداری کی وجہ سے مجرد تھے شادیاں نہ کر سکے تھے۔ جوانی کے جوش سے مجبور ہو کر ہم نے آپ سے خصی ہونے کی اجازت چاہی۔ آپ نے اس کی اجازت نہ دی۔ ہاں چند دنوں کے بعد متعہ کر لینے کی اجازت دیدی۔ تو اس جھوٹ کو چلنے کے لئے پاؤں نصیب ہو جاتے۔ یہ روایات اسی نکتہ پر غور کر لیتے تو اس جھوٹی حدیث کو روایت کرنے کے ارتکاب سے بچ سکتے تھے۔ اصل بات یہ ہوئی ہے کہ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں دروغ باف لوگوں کی ایک ٹولی متعہ کا جواز ثابت کرنے کے درپے تھی۔ ان میں سے ہی کسی شقی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود کی طرف منسوب کر کے یہ جھوٹی حدیث قیس بن ابی حازم سے بیان کر دی۔ قیس نے غلطی یہ کی کہ اس کی بات باور کر کے اس کا نام نہ لے کر عبد اللہ بن مسعود کی طرف منسوب کر کے اسماعیل بن ابی خالد کو سنادی۔ اسماعیل نے عبد اللہ بن مسعود کی بیان کردہ حدیث کی حیثیت سے اپنے شاگردوں سے اس کی روایت کر ڈالی۔ پس دراصل یہ حدیث سند کے لحاظ سے منقطع ہے۔ معلوم نہیں کہ قیس نے اسے کس سے سنا تھا۔ ہاں یہ ہمیں یقین ہے کہ ابن مسعود سے نہیں سنا۔ ابن مسعود اس کے راوی ہوتے تو علقمہ یا اسود نخعی یا ابودائل یا شععی نے اس کی روایت کی ہوتی اور معنی کے لحاظ سے باطل و بے اصل اور شروع سے آخر تک ابن مسعود کے متعلق کذب و دروغ بانی ہے۔

(۵۴) ارشاد حق قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ

عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِّنْ تَحْتَ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبَسَكُمْ شِيعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ

حماد بن زید نے عمر بن دینار سے روایت کی ہے:

عن جابر قال لما نزلت هذه الآية قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اعوذ بوجهك قال أَوْ مِّنْ تَحْتَ أَرْجُلِكُمْ قَالَ اعوذ بوجهك أَوْ يَلْبَسَكُمْ شِيعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ هذا همون أو قال هذا اليسر (صحيح بخاری

ص ۲۶۶ سورة الانعام)

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عذابا من فوقکم پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اعوذ بوجهک یعنی میں اس عذاب سے بچنے کے لیے تیرے روئے انور یعنی تیری ذات اقدس کی پناہ لیتا ہوں اور من تحت ارجلکم پر بھی یہی فرمایا۔ تیسری صورت یعنی او یلبسکم شیعاً و یذیق بعضکم بآس بعض پر فرمایا یہ نسبتا سہل اور ہلکا ہے۔۔۔۔۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے (اے نبی لوگوں سے) کہہ کہ وہ قدرت رکھنے والا ہے اس پر کہ تمہارے اوپر سے کوئی عذاب بھیج دے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تمہیں باہم قتل و غارت کرنے والے فرقے بتا کر گتھا دے اور تم میں سے بعض کو بعض کی جنگ کا مزا چکھائے (سورة الانعام ۸۴) یعنی اللہ کا عذاب مجرم قوم پر دنیا میں بھی پڑ سکتا ہے۔ اوپر سے یا نیچے سے یا افراد قوم کے نفوس سے۔ شدید بارش، برفباری، سنگباری، بادِ سموم، ظالم حکام اور گمراہ کن پیشواؤں کا تسلط اوپر سے عذاب پڑنے کی شکلیں ہیں۔ زلزلہ، سیلاب، قحط، جذام اور زبردست لوگوں کی بغاوت، وبائی بیماریاں وغیرہ وغیرہ۔ نیچے سے امنڈنے والے عذاب کی صورتیں ہیں اور عذاب کی ایک بھیاں تک شکل یہ بھی ہے کہ افراد قوم اختلاف و تفرقہ میں پڑ کر مختلف فرقوں میں منقسم ہو کر ایک

دوسرے کو لوٹنے کھسوٹنے اور چیرنے پھاڑنے میں لگ جائیں۔

یہ آیت سورۃ الانعام کے آٹھویں رکوع میں ہے اور سورۃ الانعام تمام کی تمام اول سے آخر تک کی سورت ہے۔ ہجرت سے بہت پہلے نازل ہوئی تھی اور حضرت جابر انصاری مدنی صحابی ہیں۔ ان کے والد حضرت عبد اللہ غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ جابر نہ غزوہ بدر میں شریک ہوئے تھے نہ غزوہ احد میں غزوہ احزاب اور بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے۔ پھر انہیں کیسے معلوم ہوا کہ سورۃ الانعام کی آیت مذکورہ جب نازل ہوئی تو آپ نے من فوقکم پھر من تحت ارجلکم پر اعود بوجھک کہا تھا۔۔۔ الخ جابر نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے یا کسی مہاجر صحابی سے سنی ہوتی تو ضرور اس کا ذکر کرتے۔ پھر اس آیت میں افراد قوم کا خانہ جنگی میں مبتلا ہو جانا غیر معمولی وبال اور نسبتاً بدترین عذاب ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس کے بارے میں ہذا اہون یا ہذا ایسر کیسے فرما سکتے تھے۔

میں سمجھتا ہوں کہ عمرو بن دینار نے براہ راست حضرت جابر سے یہ حدیث نہیں سنی تھی نہ جابر نے بیان کی تھی۔ کسی شخص نے جابر کی طرف منسوب کر کے عمرو بن دینار سے اس کا ذکر کر دیا ہوگا۔ عمرو بن دینار نے عقل و فکر سے کام نہ لینے کی وجہ سے اسے صحیح باور کر لیا ہوگا اور اس شخص کا حوالہ دیے بغیر جابر کی طرف منسوب کر کے اس کی روایت کر دی ہوگی۔

میرے اس خیال کی تردید میں کہا جاسکتا ہے کہ امام بخاری نے سفیان بن عیینہ کے طریق سے بھی اس کی تخریج کی ہے۔ سفیان کی اسناد میں تصریح ہے کہ عمرو بن دینار نے ”سمعت جابر بن عبد اللہ“ کہا تھا۔ لہذا یہ حدیث عمرو بن دینار نے بالمشافہ حضرت جابر سے سنی تھی۔ دونوں کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے۔

میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ سفیان کی روایت غلط ہے میں اسے سند و متن کے ساتھ پوری نقل کیے دیتا ہوں۔

بخاری کا بیان ہے:

حدثنا علي بن عبد الله ثنا سفیان قال عمرو بن دينار سمعت جابر بن عبد الله يقول لما سئل عن رسول الله ﷺ 'قل هو القادر على ان

یعث علیکم عذابا من فوقکم قال اعوذ بوجهک او من تحت ارجلکم
 قال اعوذ بوجهک۔ فلما نزل او یلبسکم شیعا و یذیق بعضکم بأس
 بعض قال هاتان اھون او ایسر (صحیح بخاری ص ۱۰۸۷، کتاب
 الاعتصام، باب قول اللہ او یلبسکم شیعا)

ترمذی نے بھی بواسطہ محمد بن یحییٰ بن ابی عمر عدنی ابن عیینہ کی یہ حدیث اسی طرح
 روایت کی ہے (ابواب التفسیر سورة الانعام) ابن عیینہ کی یہ روایت بتاتی ہے کہ پوری آیت
 ایک ساتھ نہیں بلکہ دو وقفوں میں نازل ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ غلط ہے پس ابن عیینہ سے
 جیسے اس حدیث کا متن بیان کرنے میں غلطی ہوئی اسی طرح اس کی بیان کردہ اسناد میں بھی
 غلطی ہے اور وہ واضح ہے کیونکہ ابن عیینہ نے قال عمرو بن دینار کہا ہے۔ حدثنی یا
 حدثنا عمرو انہیں کہا نہ اور کوئی ایسا لفظ استعمال کیا جو سماع پر دلالت کرے پس ابن عیینہ
 نے براہ راست عمرو بن دینار سے یہ حدیث نہیں سنی تھی۔ دونوں کے درمیان کوئی واسطہ ہے
 جو مذکور نہیں ہے۔ لامحالہ ابن عیینہ کی اسناد منقطع ہے اور متن غلط۔ بخاری پر لازم تھا کہ اس
 غلط حدیث کو درج صحیح نہ کرتے۔

(۵۵) ارشاد حق ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا

ماتین کے متعلق عمرو بن دینار کی ابن عباس سے روایت

بخاری فرماتے ہیں:

حدثنی علی بن عبد اللہ ثنا سفیان عن عمرو عن ابن عباس لما نزلت ان
 یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا ماتین۔ فکتب علیہم ان لا یفر واحد
 من عشرة و قال سفیان غیر مرة ان لا یفر عشرون من ماتین۔ ثم نزلت
 الآن خفف، اللہ عنکم و علم ان لیکم ضعفا۔ الآیة فکتب ان لا یفر مائة
 من ماتین (صحیح بخاری ص ۶۷۰، کتاب التفسیر، سورة الانفال)

ہم سے علی بن عبد اللہ مدنی نے اس سے سفیان بن عیینہ نے بیان کیا عمرو بن دینار سے روایت کر کے۔ اس نے عبد اللہ بن عباس سے روایت کی۔ ابن عباس نے کہا جب اللہ تعالیٰ کا قول ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا ماتین نازل ہوا تو مسلمانوں پر لکھ دیا گیا یعنی فرض کر دیا گیا کہ ایک مسلمان دس کافروں کے مقابلہ سے نہ بھاگے۔ علی بن المدینی نے کہا کہ بارہا سفیان نے اس حدیث میں یہ ذکر کیا تھا کہ ہیں مسلمان دوسو کافروں کے مقابلہ سے نہ بھاگیں (مطلب دونوں باتوں کا ایک ہی ہے یعنی ہر مسلمان مجاہد دس کا مقابلہ کرے۔ انہیں پیٹھ دے کر نہ بھاگے۔ پھر دوسری آیت نازل ہوئی الاّن خفف اللہ عنکم و علم ان فیکم ضعفا تو لکھ دیا گیا یعنی فرض کر دیا گیا کہ سو مسلمان دوسو کافروں کے مقابلہ سے نہ بھاگیں۔ یعنی ایک مسلمان پر دو کافروں کا مقابلہ کرنا فرض کر دیا گیا۔

مگر باور کرنا چاہئے کہ ان آیتوں میں کہیں بھی یہ مذکور نہیں ہے۔ نہ عبد اللہ بن عباس نے یہ قطعاً غلط بات کہی تھی شاید عمرو بن دینار نے عکرمہ سے یہ سنا تھا۔ عکرمہ کا نام حذف کر کے ابن عباس کا نام ذکر کر دیا۔ عکرمہ کی اس بے ہودہ روایت پر کلام اور ان دونوں آیتوں کے معنی و مطلب کا بیان ”صحیح بخاری کا مطالعہ ص ۹۶“ میں گذر چکا ہے۔ مسلم نے اپنی صحیح میں نہ عمرو بن دینار کی روایت تخریج کی نہ عکرمہ کی۔ ان دونوں روایتوں کو درج صحیح کرنے کی غلطی امام بخاری نے ہی کی ہے۔

(۵۶) سورۃ ہود کے پہلے رکوع میں پارہ ۱۱ کی آخری آیت ہے

الا انہم یثنون صلورہم لیستخفوا منه الا حین یتغشون ثیابہم

یعلم مایسرون و ما یعلنون واللہ علیم بذات الصلور

جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں اپنے رسول اللہ ہونے کا اعلان فرمایا اور لوگوں کو قرآن سنانے اور حق کی طرف بلانے میں لگ گئے تو اہل مکہ پر لازم تھا کہ آپ سے مل کر اس دین کو سمجھنے کی کوشش کریں جس کی آپ دعوت دے رہے تھے۔ آپ سے قرآن سنیں آپ کے دلائل کو پرکھیں لیکن بجائے اس کے انہوں نے فرار کا راستہ اختیار کر رکھا تھا۔ چند

لوگ کہیں بیٹھے ہوتے اور محسوس کر لیتے کہ محمدؐ ہماری طرف آرہے ہیں تو آپ کے آنے سے پہلے ہی منتشر ہو جاتے۔ کسی گلی یا راستہ میں آپ کو دیکھتے تو بکتر اجاتے اس ڈر سے کہ آپ نصیحت فرماتے اور قرآن سنانے لگیں گے ان کے متعلق فرمایا کہ یہ سینے موڑ کر اللہ کے رسول سے کتر اجانے اور آپ کی نگاہوں سے اوجھل ہو جانے والے اللہ کی نظر سے تو اوجھل نہیں ہو سکتے۔ ہو سکے تو اللہ سے چھپ کر دکھائیں وہ تو ہر حال میں انہیں دیکھ رہا ہے۔ ان کی ہر کھلی چھپی چیز سے آگاہ ہے۔ جو بات سینوں کے زنداں میں مجبوس ہو ہنوز زبان پر نہ آئی ہو اسے بھی خوب جانتا ہے۔۔۔۔۔ یہ ہے اس آیت کا مطلب لیستخفوا اس میں امر غائب کا صیغہ ہے۔

اب دیکھئے اس آیت کے مطلب کی صحیح بخاری میں کیا درگت بنائی گئی ہے۔ بخاری نے ابن جریج کے طریق سے روایت کی ہے اس نے کہا مجھے محمد بن عباد بن جعفر نے بتایا تھا کہ ابن عباس نے یہ آیت یوں پڑھی تھی الا انہم یثنون صدورہم میں نے پوچھا یثنون صدورہم کا مطلب کیا ہے۔ ابن عباس نے جواب دیا کہ اناس کانوا یستحيون ان یتخلوا فیفضوا الی السماء و ان یجامعوا نساء ہم فیفضوا الی السماء فنزل ذلک فیہم (صحیح بخاری ۶۷۷، سورۃ ہود) یعنی کچھ لوگ پاخانہ کرتے یا بیویوں سے جماع کرتے ہوئے ستر کھولنے کی وجہ سے شرماتے تھے کہ آسمان سے اللہ ہمیں نگا دیکھے گا شرم و حیا کی وجہ سے ان کے سینے مل کھاتے تھے ان کے بارے میں یہ ارشاد نازل ہوا۔

ظاہر ہے کہ یہ آیت میں تحریف لفظی بھی ہے اور تحریف معنوی بھی۔ اور اسے منسوب کیا گیا ہے عبد اللہ بن عباس کی طرف یقیناً ابن عباس اس سے بری تھے۔ یہ تو ابن جریج یا اس کے شیخ ابن عباد کی ہی دروغ گوئی ہے معلوم نہیں کہ بخاری نے اپنے دو استادوں حسن بن محمد بن صباح اور ابراہیم بن موسیٰ سے اس کی روایت کر کے اور درج صحیح فرما کر کس اجر و ثواب یا علمی فائدہ پہنچانے کی توقع باندھی تھی بجز اس کے کہ فہم قرآن کی راہ میں ایک روڑے کا اضافہ کر دیں۔ تحریف لفظی یوں ہے کہ اللہ کا تعالیٰ کا نازل فرمایا ہوا لفظ تو یثنون

صدورہم ہے۔ یثون ثنی یثنی سے مضارع معروف جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے اور صدورہم مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ قرآن کریم میں اسی طرح ثابت اور تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ ابن جریج اور اس کے شیخ ابن عباد نے حضرت ابن عباس پر یہ تہمت جزدی کہ انہوں نے یثونی صدورہم پڑھا تھا۔

(۵۷) کاہن کی بات صحیح ثابت ہو جانے کی توجیہ میں ابو ہریرہ کی حدیث

سفیان بن عیینہ نے عمرو بن دینار سے اس نے عکرمہ سے اس نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب زمین میں کوئی اہم واقعہ رونما فرمانا طے کرتا ہے تو اس کے متعلق کارکن فرشتوں کو وحی فرمادیتا ہے کہ زمین پر جا کر تمہیں یہ اور ایسا ایسا کرنا ہے اس وحی کی فرشتوں کو ایسی آواز آتی ہے جیسے پتھر کی کسی چٹان پر کسی زنجیر کے لگنے کی آواز ہوتی ہے۔ وہ آواز سن کر فرشتے اس کی طرف متوجہ ہو جاتے اور اسے سمجھتے اور اس کا باہم مذاکرہ کرتے ہیں تاکہ اچھی طرح اس حکم کی جزئیات کو دھیان میں رکھ کر ٹھیک ٹھیک اس پر کار بند ہوں۔ آسمانی باتوں کی سن گن لینے والے شیاطین کی ٹولی کا جو فرد سب سے اوپر ہوتا ہے کبھی فرشتوں کی کبھی ہوئی بات اچک لیتا اور اپنے سے قریب شیطان کو بتا دینے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ کی طرف سے اسے بھسم کر دینے کے لیے شہاب ثاقب چھوڑا جاتا ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ بھسم ہونے سے پہلے قریب کے شیطان کو کچھ بتانے میں کامیاب ہو جاتا ہے وہ اپنے سے قریب شیطان کو بتا دیتا ہے۔ اس طرح آخری شیطان کو جو زمین پر ہوتا ہے وہ بات پہنچ جاتی ہے وہ اپنے دوست انسان کو جو لوگوں کو مستقبل کے متعلق باتیں بتانے کا پیشہ کرتا ہے جسے اہل عرب کاہن کہتے تھے۔ وہ بات بتا دیتا ہے کاہن اس میں اپنی طرف سے اور بہت سی باتیں ملا کر لوگوں کو بتا دیتا ہے۔ انجام کار وہ بات سچی ثابت ہو جاتی ہے اور لوگوں میں شہرت ہو جاتی ہے کہ دیکھ جیسا کاہن نے بتایا

تھا ویسا ہی ہوا ہے۔ رہی اس کی بتائی ہوئی غلط باتیں تو انہیں لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں اس طرح اس کا ہن کا پیشہ چمک اٹھتا ہے اور لوگ اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔

سفیان بن عیینہ سے یہ حدیث علی بن عبد اللہ مدنی اور حمیدی نے اور حمید بن کا سب کے بیٹے یعقوب نے اور ابن ابی عمر اور احمد بن عبدہ وابو معمر اسماعیل بن ابراہیم نے روایت کی ہے۔ علی بن مدینی سے بخاری نے تین جگہ ص ۲۸۲ سورة الحجر کتاب التفسیر ص ۱۱۱۵ کتاب التوحید (باب قوله و لا تنفع الشفاعة عنده الا لمن اذن له) حمیدی سے بھی بخاری نے (ص ۷۰۸ سورة سبا کتاب التفسیر) حمید بن کا سب کے بیٹے یعقوب سے ابن ماجہ نے (مقدمہ باب فی ما انکرت الجہمیۃ حدیث ۱۶) ابن عمر سے ترمذی نے (ابواب التفسیر سورة سبا) احمد بن عبدہ وابو معمر سے ابو داؤد نے مختصراً (کتاب الحروف والقرأت) اس حدیث میں دو باتیں اور بھی ہیں جو سمجھنے کے لائق ہیں اول یہ کہ ابن عیینہ نے اس حدیث کو اللہ تعالیٰ کے قول حتی اذا فزع عن قلوبہم قالوا ماذا قال ربکم قالوا الحق (سورة سباع ۳) کی تفسیر قرار دیا تھا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے موصوف نے یہ تلخیص کی تھی کہ علی بن مدینی و حمیدی و یعقوب بن حمید بن کا سب کو اس انداز سے یہ حدیث سنائی تھی کہ خود نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے قول مذکور کی تفسیر میں یہ فرمایا تھا حمیدی کی روایت یہ ہے۔

بخاری نے کہا:

حدثنا الحمیدی قال ثنا سفیان قال ثنا عمرو قال سمعت عکرمۃ یقول سمعت ابا ہریرۃ یقول ان نبی اللہ ﷺ قال اذا قضی اللہ الامر فی السماء ضربت الملائکۃ اجنحتہا حضعانا لقولہ کأنہ سلسنۃ علی صفوان فاذا فزع عن قلوبہم قالوا ماذا قال ربکم قالوا الحق و هو العلیٰ الکبیر و یسمعہا مسترق السمع و مسترقوا السمع ہکذا (اشار سفیان بیدہ الیمنی ناصباً اصابعہا) بعضهم قوق بعض و وصف سفیان بکفہ فحرفہا و بدد بین اصابعہ فیسمع الکلمۃ فیلقیہا الی من تحته ثم یلقیہا

الآخر الى من تحته حتى يلقيها على لسان الساحر او الكاهن فربما
ادرکه الشهاب قبل ان يلقيها و ربما القاها قبل ان يدرکه فيکذب معها
مائة كذبة فيقال اليس قد قال لنا يوم كذا و كذا و كذا فيصدق
بتلك الكلمة التي سمعت من السماء. (صحيح بخاری ۴۰۸ سورة
سبا كتاب التفسير)

مگر جب ابن عیینہ نے احمد بن عبدہ و ابو عمر اسماعیل کو یہ حدیث سنائی تھی تو یہ تلپس
نہیں کی بلکہ حدیث بیان کرنے کے بعد کہا ”فذلک قولہ تعالیٰ حتی اذا فرغ عن
قلوبہم الخ (سنن ابی داؤد کتاب الحروف و القرات) پس یہ خود ابن عیینہ کا
ذاتی خیال تھا کہ یہ حدیث حتی اذا فرغ عن قلوبہم کی تفسیر ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ علی بن مدینی کی روایت میں مذکور ہے کہ سفیان بن عیینہ نے
بتایا تھا کہ عمرو بن دینار نے فُزْع کی بجائے اس آیت میں فُزْع پڑھا تھا۔ (رائے مہملہ
مشد و مکسورہ اور غین معجمہ کے ساتھ۔ تفریع سے ماضی مجہول)۔ پس میں اس حدیث پر تین
مباحث میں کلام کروں گا۔

مبحث اول

اس حدیث میں مذکور ہے کہ سن گن لینے والا شیطان کبھں کامیاب بھی ہو جاتا ہے۔
حالانکہ سورۃ الجن میں جو کی سورت ہے یہ صراحت اور وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی
بعثت سے قبل تو سن گن لینے والے جن کی کامیابی کا امکان تھا لیکن بعثت کے بعد نہیں رہا۔
سورۃ الجن میں مومن اجمد کا قول اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے۔ و انا کنا نقعد منها
مقاعد للسمع فمن یسمع الآن یجدلہ شہابا رصدا و انا لاندري اشر ارید بمن
فی الارض ام اراد بہم رہم رشدا یعنی ہم سطح آسمان سے قریب کچھ ٹھکانوں میں سننے
کے لیے جا بیٹھتے تھے۔ پس اب بنو وہاں پہنچ کر سنے تو ایک شعلہ سوزاں تیار پائے۔ (یعنی
اب کسی جن کا سابق کی طرح کچھ سن لینا ممکن نہیں رہا۔ اور ہم جنوں کی غیب دانی کا مدار اسی
پر تھا۔) اور ہم فی الواقع نہیں جانتے کہ آیا کوئی برائی ہے جسے باشندگان زمین کو پہنچانے کا

قصہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے انہیں کوئی بھلائی پہنچانے کا قصد فرمایا ہے۔۔۔۔۔

پس حضرت ابو ہریرہ کی طرف منسوب یہ حدیث قطعاً صحیح نہیں ہے۔ نہ یہ حضرت ابو ہریرہ کی بیان کی ہوئی ہے۔ ابو ہریرہ سے سینکڑوں تابعین نے حدیثیں سنی ہیں لیکن عکرمہ کے علاوہ کسی نے ان سے یہ حدیث روایت نہیں کی۔ عکرمہ کثیر الروایات شخص ہے مگر ثقہ نہ تھا متعدد غلط حدیثیں اس نے اپنے آقا حضرت عبداللہ بن عباس کی طرف منسوب کر کے بیان کی ہیں۔ اس میں یہ بات تو صحیح و معقول ہے کہ اذا قضی اللہ امراً ضربت الملائکۃ اجنحتھا خضعانا لقولہ " مگر استراق شیطا طین کا قصہ تو یہ عکرمہ کی پیوند کاری و غلط بیانی ہے۔ ایک مضحکہ خیز بات اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ سن گن لینے والے شیاطین کے گھات میں لگنے کی ابن عیینہ نے ہاتھ کی انگلیاں کھڑی کر کے منظر کشی فرمائی تھی گویا کہ ابن عیینہ نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا تھا۔ ابن عیینہ کے شاگردوں نے اس کی اس منظر کشی کو خوب دھیان میں رکھا ہے اور اسے بھی اس حدیث کی روایت کے ضمن میں بیان کیا ہے اور ان میں سے کسی کو بھی یہ توفیق نہ ملی کہ شیخ ابن عیینہ سے پوچھتا کہ آپ یہ انگلیوں سے منظر کشی کس بنا پر کر رہے ہیں۔

بحث ثانی

اس حدیث میں یہ جو مذکور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی واقعہ زمین میں رونما فرمانا چاہتا ہے تو فرشتوں کو اس کے متعلق وحی فرماتا ہے۔ فرشتے طاعت و انقیاد کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے بازوؤں اور پنکھوں کو نیچے ڈال دیتے اور توجہ و انتہاک سے اس وحی کو سنتے اور سمجھتے ہیں۔ اس سے ابن عیینہ نے یہ مطلب برآمد کر لیا کہ وہ شدید گھبراہٹ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس خیال کے تحت ابن عیینہ نے اس کو اللہ تعالیٰ کے ارشاد محسی اذا فزع عن قلوبہم قالوا ماذا قال ربکم قالوا الحق " سے جوڑ دیا اور مفسرین نے اس کی تفسیر اسی انداز سے کر دی۔ یعنی نزول وحی سے فرشتوں پر رعب و دہشت کی جو کیفیت طاری ہوتی ہے جب وہ کیفیت ختم ہو کر ان کے دلوں کو سکون ہوتا ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ کیا حکم ہوا ہے تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے تو اوپر والے فرشتے نیچے والوں کو درجہ بدرجہ

بتاتے ہیں کہ اللہ نے حق ہی فرمایا ہے۔ یعنی وہی ارشاد ہوا ہے جو اس کی حکمت و مشیت کے مطابق ہے۔ مگر اس ترجمہ و تفسیر سے لازم آتا ہے کہ جواب دینے والے پوچھنے والوں کو تسلی بخش جواب نہیں دیتے کیونکہ یہ تو سوال کرنے والے فرشتے بھی جانتے ہیں کہ خواہ ہماری سمجھ میں نہ آیا ہو لیکن اللہ نے جو فرمایا ہے حق ہی فرمایا ہے۔ یہ ہی بات جواب دینے والے کہتے ہیں تو سوال کرنے والوں کو ان کے جواب سے کیا حاصل ہو سکتا ہے؟

مفسرین دراصل علی بن مدنی و حمیدی و یعقوب بن حمید بن کاسب کی روایات کی وجہ سے چکر میں پڑ گئے۔ کیونکہ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں ابن عیینہ نے ان کو جب یہ حدیث سنائی تھی تو اس انداز سے اسے بیان کر دیا تھا کہ یہ خود رسول اللہ کی ارشاد فرمودہ بات معلوم ہو کہ حدیث مذکور اذا فزع عن قلوبہم کی تفسیر ہے۔ حالانکہ یہ خود ابن عیینہ کا اپنا گمان و خیال تھا۔ ابن عیینہ کو آیت کا سیاق دیکھنے اور اس کے کلمات پر غور کرنے کی توفیق ملتی تو یہ بے سرو پا بات نہ کہتے۔

ناظرین سورہ سبا کے تیسرے رکوع کی آیت پڑھیں۔ ارشاد ہے وَ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقُّ وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ۔ مطلب یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے حضور سفارش چلتی ہے کیونکہ وہ بادشاہی کا مقتضا ہے مگر سفارش وہی مقربانِ بارگاہ بندے کر سکتے ہیں جنہیں اس نے اس کی اجازت دی ہو۔ اور وہ ان ہی بندوں کے حق میں سفارش کریں گے جن کے حق میں شفاعت کرنے کا انہیں اس کی طرف سے اشارہ ہوا ہو۔ وہ مقربانِ بارگاہ خود اپنی طرف سے کسی کے متعلق عرض معروض کرنے کی جسارت نہیں کرتے۔ جن بندوں کے لیے انہیں سفارش کرنے کا اشارہ ملتا ہے اسے پا کر گھبرا اٹھتے ہیں کہ ہم احکم الحاکمین جل مجدہ کے حضور کسی کے متعلق لب کشائی کیسے کریں جب کہ ہم ان کے استحقاق سے کما حقہ ناواقف ہیں گھبراہٹ اور خشیت و ہیبت کا جوش فرو ہونے پر عرض کرتے ہیں کہ ماذا؟ کیا بات ہے۔ ان بندوں پر یہ عنایت کس خاص سبب سے مبذول ہو رہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ان بندوں نے حق بات کہی مجھے بلا شرکت غیرے اللہ مانا میرے رسول اور میری کتاب

کو تسلیم کیا۔ ان کے اعتراف حق سے میں خوش ہوں اس لیے ان کے حق میں میرے حضور سفارش کرو۔ تب وہ مومنین کے حق میں دعا و سفارش کرتے ہیں۔ سورۃ المومن کے پہلے رکوع میں ہے۔ الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ رَبَّنَا وَادْخُلْهُمْ جَنَّاتٍ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدْتَهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ وَقِهِمُ السَّيَّئَاتِ وَمَنْ تَقِ السَّيَّئَاتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهُ وَذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْعَظِيمُ۔ چنانچہ ارشاد ہوا ولا تنفع الشفاعة عنده الا لمن اذن له اور اس کے نزدیک سفارش سودمند نہیں ہوتی مگر اسی کی جسے اس نے سفارش کرنے کی اجازت دی ہو۔

حتی اذا فزع عن قلوبهم قالوا ماذا یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے تو عرض کرتے ہیں کیا بات ہے قال ربکم قالوا للحق تمہارا رب ان سے فرماتا ہے۔ (جن بندوں کے حق میں تمہیں شفاعت کا اذن ہوا ہے) انہوں نے پکی سچی بات کہی ہے وہو العلیٰ الکبیر اور وہ اونچی شان والا بزرگی والا ہے اس لیے اس کے متعلق بندوں کو حق بات ہی کہنی چاہئے۔ الشفاعۃ مصدر ہے۔ من اذن له اس کا فاعل ہے۔ (مفتاح القرآن میں جو لکھا ہے یہ اس کا ملخص ہے)

بحث ثالث

ابن عیینہ نے بتایا تھا کہ میرے شیخ عمرو بن دینار نے سورہ سبا کی آیت میں اذا فزع عن قلوبہم پڑھا تھا ساتھ ہی ابن عیینہ نے یہ اعتراف بھی کیا کہ مجھے معلوم نہیں کہ عمرو بن دینار نے یہ کسی عالم و قاری سے سنا تھا یا از خود ہی یہ لفظ پڑھتے تھے۔ مگر ابن عیینہ نے بتایا کہ ہماری قرآن یہی ہے یعنی ہم فزع کی بجائے اس آیت میں فزع (رائے مکسورہ مشدودہ اور غین معجمہ کے ساتھ) پڑھتے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۶۸۲ و ۱۱۱۵) میں کہتا ہوں کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سفیان بن عیینہ سفیہ و کم عقل محدث تھا۔ قرآن کریم کا ہر لفظ تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت میں فزع پڑھا یا اور لکھایا تھا۔ یہ

ہی صحابہ کرام نے یاد کیا۔ یہ ہی مصاحف میں لکھا گیا۔ عین ممکن ہے کہ عمرو بن دینار نے فزع ہی پڑھا ہو اور ابن عیینہ کی سمجھ میں فُزَع آیا ہو تو اس کی تحقیق کر لیتے۔ یہ کوئی تک کی بات ہے کہ ثابت و محقق لفظ کو چھوڑ کر قرآن میں وہ لفظ پڑھا جائے جو ثابت نہ ہو محض اس لیے کہ عمرو بن دینار نے ایسا پڑھا تھا۔ کوئی ابن عیینہ سے پوچھتا کہ قرآن محمد ﷺ پر اترا ہے یا عمرو بن دینار پر۔

(۵۸) قرآن فہمی میں بخاری و سفیان بن عیینہ

کی داد دینے کے لیے یہ پڑھیے جو کتاب التفسیر میں بخاری نے جزم کے ساتھ لکھا ہے۔ ”و قال ابن عیینہ عن صدقة انکاثا ہی خرقاء کانت اذا ابرمت غزلها نقضه“ (صحیح بخاری ص ۶۸۳) یعنی ابن عیینہ نے صدقہ ابو الہذیل سے روایت کر کے انکاثا کے متعلق کہا۔

بخاری نے پوری بات نہیں لکھی۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ ابن عیینہ نے صدقہ ابو الہذیل سے روایت کی ہے اس نے سدی سے ان امراء خرقاء حمقاء کانت بمکة کان هذا دابها۔ تغزل کل یوم ثم تنقض غزلها۔ سدی نے صدقہ ابو الہذیل کو بتایا کہ مکہ مکرمہ میں ایک عورت تھی بے وقوف بے عقل وہ دن بھر سوت کاٹا کرتی پھر (شام) کو بٹے ہوئے دھاگوں کے بل ادھیڑ دیتی۔ اللہ تعالیٰ نے ’ولا تکنو کالتی نقضت غزلها من بعد قوة انکاثا‘ میں اسی عورت کا ذکر کیا ہے کہ قسم توڑ کر یا عہد کی خلاف ورزی کر کے اس عورت جیسے نہ بنو۔ میں کہتا ہوں کہ سدی کے متعلق تو سب جانتے ہیں کہ جھوٹا اور دروغ باف شخص تھا اور اس کا تلمیذ صدقہ بن ابی عمران کو فی بھی ثقہ شخص نہ تھا۔ یحییٰ بن میمن نے اس کے متعلق کہا ہے ”لیس بشی (خلاصہ) تعجب ہے کہ بخاری نے سدی کے کذاب ہونے اور صدقہ ابو الہذیل کے غیر ثقہ ہونے کو نظر انداز کر دیا اور اس کی بیان کردہ یہ جھوٹی روایت جزم و یقین کے ساتھ ذکر فرمادی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد اپنے معنی و مفہوم میں بالکل واضح ہے۔ یعنی عہد و پیمان اور قسم کے ذریعہ کسی کام کو اپنے اوپر لازم کر لینا سوت کا تنے کے مشابہ ہے۔ کا تنے والی محنت کر کے روئی وغیرہ کو کات کر بل دے کرتا گے کی شکل میں لاتی ہے۔ ان تاگوں سے کپڑے بنے جاتے ہیں مگر اس نامراد و بے وقوف عورت کو کیا کہا جائے جو محنت کر کے سوت کا تنے پھر کاٹے ہوئے سوت کے بل اتار کر اسے ریزہ ریزہ کر ڈالے۔ یعنی عہد و قسم کی خلاف ورزی ایسی ہی حماقت ہے۔ انکاث کا واحد نکث ہے بمعنی ریزہ، قطعہ۔ پس آیت میں ”التی نقضت غزلها“ کسی واقعہ یا قصہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ بطور تمثیل ہے۔

(۵۹) ولا تجهر بصلاتک و لا تخافت بها کے متعلق حدیث ابن عباس

ہشیم بن بشیر نے ابو بشر یعنی جعفر بن ابی وحشیہ سے۔ اس نے سعید بن جبیر سے اس نے عبد اللہ بن عباس سے و لا تجهر بصلاتک و لا تخافت بها و ابتغ بین ذلک سیلا کے متعلق روایت کی ہے کہ نزلت و النبی ﷺ مخفی بمکة فکان اذا صلی باصحابه رفع صوته بالقرآن فاذا سمع المشرکون سبوا القرآن و من انزله و من جاء به فقال الله لنبیه و لا تجهر بصلاتک ای بقراء تک فیسمع المشرکون فیسبوا القرآن و لا تخافت بها عن اصحابک فلا تسمعهم و ابتغ بین ذلک سیلا (صحیح بخاری ص ۱۱۲۳ کتاب التوحید اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ انزلت و رسول الله ﷺ متواری بمکة فکان اذا رفع صوته سمع المشرکون فسبوا القرآن و من انزله و من جاء به فقال الله و لا تجهر بصلاتک حتی یسمع المشرکون و لا تخافت بها عن اصحابک فلا تسمعهم و ابتغ بین ذلک سیلا اسمعهم و لا تجهر حتی یأخذوا عنک القرآن (ص ۱۱۱۶ کتاب التوحید اور ایک روایت میں ہے کان النبی ﷺ متواری بمکة و کان یرفع

صوتہ فاذا سمعه المشركون سبوا القرآن و من جاء به فقال الله لنبیه و لا تجهر بصلاتک و لا تخافت بها (ص ۱۱۲۶ کتاب التوحید) بخاری نے یہ حدیث چار جگہ ذکر کی ہے۔ صحیح مسلم اور سنن ترمذی میں بھی ہے (صحیح مسلم ص ۱۸۳ طبع ہند کتاب الصلاۃ، سنن ترمذی، ابواب التفسیر، سورۃ الاسراء)

بقول سعید بن جبیر ابن عباس نے بتایا کہ اس میں صلاۃ سے مراد قراءۃ قرآن ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں مشرکین سے چھپے ہوئے تھے (یعنی دار ارقم میں قیام پذیر تھے) تو آپ صحابہ حاضرین کو نماز پڑھاتے تو قرآن کریم بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ باہر سے مشرکین سنتے تو قرآن کو۔ قرآن اتارنے والے کو قرآن لے کر آنے والے کو گالیاں بکتے۔ تو اللہ نے فہمائش فرمائی کہ اتنی اونچی آواز سے نہ پڑھو کہ کفار سن کر گالیاں بکیں نہ اتنی پست آواز سے کہ نماز پڑھنے والے مسلمانوں کو سنائی نہ دے۔ درمیانی راہ اختیار کرو۔

شعبہ نے بھی ابو بشر سے اور اس نے سعید بن جبیر سے اس کی روایت کی ہے۔ اس نے عبد اللہ بن عباس کا نام نہیں لیا۔ یہ بتایا ہے کہ سعید بن جبیر نے کہا تھا کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں روپوش تھے۔ الخ باقی مضمون وہی ہے شعبہ کی روایت ترمذی نے تخریج کی ہے۔ پس ابو بشر سے اس کی روایت ہشیم بن بشیر اور شعبہ بن حجاج نے کی ہے۔ ہشیم کی روایت کے مطابق یہ ابن عباس کی بیان کی ہوئی ہے اور شعبہ کی روایت کے مطابق خود سعید بن جبیر کی کہی ہوئی بات ہے۔ اور تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ شعبہ ہشیم سے بدرجہا حفظ و ضبط میں اور ثقہ ہونے میں فائق ہیں۔ اس لیے ماننا چاہئے کہ ہشیم نے ابن عباس کا ذکر غلطی سے کر دیا ہے درست بات یہ ہی ہے کہ یہ سعید بن جبیر کی اپنی اڑائی ہوئی بے پر بات ہے۔ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی ہے ابن عباس پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور سعید بن جبیر کی مرسل روایت کوئی وزن نہیں رکھتی۔ اور یہ کہنا کہ اس آیت میں صلاۃ سے مراد قراءۃ ہے قطعاً غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ہی بتانا ہوتا تو وہ لا تجهر بقراءۃ تک فرمانے سے عاجز نہ تھا۔ الغرض یہ سعید بن جبیر کی روایت قطعاً صحیح

نہیں ہے۔ اس آیت کے صحیح مطلب کا بیان آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔

حضرت عائشہ کا قول

عروہ بن زبیر نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کا اس آیت کے متعلق یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے یعنی اس میں یہ ہدایت فرمائی ہے کہ دعا نہ بلند آواز سے کرو نہ آہستہ آہستہ بلکہ معتدل آواز سے کیا کرو (صحیح بخاری ص ۶۸، ص ۹۳۶، کتاب الدعوات و ص ۱۱۲۳ کتاب التوحید امام بخاری نے قین جگہ عروہ کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ ام المؤمنینؓ نے اس آیت کے متعلق فرمایا تھا ”نزلت فی الدعاء“ مگر کہیں بھی عروہ نے یہ نہیں بتایا کہ میں نے ام المؤمنین سے یہ سنا ہے یا انہوں نے مجھے بتایا یا مجھ سے یہ بیان کیا۔ ہر جگہ عن عائشہ ہے اس لیے نہیں کہا جاسکتا کہ فی الواقع ام المؤمنینؓ نے یہ فرمایا تھا ہو سکتا ہے کہ کسی اور شخص نے ان کی طرف منسوب کر کے عروہ سے یہ بیان کر دیا ہو کیونکہ دعا کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت فرمائی ہے ادعوا ربکم تضرعا و خفية انه لا يحب المعتدين (الاعراف) اور یہ آیت دعا کے متعلق ہوتی تو ولا تجهر بدعائك ولا تخافت به فرمایا جاتا۔ اس سے یہ ہی سمجھ میں آیا ہے کہ حضرت ام المؤمنینؓ نے یہ بات نہیں کہی تھی۔

اس آیت کی صحیح تفسیر

صلاة یعنی نماز جن اذکار پر مشتمل ہے وہ سب کے سب نہ بہ آواز بلند پڑھنے چاہئیں نہ سب کے سب پست آواز سے۔ بعض کی ادائیگی جہرا ہو بعض کی سرا جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے اور بحمد اللہ اہل اسلام کا اسی پر عمل ہے۔ آپ نے اپنے متواتر عمل سے بتایا ہے کہ تمام تکبیریں اور تسمیع یعنی سمع اللہ لمن حمدہ کہنا اور آخر میں سلام امام ہر نماز میں بلند آواز سے کہے نیز نماز فجر و نماز جمعہ و نماز عیدین اور مغرب و عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں بلند آواز سے سورہ فاتحہ اور اس کے بعد بلند آواز سے قرآن پڑھے۔ اور امام و مقتدی سب نماز پڑھنے والے دعائے افتتاح و ثنا اور رکوع و سجود کی

تبیحات۔ قومہ و جلسہ کا ذکر اور تشہد سر اُپر دھیں۔ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو جو فہمائش فرمائی گئی ہے۔ اسی کی آپ نے امت کو تعلیم دی ہے۔

(۶۰) قیامت کے دن موت کو ذبح کرنے کی حدیث جو بطریق اعمش ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے

اعمش نے ابوصالح ذکوان مدنی سے اس نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یوتی بالموت کھیۃ کبش املح فینادی منادی یا اهل الجنة فیشرئبون و ينظرون فیقول هل تعرفون هذا فیقولون نعم هذا الموت و کلهم قدرآه ثم ینادی یا اهل النار فیشرئبون و ينظرون فیقول هل تعرفون هذا فیقولون نعم هذا الموت و کلهم قدرآه فیذبح ثم یقول یا اهل الجنة خلود فلاموت و یا اهل النار خلود فلا موت ثم قرء و أنذرهم يوم الحسرة اذ قضی الامر و هم فی غفلة و هم لا یؤمنون هؤلاء فی غفلة. اهل الدنيا و هم لا یؤمنون. (صحیح بخاری ۶۹۱)

یہ حفص بن غیاث کی اعمش سے روایت ہے (سورۃ مریم کتاب التفسیر) صحیح مسلم ص ۲۹۵ طبع مصر کتاب صفة القيامة و الجنة و النار یہ ہی ابو معاویہ کی اعمش سے روایت ہے اس میں ہے ثم قرء رسول اللہ ﷺ۔

جریر نے بھی اعمش سے اس کی روایت کی ہے۔ اس میں ثم قرأ رسول اللہ ﷺ نہیں ہے۔ فذلک قوله عز و جل و أنذرهم يوم الحسرة اذ قضی الامر ہے۔ اور ابوالمغیرۃ نسربن اسماعیل کوئی نے جو ایک واعظ اور نہایت ضعیف و منکر الحدیث یعنی غلط بیان شخص تھا اعمش سے اسی اسناد کے ساتھ یوں روایت کی ہے۔ قرء رسول اللہ ﷺ و أنذرهم يوم الحسرة الآية. قال یوتی بالموت کانه کبش

املح حتى يوقف على السوريين الجنة و النار فيقال يا اهل الجنة فيشرئبون و يقال يا اهل النار فيشرئبون فيقال هل تعرفون هذا؟ فيقولون نعم هذا الموت فيضجع فيذبح فلولا ان الله قضى لاهل الجنة البقاء والحياة لما توا فرحا ولولا ان الله قضى لاهل النار الحياة فيها و البقاء لما توا ترحاً. (ترمذی ابواب التفسیر سورة مريم)

ترمذی نے اسے حسن صحیح بتایا ہے حالانکہ اس کا اکثر حصہ موضوع ہے۔ اعمش کی بیان کردہ حدیث میں ظالم نصر بن اسماعیل ابوالمغیرۃ نے اپنی طرف سے کچھ اضافے کر کے اس کی روایت کر دی تھی۔

پس اعمش سے یہ حدیث حفص بن غیاث و ابو معاویہ و جریر و ابوالمغیرۃ نے روایت کی ہے۔ ان سب کی اسناد الاعمش عن ابی صالح عن ابی سعید الخدری ہے۔ ان سب کے برخلاف اسباط بن محمد نے اعمش سے اس کی روایت کی ہے اس نے اسناد میں ”عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ کہا ہے اس کی تخریج نسائی نے السنن الکبریٰ کی کتاب التفسیر میں کی ہے۔ (تحفة الاشراف ۹ ابو صالح عن ابی ہریرۃ)

ظاہر ہے کہ یہ اسباط کی بھول ہے ثابت بات یہ ہوئی کہ بروایت اعمش یہ ابو سعید خدری سے مروی حدیث ہے۔

ابوالمغیرۃ کی روایت میں جس کی ترمذی نے تخریج کی ہے یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت و اندرهم يوم الحسرة پر موت کے ذبح کیے جانے کا ذکر کیا تھا۔ لیکن ابوالمغیرۃ کے علاوہ دیگر اشخاص کی روایت میں آیت کا ذکر بعد میں ہے۔ یہ ہی صحیح ہے ابوالمغیرۃ کی بات غیر ثقہ ہونے کی وجہ سے واجب الرد ہے۔ پھر ابو معاویہ نے کہا ہے کہ موت کے ذبح ہونے کا تذکرہ کر کے رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی تھی۔ حفص و جریر نے رسول اللہ ﷺ کا ذکر نہیں کیا۔ یہ ہی صحیح ہے درست بات یہ ہے کہ حدیث مذکور بیان کرنے کے بعد خود اعمش نے یہ آیت پڑھی تھی یہ بتانے کے لیے کہ آیت میں جو اذ قضی الامر آیا ہے تو اس سے یہ ہی موت کا ذبح کیا جانا مراد ہے۔ ان باتوں کو سمجھ لینے کے بعد اعمش

کی روایت کی ہوئی یہ حدیث سمجھیے۔ حدیث کا مضمون یہ ہے کہ اہل جنت جنت میں اور اہل جہنم جہنم میں جا گزریں ہو چکیں گے تو موت کو ایک بھورے مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور اہل جنت کو پکارا جائے گا کہ اسے دیکھو۔ وہ گردنیں لمبی کر کے اسے دیکھیں گے۔ کہا جائے گا کہ اسے پہچانتے ہو؟ کہیں گے۔ جی ہاں یہ موت ہے۔ پہچان لینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ سب اسے پہلے ہی دیکھ چکے تھے یعنی اس کا ڈالقعہ چکھ چکے تھے پھر اہل جہنم کو پکارا جائے گا کہ اسے دیکھو وہ بھی گردنیں لمبی کر کے دیکھیں گے۔ کہا جائے گا کیا اسے پہچانتے ہو؟ کہیں گے۔ ہاں ہم اسے پہچانتے ہیں۔ یہ موت ہے، وہ سب بھی پہلے ہی اسے دیکھ چکے تھے۔ پس اسے ذبح کر دیا جائے گا تب منادی پکار کر کہے گا۔ اے اہل جنت تمہیں ہمیشگی ہے اس حدیث میں جھول یہ ہے کہ یہ نہیں بتایا کہ کیا اہل جنت اپنے محلات کی چھتوں پر چڑھ کر اس مینڈھے کو دیکھیں گے یا جنت کے صدر دروازے سے باہر آ کر صف بستہ کھڑے ہو کر اس کا مشاہدہ کریں گے۔ نہ ہی اہل جہنم کے متعلق کچھ مذکور ہے۔ یا ہر ایک فرد کو ایک ایک طاقتور دور میں دے دی جائے گی۔

پھر وہ سب اہل جنت بھی اور اہل جہنم بھی بھورے مینڈھے کو دیکھ کر پہچان لیں گے کہ یہ موت ہے اس لیے کہ وہ سب پہلے ہی اسے دیکھ چکے تھے تو کیا دنیا میں ہر مومن اور ہر کافر کو جب موت آتی ہے تو بھورے مینڈھے کی شکل میں دکھائی دیتی ہے؟ اگر اس سوال کا جواب نفی میں ہے تو اس حدیث کی صحت کا کیا تصور کیا جاسکتا ہے۔

(۶۱) لرادک الی معاد کی ابن عباس کی طرف منسوب تفسیر

بخاری نے کہا ہے

حدثنا محمد بن مقاتل المروزی قال اخبرنا يعلى قال حدثنا سفیان
العصفري عن عكرمة عن ابن عباس لرادک الی معاد الی مكة (صحیح)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد۔
سفیان بن دینار تمار عصفری نے عکرمہ سے روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن عباس نے
اس آیت میں معاد سے مراد مکہ بتایا تھا۔ الی معاد یعنی الی مکہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے
رسول کو بتایا تھا کہ تسلی رکھئے اللہ آپ کو مکہ کی طرف واپس فرمانے والا ہے کیونکہ آپ کو
ہجرت کے بعد مدینہ پہنچ کر مکہ سے جدائی بڑی شاق گذر رہی تھی اور افسوس ہوتا تھا کہ
کافروں کے ظلم و ستم کی وجہ سے ہم اللہ کے حرم محترم سے دور آ پڑے ہیں۔ اس قول پر
لازم آتا ہے کہ یہ آیت مدنیہ ہو۔ حالانکہ پوری سورة القصص مکیہ ہے اور ہجرت سے بہت
پہلے نازل ہوئی تھی۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت سفر ہجرت میں نازل ہوئی تھی۔ حالانکہ یہ بات نہ
رسول اللہ ﷺ کو معلوم تھی نہ آپ کے رفیق حضرت ابو بکر صدیقؓ کو پھر اس قائل کو کیسے
معلوم ہو گئی۔ الغرض عکرمہ نے ابن عباس کی طرف معاد کی جو تفسیر منسوب کی ہے وہ خود
عکرمہ کی ہی غلط بیانی معلوم ہوتی ہے۔ کسی نے اس آیت میں معاد کو آخرت کسی نے موت
کسی نے قبر کے معنی میں بتایا ہے اور یہ سب اقوال بھی ابن عباس کی طرف منسوب ہیں۔
جھوٹے راویوں نے معاد کو جس معنی میں سمجھا لوگوں میں اسے رواج دینے کی غرض سے ابن
عباس کے سرمنڈھ دیا کسی کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ اس سے پہلی آیت سے اسے مرتبط سمجھ کر اس
کے معنی پر غور کرتا۔ پہلی آیت یہ ہے من جاء بالحسنة فله خیر منها جو شخص اچھی
سیرت لے کر آیا تو اس کے لیے اس سے بہتر ہے۔ و من جاء بالسیئة فلا یجزی
الذین عملوا السيئة الا ما كانوا یعملون۔

اور جو شخص بری سیرت لے کر آیا تو ان لوگوں کو جنہوں نے برے کام کیے وہی تو
بدلہ دیا جائے گا جو وہ کرتے رہے تھے۔

قرآن اسی اچھی سیرت کا داعی و ہادی ہے۔ بندوں کو جس اچھی سیرت کا حامل ہونا
چاہئے وہ موقوف ہے کتاب اللہ پر کار بند ہونے پر۔ مگر حضرت ابراہیمؑ پر اترا ہوا صحیفہ گم

ہو چکا تھا۔ تورات و انجیل میں تحریفات کر دی گئی تھیں تو بندوں کو پسندیدہ سیرت کی طرف واپس کرنے کا کوئی ذریعہ نہ رہا تھا۔ تدریجی طور پر رسول اللہ کو اللہ نے اصلاً اور تمام بندوں کو تبعاً اسی سیرت کی طرف واپس کرنے اور اسی پسندیدہ معاد (جائے بازگشت) کی طرف پھیر دینے کا اہتمام کر کے آپ کو راست رو اور راست روی کا داعی و ہادی بنا دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد بے شک جس نے تجھ پر قطعہ قطعہ کر کے قرآن اتارا یقیناً تجھے واپس فرمانے والا ہے واپسی کی جگہ کی طرف۔ قل ربی اعلم من جاء بالہدی و من هو فی ضلال مبین کہہ میرا رب خوب جاننے والا ہے کہ کون رہنمائی لایا ہے اور کون صریح گمراہی میں ہے۔

(۶۲) واہبة النفس عورتوں کے متعلق

ام المومنینؓ کی حدیث

ابو اسامہ یعنی حماد بن اسامہ نے ہشام بن عروہ سے اس نے اپنے والد عروہ بن زبیر سے اس نے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا

كنت اغار على اللاتي وهبن انفسهن لرسول الله ﷺ و اقول اتهب المرأة نفسها؟ فلما انزل الله تعالى ترجى من تشاء منهن و تزوى اليك من تشاء و من ابتغيت ممن عزلت فلا جناح عليك قلت ما ارى ربك الا يسارع في هواك (صحيح بخاری ص ۷۰۶ سورة الاحزاب)

یہ حدیث موضوع نہیں ہے مگر غلط ہے۔ عروہ سے اس کو نقل کرنے میں سخت چوک ہوئی ہے۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے جو فرمایا تھا وہ عروہ نے ذکر نہیں کیا اس لیے یہ حدیث مہمل و بے معنی ہو گئی ہے۔ ابو اسامہ کی بیان کی ہوئی یہ حدیث سنن نسائی و صحیح مسلم

میں بھی ہے۔ (سنن نسائی کتاب النکاح، حدیث ۴) (صحیح مسلم ۱ ص ۴۷۳، کتاب النکاح طبع ہند)

ابو اسامہ کی اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا مجھے ان عورتوں پر غصہ آتا تھا جنہوں نے اپنے نفوس رسول اللہ ﷺ کے حوالہ کر دیئے تھے (کہ یا رسول اللہ آپ ہمارے متعلق جو چاہیں فیصلہ فرمائیں خود ہمیں اپنی زوجیت میں لے لیں خواہ اور لوگوں کی زوجیت میں دے دیں) اور میں کہتی تھی کیا عورت اپنی ذات کو بہہ کرتی ہے۔ (یہ تو بڑی تنگ و عار اور بے شرمی کی بات ہے) محمد بن فضیل نے ہشام سے اسی اسناد کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ عروہ نے کہا

كانت خولة بنت حكيم من اللائى وهبن انفسهن للنبي ﷺ فقالت عائشة اما تستحيى المرأة ان تهب نفسها للرجل. فلما نزلت ترجى من تشاء منهن و تؤوى اليك من تشاء قلت يا رسول الله ما ارى ربك الا يسارع في هواك (صحيح بخارى ۷۶۷، كتاب النكاح) باب هل تهب المرأة نفسها لاحد.

خولة بنت حكيم قديمۃ الاسلام مهاجرہ صحابیہ ہیں حضرت عثمان بن مظعونؓ کے نکاح میں تھیں۔ ان کی وفات کے بعد خود کو بقول عروہ رسول اللہ ﷺ کے لیے بہہ کر دیا۔ آپ نے اپنے اصحاب میں سے ایک صاحب سے ان کا نکاح کر دیا۔

عبدہ بن سلیمان کلابی نے بھی ہشام سے اسی اسناد کے ساتھ عبدہ سے ابو بکر بن ابی شیبہ نے اس سے امام مسلم و ابن ماجہ نے انہا کا نقل کیا تھا اما تستحيى المرأة تهب نفسها لرجل . اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے۔ اما تستحيى المرأة ان تهب نفسها للنبي ﷺ (ص ۱۴۵، ابواب النکاح طبع ہند) محمد بن بشر نے ہشام سے یہ روایت کی ہے:

انها كانت، تعير النساء اللائى وهبن انفسهن لرسول الله ﷺ قالت الا تستحيى المرأة تهب نفسها بغير صداق. فانزل الله ترجى من

تشاء الآية قالت انى ارى ربك عزو جل يسارع لك فى هواك
(مسند ۶ ص ۱۵۸)

یہ جملہ روایات بتا رہی ہیں کہ ام المؤمنینؓ کے نزدیک عورت کا خود کو ہبہ کرنا ننگ و عار اور بے شرمی کا کام تھا۔ آیت ترجی من تشاء نے نازل ہو کر ان کے اس خلجان کو رفع کیا۔ سوال یہ ہے کہ آیت ترجی من تشاء کا تو واہبۃ النفس کے مسئلہ سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ اس آیت کا مضمون تو یہ ہے کہ اللہ نے اپنے رسول پر بیویوں کے درمیان عدل کرنے اور شب باشی میں سب کو برابر رکھنے کو لازم نہیں کیا۔ آپ کو اختیار دیا ہے کہ جس بیوی کو چاہیں طلب فرمائیں اور جس کو جو چاہیں دیں آپ پر کوئی پابندی نہیں حالانکہ دیگر مسلمانوں پر جن کے یہاں ایک سے زائد بیویاں ہوں عدل کی پابندی لازم ہے۔ اس آیت سے ام المؤمنینؓ کا واہبۃ النفس کے متعلق خلجان رفع ہونے کی کوئی تک نہیں ہے۔ دراصل ام المؤمنینؓ نے عروہ کو بتایا تھا کہ

”كنت اغار على اللاتي وهبن أنفسهن لرسول الله ﷺ و اقول اليس فيهن جباء. فانزل الله في ذلك ”و امرأة مؤمنة ان وهبت نفسها للنبي ان اراد النبي ان يستنكحها.

عروہ کو ام المؤمنینؓ کی فرمائی ہوئی بات یاد نہیں رہی اور کچھ کا کچھ کہہ دیا۔ بخاری وغیرہ نے غور نہیں کیا اور ناقص حدیث کی تخریج کر دی۔

(۶۳) مروان وعبدالرحمن بن ابوبکر کا قصہ

بخاری نے کہا ہے

حدثنا موسى بن اسماعيل قال ثنا ابو عوانة عن ابى بشر (جعفر بن ابى وحشية عن يوسف بن ماهك قال كان مروان على الحجاز استعمله معاوية فخطب فجعل يذكر يزيد بن معاوية لکی يبایع له بعد ابیه قال له

عبد الرحمن بن ابی بکر شیناً فقال خذوه فدخل بيت عائشة فلم
يقدرُوا عليه فقال مروان ان هذا الذى انزل الله فيه و الذى قال لوالديه
اف لكما الآية. فقالت عائشة من وراء الحجاب ما انزل الله فينا شيئاً
من القرآن الا ان الله انزل على (صحيح بخارى ص ۱۵ سورة
الاحقاف كتاب التفسير)

یوسف بن ماہک مکی نے کہا کہ مروان معاویہ کی طرف سے صوبہ حجاز کا حاکم
(وائسرائے) تھا تو اس نے مسجد نبوی میں تقریر کی تو یزید بن معاویہ کا ذکر کرنے لگا (کہ وہ
ایسا ایسا صالح و فائق جوان ہے اور امیر المومنین معاویہ نے اسے اپنا جانشین بنانا طے کر لیا
ہے) مقصد یہ تھا کہ معاویہ کے بعد یزید کے لیے بیعت کی جائے۔ اس پر ابو بکر صدیقؓ کے
بیٹے عبد الرحمن نے کچھ کہہ دیا۔ مروان نے کہا اسے پکڑ لو۔ عبد الرحمن بھاگ کر اپنی بہن ام
المومنین عائشہ کے گھر میں گھس گئے۔ اس وجہ سے لوگ ان پر قابو نہ پاسکے تب مروان نے کہا
یہ وہی شخص ہے جس کے متعلق اللہ نے یہ آیت اتاری ہے۔

”والذى قال لوالديه اف لكما اتعداننى ان اخرج و قد خلت القرون من
قبلى وهما يستغيثان الله ويلك آمن ان وعد الله حق . فيقول ما هذا
الاساطير الاولين. (سورة الاحقاف ۲۴)

یہ سن کر حضرت عائشہ نے پردے کے پیچھے سے بہ آواز بلند فرمایا۔ اللہ نے
ہمارے (یعنی ابو بکر کے گھرانے کے بارے میں کچھ نہیں اتارا بجز اس کے کہ میرا عذر تو
نازل فرمایا تھا۔)

یہ قصہ اول سے آخر تک قطعاً جھوٹا ہے اگر فی الواقع ابو بکر جعفر بن ابی وحشیہ سے یہ
قصہ یوسف بن ماہک نے بیان کیا تھا تو اس کا ذمہ دار یہ ہی غلم تھا اس کا باپ ماہک بن
مہران ایرانی تھا ماہک کے معنی ہیں چھوٹا سا چاند۔ حضرت عمر کے عہد میں مسلمانوں کی
ایرانیوں سے جو لڑائیاں ہوئی ہیں ان میں سے کسی جنگ میں پکڑے ہوئے بچوں میں تھا
ایک قرشی مکی مجاہد کے حصہ میں لگا۔ اس نے اس کی پرورش کی اور آزاد کر دیا۔ یوسف اس کا

بیٹا تھا مکہ میں رہا سہا علم حاصل کیا اور دیگر ایرانیوں کی طرح حضرت معاویہ اور بنی امیہ سے دل میں بغض رکھتا تھا۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس نے یہ نہیں سنا نہ مروان سے جو اس قصہ میں مذکور ہے۔ اب سنیے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات مدینہ منورہ میں ۱۷ رمضان ۵۸ھ میں حضرت معاویہؓ کے عہد میں ہوئی ہے۔ اور ان کے سگے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی وفات ۵۳ھ میں ہو چکی تھی مکہ کمرہ سے آرہے تھے یا جارہے تھے کہ طبیعت خراب ہوئی اور خبشی نامی مقام پر جان جاں آفریں کے سپرد کردی وہاں سے مکہ بارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ خبشی سے ان کا جنازہ لے جایا گیا اور مکہ میں دفن کیا گیا۔ حضرت عبدالرحمن تو کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں بھی یزید کی ولی عہدی کا مسلمانوں میں کوئی چرچا نہیں ہوا۔ حضرت معاویہ کی وفات ۲۶ رجب ۶۰ھ میں ہوئی ہے یعنی ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے ایک سال دس ماہ بعد ۵۹ھ میں حضرت معاویہ کو یہ فکر ہوا کہ میرا وقت آخر قریب آگیا ہے تو کیا امت مسلمہ کو یوں ہی کسی خلیفہ کے بغیر چھوڑ جاؤں۔ اگر میں نے ایسا کیا تو قبائل عرب تباہ کن خانہ جنگی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ ہر قبیلہ چاہے گا کہ اس کا سردار ہی امیر المومنین بنے اور اگر کسی کو خلیفہ نامزد کر دوں جیسا کہ حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کو اپنا خلیفہ بنایا تھا۔ تو کسے؟ ایسا فرد جس پر ساری امت جمع ہو سکے کون ہو سکتا ہے۔ بعض اہل الرائے مخلصین نے امیر المومنین معاویہ کے بیٹے یزید کا نام پیش کیا۔ سنجیدگی سے معاویہ نے اس پر غور کیا تو یہ تجویز معقول نظر آئی آخر اس پر مزم فرمالیا۔ اور اسلامی مملکت کے تمام مرکزی مقامات میں یہ خبر ارسال کر دی۔ الغرض یزید کی ولی عہدی کی تجویز حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کی وفات سے کئی برس بعد منظر عام پر آئی تھی پھر جو قصہ یوسف بن ماہک نے بیان کیا اور بخاری نے اسے درج صحیح فرمادیا ہے کیسے درست ہو سکتا ہے۔ مروان بن حکم عالم و فاضل شخص تھے۔ یوسف بن ماہک نے بلکہ کسی بھی شخص نے مروان کے منہ سے یہ نہیں سنا کہ اس نے عبدالرحمن کو پکڑنے کا حکم دیا ہو۔ نہ کسی آنکھ نے یہ دیکھا کہ عبدالرحمن نے اپنی بہن کے گھر پناہ لی ہو۔ نہ کسی کان نے مروان کے منہ سے یہ سنا کہ اس نے برسر منبر عبدالرحمن

کے متعلق یہ ذریدہ دہنی کی ہو کہ اس شخص کے بارے میں آیت والذی قال لوالدیہ اف لکما نازل ہوئی ہے اور حضرت عائشہؓ نے جواب میں پردے کے پیچھے سے یہ فرمایا ہو ما انزل اللہ فینا شیئا من القرآن الا ان اللہ انزل عذری۔ یہ سب یوسف بن ماہک کی بکواس تھی۔

صحیح بخاری کے شارح حافظ ابن حجر نے بجائے اس کے کہ تاریخی طور پر اس قصہ کو پرکھتے یہ کہا ہے عذر سے مراد ام المومنین کے قول میں حادثہ افک میں ان کی برأت ہے حالانکہ کسی کو منظم و منشور کلام عرب میں عذر بمعنی برأت نہیں مل سکتا۔

(۶۴) لات کے متعلق ابن عباس کی طرف منسوب ایک قول

بخاری نے کہا ہے

حدثنا مسلم بن ابراهیم قال حدثنا ابو الاشهب قال حدثنا ابو الجوزاء عن ابن عباس فی اللات والعزی کان اللات رجلاً یلت سویق الحاج مات فعبدوه (صحیح بخاری ص ۷۲۰ سورہ النجم کتاب التفسیر)

ہم سے مسلم بن ابراہیم فراہیدی نے بیان کیا کہ ہم سے ابو الاشهب نے بیان کیا کہ ہم سے ابو الجوزاء نے بیان کیا عبد اللہ بن عباس سے روایت کر کے لات دعزی کے بارے میں کہ لات ایک مرد تھا جو حاجیوں کے ستو گھولا کرتا تھا۔ وہ مر گیا تو مشرکین کا معبود بن گیا۔

یہ بھی قطعاً جھوٹی روایت ہے ابو الاشهب کا نام جعفر بن حیان عطاردی ہے۔ اور حماد بن زید کہا کرتے تھے ابو الاشهب نے ابو الجوزاء سے کچھ نہیں سنا (تھذیب التھذیب) لہذا امام بخاری کی اسناد میں جو مذکور ہے کہ ابو الاشهب نے کہا تھا حدثنا ابو الجوزاء تو یہ غلط ہے۔ اور غالباً یہ غلطی بخاری کے استاد مسلم بن ابراہیم کی ہے۔ اور ابو الجوزاء کا نام اوس بن عبد اللہ ہے۔ بصرہ کا رہنے والا تھا اس نے دس حدیثیں روایت کی ہیں جو سب کی سب غیر

محفوظ ہیں جیسا کہ ابن عدی نے تصریح کی ہے نیز ابن عدی نے کہا ہے کہ ابو الجوزاء
 روی عن الصحابة ولم تصح روايته عنهم۔ یعنی اس نے کسی صحابی سے کوئی
 حدیث نہیں سنی لہٰذا کے معنی خلط ملط کرنا گھولنا اس کا اسم فاعل لایث ہے ت کی تشدید کے
 ساتھ جیسے ماڈ فار کسی جاہل نے افرائیتم اللات والعزی سورة النجم کی آیت
 اللات پڑھ دیا تھا۔ اسے صحیح ثابت کرنے کے لئے ابن عباس کا یہ قول گھڑ کر روایت کر دیا
 گیا اور امام بخاری نے اسے درج صحیح فرمادیا۔ عبد اللہ بن عباس۔ علی بن ابی
 طالب۔ عبد اللہ بن مسعود صحابہ کرام میں بڑی مظلوم ہستیاں ہیں راویوں نے ان کی طرف
 بکثرت جھوٹی باتیں منسوب کر کے ان پر بڑا ظلم ڈھایا ہے۔

(۶۵) سورة الجمعة میں و آخرین منهم لما يلحقوا بهم کے متعلق ابو الغیث کی روایت کی ہوئی حدیث ابو ہریرہ

سلیمان بن بلالی نے ثور بن زید ذکلی سے روایت کی ہے:

عن ابی الغیث عن ابی ہریرۃ قال کنا جلوساً عند النبی ﷺ فانزلت علیہ
 سورة الجمعة و آخرین منهم لما يلحقوا بهم قال قلت من هم یا رسول
 اللہ فلم یراجعہ حتی سأل ثلاثاً و فینا سلمان الفارسی فوضع رسول
 اللہ ﷺ یدہ علی سلمان فقال لو کان الايمان عند الشریا لنا له رجال او
 رجل من هؤلاء۔ (صحیح بخاری ص ۷۲۷ سورة الجمعة کتاب التفسیر)

ابو الغیث یعنی سالم نے جو عبد اللہ بن مطیع کا آزاد کیا ہوا غلام تھا ابو ہریرہ سے
 روایت کی ہے۔ ابو ہریرہ نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو آپ پر
 سورة الجمعة نازل ہوئی اس میں آخرین منهم کے متعلق میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ وہ
 کون ہیں۔ آپ نے پوچھنے والے کو جواب نہیں دیا حتیٰ کہ اس نے تین بار پوچھا۔ اور ہم میں
 سلمان فارسی بھی تھے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ سلمان پر رکھ کر فرمایا اگر ایمان ثریا

ستارے کے پاس ہوتا یعنی اسے حاصل ہونا بہت شاق و دشوار ہوتا تو ان میں سے چند لوگ یا ایک شخص اسے ضرور حاصل کر لیتے۔ میں نے اس حدیث کا لفظی ترجمہ کر دیا ہے ویسے اس کی عبارت میں دو شدید خرابیاں ہیں، اول یہ کہ اس میں تصریح ہے کہ سوال خود ابوہریرہ نے کیا تھا لہذا اس کے بعد یہ ہونا چاہئے فلم یرد علی۔ یا فلم یجبنی حتی سألته ثلاثاً فلم یراجعه بھی اس میں غلط ہے۔ فلم یرجع علیہ کہنا چاہئے تھا۔

(دوم) یہ کہ لؤ ماضی کے لئے آتا ہے جیسے تم کسی سے کہو لو جئنی افس لا عطیتک کذا۔ (اگر تو کل میرے پاس آیا ہوتا تو میں تجھے فلاں چیز دیتا) اور مستقبل کے لئے ان آتا ہے جیسے ان ذہبت الی البلدة اذہب معک۔ اگر تو شہر جائے گا تو میں تیرے ساتھ جاؤں گا۔ جس موقع کا ذکر اس حدیث میں ہے وہ موقع ماضی کا نہیں بلکہ مستقبل کا مقتضی ہے۔ بتانا یہ تھا کہ ایمان اگر دشوار یا ب ہو جائے تو اہل ایمان میں کچھ لوگ ضرور اسے حاصل کر لیں گے۔ اور اس معنی کو عربی زبان میں لو کان الایمان عند الشریا کی بجائے ان کان الایمان عند الشریا سے تعبیر کرنا چاہئے تھا ان دونوں غلطیوں کو ابوہریرہ کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا ان میں سے پہلی غلطی تو سلیمان بن بلال کی ہے اور دوسری غلطی ابو الغیث کی اس لئے کہ عبدالعزیز بن محمد درودی نے بھی ثور بن زید دلی سے اس کی روایت کی ہے۔

قال ابوہریرۃ کنا جلوساً عند النبی ﷺ اذ نزلت علیہ سورۃ الجمعة فلما قرء و آخرین منهم لما یلحقوا بہم قال رجل من هؤلاء یا رسول اللہ فلم یراجعه النبی ﷺ حتی سألہ مرتین او ثلاثاً قال و فینا سلمان الفارسی قال فوضع النبی ﷺ یدہ علی سلمان ثم قال لو کان الایمان عند الشریا لنالہ رجال من هؤلاء (صحیح مسلم۔ او اخر کتاب الفضائل)

علی بن مدینی کے باپ عبداللہ بن جعفر مدینی نے بھی ثور بن زید سے اسی طرح اس کی روایت کی ہے کہ ابوہریرہ نے کہا

کنا عند رسول اللہ حین انزلت علیہ سورۃ الجمعة فتلاھا فلما بلغ

وآخرین منهم لما يلحقوا بهم قال له رجل يا رسول الله من هؤلاء الذين لم يلحقوا بنا فلم يكلمهم قال وسلمان فينا فوضع رسول الله ﷺ على سلمان فقال والذي نفسي بيده لو كان الايمان بالشر يا لنا وله رجال من هؤلاء (سنن ترمذی، ابواب التفسیر، سورہ الجمعة)

پس ثور بن زید سے ابوالغیث کی یہ حدیث سلیمان بن بلال و عبد العزیز دراوردی اور عبد اللہ بن جعفر مدینی نے روایت کی ہے۔ سلیمان کی روایت عبارت کے لحاظ سے فاسد ہے۔ عبد العزیز اور عبد اللہ بن جعفر کی روایت عبارت کے لحاظ سے درست ہے۔ مگر عبد العزیز بد حفظ و ضعیف راوی ہے اور عبد اللہ بن جعفر بے حد ضعیف و منکر الحدیث شخص ہے۔ اور تینوں کی روایت میں لو کا غلط استعمال ہے۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ حدیث ابو ہریرہ کی بیان کی ہوئی نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ فصیح اللسان اور عربی و اوصحابی تھے وہ حروف کو غلط استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ یہ غلطی ابوالغیث سالم کی ہے جو غمی نژاد اور عبد اللہ بن مطیع کا آزاد کردہ تھا۔ یہ تو اس حدیث میں سند اور عبارت کے لحاظ سے کلام ہے عقل و درایت کے لحاظ سے اسے پرکھئے تو اس کے باطل ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔

کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ سورہ الجمعہ حضرت ابو ہریرہ کے سامنے نازل ہوئی۔ اس کے نزول کے وقت وہ دیگر اصحاب کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور سب جانتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ کو مدینہ کے اندر خدمت اقدس میں بیٹھنے کی سعادت سے محروم رہے۔ وہ جب مسلمان ہو کر مدینہ آئے تو آپ مع اکثر اصحاب خیبر میں تھے۔ ابو ہریرہ مدینہ سے خیبر اس وقت پہنچے جب خیبر فتح ہو چکا تھا اور آپ مجاہدین میں اموال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے وہاں سے لشکر اسلام کے ساتھ مدینہ واپس آ کر رہے۔ پس ابوالغیث کی روایت کردہ اس حدیث سے لازم آتا ہے کہ سورہ الجمعہ ۷ھ سے پہلے نہیں بلکہ ۸ھ میں یا اس کے بعد نازل ہوئی ہو حالانکہ اس سورہ کی اندرونی شہادت یہ ہے کہ یہ سورہ شریفہ ۲ھ یا ۳ھ میں نازل ہوئی ہے جب کہ قبائل یہود مدینہ و نواح میں موجود تھے یہود بنی قینقاع ۳ھ میں اور یہود بنی

تفسیر ۴۷ میں جلاوطن کیے گئے پھر غزوہ احزاب کے بعد متصل ۵۷ھ میں بنی قریظہ کی سرکوبی ہوئی اور مدینہ کی فضا یہود کے وجود سے صاف ہو گئی پس یہ سورہ شریفہ حضرت ابو ہریرہ کی آمد اور مدینہ میں قیام سے بہت پہلے نازل ہو چکی تھی۔

سالم ابو الغیث قلیل العلم شخص تھا اس نے صرف حضرت ابو ہریرہ سے کچھ حدیثیں روایت کی ہیں۔ ان کے علاوہ اور کسی صحابی سے اس کی روایت ثابت نہیں شاید اسے سورہ الجمعہ یاد نہ تھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے بھی بے خبر ہو کہ ابو ہریرہ کس سن میں مدینہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے میں سمجھتا ہوں کہ کسی یا وہ گورافضی نے ابو ہریرہ کی طرف منسوب کر کے یہ حدیث اسے سنادی تھی اس لئے کہ اس حدیث کی کسی روایت میں بھی یہ مذکور نہیں ہے کہ ابو الغیث نے اسے حضرت ابو ہریرہ سے سننے کا دعویٰ کیا ہو۔ ہر روایت کی اسناد میں عن ابی ہریرہ ہے۔ اس کے اصل راوی کو میں رافضی اس لئے سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ چاہتے تھے کہ اہل اسلام ایرانی لوگوں کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھیں اس لئے کہ ابولولہ ایرانی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خنجر مار کر شہید کیا تھا پھر ایرانی نو مسلموں کا گروہ تمام صحابہ کرام سے کٹ کر حضرت علی کا دم بھرنے لگا تھا۔ یہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت عثمان کے خلاف فتنہ بھڑکایا تھا اور بڑی ہوشیاری کے ساتھ مسلمانوں میں باہم کشت و خون کرانے اور فساد بھڑکانے کی عرق ریز کوشش کی تھی جھوٹی حدیثیں گھڑنے میں یہ لوگ پیش پیش تھے۔ عام اہل اسلام کے قلوب جو ایرانیوں سے پھرے ہوئے تھے اس کا ازالہ کرنے کے لئے جو حدیثیں گھڑی گئی تھیں ان ہی کی جنس سے یہ حدیث ہے جو سالم ابو الغیث کے ذریعہ لوگوں میں پھیلی تھی۔

(۶۶) کیا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کی قرآنیت کے منکر تھے

بخاری نے کہا ہے :

حدثنا قتیبہ بن سعید ثنا سفیان عن عاصم وعبدۃ عن زر قال سألت أبا

بن کعب عن المعوذتين فقال سألت رسول الله ﷺ فقال قيل لي
فقلت فنحن نقول كما قال رسول الله ﷺ

علی بن مدینی نے بھی سفیان بن عیینہ سے اسی اسناد کے ساتھ۔ اس کی روایت میں
ہے کہ زر بن حبیش نے کہا:

سألت ابي بن كعب قلت ابا المنذر ان اخاك ابن مسعود يقول كذا
وكذا فقال اني سألت رسول الله ﷺ الخ (صحيح بخاری ص ۷۴۴
كتاب التفسير)

بخاری نے تہیہ علی بن مدینی سے یہ چیتاں روایت کی تھی کاش کوئی بخاری سے
پوچھتا کہ اس چیتاں کو درج صحیح فرمانے سے کیا حاصل ہوا۔

یاں اس کی وضاحت امام احمد کی روایت میں ہے۔ امام احمد نے کہا ہے

حدثنا سفیان بن عیینہ عن عبدۃ وعاصم عن زر قال قلت لأبی ان
اخاک یحکھما من المصحف فلم ینکر قیل لسفیان ابن مسعود قال
نعم ولیستا فی مصحف ابن مسعود وکان یری رسول الله ﷺ یعوذ
بهما الحسن والحسین ولم یسمعه یقرء ہما فی شئی من صلاتہ فظن
انہما عوذتان واصر علی ظنہ و تحقق الباقون کونہما من القرآن
فاوذعوهما ایاء (مسند احمد ۵ ص ۱۳۰)

احمد بن حنبل کی اس روایت کے دو جزء ہیں پہلا جزء فلم ینکر تک ہے۔ یہ جزء
سفیان بن عیینہ نے عبدۃ بن ابی الباہ اور عاصم بن بہدلہ دو شخصوں سے روایت کیا تھا۔
دوسرا جزء قیل لسفیان سے آخر تک ہے۔ یہ عبدۃ یا عاصم سے روایت کیا ہوا نہیں ہے
۔ ابن عیینہ سے کسی نے پوچھا تھا ابن عیینہ نے اس کو جواب دیا تھا اور اس جواب کو کسی شیخ
کی طرف منسوب نہیں کیا تھا پس یہ آخر تک ابن عیینہ کا ذاتی اور غیر مستند قول ہے۔ یہ سمجھ
لینے کے بعد احمد بن حنبل کی اس روایت کا ترجمہ سنئے۔ احمد نے کہا ہم سے سفیان بن عیینہ
نے بیان کیا عبدہ اور عاصم سے روایت کرتے ہوئے ان دونوں نے زر بن حبیش سے

روایت کی زر نے ذکر کیا تھا کہ میں نے ابی بن کعب سے کہا کہ آپ کا بھائی ان دونوں سورتوں یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کو مصحف سے کھرچ دیتا یعنی مٹا دیتا ہے۔ تو ابی بن کعب نے اسے غلط نہیں بتایا یعنی یہ سن کر خاموش رہے۔ یہ نہیں کہا کہ میرا بھائی اچھا نہیں کرتا یا غلط کرتا ہے۔ ابن عیینہ سے یہ سن کر کسی نے اس سے کہا کہ زر نے ابی بن کعب سے ان اخاک یحکمہما من المصحف جو کہا تھا تو کیا اس نے لفظ اخاک بول کر عبداللہ بن مسعود کو مراد لیا تھا؟ ابن عیینہ نے کہا وہی مراد تھے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے ابن عیینہ نے بتایا کہ یہ دونوں سورتیں عبداللہ بن مسعود کے مصحف میں نہیں ہیں اور عبداللہ بن مسعود رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے تھے کہ ان دونوں سورتوں سے حسن اور حسین دونوں نواسوں کی جھاڑ پھونک فرماتے ہیں اور ابن مسعود نے رسول اللہ ﷺ کو کسی بھی نماز میں یہ سورتیں پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔ اور ابن مسعود نے یہ سمجھا تھا کہ یہ دونوں سورتیں حفاظتی دعا ہیں۔ اور ابن مسعود اپنے اسی گمان پر ڈٹے رہے یعنی آخری دم تک اس سے رجوع نہیں کیا۔ اور ان کے علاوہ دیگر سب صحابہ کو ان دونوں سورتوں کے من جملہ قرآن ہونے کا یقین ہوا تھا اس لیے انہوں نے یہ سورتیں مصحف شریف میں رکھی تھیں۔ پس سفیان بن عیینہ نے زر بن حبیش کے ابی بن کعب سے پوچھنے کا تذکرہ تین شخصوں سے کیا تھا قتیبہ سے علی بن عبد اللہ مدنی سے احمد بن حنبل سے اور اللہ کے بندے نے کسی کو بھی پوری بات نہیں بتائی۔ تینوں کی روایت سامنے رکھنے سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود کا قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس (جنہیں عرف قراء میں معوذتین کہا جاتا ہے) کے بارے میں جو خیال تھا اس کے متعلق زر بن حبیش نے حضرت ابی بن کعب سے پوچھا۔ ابی بن کعب نے کہا میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کو اعوذ برب الفلق اور اعوذ برب الناس کہنے کا حکم دیا ہے لہذا اعوذ برب الفلق الخ اور اعوذ برب الناس ملک الناس الخ پڑھنا چاہئے۔ اس کے شروع میں قل کیوں پڑھا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے قل کے ساتھ ہی اعوذ برب الفلق اور قل کے ساتھ ہی اعوذ برب الناس کہنے کی تعلیم دی

گئی ہے۔ اسی تعلیم کے مطابق میں پڑھتا ہوں۔ ابی بن کعب نے کہا اسی کے مطابق ہم سب مسلمان پڑھتے ہیں۔ مطلب ابی بن کعب کا یہ تھا کہ معوذتین پڑھنے کی چیز ہیں لہذا قرآن ہیں جیسے قل رب زدنی علما اور قل رب اعوذ بک من ہمزات الشیاطین قرآنی آیات ہیں۔

ابی بن کعب کے اس جواب کو ابن عیینہ نے کج فہمی و ثرولیدہ بیانی کی وجہ سے صحیح انداز سے نقل نہیں کیا اور احمد بن حنبل کی روایت یہ بتاتی ہے کہ زر بن حبیش نے ابی بن کعب سے ابن مسعود کے اس فعل کے متعلق پوچھا تھا کہ آپ کا بھائی معوذتین کو مصحف سے مٹاتا ہے اس پر ابی بن کعب خاموش رہے ابن مسعود کے اس فعل کو غلط نہیں بتایا اگر ابن عیینہ کا یہ بیان صحیح ہے تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ ابن مسعود کی طرف اس فعل کی نسبت انہیں چچی نہیں زر بن حبیش کی تغلیط کر کے اس کی دل آزاری بھی انہیں مناسب نہ لگی اس لئے خاموش رہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ابن عیینہ نے اس کی اسناد میں عاصم بن بہدلہ کے ساتھ عبدہ کا ذکر بھی غلطی سے کر دیا تھا کیونکہ عبدہ سے کسی نے بھی اس کی روایت نہیں کی اور عاصم سے اس کی روایت ابن عیینہ ابو بکر بن عیاش، سفیان ثوری، شعبہ، حماد بن سلمہ، ابو عوانہ اور اعمش نے بھی کی ہے ابو بکر و ثوری و شعبہ و حماد و ابو عوانہ کی روایت مسند احمد ص ۵۹ پر ہیں۔ سب کا مضمون یہ ہے کہ ابی بن کعب نے زر بن حبیش کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کو قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھنے کا حکم ہوا تھا یعنی قل کے ساتھ یہ ہی حکم ہمارے لئے ہے ہمیں بھی ایسے ہی پڑھنا ہے۔

اب اعمش کی روایت پڑھئے امام احمد کہتے ہیں:

حدثنی محمد بن الحسین بن اشکاب ثنا محمد بن ابی عبیدہ بن معن ثنا ابی عن الاعمش عن ابی اسحاق عن عبدالرحمن بن یزید قال کان عبداللہ بن مسعود یحک المعوذتین من مصاحفہ و یقول انہما لیستا من کتاب اللہ قال الاعمش وحدثنا عاصم عن زر عن ابی بن کعب قال سألنا عنہما رسول اللہ ﷺ قال فقیل لی (یعنی اقرء قل اعوذ) فقلت

ثابت ہوا کہ معوذتین کو مصحف سے حک کرنے کا ذکر عاصم بن بہدلہ نے نہیں بلکہ عبد الرحمن بن یزید نے کیا تھا حالانکہ عبد الرحمن بن یزید نے عبد اللہ بن مسعود کا زمانہ نہیں پایا کسی نے یوں ہی غلط سلط اسے بتا دیا تھا۔ اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ ابن عیینہ سے یہ شدید غلطی ہوئی ہے کہ عاصم نے یہ قطعاً نہیں کہا تھا کہ عبد اللہ بن مسعود معوذتین کو مصحف سے مٹا دیا کرتے تھے لیکن ابن عیینہ نے غلط بات عاصم کی طرف منسوب کر کے روایت کر دی، یہ تو عبد الرحمن بن یزید کی کہی ہوئی بے سرو پا بات ہے۔

الحاصل سفیان بن عیینہ سے اس کی اسناد میں بھی غلطی ہوئی ہے اور متن میں بھی۔ اسناد کی غلطی یہ ہے کہ عاصم کے ساتھ عبدہ کا بھی ذکر کر دیا۔ حالانکہ عبدہ سے یہ حدیث مروی نہیں ہے بخاری نے دھوکا کھا کر اسے درج صحیح کر دیا کیونکہ عاصم بن بہدلہ روایت حدیث میں بے حد ضعیف ہے اور عبدہ ثقہ ہے۔ دوسری غلطی ابن عیینہ کی یہ ہے کہ عاصم نے جو بات کہی تھی وہ ذکر نہیں کی اور عبد الرحمن بن یزید کی کہی ہوئی بات عاصم کے سر منڈھ دی۔

اب سفیان کا یہ قول لیجئے کہ کان ابن مسعود یروی رسول اللہ ﷺ یعوذ بہما الحسن و الحسنین تو یہ قطعاً بے اصل بات ہے معلوم نہیں ابن عیینہ نے کس سے سنی تھی۔ کہاں سے کہہ دی، اسی طرح ابن عیینہ کا یہ کہنا کہ ابن مسعود نے کبھی رسول اللہ ﷺ کو نماز میں معوذتین پڑھتے ہوئے نہیں سنا تو یہ بھی غلط ہے۔ سنن نسائی میں حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ کی حدیث ہے کہ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر میں معوذتین پڑھی تھیں۔ یقیناً عبد اللہ بن مسعود بھی اس نماز میں رسول اللہ کے مقتدی ہوں گے۔ (سنن النسائی کتاب افتتاح الصلاة، القراءة فی الصبح بالمعوذتین)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی طرف معوذتین کے قرآن ہونے سے انکار کی نسبت قطعاً غلط اور بہتان ہے۔ عبد اللہ بن مسعود مدینہ میں ہی تھے جب حضرت ابو بکر صدیق کے عہد میں جملہ صحابہ کرام کے اجماع و اتفاق کے ساتھ پورا قرآن ایک

مصحف میں لکھا گیا۔ اگر ابن مسعود کا گمان یہ ہوتا کہ معوذتین قرآن نہیں ہیں تو کیا مصحف میں ان کی کتابت پر خاموش رہ جاتے۔

مجھ سے پہلے بھی محقق اہل علم ابن مسعود کی طرف اس نسبت کی پرزور تردید فرما چکے ہیں۔ نووی نے شرح مہذب میں لکھا ہے: اجمع المسلمون علی ان الفاتحة و المعوذتین من القرآن و ان من حجد منها شیئا کفر۔ و ما نقل عن ابن مسعود باطل لیس بصحیح۔ ابن حزم نے اٹھلی کے اوائل میں لکھا ہے ما نقل عن ابن مسعود من انکار قرآنیۃ المعوذتین فهو کذب باطل۔ امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کے اوائل میں لکھا ہے۔ الاغلب علی الظن ان هذا النقل عن ابن مسعود کذب باطل۔

مگر افسوس ہے کہ ابن حجر نے یہ تصریحات نقل کرنے کے بعد فتح الباری میں لکھ مارا ہے۔ "ان الطعن فی الروایات الصحیحة بغير مستند لا یقبل بل الروایة صحیحة۔" ابن حجر نے قطعاً غلط کہا ہے روایات تو کیا ایک بھی صحیح روایت موجود نہیں ہے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ ابن مسعود معوذتین کو قرآن نہ مانتے تھے۔ ابن حجر بری طرح روایت پرستی میں مبتلا تھے۔ موصوف کے نزدیک یہ آسان تھا کہ ابن مسعود پر مخالفت اجماع کا الزام لگے مگر یہ گوارا نہ تھا کہ جھوٹی روایت کو جھوٹا بتایا جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ کوفہ میں فاسد العقیدہ مفسدین کا ایک گروہ تھا جس نے تقیہ کر کے رفض و بدعتیہ کی پر پردہ ڈال رکھا تھا۔ انہوں نے قرآن میں تحریف کرنے اور مسلمانوں کو فتنہ میں مبتلا کرنے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ باطل قرأتیں وضع کیں۔ قرآن میں کمی یا زیادتی کی روایات پھیلانیں ان ہی کی کوششوں میں سے ایک کوشش یہ معوذتین کے متعلق تھی جو ابن مسعود کی وفات کے بعد بد بختوں نے ابھاری تھی۔ بحمد اللہ ان کی مساعی اکارت گئیں اگر کچھ احمق راویوں نے ان کی غلط بیانیوں کی روایت نہ کی ہوتی اور محدثین نے اپنی کتابوں میں انہیں درج نہ کیا ہوتا تو ان کا کوئی نشان بھی نہ ملتا۔

(۶۷) عبد اللہ بن مسعود کا شہر حمص میں ایک شرابی کو حد مارنے کا قصہ بروایت علقمہ

سفیان ثوری نے اعمش سے روایت کی ہے اس نے ابراہیم نخعی سے اس نے علقمہ سے:
 قال كنا بـحمص فقراء ابن مسعود سورة يوسف فقال رجل ما هكذا
 انزلت قال قرأت علی رسول اللہ ﷺ فقال احسنت و وجد منه ريح
 الخمر فقال اتجمع ان تكذب بكتاب الله و تشرب الخمر فضربه
 الحد (صحيح بخاری ص ۷۲۸ ، كتاب فضائل القرآن باب القراء من
 اصحاب النبي ﷺ ، حديث ۳)

علقمہ بن قیس نخعی نے بیان کیا کہ ہم شہر حمص میں تھے وہاں (چند لوگوں کی
 درخواست پر) عبد اللہ بن مسعودؓ نے سورہ یوسف کی تلاوت کی تو مجمع میں سے ایک شخص
 بولا۔ یہ سورت اس طرح نازل نہیں ہوئی جیسے آپ نے پڑھی ہے۔ عبد اللہ نے کہا میں نے
 اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو یہ سورہ پڑھ کر سنائی تھی تو آپ نے فرمایا تھا تم نے اچھا پڑھا۔
 ابن مسعود اس شخص کو جواب دے ہی رہے تھے کہ اس کے منہ سے شراب کی بو محسوس کی تب
 فرمایا تو دو گناہ ایک ساتھ کر رہا ہے۔ اللہ کی کتاب کو جھٹلا رہا ہے اور شراب پیتا ہے۔ پس ابن
 مسعود نے اسے شراب نوشی کی سزا دی۔ یعنی اسی کوڑے مارے۔

عبد اللہ بن نمیر و یعلیٰ بن عبید ظنسی نے اعمش سے اسی اسناد کے ساتھ یہی لفظ:
 عن علقمه قال اتى عبد الله الشام فقال له ناس من اهل حمص اقراء
 علينا فقراء عليهم سورة يوسف فقال رجل من القوم و الله ما هكذا
 انزلت فقال عبد الله ويحك لقد قرأتها على رسول الله ﷺ هكذا
 فقال احسنت فينا هو يراجعہ اذ وجد منه ريح الخمر فقال اتشرب
 الرجس و تكذب بالقرآن و الله لا تراولنى حتى اجلذك فجلده الحد
 (مسند ۱ ص ۲۲۵)

اور جریر بن عبد الحمید نے اعمش سے یوں روایت کی ہے:

عن ابراهيم عن علقمه عن عبد الله قال كنت بحمص فقال لي بعض القوم اقرء علينا فقرأت عليهم سورة يوسف . فقال رجل من القوم و الله ما هكذا انزلت قلت ويحك و الله لقد قرأتها على رسول الله ﷺ فيبينما انا اكلمه اذ وجدت منه ريح الخمر فقلت اتشرب الخمر و تكذب بالكتاب لا تبرح حتى اجلدك فجلدته الحد (صحيح مسلم ۱ ص ۲۷۰، فضائل القرآن، طبع هند)

عیسی بن یونس اور ابو معاویہ نے بھی اعمش سے اسی طرح (صحیح مسلم ایضاً) یعنی علقمہ نے کہا کہ عبد اللہ نے مجھے بتایا کہ میں حمص میں تھا (قصہ ایک ہے مخرج ایک ہے۔ اعمش سے اس کی چھ اشخاص نے روایت کی ہے۔ سفیان ثوری و عبد اللہ بن نمیر و یحییٰ بن عیینہ کی روایت بتاتی ہے کہ اس کا راوی علقمہ ہے وہ حمص میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کے ساتھ تھا۔ اس کے سامنے یہ قصہ ہوا تھا۔ لیکن جریر و عیسیٰ و ابو معاویہ کی روایت یہ بتاتی ہے کہ اس کے راوی اول خود عبد اللہ بن مسعود ہیں۔ علقمہ ان کے ساتھ نہ تھا بلکہ عبد اللہ نے اپنا یہ قصہ۔ جو انہیں حمص میں پیش آیا تھا علقمہ کو بتایا تھا۔ اس اضطراب و اختلاف کو رفع کرنے کی صورت نہیں۔ ماننا پڑے گا کہ یہ اضطراب خود اعمش کی طرف سے تھا۔ اس نے اپنے تین شاگردوں کو جو بتایا تھا تین شاگردوں کو اس کے خلاف بتا دیا پس یہ معلوم ہونے کی کوئی صورت نہیں کہ فی الواقع ابراہیم نخعی سے اعمش نے کیا سنا تھا۔ اور جس حدیث کی اسناد متن میں ایسا اضطراب ہو اس کے صحیح ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔

دوسری علت قادحہ اس حدیث میں یہ ہے کہ اس کی ہر روایت میں مذکور ہے کہ عبد اللہ بن مسعود نے خود اس بے ہودہ شخص کو شراب نوشی کی حد لگائی۔ حالانکہ ابن مسعود کبھی بھی حمص کے والی و حاکم یا قاضی شرع (جسٹس) نہیں رہے۔ اور مجرم پر حد شرعی نافذ کرنا حاکم یا قاضی کا کام ہے۔ اگر ابن مسعود اس شخص پر شراب نوشی کی حد نافذ کرنا ضروری سمجھتے تھے تو لازم تھا کہ اسے حاکم حمص کے یہاں یا قاضی حمص کی عدالت میں پیش کر کے حد لگواتے۔

(۶۸) سورۃ الاخلاص کی فضیلت میں ابوسعید خدری کی حدیث بروایت ضحاک مشرقی

اعمش نے کہا ہے:

حدثنا ابراهيم والضحاک المشرقی عن ابی سعید الخدری قال قال
النبی ﷺ اعجز احدکم ان یقرء ثلث القرآن فی لیلة فشق ذلك
عليهم و قالوا ابنا یطیق ذلك یا رسول الله فقال الله الواحد الصمد
ثلث القرآن.

بخاری نے کہا کہ اعمش نے یہ حدیث ابراہیم نخعی اور ضحاک مشرقی سے روایت کی
ہے مگر ابراہیم کی روایت مرسل ہے یعنی اس نے ابوسعید کا ذکر نہیں کیا اور ضحاک کی روایت
مسند یعنی متصل ہے کہ اس میں ابوسعید کا ذکر ہے۔ (صحیح بخاری ص ۵۰ کتاب فضائل
القرآن) یعنی ضحاک مشرقی نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے
فرمایا کیا تم میں سے کوئی یہ نہیں کر سکتا کہ ایک رات میں تہائی قرآن پڑھ لیا کرے۔ یہ بات
حاضرین صحابہ کو بڑی دشوار محسوس ہوئی عرض کیا یا رسول اللہ یہ کس کے بس میں ہے فرمایا
اللہ الواحد الصمد تہائی قرآن ہے۔

ضحاک کا باپ کسی نے شرا حیل بتایا ہے کسی نے شر حیل یہ قبیلہ ہمدان کی ایک شاخ
بنی مشرق میں سے تھا اس لئے مشرقی کہلاتا تھا۔ اس سے صرف دو حدیثیں مروی
ہیں۔ جاہل تھا کوئی علمی آدمی نہیں تھا۔ ابو خالد احمر نے بھی اعمش سے یہ حدیث روایت کی
ہے عن الضحاک المشرقی عن ابی سعید الخدری مرفوعاً بلفظ
بخاری (مسند ص ۸)

اس ضحاک مشرقی کے جہل کا بھانڈا اسی کی روایت کردہ یہ حدیث ہی پھوڑ رہی
ہے۔ قل هو اللہ احد اللہ الصمد کی بجائے اس نے اللہ الواحد الصمد کہا تھا
تعجب ہے کہ بخاری نے اسے کیسے اور کیوں درج صحیح فرمادیا۔

(۶۹) متعہ کے متعلق سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب حدیث

بخاری نے لکھا ہے:

حدثنا علي قال حدثنا سفیان قال عمرو عن الحسن بن محمد عن جابر بن عبد الله و سلمة بن اكوع قالا كنا في جيش فأتانا رسول رسول الله ﷺ فقال انه قد اذن لكم ان تستمتعوا. فاستمتعوا.

یہ سفیان بن عیینہ کی روایت کی ہوئی حدیث ہے امام بخاری نے علی بن عبد اللہ مدنی سے اس نے سفیان سے روایت ہے کہ عمرو بن دینار نے حسن بن محمد سے اس نے جابر اور سلمہ بن اکوع سے روایت کی ان دونوں نے کہا ہم ایک لشکر میں تھے یعنی سفر جہاد میں تھے (کہیں پڑاؤ کیا) تو رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہمارے پاس آیا اس نے کہا بے شک تم لوگوں کو متعہ یعنی عارضی نکاح کر لینے کی اجازت ہے۔ فاستمتعوا پس تم متعہ کرو دوسری ت کے کسرہ کے ساتھ اس صورت میں یہ قاصد کا قول ہے رسول اللہ کی طرف سے فاستمتعوا۔ تو لوگوں نے متعہ کیا آپ کی اجازت کے مطابق عارضی طور پر عورتوں سے نکاح کر لئے۔ دوسری ت کے فتح کے ساتھ اس صورت میں یہ ماضی کا صیغہ اور جابر اور سلمہ کا قول ہے۔ اس حدیث کے بعد بخاری نے لکھا ہے و قال ابن ابی ذئب حدثنی ایاس بن سلمة بن اكوع عن ابيه عن رسول الله ﷺ ایما رجل و امرأة توافقا فعشرة ما بينهما ثلاث لیل فان احببا ان يتزایدا تزایدا او تثاركا تثاركا فما ادری اشنی کان لنا خاصة ام للناس عامة۔ یعنی کوئی بھی مرد اور عورت عارضی میاں بیوی بننے پر راضی ہو جائیں (اور کوئی مدت طے نہ کریں) تو وہ تین راتیں ایک ساتھ بسر کر سکتے ہیں مگر انہیں اختیار ہے کہ اس مدت پر کچھ اضافہ کر لیں یا نہ کریں۔ سلمہ بن اکوع نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ متعہ کی یہ اجازت بس ہمارے لئے ہی تھی یا تمام مسلمانوں کے لئے تھی۔ اس کے بعد بخاری نے کہا ہے و بینہ علی عن النبی ﷺ انه منسوخ یعنی حضرت علی نے

نبی ﷺ سے روایت کر کے اس کی وضاحت کر دی ہے کہ متعہ کی اجازت منسوخ ہے۔ اب کسی کو متعہ کرنا جائز نہیں ہے (صحیح بخاری ص ۶۷ کتاب النکاح باب نہی رسول اللہ ﷺ عن نکاح المتعہ اخیراً)

بخاری یہ سمجھتے تھے کہ پہلے متعہ کرنا جائز تھا رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت دی تھی پھر آپ نے یہ اجازت اٹھالی اور متعہ کو ہمیشہ کے لئے ہر حال میں حرام و ناروا قرار دیا، شعبہ نے عمرو بن دینار سے اسی اسناد کے ساتھ۔ قالاً خرج علينا منادی رسول اللہ ﷺ فقال ان رسول اللہ ﷺ قد اذن لكم ان تستمتعوا یعنی متعۃ النساء (صحیح مسلم ص ۴۵۰ کتاب النکاح طبع الہند) اور ابن جریج نے بھی عمرو سے قالاً کنا فی غزاة فجاءنا رسول رسول اللہ ﷺ فقال ان رسول اللہ ﷺ يقول استمتعوا (مسند احمد ص ۴۷)

اور روح بن قاسم نے بھی عمرو سے ان رسول اللہ ﷺ اتانا فاذن لنا فی المتعہ (صحیح مسلم ص ۴۵۱ طحاوی ص ۲ ص ۴۱ طبع ہند)

پس عمرو بن دینار سے چار شخصوں نے اس کی روایت کی تھی سفیان بن عیینہ شعبہ ابن جریج روح بن قاسم ان میں سے ابن عیینہ و شعبہ و ابن جریج نے عمرو کی کہی ہوئی بات ٹھیک نقل کی ہے کہ متعہ کی اجازت جابر و سلمہ وغیرہ کو رسول اللہ کے قاصد منادی سے معلوم ہوئی تھی لیکن عمرو بن دینار نے اس قاصد کا نام ذکر نہیں کیا اور روح بن قاسم کی روایت غلط ہے اس نے خود رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا ہے۔ کہنا چاہے تھا اتانا رسول رسول اللہ ﷺ اور اس نے غلطی سے کہہ دیا اتانا رسول اللہ۔

اس حدیث پر یہ سوالات وارد ہوتے ہیں:

- (۱) حسن بن محمد نے حضرت جابر و حضرت سلمہ بن اکوع سے یہ کیوں نہ پوچھا کہ یہ کس سفر جہاد کا قصہ ہے۔؟
- (۲) اس میں مذکور ہے کہ متعہ کی اجازت سے رسول اللہ ﷺ نے ایک قاصد کے

ذریعہ آگاہ کیا تھا بھلا قاصد بھیجنے کی ضرورت کیا تھی تمام مجاہدین نماز کے لئے پانچ وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہوتے تھے آپ ظہر یا عصر یا مغرب یا عشاء یا فجر میں سب سے زبانی فرما سکتے تھے۔

(۳) سفر جہاد پر مشقت ہوتا تھا اور جنگ و قتال کی حالت اس کی مقتضی ہے کہ مجاہدین اس چیز سے پرہیز رکھیں جس سے جسمانی قوت میں ضعف و فتور اور اضمحلال واقع ہو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سفر جہاد میں اپنے ساتھی مجاہدین کو عورتوں سے شہوت رانی کر کے خود کو کمزور کر لینے کا اذن دیا ہو۔

(۴) حسن بن محمد بن علی نے اپنے والد محمد بن علی سے جنہیں ابن الحنفیہ کہا جاتا ہے۔ اور محمد بن علی نے اپنے والد حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح خیبر کے موقع پر متعہ کرنے اور پالتو گدھے کا گوشت کھانے کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ یہ حدیث بڑی مضبوط و صحیح حدیث ہے خود امام بخاری نے صحیح میں اسے چار جگہ ذکر کیا ہے۔ حسن بن محمد بڑے نیک و صالح اور پابند سنت اور صحیح العقیدہ تھے۔ اگر وہ جابر اور سلمہ بن اکوع سے متعہ کے جواز کی یہ حدیث سنتے تو وہ جابر و سمرہ سے ضرور کہتے کہ آپ یہ بتاتے ہیں حالانکہ میرے دادا علی بن ابی طالب نے یہ کہا ہے اور اگر یہ سمجھا جائے کہ اپنے والد محمد بن علی سے حدیث علی سننے سے پہلے حسن بن محمد نے جابر و سمرہ سے حدیث مذکور سنی تھی تو انہیں اپنے والد محمد بن علی سے کہنا تھا کہ آپ تو مجھے متعہ حرام ہونے کی حدیث سنا رہے ہیں حالانکہ میں نے جابر انصاری اور سلمہ بن اکوع سے یہ سنا ہے ان جملہ سوالات کا ایک ہی جواب ہے وہ یہ کہ عمرو بن دینار نے غلط کہا تھا اس نے حسن بن محمد سے یہ حدیث نہیں سنی تھی اور یہ عمرو بن دینار وہ مشہور ثقہ تابعی عمرو بن دینار ابو محمد الاثرم کی نہیں بلکہ عمرو بن دینار ابو یحییٰ بصری ہے جو کانا تھا (اعور) دجالوں میں سے ایک دجال۔ اس کے غیر ثقہ اور منکر الحدیث ہونے پر تمام اہل علم متفق ہیں ابن حبان نے اس کے متعلق لکھا ہے لایحل کتب حدیثہ الا علی جهة التعجب کان یتفرد بالموضوعات

عن الاثبات تفصیل کے لیے تہذیب التہذیب وغیرہ کا مطالعہ کیجئے۔ ثبت وثقہ علمائے کرام کی طرف منسوب کر کے یہ شخص جھوٹی روایات نقل کرنے کا جرم کرتا تھا اور ان بدسیرت لوگوں میں سے تھا جو متعہ کے جائز ہونے کے قائل ہیں۔ حسن بن محمد کی طرف اس شخص نے حدیث مذکور کی غلط نسبت کی اور حسن و جابر سلمہ اور حضور اکرم ﷺ پر بہتان باندھا ہے۔ بخاری و مسلم کو دھوکا لگ گیا وہ اسے عمرو بن دینار مکی سمجھ بیٹھے۔ دھوکے کی وجہ سفیان بن عیینہ کی تلبیس تھی۔ ابن عیینہ کو کہنا چاہئے تھا قال عمرو بن دینار البصری۔ اس تصریح کی بجائے اس نے ”قال عمرو بن دینار کہا چونکہ ابن عیینہ نے عمرو بن دینار مکی سے بہت حدیثیں روایت کی ہیں اس لیے بخاری و مسلم کو دھوکا لگ گیا اور انہوں نے اسے عمرو بن دینار مکی گمان کر لیا۔ بخاری کی نظر اس پر بھی نہیں گئی کہ ابن عیینہ نے حدثنا عمرو یا اخبرنا عمرو یا سمعت عمرو نہیں کہا تھا نہ عن عمرو، تحدیث و اخبار و سماع بلکہ عن معنہ سے بھی گریز کر کے قال عمرو عن الحسن کہا تھا۔ وراصل سفیان بن عیینہ کو فی شخص تھا اس لیے رفض و تشیع کے نہ ہر لیے جرائم اپنے اندر رکھتا تھا۔

بہر حال بخاری و مسلم کی تخریج کردہ یہ حدیث قطعاً باطل ہے رہی ایسا بن سلمہ کی روایت جو بخاری نے ابن ابی ذئب کے حوالہ سے نقل کی ہے جس میں مدت متعہ یعنی عارضی بیوی کے ساتھ رہنے کی مدت کا ذکر ہے تو اس کے متعلق یہ سنئے کہ ابوعمیس یعنی عتبہ بن عبد اللہ بن عتبہ ہذلی نے ایسا بن سلمہ سے اور اس نے اپنے والد سلمہ بن اکوع سے روایت کی ہے وخص رسول اللہ ﷺ عام او طاس فی المتعۃ ثلاثا (مسند احمد میں ثلاثۃ ایام ہے) ثم نہی عنہا۔ (صحیح مسلم ۱ ص ۲۵۱ مسند احمد ۲ ص ۵۵) یعنی آپ نے ۸ھ میں تین دن رات کے لیے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی پھر آپ نے اس سے منع فرما دیا۔ او طاس ایک وادی کا نام ہے قبیلہ ہوازن کو جب حنین میں شکست ہو گئی تو بھاگے ہوئے کفار وادی او طاس میں جمع ہو گئے تھے ان کی سرکوبی کے لیے آپ نے ابو موسیٰ اشعری کے چچا کی سرکردگی

میں چند مجاہدین بھیجے۔ اوطاس کا سال اور حنین کا سال اور فتح مکہ کا سال ایک ہی ہے ۸ھ رمضان میں مکہ مکرمہ فتح ہوا وہیں سے رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین کے ساتھ حنین کی طرف کوچ فرمایا تھا۔ یہ حدیث غلط ہے۔ حضرت علی سے مروی صحیح حدیث میں تصریح ہے کہ متعہ اور پالتو گدھے کی حرمت غزوہ خیبر ۷ھ میں ہوئی تھی سلمہ بن اکوع بھی یقیناً غزوہ خیبر میں شریک تھے لہذا وہ متعہ کی حرمت سے بے خبر نہ تھے۔ اور احکام کھیل کی چیز نہیں ہوتے اس لیے یہ نہیں ہو سکتا کہ ۷ھ میں آپ نے متعہ کرنے سے منع فرمایا ہو پھر ۸ھ میں اس کی اجازت دیدی ہو اور پھر منع فرمادیا ہو ایسا بن سلمہ کو اپنے والد سے سنی ہوئی بات ٹھیک یاد نہ تھی کبھی وہ کہہ دیا جو ابن ابی ذئب نے ذکر کیا ہے کبھی وہ بات بانک دی جو ابوعمیس نے نقل کی ہے۔

اس کے بعد میں کہتا ہوں کہ متعہ کو منسوخ قرار دینا محل نظر ہے اس لیے کہ منسوخ اس وقت ہے جو پہلے شرعاً جائز ہو پھر اسے حرام کیا گیا ہو۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے مصلحتاً قبور کی زیارت کرنے اور قربانی کا گوشت تین دن سے زائد رکھنے کی نہی فرمائی تھی۔ پھر فرمایا کنت نہیتکم عن ادخار لحوم الاضاحی فوق ثلاث الا فادخروا ہاما بدلکم و کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروہا لیکن نہی نہ ہونے کی وجہ سے لوگ مباح و جائز سمجھ کر کوئی کام کرتے ہوں پھر اس کام کی شرعاً نہی ہو گئی ہو تو اس کو منسوخ و ناسخ نہیں کہا جاتا۔ جب تک شراب نوشی کی حرمت نازل نہ ہوئی تھی بہت سے لوگ پیتے تھے حرمت آگئی تو باز آ گئے اور شراب نوشی کو سخت گناہ شمار کرنے لگے تو اس کے متعلق کہنا صحیح نہ ہوگا کہ اسلام میں شراب نوشی منسوخ ہو گئی۔ اسی طرح دیگر احکام ہیں متعہ جاہلیت میں رائج نکاحوں میں سے ایک نکاح تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی نہی سے پہلے کچھ لوگ مباح سمجھ کر اسے کر لیتے تھے۔ نہی کے بعد جان گئے کہ یہ تو زنا کی ہی ایک شکل ہے۔ ایسا نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے مسلمانوں کو بتایا ہو کہ متعہ جائز ہے کر سکتے ہو پھر اس کی نہی فرمائی ہو۔

(۷۰) کیا لوہے کی انگوٹھی کو مہر بنایا جاسکتا ہے؟

سفیان ثوری کی روایت کی ہوئی ایک حدیث

امام بخاری نے کہا:

حدثنا يحيى ثنا وكيع عن سفيان عن ابى حازم عن سهل بن سعد ان
النبي ﷺ قال لرجل تزوج ولو بخاتم من حديد (صحیح بخاری ص

۷۷۴) (کتاب النکاح باب المهر بالعروص وخاتم من حديد)

ہم سے یحییٰ بن موسیٰ نے بیان کیا کہ ہم سے وکیع بن جراح نے بیان کیا سفیان
ثوری سے روایت کر کے اس نے ابو حازم یعنی سلمہ بن دینار سے اس نے سهل بن سعد
ساعدی رضی اللہ عنہ سے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا۔ شادی کر لے اگر چہ لوہے کی
ایک انگوٹھی کے عوض ہو۔

یہ حدیث مختصر بھی ہے اور قطعاً غلط بھی۔ نہ نبی ﷺ نے کسی سے یہ فرمایا تھا نہ سهل
بن سعد صحابی سے ابو حازم نے یہ روایت کی تھی۔ اور غالباً اسے غلط طور سے بیان کرنے کی
غلطی وکیع سے سرزد ہوئی تھی۔ بخاری نے اسے درج صحیح کر کے غلطی کی ہے۔

اور عبدالرحمن بن مہدی نے سفیان ثوری سے یوں روایت کی ہے:

عن ابی حازم عن سهل بن سعد قال جاءت امرأة الى النبی ﷺ قال من
یتزوجها؟ فقال رجل انا فقال النبی ﷺ اعطیها ولو خاتما من حديد.

قال ليس معی. قال قد زوجتكها علی ما معک من القرآن (سنن ابن

ماجه ص ۱۲۷) (ابواب النکاح. باب صداق النساء)

ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی۔ فرمایا کون ہے جو اس سے شادی کرے؟ تو
ایک شخص نے کہا میں فرمایا اسے کچھ دے خواہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہی ہو۔ بولا میرے پاس
نہیں ہے فرمایا میں نے اس سے تیرا نکاح کر دیا اس پر جو قرآن میں سے تجھے یاد ہے۔ یہ
روایت بھی غلط ہے۔ اس قصہ کی روایات میں تو یہ مذکور ہے کہ اس عورت نے عرض کیا یا

رسول اللہ میں نے خود کو آپ کے لیے ہبہ کر دیا۔ آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا تب ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کو اس کی حاجت نہ ہو تو اسے میری بیوی بنا دیجئے یہ نہیں کہ آپ نے خود فرمایا ہو من یتزوجہا تب اس شخص نے کہا ہو ”انا“

سفیان ثوری سے یہ حدیث دو شخصوں نے روایت کی ہے وکیع نے اور عبد الرحمن بن مہدی نے۔ دونوں کی روایت غلط ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ سفیان ثوری کو ابو حازم سے سنی ہوئی یہ حدیث ٹھیک یاد نہ تھی۔ کبھی کبھہ دیا کبھی کبھہ۔ ابو حازم کی روایت کی ہوئی حدیث بھی ناظرین پڑھ لیں۔

(۷۱) واہبة النفس کے متعلق سہل بن سعد ساعدی کی حدیث جس کی ابو حازم نے روایت کی ہے

امام مالک نے ابو حازم سے اور اس نے سہل بن سعد ساعدی سے روایت کی ہے:

جاءت امرأة الى رسول الله ﷺ فقالت انى وهبت لك نفسى فقامت طويلا فقال رجل زوجته ان لم تكن لك بها حاجة، قال هل عندك من شئ نضدقها قال ما عندي الا ازارى قال ان اعطيتها اياه جلست لا ازار لك قالت من شئنا فقال ما اجد شيئا. فقال التمس ولو خاتما من حديد فلم يجد. فقال معك من القرآن شئ؟ قال نعم سورة كذا و سورة كذا. لسور سماها. فقال زوجته بما معك من القرآن (صحيح بخارى ص ۷۷۰ باب السلطان ولى. كتاب النكاح)

امام مالک سے یہ حدیث عبد اللہ بن مسلمہ قعنبی نے (سنن ابی داؤد عبد الرحمن بن مہدی و اسحاق بن عینی نے) (مسندہ ص ۳۳۶ عبد اللہ بن نافع نے) (ترمذی) یحییٰ مصمودی نے (موطا)

اور عبد اللہ بن یوسف تنیسی نے (بخاری) روایت کی ہے بخاری کے شیخ عبد اللہ بن

یوسف نے اس حدیث میں ذکر کیا ہے کہ اُس عورت نے کہا تھا ”وہبت لک من نفسی“ من کا اضافہ غلط اور مہمل ہے بقیہ تمام راویوں نے ”وہبت لک نفسی“ ذکر کیا ہے۔ یہ ہی درست ہے۔ عجمی نژاد رواۃ و محدثین عموماً صحیح عربی بولنے اور لکھنے سے نا بلند ہوتے تھے۔ کیونکہ معمولی نوشت و خواند کے بعد روایات کو یاد کرنے پھر ان کی روایت کرنے کے چکر میں پڑ جاتے تھے۔ باقاعدہ عربی زبان نہ سیکھتے تھے۔

حماد بن زید نے بھی ابو حازم سے یہ حدیث روایت کی ہے یہ ایں لفظ:

اتت النبی ﷺ امرأة فقالت انها قد وهبت نفسها لله ولرسوله. فقال مالي في النساء من حاجة فقال رجل زوجنيها. قال اعطيها ثوباً قال لا اجد قال اعطها ولو خاتما من حديد فاعتل له (اُس نے آپ سے معذرت کی) فقال مامعك من القرآن؟ قال كذا وكذا. قال فقد زوجتكها بما معك من القرآن (صحیح بخاری ص ۷۵۲ کتاب فضائل القرآن باب خيركم من تعلم القرآن وعلمه. سنن دارمی طبع ہند ص ۲۸۳ کتاب النکاح باب ما يجوز ان يكون مهرا.

ابو غسان محمد بن مطرف لیشی نے ابو حازم سے یہ ایں لفظ:

عن سهل ان امرأة عرضت نفسها على النبی ﷺ فقال له رجل يا رسول الله زوجنيها. قال ماعندك؟ قال ماعندي شئ قال اذهب فالتمس ولو خاتما من حديد. فذهب ثم رجع فقال لا والله ما وجدت شيئا ولا خاتما من حديد ولكن هذا ازارى ولها نصفه. قال سهل وماله رداء. فقال النبی ﷺ وما تصنع بازارك ان لبسته لم يكن عليها منه شئ وان لبست لم يكن عليك منه شئ فجلس الرجل حتى اذا طال مجلسه قام فراه النبی ﷺ فدعاه او دعى له فقال له ماذا معك من القرآن فقال معي سورة كذا و سورة كذا فقال النبی ﷺ املكناكها بما معك من القرآن (صحیح بخاری ص ۷۶۷ کتاب النکاح باب عرض المرأة نفسها على الرجل الصالح).

سفیان بن عیینہ نے ابو حازم سے اس طرح روایت کی ہے:

قال سمعت ابا حازم يقول سمعت سهل بن سعد الساعدي يقول اني
لقي القوم عند رسول الله ﷺ اذ قامت امرأة فقالت يا رسول الله انها
قد وهبت نفسها لك فر فيها رأيك فلم يجبها شيئا ثم قامت فقالت يا
رسول الله انها قد وهبت نفسها لك فر فيها رأيك فلم يجبها شيئا ثم
قامت الثالثة فقالت انها قد وهبت نفسها لك فر فيها رأيك. فقام
رجل فقال يا رسول الله انك خيبتها. قال هل عندك من شئ؟ قال لا
قال اذهب فاطلب ولو خاتما من حديد فذهب فطلب ثم جاء فقال ما
وجدت شيئا ولا خاتما من حديد قال هل معك من القرآن شئ؟ قال
معي سورة كذا وسورة كذا قال اذهب فقد انكحتكها بما معك من
القرآن (صحيح بخاری ص ۷۷۴ كتاب النكاح (باب التزويج على
القرآن وبغير صداق).

رأ ہمزہ کے ساتھ غلط ہے ربدون ہمزہ صحیح ہے اس لئے کہ مضارع ثری ہے۔
بدون ہمزہ لامحالہ ضروری ہے کہ امر میں بھی ہمزہ نہ ہو۔ امام احمد نے سفیان بن عیینہ سے
مسند میں یہ حدیث روایت کی ہے۔ اُس میں ر ہے بدون ہمزہ (مسند ۵ ص ۳۳۰)
فضیل بن سلیمان کی ابو حازم سے روایت یہ ہے۔

حدثنا ابو حازم قال حدثنا سهل بن سعد قال كنا عند النبي ﷺ جلوسا
فجاءته امرأة تعرض نفسها عليه فخفض فيها النظر ورفعها فلم يردها
فقال رجل من اصحابه زوجنيها يا رسول الله قال أعندك من شئ؟
قال ما عندي من شئ قال ولا خاتم من حديد؟ قال ولا خاتم من حديد
ولكن اشق بردتي هذه فأعطيتها النصف وأخذ النصف قال لا. هل
معك من القرآن (صحيح بخاری ص ۷۷۱ كتاب النكاح باب اذا
كان الولي وهو الخاطب.

يعقوب بن عبد الرحمن القاري کی ابو حازم سے روایت یہ ہے:

عن سهل بن سعد ان امرأة جاءت رسول الله ﷺ فقالت يا رسول الله جئت لاهب لك نفسى فنظر اليها رسول الله ﷺ فصعد النظر اليها وصوبه ثم طأطأ رأسه فلما رأت المرأة انه لم يقض فيها شيئا جلست فقام رجل من اصحابه فقال يا رسول الله ان لم يكن لك بها حاجة فزوجنيها. فقال هل عندك من شئ؟ فقال لا والله يا رسول الله قال اذهب الى اهلك فانظر هل تجد شيئا فذهب ثم رجع فقال لا والله يا رسول الله ما وجدت شيئا. قال انظر ولو خاتما من حديد فذهب ثم رجع فقال لا والله يا رسول الله ولا خاتم من حديد ولكن هذا ازارى قال سهل ماله رداء. فلها نصفه فقال رسول الله ﷺ ماتصنع بازارك. ان ليسنته لم يكن عليها منه شئ وان لبسته لم يكن عليك منه شئ فجلس الرجل حتى طال مجلسه ثم قام فراه رسول الله ﷺ موليا فامر به فدعى فلما جاء قال ماذا معك من القرآن؟ قال معى سورة كذا؟ وسورة كذا وسورة كذا. وعدّها. قال اتقرء هن عن ظهر قلبك؟ قال نعم. قال اذهب فقد ملكتكها بما معك من القرآن (صحيح بخارى ص ٤٥٢ كتاب فضائل القرآن. باب القراءة عن ظهر القلب) وص ٤٦٨ كتاب النكاح باب النظر الى المرأة قبل التزويج صحيح مسلم ص ٣٥٤ كتاب النكاح طبع هند، سنن النسائي كتاب النكاح باب التزويج على سور من القرآن

عبد العزيز بن ابى حازم نے اپنے باپ ابو حازم سے یوں روایت کی ہے۔

جاءت امرأة الى رسول الله ﷺ فقالت يا رسول الله جئت لاهب لك نفسى فنظر اليها رسول الله ﷺ فصعد النظر فيها وصوبه ثم طأطأ رأسه فلما رأت المرأة انه لم يقض فيها شيئا جلست فقام رجل من اصحابه فقال يا رسول الله ان لم تكن لك حاجة فزوجنيها فقال وهل عندك من شئ. قال لا والله يا رسول الله فقال اذهب الى اهلك

فانظر هل تجد شيئاً فذهب ثم رجع فقال لا والله ما وجدت شيئاً فقال
انظر ولو خاتماً من حديد فذهب ثم رجع فقال لا والله يا رسول الله ولا
خاتم من حديد ولكن هذا ازارى الخ بقیہ پوری حدیث یعقوب بن عبدالرحمن
کی روایت کی طرح ہے۔ (صحیح بخاری ص ۷۶۱ کتاب النکاح باب
تزویج المعسر)

بخاری نے قتیہ سے اور قتیہ نے یعقوب بن عبدالرحمن القاری و عبدالعزیز بن ابی
حازم دونوں سے ایک ہی متن کے ساتھ روایت کی ہے۔ دونوں کی روایت میں ایک لفظ کا
بھی فرق نہیں ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ابو حازم نے اپنے بیٹے عبدالعزیز اور یعقوب کو
ایک ہی مجلس میں یہ حدیث سنائی تھی۔ دونوں نے اسے اپنی اپنی کاپی میں لکھا تھا۔ اور
عبدالعزیز سے عبداللہ بن مسلمہ قعنبی نے بھی یہ حدیث روایت کی تھی اس سے بخاری نے
(ص ۸۷۲ کتاب اللباس باب خاتم الحديد)

اس میں بعض الفاظ کا معمولی سا فرق ہے۔

رائدہ بن قدامہ نے بھی ابو حازم سے اس کی روایت کی ہے اس کے آخر میں ہے
کہ نبی ﷺ نے اس شخص سے فرمایا ”انطلق فقد زوجتكها فعلمها من القرآن
(صحیح مسلم ۱ ص ۴۵۷ کتاب النکاح)

اور معمر نے بھی ابو حازم سے۔ اس کے آخر میں ہے قال (سهل) فرأيتہ يمضی
وهی تتبعه (مسند ۵ ص ۳۳۳ یہ روایات جوہم نے ذکر کی ہیں۔ مالک و حماد بن زید
و محمد بن مطرف و فضیل بن سلیمان و سفیان بن عیینہ و یعقوب القاری و عبدالعزیز بن ابی
حازم و زائدہ و معمر کی ہیں۔ ان سب نے یہ قصہ ابو حازم سلمہ بن دینار سے روایت کیا تھا۔
ان میں سے صرف حماد بن زید کی روایت میں ہے کہ اس عورت نے کہا کہ اس نے اپنی
ذات اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہبہ کر دی ہے۔ لیکن آٹھ اشخاص کی روایت میں اللہ کا
ذکر نہیں ہے۔ بس یہ ہی ہے کہ میں نے خود کو آپ کے لئے پہ کر دیا۔ یہ ہی صحیح ہے۔ حماد
بن زید سے یہ حدیث ابوالنعمان اور عمرو بن عون نے روایت کی ہے۔ عمرو بن عون کی

روایت میں اللہ کا ذکر ہے۔ پس یہ اسی کا وہم ہے۔ اس میں یہ بھی مذکور ہے ہے کہ آپ نے اُس عورت سے فرمایا مالی فی النساء من حاجة۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے یعنی ابو حازم نے یہ نہیں کہا تھا۔

اسی طرح فضیل بن سلیمان کی روایت میں بردہ اور اسے شق کرنے کا ذکر فضیل کی غلطی ہے تمام روایات میں ازار کا ذکر ہے سفیان بن عیینہ نے یہ غلطی کی ہے کہ اس عورت نے تین بار آپ سے کھڑی ہو کر کہا تھا کہ میں نے خود کو آپ کے لئے ہبہ کر دیا۔ تین بار کا ذکر فضول اضافہ ہے کسی اور روایت میں یہ نہیں آیا۔ ہر روایت میں ایک ہی بار کا ذکر ہے۔

زائدہ کی حدیث میں یہ زاید ہے کہ آپ نے اس شخص سے یہ فرمایا فعلمها من القرآن۔ معمر کی روایت میں یہ اضافہ شاذ ہے۔ قال سهل فرأيتہ يمضی وھی تتبعه۔

ان روایات کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ چند اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ ان میں سہل بن سعد ساعدی بھی تھے کہ ایک عورت آئی اور بولی یا رسول اللہ میں نے خود کو آپ کے لیے ہبہ کر دیا۔ وہ کھڑی ہوئی تھی آپ نے اس کے سراپا پر گہری نگاہ ڈالی پھر سر جھکا کر خاموش ہو گئے۔ وہ آپ کا جواب سننے کے لئے بیٹھ گئی۔ کافی دیر گزر گئی۔ تب ایک شخص نے اٹھ کر عرض کیا کہ آپ کو اس کی حاجت نہ ہو تو اسے میری زوجیت میں دیدیجئے فرمایا تمہارے پاس اسے دینے کو کچھ ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا گھر جا کر دیکھ۔ وہ گیا اور واپس آ کر بتایا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے فرمایا۔ ارے کوئی لوہے کی انگوٹھی ہی مل جائے۔ وہ پھر گیا اور واپس آ کر بتایا کہ لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں ہے۔ وہ بیٹھ گیا۔ جب دیکھا کہ آپ کچھ نہیں فرما رہے ہیں تو مایوس ہو کر مجلس سے اٹھ کر جانے لگا تب آپ نے اسے بلوا کر پوچھا کہ تجھے کچھ قرآن بھی یاد ہے۔ بولا جی ہاں فلاں فلاں سورتیں مجھے یاد ہیں۔ فرمایا جو قرآن تمہیں محفوظ ہے اسی کے عوض میں نے اسے تمہاری زوجیت میں دیدیا۔ وہ اسے ساتھ لے کر چلا گیا۔ لیکن اس حدیث کی کسی روایت میں نہ اُس عورت کا نام و نسب آیا ہے نہ اُس مرد کا حالانکہ وہ مدینہ کا ہی باشندہ تھا؟

محدثین نے بڑے طمطراق سے اس قصہ کا ذکر کیا ہے اور امام بخاری نے اسے صحیح میں گیارہ جگہ لکھا ہے۔ محدثین نے خاص طور سے دو مسئلوں میں اس سے استدلال کیا ہے اول یہ کہ لوہے کی انگوٹھی بھی نکاح کا مہر ہو سکتی ہے۔ دوم یہ کہ قرآن کریم بھی مہر ہو سکتا ہے یعنی کسی مرد کے پاس مہر میں دینے کو کوئی چیز نہ ہو جسے مال کہا جاسکے لیکن اسے کچھ قرآن یاد ہو تو قرآن کو ہی مہر قرار دیا جاسکتا ہے۔

حالانکہ ان محدثین کو معلوم تھا اور اگر ان میں سے کسی کو معلوم نہ تھا تو اسے معلوم ہونا چاہیے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے محرمات کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ہے وَأَحْلَلْ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ ان تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُخَصَّنِينَ غَيْرَ مَسَافِحِينَ اس ارشاد کی رو سے اس مسلمان پر جو کسی عورت کو جو اس کے لئے محرمات میں سے نہ ہو نکاح میں لینا چاہے لازم ہے کہ اسے مال کے ذریعہ حاصل کرے یعنی اسے مہر میں مال دے جس پر جائیں راضی ہوں۔ مال مہر کی اللہ تعالیٰ نے کوئی مقدار متعین نہیں فرمائی۔ جس مقدار پر بھی باہم رضا مندی ہو جائے کافی ہے۔ مگر مہر میں مال ہی ہونا چاہئے جسے عام بول چال میں مال کہا جاتا ہو۔ ردی کا غذا کا کوئی ٹکڑا، درخت کا کوئی گرا ہوا یا توڑا ہوا پتہ یا لوہے کا تانبے کی انگوٹھی تافہ یعنی حقیر چیزیں ہیں انہیں مال نہیں کہا جاتا۔ اس لئے انہیں مہر قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اسی طرح قرآن کریم جو کسی کو یاد ہو مال کا مصداق نہیں ہے ہاں لکھا ہوا یا چھپا ہوا قرآن کریم جو بازار میں بیچا اور خریدا جاتا ہے مال ہے۔ پس اگر کوئی شخص پورے قرآن مجید کا حافظ ہو یا قرآن کی چند سورتیں یاد رکھتا ہو تو اس کے ذہن و دماغ میں محفوظ قرآن کو عورت کے نکاح کا مہر قرار دینا بے معنی بات ہے۔ مہر تو وہ مال ہے جو منکوحہ کو دیا جائے۔ صورت مذکورہ میں ناکح منکوحہ کو کچھ نہیں دیتا اس کا یاد کیا ہوا قرآن تو ناقابل انتقال شے ہے۔ منکوحہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ اس زبردست اشکال کو محسوس کرنے کے باعث ہی زائدہ بن قدامہ راوی نے ابو حازم سے سنے ہوئے اس قصہ میں یہ اضافہ کر دیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ انطلق فقد زوجتكها فعلمها من القرآن پس آپ نے تعلیم قرآن کو مہر قرار دیا تھا اس کے متعلق میں دو باتیں کہتا ہوں۔

اول یہ کہ تعلیم کے ذکر میں زائدہ منفرد ہے اس لیے یہ شاذ ہے اور زائدہ کا اضافہ ہے ابو حازم نے اسے ذکر نہیں کیا تھا۔

دوم یہ کہ تعلیم معلم کا عمل اور کسب ہے۔ بجائے خود مال نہیں ہے اور مہر میں مال کا ہونا ضروری ہے۔

اس کے بعد میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک یہ قصہ کوئی واقعہ نہیں ہے جو پیش آیا ہو۔ پس ابو حازم کی کہی ہوئی ایک کہانی ہے اس لئے کہ سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے وقت اپنی عمر کے پندرہویں سال میں تھے ہجرت سے تقریباً پانچ سال قبل پیدا ہوئے جیسا کہ تہذیب التہذیب میں تصریح ہے۔ پس غزوہ احزاب و غزوہ بنی قریظہ کے وقت دس سال کے نابالغ بچہ تھے اور اس قصہ میں یہ مذکور ہے کہ اس وقت سہل بن سعد صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ پس آپ کی مجلس میں سہل بن سعد کا آکر بیٹھنا ۷ھ میں غزوہ خیبر کے بعد ہی متصور ہو سکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر رزق و مال اور طیبات و فارغ البالی کے دروازے کھول چکا تھا۔ ۵ھ سے لگاتار عام رفاہیت و خوشحالی اور کشادگی کا سلسلہ چل رہا تھا پس مدینہ منورہ کے باشندوں میں سے ۷ھ اور اس کے بعد کے سالوں میں ایسے مفلوک الحال مفلس بے نوا کا پایا جانا جو اس قصہ میں مذکور شخص کا مصداق ہونا قابل تصور اور ان ہوئی بات ہے۔ یہ صرف ابو حازم کے ذہن کی اختراع اور فرضی شخص ہے۔

دوسری دلیل اس قصہ کے باطل ہونے کی یہ ہے کہ ۵ھ میں آزاد مسلمان عورتوں کو پروے کا حکم دیدیا گیا تھا تمام مسلمان عورتوں نے دن میں کھلے منہ نکلنا چھوڑ دیا تھا پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک مسلمان جوان عورت جو رسول اللہ ﷺ کی بیوی بننے کی آرزو مند ہو بے حجاب اور بالکل کھلے چہرے کے ساتھ مردوں کی مجلس میں رسول اللہ کے سامنے جا کھڑی ہو اگر وہ آپ سے عرض مدعا کرنے کے ارادہ سے آئی تھی تو چاہئے تھا کہ آپ کے پاس مردوں کو دیکھ کر پلٹ جاتی۔ آپ کے گھروں میں سے کسی گھر میں پہنچ کر آپ کے تشریف لانے کا انتظار کرتی۔ مگر وہ تو بقول ابو حازم ایسی ڈھیٹ تھی کہ آپ سے اپنا مدعا

بیان کر کے جواب سننے کے انتظار میں وہیں پھسکڑا مار کر بیٹھ گئی۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ کوئی واقعی اللہ کی پیدا کی ہوئی عورت نہ تھی بلکہ افسانہ ساز ابو حازم کی گھڑی ہوئی کہانی کی ہیروئن تھی۔

تیسری دلیل اس قصہ کے باطل ہونے کی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا یا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فانه له وجاء یعنی اے جوانوں کے گروہ تم میں سے جو شخص حقوق زوجیت ادا کرنے کی مالی طاقت رکھتا ہو تو وہ شادی کر لے بغیر بیوی کے نہ رہے اور جو شخص مالی طاقت نہ رکھتا ہو وہ کثرت سے روزہ رکھے۔ کیونکہ روزہ رکھنا جوش شہوت فرو کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ابو حازم نے اس قصہ میں ایک نہایت مفلس بے نوا جوان کا ذکر کیا ہے پس اگر یہ واقعہ ہوتا تو آپ اسے روزے رکھنے کا ارشاد فرماتے۔ ایک مؤمن جوان عورت سے نکاح کر لینے کی خواہش کو پوری نہ فرماتے۔ محض چند سورتیں یاد ہونے کی وجہ سے آپ اس احساس سے صرف نظر نہ فرما سکتے تھے کہ یہ بے نوا اسے کیا کھلانے گا کیا پہنائے گا۔

چوتھی دلیل اس کے بطلان کی یہ ہے کہ اس بے حیا ابو حازم نے بیان کیا ہے کہ جب اُس عورت نے آپ کے سامنے کھڑی ہو کر عرض کیا کہ میں نے اپنی ذات کو آپ کے لئے ہبہ کر دیا ہے تو آپ نے اس کے سراپا کو بغور دیکھا پھر سر جھکا لیا۔ معاذ اللہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بدن میں آپ کو جاذبیت اور کشش محسوس نہ ہوئی۔ وہ کوئی خوبصورت اور پرکشش بدن والی نہ تھی اس لئے آپ کو پسند نہ آئی۔ افسوس اور تعجب کی بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق ابو حازم کو یہ بیان کرتے ہوئے شرم نہ آئی کہ اس کے ظاہر کو تو دیکھا لیکن نہ اُس کے خلوص کی قدر فرمائی نہ اس سے یہ کہا کہ تو بے حجاب مردوں کے مجمع میں کیوں چلی آئی اور اسے ایک پھنچر کے حوالہ کر دیا حالانکہ آپ کسی خوشحال شخص سے بھی اس کا نکاح کر سکتے تھے۔

(۷۲) حدیث ام زرع امام بخاری نے لکھا ہے

حدثنا سليمان بن عبد الرحمن و علي بن حجر قالا اخبرنا عيسى بن
يونس قال حدثنا هشام بن عروة عن عبد الله بن عروة عن عروة بن
عائشة قالت

ہم سے سلیمان بن عبد الرحمن اور علی بن حجر نے بیان کیا کہ ہمیں عیسیٰ بن یونس نے
بتایا کہ ہم سے هشام بن عروہ نے بیان کیا اپنے بھائی عبد اللہ بن عروہ سے روایت کر کے
اس نے اپنے باپ عروہ بن زبیر سے روایت کی اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ
حضرت عائشہ نے فرمایا۔

جلسن احدى عشرة امرأة فتعاهدن وتعاقدن ان لا يكتمن من اخبار
ازواجهن شيئا۔ گیارہ عورتیں آپس میں یہ عہد و پیمان کر کے بیٹھیں کہ اپنے شوہروں کی
باتوں میں سے کچھ نہ چھپائیں گی۔

قالت الاولى زوجي لحم جمل غث على جبل و عر لا سهل فيرتقى
و لا سمين فينتقى پہلی نے کہا میرا شوہر ایک لاغر اونٹ کا گوشت ہے جو ایک پہاڑ کی
چوٹی پر ہو۔ جس پر چڑھنا دشوار ہو نہ کوئی نرم زمین کا ٹیلہ ہے کہ چڑھا جائے نہ ہی وہ گوشت
روغنی ہڈیوں والا ہے کہ اس کی ہڈیاں حاصل کر کے ان کا مغز نکال کر تناول کیا جائے۔
مطلب یہ ہے کہ لاغر اونٹ کا گوشت بجائے خود ناپسندیدہ ہوتا ہے لیکن کسی ضرورت مند بھوکے
کو مل جائے تو وہ اس سے اپنی بھوک دفع کر سکتا ہے۔ مگر جب وہ گوشت کسی اونچے پہاڑ کی
چوٹی پر ہو جس پر چڑھنا مشکل ہو تو وہ بے چارہ بھوکا کیسے اسے حاصل کرے۔ اور وہ گوشت
اگر روغنی ہڈیوں والے فربہ اونٹ کا ہو تو اس پہاڑ پر چڑھنے کی صعوبت بھی اٹھائی جائے تو
جیسے وہ گوشت کسی کام کا نہیں۔ اسی طرح میرا شوہر بھی بے سود و بے کار شخص ہے اور میرا دل
اس سے نفرت کرتا ہے۔

اس طرح اس عورت نے اپنے شوہر کی شدید مذمت کی تھی۔

قالت الثانية زوجى لا ابث خبره انى اخاف ان لا اذره ان اذكره
 اذكر عجره وبجره میں اپنے شوہر کی کوئی بات نہیں بتاتی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ بتانے
 لگوں تو کوئی بات نہ چھوڑوں۔ اگر میں اس کا ذکر کروں تو اس کے کھلے چھپے عیوب کا بھانڈا
 پھوڑوں، یعنی تفصیل میں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ اسی اجمالی بیان پر اکتفا کرتی ہوں۔
 اس میں ایک دو عیب ہوں تو بتاؤں وہ تو ظاہری و باطنی عیوب کا مجموعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس
 نے بھی اپنے شوہر کی سخت مذمت کی تھی۔

قالت الثالثة زوجى العشنق ان انطق اطلق وان اسكت اعلق۔ میرا
 شوہر لمبا لمڈھینک ہے (مجھ سے بے پروا رہتا ہے) اگر میں بولوں یعنی شکایت کے لیے
 زبان کھولوں تو مجھے طلاق دیدی جائے (اور میں خود پر طلاق کا داغ لگانا نہیں چاہتی) اور اگر
 چپ رہوں تو معلقہ رکھی جاؤں، معلقہ وہ عورت جسے اس کا شوہر طلاق بھی نہ دے اور اس
 سے تعلق بھی نہ رکھے۔ اس لئے میں زبان پر تالا لگائے اس لمڈھینک کو گوارا کر رہی ہوں
 اور معلقہ ہو کر جی رہی ہوں۔ اس طرح اس نے بھی اپنے شوہر کی بڑی پرزور مذمت کی تھی۔

قالت الرابعة زوجى كليل تهامة لا حرو ولا قمر ولا مخافة ولا سنامة:
 تھامہ حجاز و یمن کی سرزمین کو کہتے ہیں جو مندر کے ساحل اور پہاڑوں کے درمیان
 ہے۔ یہ سرزمین حد درجہ معتدل ہے اور اس میں رات بڑی خوشگوار ہوتی ہے۔ آدی کو کوئی
 فکر و غم لاحق نہ ہو تو بڑے آرام سے میٹھی نیند سوتا ہے۔

چوتھی بولی میرا شوہر تمہامہ کی رات جیسا ہے نہ گرمی نہ سردی نہ کوئی ڈر نہ کوئی
 اکتاہٹ۔ یعنی میں اس کے یہاں بڑی عمدہ اور راحت بھری زندگی گزار رہی ہوں۔ امن
 و امان کے ساتھ کسی تکلیف و اذیت کے بغیر نہ وہ مجھ سے ملول نہ میں اس سے اکتانے
 والی۔ ظاہر ہے کہ اس نے اپنے شوہر کی بڑی بلغ تعریف کی تھی۔

قالت الخامسة زوجى ان دخل فهد وان خرج اسد ولا يسأل عما
 عهد۔ میرا شوہر گھر میں آتا ہے تو چیتا بن جاتا ہے باہر نکلتا ہے تو شیر ہوتا ہے اور جو اس نے
 گھر میں مال و متاع دیکھا ہو اس کے متعلق مجھ سے نہیں پوچھتا۔ چیتا اچھل کود کرنے اور

گہری نیند سونے میں ضرب المثل ہے۔ اور شیر دلیری اور شجاعت اور بے خوفی میں معروف ہے۔

اس نے اپنے شوہر کی مردانگی اور بیوی پر پورا اعتماد رکھنے کے وصف کو بڑی خوبی کے ساتھ سراہا تھا۔ یعنی گھر میں داخل ہو کر وہ بے صبری کے ساتھ مجھ پر جھپٹتا اور لذت جماع لے دے کر گہری نیند سو جاتا ہے۔ گھر کے مال و متاع کے متعلق مجھ سے کچھ نہیں پوچھتا کہ میں جو فلاں فلاں چیزیں لایا تھا ان کا تو نے کیا کیا۔ فلاں قیمتی چیز ہے یا نہیں۔ اور گھر سے باہر ہوتا ہے تو دوسروں پر اس کی دہشت طاری ہو جاتی ہے وہ کسی سے نہیں ڈرتا سب اس سے ڈرتے ہیں۔

قالت السادسة زوجی ان اکل لف وان شرب اشتف وان اضطجع التف ولا یولج الکف لیعلم البث. میرا شوہر اگر کھائے تو موجود غذا سب چٹ کر جائے اور اگر پیئے تو ایک بوند بھی نہ چھوڑے اور اگر سونے کے لئے لیٹے تو چادر وغیرہ ادھر ادھر سے خوب دبا کر لمبی تان کر سو جائے اور میرے بستر میں مجھے چھونے کے لئے نہ تھیلی داخل نہیں کرتا تا کہ میرا دلی غم معلوم کرے..... یعنی وہ بہت کھانے پینے اور بے فکر سو جانے والا شخص ہے۔ بیوی سے کچھ مطلب نہیں رکھتا۔ بس اپنے پیٹ کا پجاری اور سونے کا دھنی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس نے اپنے خاوند کی مذمت ہی کی تھی۔

قالت السابعة زوجی غیایاء او عیایاء طباقاء کل داء له داء شجک او فلک او جمع کلا لک. میرا خاوند انتہائی درجہ کا احمق ہے۔ یا یہ کہا کہ لوگوں کے سامنے بولنے اور صحیح بات کہنے سے درماندہ ہے۔ سوجھ بوجھ سے محروم ہے۔ دنیا میں پایا جانے والا ہر روگ اس میں ہے اسی کے ساتھ حد درجہ بے رحم اور مروک ہے ہائے اے اس کی بے چاری جو رو اس نے تیرا سر پھوڑ دیا یا تیرے بدن میں کہیں زخم کر دیا یا دونوں آفتیں تجھ پر توڑ دیں۔

راوی عیسیٰ بن یونس کو یاد نہ رہا کہ ہشام بن عروہ نے غیایاء کہا تھا ثنین معجمہ کے ساتھ یا عیایاء عین مہملہ کے ساتھ۔ اگر عین کے ساتھ ہے تو اس کے معنی ہیں احمق ترین

اس کا ماخذ غی اور غواہ ہے۔ اور اگر عین مہملہ کے ساتھ ہے تو اس کے معنی ہیں ہنکار نہ بھرنے والا یعنی وہ شخص جو لوگوں کے سامنے نہ بول سکے اور اچھی طرح بات نہ بتا سکے۔ اس کا ماخذ غی ہے۔ طباقاً وہ شخص جس میں سوجھ بوجھ نہ ہو۔ شج کے معنی ہیں سر پر چوٹ مارنا قل کے معنی ہیں توڑ دینا۔ زخمی کر دینا۔

قالت الثامنة زوجی المس مس ارنب والریح ریح زرنب (انا اغلبه والناس یغلب) یہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں نہیں ہے۔ زبیر بن بکار اور عقبہ بن خالد کی روایت میں ہے (میرا شوہر ایسا ہے کہ اس کو چھوٹا خرگوش کو چھوٹا ہے اور اس کے بدن کی خوشبو زرنب یعنی یاسمین (بیلے) کے پھول کی خوشبو ہے، میں گھر میں اس پر غالب رہتی ہوں اور وہ باہر لوگوں پر غالب رہتا ہے۔

یعنی میرا شوہر اچھی غذا میں کھاتا اور عمدہ پھل۔ اور میوے تناول کرتا اور مشقت کے کاموں سے الگ رہتا ہے اس لیے اس کی کھال خرگوش کے بدن کی طرح نرم و ملائم ہے اور چونکہ وہ غسل کرنے اور مشک و عطر لگانے کا خوگر ہے اس لیے اس کا بدن بیلے کے پھولوں کی طرح مہکتا ہے۔ اور مجھ سے محبت کرتا اور میری ناز برداری کرتا ہے اس لیے مجھ سے مغلوب اور میرے بس میں رہتا ہے۔ لیکن سوسائٹی میں اس کی عزت و عظمت ہے۔ اس لیے وہ لوگوں پر غالب ہے اور اس کا کہا جاتا ہے۔ اس طرح اس نے اپنے شوہر کی پاکیزگی خوش عیشی محبت حلم اور عزت و عظمت کو بڑے پیارے اور محبوبانہ انداز سے بیان کیا تھا۔

قالت التاسعة زوجی رفیع العماد طویل النجاد عظیم الرماد قریب البیت من الناد.

نویں بولی میرا شوہر اونچے ستون والا لمبے پر تلے والا راکھ کے انبار والا ہے چوپال سے نزدیک گھر والا ہے یعنی اس کا گھر بستی میں نمایاں۔ ممتاز اور سب سے اونچا ہے۔ ظاہر ہے کہ چھت تو ستونوں کے اوپر ہوتی ہے جس گھر کے ستون اونچے ہوں گے اس کی دیواریں بھی اونچی ہوں گی۔ اونچا اور ممتاز گھر اس نے اس لیے بنایا ہے کہ مسافروں کو دور

سے نظر آ جائے اور وہ اس کا قصد کر کے آئیں کھائیں یہیں اور آرام کریں اور طویل النجاد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ قد آور اور لمبے ڈیل ڈول کا ہے اس لئے اس کی تلوار کا پرتلہ لمبا ہے۔ اور اعتدال کے ساتھ بلند قامتی جمال انسانی کے اوصاف میں سے ہے۔ عظیم الرماہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے یہاں بکثرت مہمان اور ملاقاتی آتے رہتے ہیں۔ ان کے لئے کھانا پکایا جاتا ہے تو راکھ کا انبار جمع ہو جاتا ہے۔ بستی کے سب لوگ جس جگہ روزانہ اکٹھے ہوتے ہیں اور مسافرین آ کر ٹھہرتے ہیں اسے ہندی میں چوپال اور عربی میں النادی اور الندوة کہتے ہیں۔ چوپال سے قریب گھر اس نے اس لئے بنایا ہے کہ مہمانوں اور زائرین کے لئے ضرورت کی چیزیں جلد گھر سے لائی جاسکیں الحاصل اس نے بتایا کہ میرا شوہر بلند وبالا قامت کا مخی و مہمان نواز رئیس ہے۔

زبیر بن بکار کی روایت میں ان اوصاف پر یہ اضافہ ہے۔

لا یسبح لیلة یضاف ولا ینام لیلة ینخاف جس رات اس کے یہاں کثرت سے مہمان آ جاتے ہیں وہ پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتا۔ مبادا مہمانوں کے لئے کوئی کمی رہ جائے اور جس رات اسے کسی اور قبیلہ کی جہت سے اپنی بستی پر حملہ کا خطرہ ہوتا ہے تو دفاع کی تیاری میں مصروف رہنے کی وجہ سے نہیں سوتا یعنی وہ اپنی بستی اور قبیلہ کے تحفظ کا دھیان رکھنے والا سردار ہے۔

قالت العاشرة زوجی مالک۔ وما مالک۔ مالک خیر من ذلک له ابل
کثیرات المبارک قلیلات المسارح واذا سمعن صوت المزهر ایقن
انھن هو مالک۔

دسویں نے کہا میرے میاں کا نام مالک ہے۔ ہائے ہائے مالک کیا چیز ہے۔ مالک اس سے بہتر ہے جو اس کے وصف میں کہا جائے۔ اس کی ملکیت میں بہت اونٹ ہیں۔ ان کی تعداد رات کو بیٹھنے میں تو بہت ہوتی ہے لیکن دن میں چراگا ہوں میں جاتے ہوئے کم ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ ان میں سے کئی اونٹ صبح ہی صبح مہمانوں کے لئے ذبح کر لیے جاتے ہیں۔ اور جب وہ باجے کی یعنی بانسری وغیرہ کی آواز سنتے ہیں تو انہیں یقین ہو جاتا

ہے کہ وہ ہلاک ہونے والے ہیں۔ یعنی مالک کے احباب آتے ہیں نغمہ و سرود کی محفل جمتی ہے گانے والیاں آتی ہیں اور سازوں کی طرب انگیز آواز کے ساتھ ان کے گیت سماں باندھنے لگتے ہیں تو اونٹ سمجھ لیتے ہیں کہ ان کی خاطر مدارات کے لئے ہمیں ضرور ذبح کیا جائے گا۔ روز بروز کے مشاہدے نے ان کے اندر یہ یقین پیدا کر دیا ہے۔ غرضیکہ اس نے بتایا کہ اس کا پتی بہت مالدار اور سخی و مہمان نواز شخص ہے۔ اس کے یہاں مہمانوں اور دوستوں کی آمد کا۔ ان کے لئے اونٹوں کے ذبح ہونے کا اور ادھر ادھر سے خرید کر نئے نئے اونٹ لے آنے کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

قالت الحادية عشرة زوجی ابو زرع فما ابو زرع؟ اناس من حلی اُذنی
وملا من شحم عضدی وبعجحنی فبعجحت الی نفسی. وجدنی فی اهل
غنیمۃ بشق. فجعلنی فی اهل صہیل واطیط ودانس ومنق فعندہ اقول
فلا أقبح وارقد فاتصبح واشرب فاتقبح.

گیارہویں نے کہا میرا خاوند ابو زرع ہے۔ کیا بتاؤں ابو زرع کیا ہے۔ اس نے زیوروں سے میرے دونوں کان جھکا دیے اور چربی سے میرے دونوں بازو بھر دیے۔ اور مجھے عظمت دی تو میری ذات خود میرے نزدیک عظیم ہو گئی۔ یعنی میں خود کو عظیم سمجھنے لگی۔ اُس نے مجھے مشقت میں پڑے ہوئے چند بکریوں والے گھرانے میں پایا تھا (یعنی میں کسی خوشحال گھر کی بیٹی نہ تھی میرے میکے والوں کے پاس بکریوں کا چھوٹا سا ریوڑ تھا اسی کے سہارے بڑی مشقت کے ساتھ ان کی گزر بسر ہوتی تھی) مجھے بیوی بنا کر ابو زرع نے گھوڑوں، اونٹوں، بیلوں اور غلاموں باندیوں والے گھرانے میں کر دیا۔ تو اس کے گھر میں میری عزت کا یہ حال ہو گیا کہ میں بولتی ہوں تو میری بات کو غلط اور برا کہہ کر رد نہیں کیا جاتا (کوئی یہ نہیں کہتا کہ ایسا مت کہو، تم نے غلط کہا میری ہر بات بے چوں و چرا تسلیم کی جاتی ہے) اور سوتی ہوں تو صبح کر دیتی ہوں (گھر کے کام کاج کے لئے سویہ اٹھنا نہیں پڑتا۔ کیونکہ کام کاج کرنے والی خادما میں اور باندیاں ہیں) اور دودھ وغیرہ پیتی ہوں تو مزید پینے کے لئے مجھ سے اصرار کیا جاتا ہے۔

صھیل کے معنی ہیں گھوڑے کی ہنہناہٹ۔ مراد گھوڑے ہیں اطمیط کے معنی ہیں اونٹ یا اونٹنی پر لدے ہوئے ہودج کی چرچہ اہٹ جب کہ تیز چل رہا ہو۔ اس عبارت میں اطمیط سے مراد اونٹ ہیں۔ داس کے معنی ہیں کھیتی کے لاکھ کو روندنے والا۔ کائی ہوئی کھیتی کو ہندی میں لاکھ کہتے ہیں۔ اب تو لاکھ سے غلہ نکالنے اور بھس الگ کرنے کی مشین سے کام لیا جاتا ہے لیکن ماضی بعید سے ماضی قریب تک جسے خود ہم نے خوب دیکھا ہے غلہ نکالنے کا طریقہ یہ تھا کہ لاکھ کو صاف چھیل میدان میں اوپر تلے رکھ کر اس پر بیلوں کو گھماتے تھے ان کے مسلسل روندنے سے لاکھ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا اور بالوں میں سے غلہ نکل آتا تھا۔ اسے ہمارے دیہات میں داہنا کہتے تھے۔ کاہنا بھی اسے ہی کہا جاتا ہے گاہنے کے بعد ٹوکروں میں بھر بھر کر سر سے اونچا اٹھا کر اسے برساتے تھے۔ غلہ نیچے جمع ہو جاتا اور بھس کا انبار فاصلہ سے الگ لگ جاتا تھا۔ پس داس سے مراد بیل ہیں کیونکہ ان سے غلہ گاہنے کا کام لیا جاتا ہے۔ یہ داس سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کے معنی ہیں روندنا پامال کرنا غلہ الگ کرنے کے لئے گاہے ہوئے لاکھ کو برسانے کا کام آدی خود کرتے تھے۔ خوشحال کاشتکار اس کام پر مزدور لگاتے تھے اور پہلے زمانے میں یہ کام غلاموں سے لیا جاتا تھا۔ عربی زبان میں اس کام کے کرنے والے کو منقی کہا جاتا ہے جو منقیہ سے اسم فاعل ہے۔ اس عبارت میں منقی سے مراد غلام و چا کر ہے۔

عورت خواہ کسی دولت مند شخص کی بیوی ہو مگر بسا اوقات اسے اپنی ساس کی جہت سے یا سوتیلے بیٹے اور سوتیلی بیٹی کی جہت سے جو شوہر کی پہلی بیوی سے ہوں اوزن شعور کو پہنچ چکے ہوں یا گھر کی خادمہ کی جہت سے ناگوار باتیں پیش آتی اور اس کی زندگی کو تلخ کر دیتی ہیں۔ ام زرع نے بتایا کہ اسے ابو زرع کے یہاں ان جہات سے بھی کوئی تکلیف نہ تھی اولاً اس نے اپنی ساس کا ذکر کیا۔

ام ابی زرع فما ام ابی زرع عکومہا رداح و بینہا فساہ۔ ابو زرع کی ماں کا کیا حال بتاؤں اس کے پیٹ کے بل چربی اور گوشت سے بھرے ہوئے ہیں۔ یعنی وہ قربہ بدن کی بے فکری کے ساتھ گذر بسر کرنے والی عورت ہے۔ اور اس کا گھر طول و عرض

میں بڑا فراخ ہے۔ یعنی وہ اپنے بیٹے کے مکان سے الگ ایک وسیع و آرام دہ مکان میں رہتی ہے۔ خود دو لہند و خوش عیش ہے گذر بسر اور رہن سہن میں بیٹے کی محتاج نہیں ہے۔ اس لئے اس کی جہت سے مجھے کوئی ناگوار بات پیش آنے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔

پھر ام زرع نے سوتیلے بیٹے کا ذکر کیا ابن ابی زرع فما ابن ابی زرع مضجعه کمسل شطبة وتشبعه ذراع الجفوة ابو زرع کا بیٹا کیا بتاؤں وہ کیسا ہے۔ اس کے لیٹنے کی جگہ کسی تلوار کے میان سے کھینچنے کی طرح ہے بکری کے بچہ کا پکایا ہوا گوشت دست (جسے ہمارے یہاں بچہ کا گوشت کہتے ہیں) اس کا پیٹ بھر دیتا ہے۔ یعنی وہ چست و نشیط لڑکا ہے۔ سویا ہوا ہو اور اسے آواز دی جائے تو بستر سے ایسی تیزی سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے جیسے میان سے تلوار کھینچی جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ بیدار کرنے والا پکار پکار کر اسے جگائے۔ پاؤں یا کاندھے پکڑ کر ہلائے تب اٹھے اور بستر پر بیٹھا ہوا آنکھیں ملتار ہے۔ تب جمائی پر جمائی لیتا ہوا بستر چھوڑے۔ اسے تو بستر سے اٹھنے میں بس اتنی دیر لگتی ہے جتنی زیر تلوار کو میان سے باہر آنے میں لگتی ہے جب اسے کھینچا جائے۔ پھر وہ کھاؤ میت نہیں ہے کہ وقت بے وقت کھانا طلب کرے۔ اور اناڑی کی بندوق کی طرح پیٹ بھرتا چلا جائے۔ بکری کے بچہ کے بچہ کا گوشت اسے شکم سیر کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا چست و نشیط اور کم خور بچہ کبھی اپنی ماں پر بھاری نہیں بنتا۔ وہ اسے جو حکم دے گی چستی و نشاط کے ساتھ فوراً اس کی تعمیل کرے گا۔

اس کے بعد اس نے سوتیلی بیٹی کی تعریف میں کہا۔ بنت ابی زرع فما بنت ابی زرع طوع ابیہا و طوع امہا و ملا کسانہا و غیظ جارتہا۔

لڑکی میں فرمانبرداری کی خوبی ہو کہ باپ یا ماں جو اسے حکم دیں بجالائے۔ ساتھ ہی وہ خوبصورت اور جمیل پیکر ہو اور اس کی سوتیلی ماں کوئی شریف خاتون ہو تو وہ لڑکی اپنی سوتیلی ماں کی آنکھوں کا تارا ثابت ہوتی ہے۔ وہ اسے سگی بیٹی کی طرح ہی عزیز رکھتی ہے۔ ام زرع نے کہا۔

ابو زرع کی بیٹی واہ واہ کیسی اچھی بیٹی ہے اپنے باپ کی فرماں بردار اپنی ماں کی

طاعت گزار اور اپنی چادر کا بھراؤ یعنی لاغر و نحیف نہیں بلکہ پر گوشت و فربہ اندام۔ مطلب یہ ہے کہ خوشحال گھرانے کی ناز و نعم میں پٹی ہوئی ہے۔ اور اپنی سوکن کے اندر غیظ و حسد بھڑکانے والی۔ یعنی جب وہ لڑکی شادی کی عمر کو پہنچ جائے اور اس کی شادی کسی ایسے گھر ہو جائے جو پہلے سے بیوی رکھتا ہو (کیونکہ تعدد ازواج اہل عرب میں کوئی معیوب چیز نہ تھی بلکہ اس کی حیثیت ایک عام و معروف رواج کی تھی) تو شوہر اس کا ہو رہے گا اس کی دلبر بانی و زیبائی دیکھ دیکھ کر اس کی سوتن غیظ و حسد کی آگ میں جلے گی۔

اخیر میں اس نے گھر کی خادمہ کا ذکر کیا۔

جارية ابی زرع فما جارية ابی زرع لاتبت حدیثا تابثا ولا تنقث
میرتنا تنقیثا ولا نملا بیتا تعشیشا ابو زرع کے گھر کی خادمہ کی امانت داری و خیر خواہی کا کیا حال سناؤں۔ وہ ہماری باہمی بات چیت کا باہر جا کر ذکر نہیں کرتی (جیسا کہ عموماً نوکرانیوں کا حال ہوتا ہے کہ جس گھر میں کام کرتی ہیں اس گھر والوں کی ہوئی اور ان ہوئی باتیں دوسرے گھروں کی عورتوں کو جا جا کر بتایا کرتی ہیں) اور ہمارے کھانے پینے کی چیزوں میں کوئی چوری اور خیانت نہیں کرتی اور پرندوں کو گھونسلے بنانے کا موقع دیکر ہمارے گھر کو کوڑے کرکٹ سے نہیں بھرتی۔ مطلب یہ ہے کہ گھر میں جھاڑو لگا کر جو کوڑا نکالتی ہے تو اسے گھر سے باہر دور پھینکتی ہے۔ قریب میں ڈالنے سے خطرہ رہتا ہے کہ چڑیاں اور دیگر پرندے جو پنجوں میں بھر کر اس کوڑے سے چن چن کر چھوٹی چھوٹی لکڑیاں لے آئیں اور وہ گھر میں ہی اپنے گھونسلے بنالیں۔ ان گھونسلوں سے ان کی بیٹ اور کوڑا گھر میں کرتا رہے۔

اس طرح ام زرع ابو زرع کے یہاں خیر و خوبی اور عزت و تکریم کے ساتھ رہتی رہی مگر پھر اُس کی خوش نصیبی کو زوال آ گیا کیسے ام زرع نے بتایا۔

خرج ابو زرع والاوطاب تمخص فلقى امرأة معها ولدان لها كالفهدين
يلعبان من تحت حصرها برمانتين فطلقنی ونكحها.

ایک دن صبح سویرے ابو زرع نکلا حال یہ تھا کہ دودھ ہانڈیوں میں بلویا جا رہا تھا۔

(وہ کھیتوں کو دیکھنے کے لئے نکلا تھا) تو ایک بڑی حسین و جمیل عورت ایک جگہ لیٹی نظر آئی اس کی رانیں اور سرین بڑے بھاری تھے کمر نہایت پتلی چت لیٹی ہوئی تھی مگر اس کی کمر زمین سے نہ لگ رہی تھی مونڈھے اور سرین زمین سے لگ رہے اور کمر زمین سے ابھری ہوئی تھی اس کے ساتھ اس کے دو چست و شیط بچے تھے جو دائیں بائیں دو اناروں سے کھیل رہے تھے (ابو معاویہ کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ دونوں بچے اس کے بھائی تھے) دائیں جانب والا لڑکا اپنا انار سیدھ میں لڑھکاتا تو اس دربار عورت کی کمر کے نیچے سے نکل کر بائیں جانب والے بچے کی طرف چلا جاتا وہ ادھر سے اپنا انار لڑھکاتا تو عورت کی کمر کے نیچے سے نکل کر اس طرف آ جاتا اس عورت کے حسن اور پرکشش بدن نے ابو زرع کو اس کا دیوانہ بنا دیا اس نے اسے پیام نکاح دیا اس نے اس شرط کے ساتھ اس کا پیام قبول کر لیا کہ پہلی بیوی کو طلاق دیدو ابو زرع نے مجھے طلاق دیدی اور اس سے نکاح کر لیا (اس طرح میں اس عظیم آسائش و نعمت سے محروم ہو گئی) فنکحت بعده رجلا سریا ركب شربا واخذ خطيا وراح علىٰ نعمائيا واعطاني من كل راحة زوجا وقال كلى ام زرع ومیری اهلك. قالت فلو جمعت كل شئ اعطانيه مابلغ اصغرانية ابی زرع.

ام زرع نے کہا پس ابو زرع سے طلاق مل جانے کے بعد میں نے ایک معزز سردار سے نکاح کر لیا (جو شہسوار، اوپچی اور کافی دولت مند شخص تھا) تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہوا اور ہاتھ میں خطی نیزہ لیا (خط ایک نیستاں کا نام ہے جہاں نہایت عمدہ مضبوط ٹھوس سیدھے اور لمبے بانس اگتے تھے۔ وہاں کے بانس کا بنا ہوا نیزہ خطی کہلاتا تھا جو بہتر ہتھیار ثابت ہوتا تھا اور گراں قیمت پر دستیاب تھا) اس کے یہاں میں نے دیکھا کہ شام کو چراگاہ سے چر کر کثیر مقدار میں قیمتی اونٹ آتے ہیں قسم قسم کے۔ اس نے ہر قسم میں سے مجھے ایک جوڑا۔ اونٹ اور اونٹنی بخش دیا اور کہا اے ام زرع خود بھی کھا (یعنی ان اونٹوں سے جو آمد ہو جو مال حاصل ہو بے روک ٹوک اسے اپنے تصرف میں لا) اور اپنے میکے والوں کو بھی دے (مجھ پر کوئی پابندی نہیں۔ ام زرع نے بتایا کہ) گو میں دوسرے شوہر کے یہاں بھی آسودگی کے ساتھ

عیش کر رہی ہوں لیکن سچی بات یہ ہے کہ) اس نے مجھے جو قسم قسم کا مال و متاع دیا ہے اگر میں سب کو جمع کر لیتی تب بھی وہ ابو زرع کے سب سے چھوٹے برتن کے سامان کی قدر و قیمت کو نہ پہنچتا۔ ام زرع کا قصہ بیان کرنے کے بعد هشام بن عروہ نے اپنے بھائی عبد اللہ سے اس نے اپنے والد عروہ سے اس نے اپنی خالہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا میں تیرے لئے ایسا ہی ثابت ہوا ہوں جیسا ابو زرع ام زرع کے لئے تھا۔

قالت قال لی رسول اللہ ﷺ کنت لک کابی زرع لآم زرع (صحیح بخاری ص ۷۸۰ کتاب النکاح باب حسن المعاشرة مع الاہل)

ناظرین نے یہ قصہ ضروری بیان و وضاحت کے ساتھ پڑھ لیا تو اب اس کی سند سمجھ لیجئے اور یہ کہ کس کس محدث نے اسے حدیث نبوی کی طرح بیان کرنے کی بے ہودہ اور بھاری غلطی کی تھی۔

اس کا راوی اول تنہا هشام بن عروہ ہے اس نے کہا تھا کہ مجھے یہ قصہ اپنے بڑے بھائی عبد اللہ سے اور اسے والد ماجد عروہ سے اور انہیں حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے معلوم ہوا تھا۔ عبد اللہ بن عروہ کی پیدائش ۴۵ھ میں ہوئی تھی اپنے والد عروہ سے بس پندرہ سال چھوٹے تھے پھر هشام کی پیدائش ۶۱ھ میں ہوئی۔ هشام اپنے بھائی عبد اللہ سے سولہ سال چھوٹا تھا۔ اب کیا یہ سخت حیرت کی بات نہیں کہ عروہ نے یہ حدیث عمر بھر کسی کو نہیں سنائی صرف اپنے بڑے بیٹے عبد اللہ کو ہی بتائی۔ عبد اللہ نے بھی کبھی کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا صرف اپنے بھائی هشام کو یہ قصہ سنایا۔ پھر سب جانتے ہیں کہ هشام نے اپنے والد عروہ سے بہت حدیثیں سنی اور ان کی روایت کی ہے۔ لیکن کبھی یہ خیال نہ ہوا کہ عبد اللہ سے سنی ہوئی حدیث ام زرع کے متعلق براہ راست عروہ سے پوچھ لے کہ ابا جان مجھے بھائی عبد اللہ نے ام زرع کا قصہ آپ کے حوالہ سے سنایا تھا کیا وہ صحیح قصہ ہے۔ عروہ کی زندگی میں کبھی هشام نے اس کے متعلق نہیں پوچھا حالانکہ نہایت آسانی سے پوچھ سکتا تھا۔ تو ایسا کیوں ہوا؟ پھر هشام نے یہ قصہ دو شخصوں کو بتایا عیسیٰ بن یونس کو اور سعید بن سلمہ کو۔

عیسیٰ بن یونس سے اس کی روایت تین اشخاص نے کی ہے سلیمان بن عبد الرحمن علی بن حجر احمد بن جناب سلیمان و علی دونوں سے بخاری نے۔

صرف علی بن حجر سے ترمذی نے (شامل ترمذی ص ۱۸ طبع ہند)

علی بن حجر و احمد بن جناب سے مسلم نے (صحیح مسلم کتاب الفہائل، آخر باب فضل عائشہ)

سعید بن سلمہ سے موسیٰ بن اسماعیل نے اس سے بواسطہ حسن بن علی مسلم نے۔

بخاری و مسلم و ترمذی کی روایت کے مطابق۔ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی بیان فرمائی ہوئی نہیں بلکہ حضرت عائشہ کی کہی ہوئی ہے۔ موقوف ہے مرفوع نہیں ہے۔ ہاں آخر میں کنت لک کا بی ذرع لام ذرع مرفوع یعنی رسول اللہ ﷺ کا قول ہے۔

فتح الباری میں ہے کہ ہشتم بن عدی نے اس کی اسناد میں عن هشام بن عروہ

عن اخیه یحییٰ بن عروہ عن ابیہ عروہ بن الزبیر "کہا ہے۔ یعنی عبد اللہ بن عروہ کی جگہ یحییٰ بن عروہ کہا ہے۔ یحییٰ ہشام کا باپ شریک بھائی تھا اس کی ماں مروان بن حکم کی بہن تھی عمر میں ہشام سے بڑا اور علم و فضل میں فائق تھا۔

اور عقبہ بن خالد و عباد بن منصور اور عبد العزیز دراوردی و عبد اللہ ابن مصعب و ابو

معاویہ و عبد الرحمن بن ابی الزناد نے بھی ہشام سے اس کی روایت کی ہے۔ ان سب کی اسناد میں نہ عبد اللہ کا ذکر ہے نہ یحییٰ کا۔ عن ہشام عن ابیہ عروہ ہے۔ عقبہ و عباد کی روایت نسائی نے تخریج کی ہے دراوردی و عبد اللہ بن مصعب کی روایت زبیر بن بکار نے۔ ابو معاویہ کی ابو عوانہ نے۔ عبد الرحمن کی طبرانی نے نیز عقبہ بن خالد و ابو اویس اور ابراہیم بن ابی یحییٰ نے یہ اسناد ذکر کی ہے۔ عن ہشام بن عروہ عن یزید بن رومان عن عروہ اور بس خبر مرفوع کو روایت کیا ہے یعنی کنت لک کا بی ذرع لام ذرع۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہشام بن عروہ کو اس کی سند اچھی طرح یاد نہ تھی کسی کو بتا دیا کہ مجھے یہ حدیث بھائی عبد اللہ سے پہنچی ہے کسی کو یہ کہ بھائی یحییٰ سے اور متعدد اشخاص سے اسے بیان کرتے ہوئے اس نے نہ عبد اللہ کا ذکر کیا نہ یحییٰ کا اور انہیں یہ تاثر دیا کہ مجھے یہ حدیث

اپنے والد عروہ سے پہنچی ہے ظاہر ہے کہ اس شدید اضطراب کے ہوتے ہوئے یہ حدیث صحیح
السند نہیں سمجھی جاسکتی۔

اور سنیے عباد بن منصور و عبد اللہ بن مصعب و دراوردی تینوں کی روایت کے مطابق
ہشام نے یہ حدیث یوں بیان کی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کنت
لک کابی ذرع لام ذرع یہ سن کر ام المؤمنین نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں
باپ آپ پر قربان۔ ابو زرع کون تھا ام زرع کون تھی؟ آپ نے فرمایا گیارہ عورتیں
عہد و پیمان کر کے بیٹھیں کہ اپنے اپنے شوہر کا حال بتائیں گی۔ انھیں اس طرح یہ پورا قصہ
اول سے آخر تک حدیث مرفوع بن جاتا ہے رسول اللہ ﷺ کا بیان فرمایا ہوا۔

اس سخت اختلاف کے ہوتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ ہشام نے اسے کبھی کسی طرح
دکر کر دیا کبھی کسی طرح۔ نہ اس کی سند درست ہے نہ متن۔ اور اس میں یہ جو پیوند لگایا ہے کہ
رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کنت لک کابی ذرع لام ذرع تو یہ
بالکل غلط اور رسول اللہ ﷺ پر دروغ بانی اور بے معنی بات ہے۔ اس مثال کی کوئی تک نہیں
ہے۔ آپ ایسی بے تکی بات کیسے کہہ سکتے تھے۔

الغرض بخاری و مسلم کا اسے صحیح گمان کر کے درج صحیح کر دینا ان کی غلطیوں میں سے
ایک شدید غلطی ہے کیونکہ یہ سرے سے حدیث نبوی ہے ہی نہیں۔

حدیث ام زرع کی حقیقت

یہ ایک کہانی ہے اُن کہانیوں میں سے جو اہل عقل و حکمت اشخاص نے حقائق عالیہ
اور اخلاقی حسنہ کی تعلیم کی خاطر وضع کی تھیں۔ گلستاں بوستاں انوار سہیلی جیسی کتابوں میں
ایسی بے شمار کہانیاں موجود ہیں۔ بچے اور نو عمر کم عقل لوگ انہیں دلچسپ قصوں کی حیثیت
سے یاد کر لیتے ہیں۔ گھروں میں بوڑھی اور پختہ کار عورتیں بچوں کو اور بڑے بوڑھے لوگ
چوپالوں میں وہ مزے دار حکایتیں سناتے ہیں اور ان کے اندر جرأت و ہمت و شجاعت
و سخاوت کی خوبیاں اور بخل و بزدلی اور بری خصلتوں کی برائیاں راسخ کر دیتے ہیں۔
چڑیوں کبوتروں شیروں گیدڑوں اور لومڑیوں کے قصوں کے پردے میں یہ ہی مقاصد

و مطالب پنہاں ہوتے ہیں۔ اسی طرح کی کسی عربی مردانا کی وضع کی ہوئی یہ گیارہ عورتوں کی کہانی ہے۔ اس کہانی کے بنیادی مقصد دو ہیں اول پسندیدہ شوہر کے اوصاف کا بیان کہ عرب کی شریف عورت چاہتی ہے کہ اس کا شوہر ان سے متصف ہو۔ دوم زراعت کی خوبی و برکت۔ ام زرع اس کہانی میں زمیں سے کنایہ ہے زمین اپنی فطرت و طبیعت کے لحاظ سے یہ چاہتی ہے کہ اسے جوتا بویا جائے۔ لہلہاتی کھیتیاں اس سے برآمد ہوں جب تک کوئی قطعہ زمین ابو زرع یعنی کاشتکار کے تصرف میں اس کی زراعتی کوششوں اور محنتوں کے سایہ میں رہتا ہے بہجت و مسرت سے جھومتی رہتی ہے اور جب وہ اپنی مصلحتوں کے پیش نظر اس میں زراعت کرنے سے دست بردار ہو جاتا ہے اور اس میں زراعت کے علاوہ اور کام ہونے لگتے ہیں جسے مکانون کی تعمیر یا کارخانوں کا قیام وغیرہ تو ایسا سمجھو کہ ابو زرع نے ام زرع کو طلاق دیدی اور وہ کسی اور شخص کی زوجیت میں چلی گئی۔ دوسرے شخص نے اس پر شاندار محل تعمیر کیا۔ کمروں میں سنگ مرمر کا فرش بچھایا دیواروں کو سجا یا، کتبے اور تصویریں آویزاں کیں قیمتی فرنیچر سے اس کے تمام کمرے آراستہ کر دیے۔ مگر ام زرع کا رنج و افسوس اس آرائش و زیبائش سے زائل نہیں ہوتا۔ وہ تو اُن ہی مبارک ایام کو یاد کرتی رہتی ہے جو اس نے ابو زرع سے تعلق کے زمانے میں گزارے تھے اہل عرب میں یہ کہانی معروف تھی هشام نے یہ غلطی کی تھی کہ اسے حدیث نبوی یا حضرت ام المؤمنین کا ذکر فرمایا ہوا قصہ قرار دے دیا۔ تہذیب و تہذیب میں لکھا ہے۔

لما حدث هشام بن عروة بحديث ام زرع هجره ابو الاسود يتيم عروة وقال لم يكن احد يرفع حديث ام زرع غيره يعني جب هشام نے حدیث ام زرع بیان کی تو ابو الاسود نے جسے یتیم عروہ کہا جاتا ہے هشام سے قطع تعلق کر لیا اور کہا کہ هشام کے سوا کوئی بھی اسے حدیث عائشہ کی حیثیت سے بیان کرنے کی جسارت نہ کر سکا۔ ابو الاسود کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ ام زرع کی یہ کہانی معروف تھی۔ مگر حدیث کی حیثیت سے نہیں۔ حدیث کی حیثیت تو اسے هشام نے دی ہے اور اس نے یہ اچھا نہیں کیا۔

نے یہ حدیث یوں بیان کی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کنت لک کابی زرع لام زرع یہ سن کر ام المؤمنین نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ ابو زرع کون تھا ام زرع کون تھی؟ آپ نے فرمایا گیارہ عورتیں عمو بیان کر کے بیٹھیں کہ اپنے اپنے شوہر کا حال بتائیں گی۔ الخ اس طرح یہ پورا قصہ لول سے آخر تک حدیث مرفوع بن جاتا ہے رسول اللہ ﷺ کا بیان فرمایا ہوا۔

اس سخت اختلاف کے ہوتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ ہمام نے اسے کبھی کسی طرح ذکر کر دیا کبھی کسی طرح۔ نہ اس کی سند درست ہے نہ متن۔ اور اس میں یہ جو پیوند لگایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کنت لک کابی زرع لام زرع تو یہ بالکل غلط اور رسول اللہ ﷺ پر دروغ بانی اور بے معنی بات ہے۔ اس مثال کی کوئی تک نہیں ہے۔ آپ ایسی بے تکلی بات کیسے کہہ سکتے تھے۔

الغرض بخاری و مسلم کا اسے صحیح گمان کر کے درج صحیح کر دینا ان کی غلطیوں میں سے ایک شدید غلطی ہے کیونکہ یہ سرے سے حدیث نبوی ہے ہی نہیں۔

حدیث ام زرع کی حقیقت

یہ ایک کہانی ہے ان کہانیوں میں سے جو اہل عقل و حکمت اشخاص نے حقائق عالیہ اور اخلاق حسنہ کی تعلیم کی خاطر وضع کی تھیں۔ گلستاں بوستاں انوار سہیلی جیسی کتابوں میں ایسی بے شمار کہانیاں موجود ہیں۔ بچے اور نوجوانوں کو عقل لوگ انہیں دلچسپ قصوں کی حیثیت سے یاد کر لیتے ہیں۔ گھروں میں بوڑھی اور پختہ کار عورتیں بچوں کو لور بڑے بوڑھے لوگ چوپالوں میں وہ مزے دار حکایتیں سناتے ہیں اور ان کے اندر جرأت و ہمت و شجاعت و سخاوت کی خوبیاں اور نخل و بزدلی اور بری خصلتوں کی برائیاں راسخ کر دیتے ہیں۔ چڑیوں کبوتروں شیروں گیدڑوں اور لومڑیوں کے قصوں کے پردے میں یہ ہی مقاصد و مطالب پنہاں ہوتے ہیں۔ اسی طرح کی کسی عربی مردانہ کی وضع کی ہوئی یہ گیارہ عورتوں کی کہانی ہے۔ اس کہانی کے بنیادی مقصد دو ہیں اول

پسندیدہ شوہر کے لوصاف کا بیان کہ عرب کی شریف عورت چاہتی ہے کہ اس کا شوہر ان سے متصف ہو۔ دوم زراعت کی خوبی و برکت۔ ام زرع اس کہانی میں زمیں سے کنایہ ہے زمین اپنی فطرت و طبیعت کے لحاظ سے یہ چاہتی ہے کہ اسے جو تا بویا جائے۔ لہلہائی کھیتیاں اس سے برآمد ہوں جب تک کوئی قطعہ زمین ابو زرع یعنی کاشتکار کے تصرف میں اس کی زراعتی کوششوں اور محنتوں کے سایہ میں رہتا ہے بہت دوسرے سے جمہور متی رہتی ہے اور جب وہ اپنی مصلحتوں کے پیش نظر اس میں زراعت کرنے سے دست بردار ہو جاتا ہے اور اس میں زراعت کے علاوہ اور کام ہونے لگتے ہیں جسے مکانوں کی تعمیر یا کارخانوں کا قیام وغیرہ وغیرہ تو ایسا سمجھو کہ ابو زرع نے ام زرع کو طلاق دیدی اور وہ کسی اور شخص کی زوجیت میں چلی گئی۔ دوسرے شخص نے اس پر شاندار محل تعمیر کیا۔ کروں میں سنگ مرمر کا فرش پھیلایا دیواروں کو سجاایا، کتبے اور تصویریں آویزاں کیں قیمتی فرنیچر سے اس کے تمام کمرے آراستہ کر دیے۔ مگر ام زرع کا رنج و افسوس اس آرائش و زیبائش سے زائل نہیں ہوتا۔ وہ تو ان ہی مبدک لایم کو یاد کرتی رہتی ہے جو اس نے ابو زرع سے تعلق کے زمانے میں گزارے تھے اہل عرب میں یہ کہانی معروف تھی ہشام نے یہ غلطی کی تھی کہ اسے حدیث نبوی یا حضرت ام المؤمنین کا ذکر فرمایا ہوا قصہ قرار دے دیا۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے۔

لما حدث هشام بن عروة بحديث ام زرع هجره ابو الاسود يتيم عروة وقال لم يكن احد يرفع حديث ام زرع غيره يعني جب هشام نے حدیث ام زرع بیان کی تو ابو الاسود نے جسے یتیم عروہ کہا جاتا ہے هشام سے قطع تعلق کر لیا اور کہا کہ هشام کے سوا کوئی بھی اسے حدیث عائشہ کی حیثیت سے بیان کرنے کی جسارت نہ کر سکا۔

ابو الاسود کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ ام زرع کی یہ کہانی معروف تھی۔ مگر حدیث کی حیثیت سے نہیں۔ حدیث کی حیثیت تو اسے هشام نے دی ہے اور اس نے یہ اچھا نہیں کیا۔

(۷۳) ابو حازم سلمہ بن دینار کی سہل بن سعد ساعدی سے روایت کی ہوئی ایک لغو و باطل حدیث

بخاری نے کہا ہے ہم سے سعید بن ابی مریم نے بیان کیا کہ ہم سے ابو غسان محمد بن مطرف
نے بیان کیا کہ مجھ سے ابو حازم نے بیان کیا۔

حدثني ابو حازم عن سهل بن سعد قال: ذكر للنبي ﷺ امرأة من
العرب فامر ابا اسيد الساعدي ان يرسل اليها فارسل اليها فقدمت
فنزلت في اجم بنى ساعدة فخرج النبي ﷺ اليها حتى جاءها فدخل
عليها. فاذا امرأة منكسة راسها فلما كلمها النبي ﷺ قالت اعوذ بالله
منك. فقال: قد أعذتك مني. قالوا لها اتدلين من هذا؟ قالت: لا.
قالوا هذا رسول الله جاء ليخطبك. قالت: كنت انا اشقى من ذلك
فاقبل النبي ﷺ يومئذ حتى جلس في سقيفه بنى ساعدة هو واصحابه
ثم قال اسقنا يا سهل. فاخرجت لهم هذا القدح فاسقيتهم فيه. فاخرج
لنا سهل ذلك القدح مشربنا منه. قال ثم استوهبه عمر بن عبد العزيز
بعد ذلك فوهبه له. (صحيح بخاری ص ۸۴۲ او آخر كتاب الاشربة)

ابو حازم نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ سے اہل عرب میں سے
ایک عورت کا ذکر کیا گیا (کہ وہ اپنی صورت و سیرت کے لحاظ سے آپ کی بیوی بننے کے لائق ہے۔ تو
آپ نے ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس کے پاس کوئی قاصد بھیج کر اسے بلا لو۔ ابو اسید
نے حکم کی تعمیل کی۔ وہ آگئی تو بنی ساعدہ کے محلہ میں واقع ایک گھر میں فروکش ہوئی۔ اس کی آمد کی
اطلاع ملنے پر (چند اصحاب کے ساتھ) نبی ﷺ تشریف لائے۔ آپ نے اندر تشریف لے جا کر
دیکھا تو وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ آپ نے اس سے گفتگو شروع کی تو بولی میں تجھ سے اللہ کی پناہ لیتی
ہوں۔ اللہ مجھے تجھ سے بچائے۔ فرمایا ٹھیک ہے میں نے تجھے اپنی ذات سے الگ رکھنے کا فیصلہ
کر لیا۔ مطمئن رہ میں تجھے ہاتھ نہ لگاؤں گا (یہ فرما کر آپ اٹھ کر باہر آ گئے۔ گھر میں موجود اشخاص نے

(جو یقیناً بنی ساعدی کی خواتین ہوں گی) اس سے کہا تجھے معلوم ہے یہ صاحب کون تھے؟ بولی نہیں۔ انہوں نے کہا یہ رسول اللہ ہیں۔ تجھے اپنا پیام نکاح دینے کے لئے آئے تھے۔ بولی مجھ بد نصیب کی قسمت میں یہ سعادت کہاں تھی؟.....

اس کے پاس سے نکل کر نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب بنی ساعدہ کی چوپال میں آ کر بیٹھے پھر آپ نے فرمایا اے سہل ہمیں پانی پلاؤ۔ سہل نے بیان کیا کہ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ گھر سے یہ بڑا پیالہ لے کر آیا اس سے میں نے ان سب حضرات کو پینے کے لئے پانی دیا۔ ابوحازم نے کہا تو پھر اس پیالہ کو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے (جب وہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے) سہل بن سعد سے مانگ لیا۔

(صحیح بخاری ص ۸۴۲ اور کتاب الاثر باب الشرب من قدح النبی ﷺ وامنہ)

اس حدیث کے دو جزو ہیں۔ اول اس عورت کا قصہ جس نے آپ سے اعوذ باللہ منک کہا تھا۔

دوم سقیفہ بنی ساعدہ میں سہل بن سعد کا رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو پانی پلانے کا قصہ جزو دوم غالباً صحیح ہے لیکن جزو اول یعنی عورت کا قصہ قطعاً لغو و باطل ہے۔ اس لیے کہ اس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابواسید سے فرمایا تھا کہ اس عورت کے پاس کسی کو بھیج کر اسے بلا لو۔ ابواسید نے ایسا ہی کیا اور وہ آ گئی۔

سوال یہ ہے کہ کیا اس عورت کا باپ بھائی چچا یا اور کوئی عزیز قریب نہ تھا؟ کیا وہ خود مختار اور اپنی مرضی کی مالک تھی کہ ابواسید کا پیام ملتے ہی مدینہ چلی آئی۔ آخر ابواسید اور اس عورت کے درمیان کیا تعلق تھا جس نے اسے ابواسید کی بات ماننے اور سفر کی مشقت اٹھا کر مدینہ چلے آنے پر آمادہ کر دیا تھا؟ اگر عرب میں کوئی ایسی حسین اور خود مختار اور اپنی مرضی کی مالک عورت ہوتی تو اسے تو معروف و مشہور ہونا چاہئے تھا حالانکہ اس قصہ کے راوی اول سہل بن سعد کو اس کا نہ نام معلوم تھا نہ قبیلہ۔ اور اگر نبی ﷺ اس عورت کو بلانا چاہتے تھے تو ابواسید کو واسطہ بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ جزیرہ عرب میں آپ کا نام پھیل چکا تھا اور جو قبائل ہنوز مسلمان نہ ہوئے تھے وہ بھی آپ کی عظمت کے معترف تھے۔ پس آپ خود اپنی طرف سے کسی کو اس کے پاس بھیج سکتے تھے اور انصار کے قبیلہ بنی

ساعده میں سے ہی کسی مرد سے یہ کام لینا قرین مصلحت تھا تو نبی ساعده کے مشہور و معروف سردار سعد بن عبادہ اس خدمت کے لئے موزوں تر تھے۔ جنہیں عام اہل عرب مرد کا مل کہا کرتے تھے۔ پھر اس قصہ میں مذکور ہے کہ جب آپ اُس عورت سے ملنے کے لئے گئے ہیں تو اس نے آپ کو نہیں جانا کہ کون صاحب ہیں۔

مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے آپ اجازت لینے بغیر کسی گھر میں نہ جاتے تھے۔ آپ نے اس گھر کے دروازے پر اندر آنے کی اجازت ضرور چاہی ہوگی گھر میں جو اشخاص تھے انہوں نے اس عورت کو بتایا ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ آپ سے ملنے کے لئے آنا چاہتے ہیں۔ پھر اس میں مذکور ہے کہ اس گھر کے اشخاص نے جب اسے بتایا کہ یہ رسول اللہ تھے جو آپ کو پیام دینے کی غرض سے آئے تھے تو اس نے رنج و افسوس کے ساتھ کہا ”اَنَا أَفْضَى مِنْ ذَلِكَ“ تو پھر اس نے آپ کے پاس کسی کو بھیج کر معذرت کیوں نہ کی کہ یا رسول اللہ میں نے آپ سے جو گستاخانہ انداز اختیار کیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ میں آپ کو جانتی نہ تھی۔

پھر اس میں یہ جو مذکور ہے کہ آپ اسے پیام نکاح دینے کے لئے تشریف لے گئے تھے تو یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کیونکہ سورۃ الاحزاب میں جو کہ ۵۷ھ میں نازل ہوئی ہے جب کہ سہل بن سعد دس سال کے نابالغ بچہ تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو صراحت بتا دیا تھا کہ آپ کے لیے موجودہ بیویوں کے علاوہ بس مہاجرات میں سے چچا کی یا پھوپھی کی یا ماموں کی یا خالہ کی بیٹی حلال ہیں۔ نیز و احبۃ النفس سے آپ نکاح کرنا چاہیں خواہ وہ مہاجرہ نہ ہو تو وہ بھی حلال ہے۔ اس صریح حکم کے ہوتے ہوئے رسول اللہ ﷺ اس عورت کو جس کا ابو حازم نے ذکر کیا ہے پیام نکاح دینے کا ارادہ کیسے فرما سکتے تھے۔ نہ وہ مہاجرہ تھی نہ و احبۃ النفس تھی۔ پس ابو حازم نے جو بیان کیا تھا وہ سراسر شذوذ سے آخر تک لغو ہے۔

حافظ ابن حجر نے صحیح بخاری کی مشہور شرح فتح الباری میں یہ غضب ڈھایا کہ یہ لکھ مارا ہے کہ اُس عورت نے جو رسول اللہ ﷺ سے اعوذ باللہ منک کہا تھا تو یہ غلطی اُس سے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ اور ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما نے فریب دے کر اور جھوٹ بول کر کرائی

تھی چنانچہ ہشام بن محمد نے عبدالرحمن بن الغسیل سے روایت کی ہے کہ عائشہ و حفصہ دونوں اس عورت کی آمد کی خبر (اور اس کے حسن و جمال کی شہرت) سن کر چپکے سے اس کے پاس پہنچیں تو اس کے بال سنوارے مہندی لگائی اور ان دونوں میں سے ایک نے اس سے کہا کہ نبی ﷺ کو یہ بات بڑی اچھی لگتی ہے کہ دہن ان سے جب وہ اس کے پاس آئیں اعوذ باللہ منک کہے۔ یہ پٹی پڑھا کر دونوں چلی گئیں۔
(فتح الباری ۹ کتاب الطلاق باب ۳)

اسے بدون نکیر وارد کر کے ابن حجر نے حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما کی شان میں بڑی بھاری گستاخی کی ہے حالانکہ ابن حجر کو خوب معلوم تھا کہ ہشام اس کا راوی و مصنف رافضی نہ اس نے عبدالرحمن بن الغسیل پر وروغ بانی کی ہے عبدالرحمن نے قطعاً یہ بے ہودہ قصہ نقل نہیں کیا۔ یہ خود اس ہشام کا گھڑا ہوا ہے مسجد نبوی سے بنی ساعدہ کا محلہ تقریباً دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ ناممکن تھا کہ ام المؤمنین عائشہ و حفصہ گھر سے چپکے سے اجازت لیے بغیر وہاں پہنچیں۔ نہ رسول اللہ ﷺ کو اس کا پتہ چلے نہ کسی اور ام المؤمنین کو نہ کسی صحابی کو..... کیونکہ اس کی وحی تو شیطان نے اسی خبیث ہشام کو کی تھی۔

الغرض ابو حازم نے سہل بن سعد سے روایت کر کے جو قصہ بیان کیا ہے وہ لغو اور غلط ہے بخاری پر لازم تھا کہ اسے درج صحیح نہ کریں۔ یہ لغو قصہ ابو حازم نے خود نہیں گھڑا تھا۔ فی الواقع بدحظی کی وجہ سے اسے سہل سے سنا ہوا قصہ صحیح یا وہ نہ رہا۔ انٹرنیٹ کچھ کا کچھ بیان کر دیا۔ صحیح حدیث وہ ہے جو سہل بن سعد سے ان کے فرزند عباس نے روایت کی ہے۔ اس کی تخریج امام احمد نے بھی کی ہے اور امام بخاری نے بھی۔ احمد کی روایت واضح و مفصل ہے امام احمد فرماتے ہیں۔

حدثنا ابو احمد الزبیری قال اخبرنا عبدالرحمن بن الغسیل عن ابی حمزة بن ابی أسید عن ابیہ وعباس بن سہل عن ابیہ قال مر بنا رسول اللہ ﷺ واصحابہ له فخرجنا معه حتی انطلقنا الی حائط یقال له الشوط حتی انتهینا الی حائطین فجلسنا بینہما فقال رسول اللہ ﷺ اجلسوا ودخل هو وقد اتی بالجونیۃ فی بیت امیۃ بنت النعمان بن شراحیل ومعہا دایۃ لها فلما دخل علیہا رسول اللہ

ﷺ قال: هي لي نفسك. قالت وهل تهب الملكة نفسها
للسوقة (فاراد ان يضع يده عليها لتسكن) قالت اني اعوذ بالله
منك. قال لقد عدت بمعاذ. ثم خرج علينا فقال يا ابا امينة
اكسها رازقين والحقها باهلها. وقال غير ابى احمد امرأة من بنى
الجون يقال لها امينة. (مسند ۳ ص ۲۹۸، مسند ۵ ص ۳۳۹)

ہم سے ابو احمد زبیری نے بیان کا کہ ہمیں عبدالرحمن بن غسیل نے بتایا۔ ابو حمزہ وعباس
دو شخصوں سے روایت کر کے ابو حمزہ نے اپنے والد حضرت ابو اسید ساعدی سے اور عباس نے
اپنے والد حضرت سہل بن سعد ساعدی سے روایت کی کہ ابو اسید و سہل دونوں نے ذکر کیا کہ
رسول اللہ ﷺ اپنے چند اصحاب کے ساتھ ہم پر گذرے۔ ہم بھی آپ کے ساتھ ہو لیے
تا آنکہ شوط نامی باغ تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد دو باغوں تک پہنچے تو ہم سب رسول اللہ ﷺ
کے حکم سے ان کے درمیان بیٹھ گئے اور آپ ایک گھر میں داخل ہو گئے جس میں جوینہ یعنی نعمان
بن شراحیل کی بیٹی امیہ فروکش تھی اس کے ساتھ اس کی دایہ بھی آئی تھی جب آپ امیہ کے پاس
پہنچے تو اس سے فرمایا۔ اپنی ذات میرے لئے ہبہ کر دو اس نے (نخوت کے ساتھ) جواب دیا کیا
رانی اپنی ذات کو بازاری شخص کے لئے ہبہ کرتی ہے؟ آپ نے اپنا دست مبارک اس پر رکھنا چاہا
تو بولی ”میں تجھ سے اللہ کی پناہ لیتی ہوں“ یعنی اللہ مجھے تجھ سے بچائے“ فرمایا تو نے زبردست پناہ
حاصل کر لی پھر آپ نے وہاں سے باہر آ کر فرمایا اے ابو اسید اسے رازقیہ کپڑوں کا جوڑا دیدو اور
اسے اس کے گھر پہنچا دو رازقیہ کتان کا بنا ہوا سفید رنگ پیش قیمت کپڑا ہوتا تھا۔

امام بخاری کی روایت یہ ہے:

حدثنا عبد الله بن محمد (المسندی). قال: ثنا ابراهيم بن ابي
الوزير. قال: ثنا عبد الرحمن عن حمزة عن ابيه وعن عباس بن
سهل بن سعد عن ابيه بهذا.

بخاری نے اس کے متن کی عبارت ذکر نہیں کی (صحیح بخاری ص ۷۹۰ کتاب الطلاق)

نیز بخاری نے کہا ہے:

حدثنا ابو نعيم ثنا عبدالرحمن بن الغسيل عن حمزة بن ابی أسيد عن
 ابی اسيد قال خرجنا مع النبی ﷺ حتى انطلقنا الى حائط يقال له
 الشوط حتى انتهينا الى حائطين فجلسنا بينهما ودخل وقد أتى
 بالجنونية فانزلت في بيت في نخل اميمة بنت النعمان بن شراحيل
 ومعها داية لها خاضنة لها فلما دخل عليها النبي ﷺ قال: لها هبى
 نفسك لى. قالت: وهل تهب الملكة نفسها للسوقة. فاهوى بيده
 يضع عليها لتسكن. فقالت اعوذ بالله منك. فقال: قد عذت بمعاذ ثم
 خرج علينا فقال يا ابا اسيد اكسها رازقتين والحقها باهلها.

(صحيح بخارى ص ٤٩٠ كتاب الطلاق)

طبقات ابن سعد میں جو نئیہ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ نعمان بن ابی الجون کنڈی رئیس
 بنی کنڈہ ۹ھ میں مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہوا۔ اس نے عرض کیا تھا میں اپنے اور آپ کے
 درمیان قرابت قریبہ قائم کرنا چاہتا ہوں میری جوان اور نہایت خوبصورت بیوہ بیٹی ہے آپ اسے
 زوجیت میں لے لیں آپ نے اس کی درخواست منظور فرمائی۔ عرض کیا کہ آپ میرے ساتھ کسی
 کو بھیج دیں جو اسے آپ کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے ابو اسید ساعدی کو اس کے ساتھ بھیج
 دیا۔ ابو اسید وہاں تین دن مہمان رہے چوتھے روز اس نے بڑے شاندار اور باپردہ ہودج میں
 بٹھا کر اپنی بیٹی کو روانہ کر دیا۔ اس کا نام کسی نے اُمیمہ بتایا ہے کسی نے امیمہ کسی نے
 اسماء۔ دل بستگی کے لئے اس کی دایہ جس نے اس کی پرورش کی تھی اس کے ساتھ کر دی۔ ابو اسید
 عزت و احترام کے ساتھ اسے مدینہ لے آئے اور اپنے محلہ میں ایک عمدہ مکان میں جو نخلستان
 میں تھا اسے معزز و مکرم مہمان کی حیثیت سے ٹھہرا کر اور اس کی خدمت کا معقول بندوبست کر کے
 رسول اللہ ﷺ کو اس کی آمد سے مطلع کیا اس وقت آپ عوالی میں بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں
 آئے ہوئے تھے۔ آپ وہیں سے چند اصحاب کو ساتھ لے کر بنی ساعدہ کی طرف روانہ ہوئے۔
 اس کے والد نعمان نے تو اسے آپ کی بیوی کی حیثیت سے آپ کے پاس ارسال کر دیا تھا لیکن وہ
 نہا جرحہ اور آپ کی عمر زاد یا پھوپھی زاد یا ماموں زاد یا خالہ زاد نہ تھی اس لئے آپ کے لئے حلال نہ

تھی۔ اس لئے آپ کے لئے حلال اور جائز الزکاح ہونے کی صورت صرف یہ تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ”وامرأة مؤمنة ان وهبت نفسها للنبي ان اراد النبي ان يستكحها“ کے مطابق اپنی ذات کو آپ کے لئے ہبہ کر دے۔ اس لئے آپ نے اس سے یہ ہی فرمایا ہبی نفسك لى۔ لیکن وہ رسول اللہ ﷺ کی قدر و منزلت کی پہچان سے محروم تھی اور اپنے باپ کی ریاست و دولت مندی کی وجہ سے احساس برتری کا شکار تھی باپ نے بھیج دیا تھا تو آگئی تھی اس لئے اس نے نہایت غرور و نخوت سے خود کو شہزادی اور آپ کو معمولی و حقیر شخص قرار دیکر جواب دیا وھل تھب الملكة نفسها للسوقة پھر اعدو بالله منك کہا آپ لقد عدت بمعاذ کہہ کر فوراً اس کے پاس سے اٹھ کر نکل آئے اور اسے بہترین جوڑا دینے اور اس کے باپ نعمان کے پاس واپس پہنچا دینے کی ہدایت فرمادی۔ یہ ہے صحیح قصہ جو عباس بن سہل نے اپنے والد سہل بن سعد سے اور ابو حمزہ نے اپنے والد ابو اسید سے سن کر بیان کیا تھا۔ اس تفصیل سے روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ ابو حازم کو صحیح بات یاد نہ تھی اور اس نے سہل بن سعد کی طرف منسوب کر کے بالکل غلط اور غیر معقول بات ہانک دی تھی امام بخاری نے کتاب الطلاق کے دوسرے باب یعنی باب من طلق میں عبدالرحمن بن غسیل کے طریق سے اسے صحیح انداز سے بیان کیا ہے۔ لیکن بخاری نے اسے کتاب الطلاق میں ذکر کر کے شدید علمی غلطی کی ہے کیونکہ آپ نے بؤنیہ یعنی نعمان کی بیٹی سے نکاح نہیں کیا تھا لہذا اسے طلاق دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ طلاق تو منکوحہ کو ہی دی جاسکتی ہے۔ آپ کا اُس سے نکاح کرنا موقوف تھا اس پر کہ اپنی ذات کو آپ کے لئے ہبہ کر دیتی بد نصیبی کی وجہ سے وہ اس پر راضی نہ ہوئی تو آپ نے اس سے نکاح نہیں کیا اور جوں کی توں واپس اس کے باپ کے پاس پہنچا دیا۔ دراصل یہ غلطی زہری ابن شہاب کی ہے۔ اور ای کا بیان ہے کہ میں نے زہری سے پوچھا تھا ای ازواج النبی ﷺ استعاذت منه قال اخبرنی عروة عن عائشة ان ابنة الجون لما ادخلت علی رسول اللہ ﷺ ودنا منها قالت اعدو بالله منك فقال لها لقد عدت بعظیم الحقی باھلک۔

(صحیح بخاری ص ۷۹۰ کتاب الطلاق باب ۲)

رسول اللہ ﷺ کی کس بیوی نے آپ سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ چاہی تھی۔ زہری

نے جواب میں بتایا کہ مجھے عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کر کے بتایا تھا کہ جون کی بیٹی جب نبی ﷺ کے پاس لائی گئی اور آپ اس کے نزدیک ہوئے تو بولی اعوذ باللہ منک آپ نے فرمایا تو نے بڑی عظمت والی ذات کی پناہ لی ہے اپنے گھر چلی جا۔

(صحیح بخاری ص ۹۰ کتاب الطلاق باب ۲)

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ابن ابی ذئب نے بھی زہری سے اس کی روایت کی ہے اسی طرح اور آخر میں یہ اضافہ کیا ہے قال الزہری جعلها تطليقة۔ اس کی تخریج بہت ہی کی ہے۔ (فتح الباری)

یعنی زہری نے یہ سمجھا کہ الحقی باہلک فرما کر رسول اللہ ﷺ نے اسے طلاق دی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ زہری کی خالص غلط فہمی تھی کہ اسے طلاق سمجھ لیا اگر زہری فقیہ ہوتے تو اور اعلیٰ کے سوال ای ازواج النبی ﷺ استعاذت منہ کے جواب میں کہتے کہ آپ کی کسی بیوی نے بھی ایسا نہیں کیا تھا۔ امام بخاری بھی عجیب فہم کے بزرگ تھے جزوی مسائل میں وہ زہری جیسے غیر فقیہ کے مقلد تھے اور جن گرامی مرتبہ علماء کو اللہ تعالیٰ نے واقعی فقیہ بنایا تھا ان کے شدید مخالف تھے۔

آخر میں ناظرین ابن ماجہ کی تخریج کردہ ایک جھوٹی روایت سے بھی آگاہ ہو جائیں۔ ابن ماجہ نے عبید بن قاسم کے طریق سے روایت کی ہے عبید نے کہا: حدثنا هشام بن عروة عن ابیہ عن عائشة ان عمرة بنت الجون تعودت من رسول الله ﷺ حين اذخلت عليه فقال لقد عذبت بمعاذ فطلقها وامر اسامة بن زيد او انسا فمتعها بثلاثة اواب رازقية۔

(سنن ابن ماجہ ص ۱۴۸ طبع ہند ابواب الطلاق۔ باب متعة الطلاق)

عبید بن قاسم سفیان ثوری کا بھانجا تھا۔ اسے محدث بننے کا شوق تھا لیکن کج تہ صحیح حدیثوں میں اپنی طرف سے جھوٹی اور قطعاً غلط باتیں ملا کر بیان کر دینے کا عادی تھا۔

جو بیہ کا نام عمرہ بتایا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کا قول: لقد عذبت بمعاذ ذکر کر کے یہ جھوٹ بول دیا کہ آپ نے اسے طلاق دیدی اور اسامہ یا انس نے آپ کے حکم سے اسے تین جوڑے

رازی کپڑے دیے۔

تمام اہل علم نے اس شخص کی مذمت کی ہے۔ یحییٰ بن معین نے کہا ہے لیس بشقة کذاب خبیث ابو زرعة نے کہا ہے واہی الحدیث حدث احادیث منكرة لا ينبغي ان يحدث عنه۔ ابو حاتم کا قول ہے ضعیف الحدیث ذاهب الحدیث۔ صالح بن محمد کا قول ہے کہ کان یضع الحدیث وله احادیث منكرة۔ ابو داؤد نے بھی کہا ہے کہ یہ شخص حدیث گھڑتا تھا۔ بخاری نے کہا ہے لیس بشنی۔ ابن حبان نے یہ کہا ہے کہ یہ شخص ثقہ لوگوں کی طرف منسوب کر کے جھوٹی حدیثیں بیان کیا کرتا تھا۔ اس کے پاس ایک کتاب تھی جس میں اس نے ہشام بن عروہ کی طرف منسوب کر کے جھوٹی حدیثیں درج کر رکھی تھیں۔ انہیں بیان کیا کرتا تھا۔

ابونعیم نے کہا ہے لاشنی متروک الحدیث (تہذیب التہذیب) محدث ابن ماجہ بھی اس کے غیر الثقہ اور کذاب ہونے سے واقف ہوں گے۔ اس کی روایت کردہ یہ حدیث ابن ماجہ اپنی کتاب میں نہ لکھتے تو کیا بگڑ جاتا۔

(۷۴) ابو ظبیان رافضی کا گھڑا ہوا قصہ کہ:

حضرت عمرؓ نے ایک پاگل عورت کو رجم کروینے کا حکم دیا تھا

بخاری نے تعلیقاً جزم کے ساتھ لکھا ہے:

وقال علیّ الم تعلم ان القلم رفع عن ثلاث، عن المجنون حتی یفیک وعن الصبی حتی یدرک وعن النائم حتی یتیقظ۔

(صحیح بخاری ص ۷۹۴ کتاب الطلاق)

علی نے کہا (عمر سے) کیا آپ کو معلوم نہیں کہ تین شخصوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔ یعنی ان پر کوئی مواخذہ نہیں۔ انہیں کوئی سزا نہ دی جائے (پاگل سے یہاں تک کہ وہ باہوش ہو جائے اور بچے سے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے اور سوئے ہوئے شخص سے یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے۔

یہ تینوں باتیں اپنی جگہ درست ہیں لیکن بخاری نے قال علی الم تعلم کہہ کر جس قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ جھوٹا اور ابوظبیاں جنسی رافضی کا گھڑا ہوا ہے۔ اس خبیث نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا بھی نہیں۔ اس نے بیان کیا ہے کہ مدینہ میں ایک شادی شدہ عورت تھی اس پر دیوانگی کے دورے پڑتے رہتے تھے۔ اسے زنا کا حمل رہ گیا تو امیر المؤمنین عمر کے پاس اسے لایا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق حاضرین صحابہ سے جن میں علی نہ تھے مشورہ لیا۔ سب کی رائے سے حضرت عمر نے اسے رجم کرنے کا حکم دے دیا۔

لوگ اسے سنگسار کرنے کے لیے لے گئے۔ ساتھ میں بچے بھی تماشا دیکھنے کے لئے ہو گئے۔ اتفاقاً راستہ میں علی ظل گئے۔ پوچھا گیا معاملہ ہے۔ انہیں بتایا گیا علی نے کہا نہیں اسے واپس لے جاؤ پھر علی غصہ میں بھرے ہوئے عمر کے پاس پہنچے اور ان سے کہا:

الم تعلم ان القلم رفع عن ثلاث الخ یعنی آپ نے اسے رجم کرنے کا حکم دے دیا حالانکہ اس پر پاگل پن کے دورے پڑتے رہتے ہیں کیا آپ کو معلوم نہیں کہ تین شخص مرفوع القلم ہیں الخ عمر اس پر علی کے شکر گزار ہوئے۔ ابوظبیاں کی یہ روایت مستدرک احمد و سنن ابی داؤد و مستدرک و سنن بیہقی میں ہے۔ (مسند ۱ ص ۵۴ و ۵۸ سنن ابی داؤد کتاب الحدود باب فی المجنون یسرق او یصیب حداً۔ بیہقی ۸ ص ۲۶۴ مستدرک ۴ ص ۳۸۹) ظاہر ہے کہ ابوظبیاں رافضی نے یہ قصہ حضرت علی کی مدح اور حضرت عمر کی کسر شان و توہین کے لئے گھڑا تھا۔

اگر بخاری قال علی الم تعلم نہ کہتے تو کوئی حرج نہ تھا۔ بس رفع القلم عن ثلاث الخ ذکر کرنے پر اکتفا کر لیتے۔

(۵) صلہ رحم کے متعلق حضرت عائشہؓ سے منسوب حدیث

بخاری نے کہا ہے:

حدثنا سعید بن ابی مریم قال حدثنا سلیمان بن بلال قال: اخبرنی

معاویہ بن ابی مزرد عن النبی ﷺ قال: الرحم شجنة فمن وصلها وصلته ومن قطعها قطعته.

(صحیح بخاری ص ۸۸۲ کتاب الادب (باب من وصل وصلہ اللہ)

ہم سے سعید بن ابی مریم نے بیان کیا کہ ہم سے سلیمان بن بلال نے بیان کیا کہ مجھے معاویہ بن ابی مزرد نے بتایا یزید بن رومان سے روایت کر کے اس نے عروہ سے اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ نبی ﷺ نے فرمایا رشتہ دارمی ایک شاخ ہے پس جس نے اسے جوڑا (ملایا) اسے میں نے جوڑا اور جس نے اسے کاٹا اسے میں نے کاٹا۔ یہ حدیث تقریباً مہمل و بے معنی ہے۔ شجۃ درخت سے نکلی ہوئی شاخ کے معنی میں ہے۔ رشتہ دارمی شاخ ہے۔ مگر کس کی؟ اس کا ذکر نہیں۔ اور کیا نبی ﷺ نے وصلتہ اور قطعہ اپنے متعلق فرمایا تھا جیسا کہ ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ تو اس کا مطلب کیا ہوا۔ یا اللہ کے متعلق فرمایا تھا تو متن حدیث میں اللہ کا ذکر نہیں ہے۔ اور سعید بن ابی مریم کے علاوہ اسماعیل بن ابی اویس اور خالد بن مخلد نے بھی سلیمان بن بلال سے اس کی روایت کی ہے۔ ان دونوں سے بخاری نے خالد کی روایت یہ ہے۔

حدثنا سليمان قال: حدثني معاوية بن ابي مزرد عن سعيد بن يسار عن ابي هريرة عن النبي ﷺ قال خلق الله الخلق فلما فرغ منه قامت الرحم فاخذت بحقو الرحمن فقال لها مه قالت هذا مقام العائذ بك من القطيعة قال الا ترضين ان اصل من وصلك واقطع من قطعك وقالت بلى قال فذاك.

(صحیح بخاری (من ۷۸۲ سورة محمد. کتاب التفسیر)

جب اللہ تعالیٰ مخلوقات کو پیدا کر کے فارغ ہوا تو رشتہ دارمی نے ٹھنک کر اس رحمت والی ذات کا دامن تھام لیا۔ فرمایا کیا بات ہے؟ تو کیا چاہتی ہے۔ بولی میں تیری پناہ کی جو یا ہوں مجھے قطع تعلقی سے پناہ مطلوب ہے فرمایا۔ اری کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ جو تجھے جوڑے میں اسے اپنی رحمت سے جوڑوں اور جو تجھے کاٹے میں اسے کاٹ دوں۔

بولی کیوں نہیں یعنی میں اس پر راضی ہوں۔ فرمایا بس تو ایسا ہی ہوگا۔ رشتہ داری تو

انسانوں کے باہمی تعلق و نسبت کا نام ہے جس کی بنیاد نسب ہو اس نسبت کی رعایت کرنا اور اسے ملحوظ رکھنا۔ یعنی رشتہ داروں کا باہم ملنا جلتا ایک دوسرے کے کام آنا خوشی و غمی میں شریک رہنا۔ ضرورت پڑنے پر مال سے مدد کرنا۔ صلہ رحمی کہلاتا ہے اور یہ نہایت پسندیدہ خصلت ہے۔ اس سے رشتہ داروں میں باہم اتفاق و اتحاد رہتا ہے اور جس خاندان کے لوگوں میں یہ خوبی ہو وہ مضبوط و معزز خاندان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ ہی چاہتا ہے کہ اس کے بندے دنیا میں شرافت و عزت کی زندگی گزاریں اس لئے اللہ کی طرف سے مبعوث کیے ہوئے رہنماؤں نے انسانوں کو صلہ رحمی کا سبق پڑھایا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے یہ ہی ہدایت فرماتے اور صلہ رحمی کی اہمیت و عظمت واضح کرتے ہوئے بطور مثال واستعارہ یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ایسا سمجھ لو جیسے رشتہ داری سے اللہ نے یہ عہد فرمالیا ہے کہ جو بندہ تجھے جوڑے، تیرے حقوق کی رعایت کرے وہ میری رحمت سے جڑ جائے گا اور جو تجھے کاٹے وہ میری رحمت سے کٹ جائے گا جب کہ یہ ہر بندے کی ناگزیر ضرورت ہے کہ عمر بھر وہ اللہ کی رحمت سے وابستہ رہے پس حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نہایت بلیغ تمثیل واستعارہ پر مشتمل ہے۔

اسماعیل بن ابی اویس کی روایت امام بخاری نے یہ نقل کی ہے حدیثی سلیمان بن بلال عن معاویہ بن ابی مزرد عن سعید بن یسار عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال خلق اللہ الخلق الخ اس کے آخر میں ہے قالت بلی یا رب۔ قال فذلک لک ثم قال (یعنی قرء) ابو ہریرۃ فهل عسیتم ان تولیتم ان تفلسوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم۔ اس میں فاخذت بحق الرحمن نہیں ہے۔

(صحیح بخاری ص ۱۱۷ کتاب التوحید، حدیث ۲) باب قول اللہ یریدون ان یدلوا کلام اللہ۔

سلیمان بن بلال کے علاوہ معاویہ بن ابی حررہ سے یہ حدیث حاتم بن اسماعیل و عبد اللہ بن مبارک و ابو بکر خفی نے بھی اسی اسناد کے ساتھ روایت کی ہے معاویہ بن ابی مزرد عن عمہ سعید بن یسار ابی الحباب عن ابی ہریرۃ حاتم کی روایت صحیح مسلم میں ہے۔

(ج ۳ ص ۷۵ اور ۸۸۵ اور ابو بکر کی سند احمد میں ہے۔ مسند ص ۲۲۹)

پس بخاری کے شیخ سعید بن ابی مریم نے نہ اس حدیث کی سند ٹھیک ذکر کی ہے نہ اس کا متن درست بیان کیا تھا۔ یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ ابوہریرہؓ سے سعید بن یسار ابو الحباب نے روایت کی ہے اس سے اس کے بھتیجے معاویہ بن ابی مرزد نے۔ سعید بن ابی مریم نے اسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی بتایا ہے اور یہ کہ ان سے یزید بن رومان نے اور اس سے معاویہ بن ابی مرزد نے روایت کی ہے۔ یعنی سعید بن ابی مریم نے سعید بن یسار کی جگہ یزید بن رومان کا اور حضرت ابوہریرہؓ کی جگہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام لے دیا۔ اور جو متن نقل کیا ہے وہ مہمل و بے معنی ہے۔ پس سند و متن میں غلط ہونے کی وجہ سے یہ حدیث درج صحیح ہونے کے لائق نہ تھی۔

(۷۶) حضرت انس سے مروی حدیث کہ

کوئی باندی بھی رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی لے جاتی تھی

ہشیم بن بشیر واسطی نے حمید الطویل سے روایت کی ہے کہ ہم سے انس بن مالک نے بیان کیا کانت الامة من اهل المدينة لتأخذ بيد رسول الله ﷺ فتطلق به حيث شاءت. (صحيح بخارى ص ۸۹۷ كتاب الادب باب الكبير، مسند احمد ۳ ص ۹۸)

یہ حدیث حمید کی روایت کی ہوئی نہیں ہے۔ اس کی روایت تو علی بن زید بن جدعان نے کی ہے جو جھوٹا رافضی شخص تھا۔ علی بن زید سے شعبہ نے (مسند ۳ ص ۷۴ و ۷۵) (منہ ابن ماجہ ص ۳۱۸ ابواب الزہد)

حمید الطویل ثقہ راوی ہے۔ اس نے حضرت انس سے جو حدیث روایت کی ہے وہ ہے جو مردان بن معاویہ فزاری اور سوید بن عبدالعزیز سے مروی ہے۔
مردان کی روایت یہ ہے:

حدثنا حميد عن انس قال: جاءت امرأة النبي ﷺ فقالت يا رسول الله ان لي اليك حاجة قال لها يا ام فلان اجلسي في اى نواحى السكك شئت حتى اجلس اليك فجلست فجلس النبي ﷺ اليها حتى قضت حاجتها.

(مسند ۳ ص ۱۱۹. سنن ابى داؤد كتاب الادب باب الجلوس فى الطرقات)

ہم سے حمید نے بیان کیا کہ حضرت انس نے ذکر فرمایا کہ ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آ کر بولی یا رسول اللہ مجھے آپ سے تنہائی میں کچھ ضروری بات کہنی ہے۔ فرمایا: اے فلاں کی ماں جہاں تیرا جی چاہے کسی بھی گلی میں بیٹھ جا میں بیٹھ کر تیری بات سن لوں گا۔ وہ بیٹھ گئی رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ کر اس کی پوری بات سن لی۔ سدید کی روایت بھی اسی مضمون کی حامل ہے۔ اس کی تخریج ترمذی نے کی ہے۔

(شامل ترمذی ص ۲۳ باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ)

ہشیم نے غلطی اور بھول سے حمید کی طرف وہ حدیث منسوب کر دی جس کا راوی حمید نہیں بلکہ علی بن زید ہے۔ اور امام بخاری نے یہ غلط حدیث درج صحیح فرمادی۔

(۷۷) ہشام بن عروہ کی روایت

کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے گھر سہیلیوں کے ساتھ گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں

امام بخاری سے محمد بن سلام نے اس سے ابو معاویہ نے اس سے ہشام نے بیان کیا اپنے والد عروہ سے روایت کر کے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

كنت العب بالبنات عند رسول الله ﷺ وكان لى صواحب يلعبن معى وكان رسول الله ﷺ اذا دخل يتقمعن منه فيسربهن الى

فیلعن معی (صحیح بخاری ص ۹۰۵) کتاب الادب (باب
الانبساط الی الناس)

میں رسول اللہ ﷺ کے یہاں (یعنی آپ کے گھر جب رخصت ہو کر آ گئی) گڑیوں سے
کھیلا کرتی تھی اور میری چند سہیلیاں تھیں جو میرے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ اور رسول اللہ ﷺ جب
اندر آتے تو وہ آپ کو دیکھ کر ادھر ادھر کھسک جاتی تھیں تو آپ انہیں پکڑ پکڑ کر میرے پاس بھیج
دیتے تب وہ آ کر پھر کھیلتی تھیں۔

(۷۸) عبدہ نے ہشام بن عروہ سے یہ حدیث اس لفظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ ام

المؤمنین نے فرمایا تھا:

تزوجنی رسول اللہ ﷺ وانا بنت ست ودخل علی وانا بنت تسع
و کنت لعب بالبنات (سنن النسائی کتاب النکاح (البناء باب تسع)

مجھے رسول اللہ ﷺ نے اپنی زوجیت میں لیا جب میری عمر چھ سال تھی اور مجھ سے
زوجیت کا تعلق قائم کیا یعنی ہم بستر ہوئے جب میری عمر نو سال تھی۔ اور میں گڑیوں سے کھیلا کرتی
تھی۔ عبد العزیز در اور دی و جریر بن عبد الحمید و ابو اسامہ و محمد بن بشر نے بھی ہشام سے اس کی
روایت کی ہے۔ ان سب کی روایت ابو معاویہ کی روایت کی ہم معنی ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل فضل ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا)

ہشام بن عروہ کی بیان کی ہوئی یہ حدیث خود اس کی قیاسی حدیث اور ظن و گمان کو یقین
کا درجہ دینے کی بری مثال ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قطعاً یہ نہیں کہا کہ
میں رسول اللہ ﷺ کے گھر جب وہیں ہو کر آئی تھی تو گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی۔ اور میرے ساتھ
کھیلنے والی لڑکیاں جب رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لیتیں تو ادھر ادھر ہو جاتیں تو میری دل دہی کی
خاطر آپ انہیں پکڑ پکڑ کر میرے پاس بھیج دیتے۔ یہ جو کچھ ہشام نے بیان کیا تھا محض اس کا
بے ہودہ قیاس تھا بے شک یہ صحیح ہے کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا تزوجنی
رسول اللہ ﷺ وانا بنت ست وبنی بی وانا بنت تسع۔ یعنی آپ نے مجھ سے

نکاح کیا اس وقت میری عمر چھ تھی اور مجھ سے ہمبستری کی اس وقت میر عمر نو تھی۔

ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے یہ ذکر کرتے ہوئے لفظوں میں دس کا عدد ذکر نہیں کیا تھا۔ کیونکہ کسی کام کی مدت بیان کرتے ہوئے عربی میں اور دیگر زبانوں میں بھی دہائی کو اور بسا اوقات سینکڑے کو نہیں بولا جاتا سننے والا خود ہی اسے سمجھ لیتا ہے۔ احادیث اور منظوم و منثور کلام عرب میں اس کی بہت مثالیں مل سکتی ہیں۔ میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خَرَجْتَ لِأَخْبِرْكُمْ بَلِيلَةَ الْقَدْرِ فَتَلَاخِي فَلَانَ وَفُلَانَ فَرَفَعْتَ وَعَسَى
أَنْ يَكُونَ خَيْرًا لَّكُمْ فَالْتَمِسُوهَا فِي التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ.

(صحیح بخاری ص ۲۷۱ کتاب الصیام باب رفع معرفة ليلة القدر لتلاخي الناس)
میں گھر سے نکلا (شب قدر کے متعلق خواب دیکھ کر) تاکہ تمہیں بتاؤں کہ وہ کس رات میں ہے۔ مگر فلاں فلاں شخص باہم جھگڑ پڑے میں ان کا قضیہ سننے اور فیصلہ کرنے میں لگ گیا۔ فارغ ہوا تو وہ ذہن سے نکل چکی تھی۔ یاد نہیں آیا کہ وہ کونسی رات میں بتائی گئی تھی اور قریب ہے کہ یہ تہ بارے لیے بہتر ہی ہو۔ تم شب قدر کو نوئیں اور ساتویں اور پانچویں میں تلاش کرو۔ اس ارشاد میں یقیناً بعد العشرین مقدر ہے۔ لفظ مذکور نہیں مگر معنی مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انیسویں اور ستائیسویں اور پچیسویں رات میں شب قدر کی جستجو کیا کرو۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول میں بعد العشر مقدر ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ بوقت نکاح میری عمر سولہ سال تھی اور جب رخصت ہو کر آپ کے پاس دہن بن کر آئی تو میری عمر ۱۹ سال تھی۔ ”بعد العشر“ اس میں یقیناً مقدر ہے۔ هشام بن عروہ نے اور اس حدیث کو روایت کرنے والے راویوں اور محدثین نے بڑی بے ہودہ غلطی کی ہے کہ وہ اس کا مطلب یہ سمجھ بیٹھے کہ بوقت نکاح ام المؤمنین رضی اللہ عنہا چھ سال کی بچی تھیں اور جب اپنے معزز و مکرم شوہر علیہ السلام کے یہاں آئیں تو نو سال کی تھیں۔ اس غلطی کی بے ہودگی محتاج بیان نہیں ہے پھر بھی ہم نہایت واضح و روشن دلائل سے اسے واضح کیے دیتے ہیں۔

(۱) اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن کے متعلق

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے۔ ہی اکبر من اختها عائشة بعشر سنين وتوفيت اسماء سنة ثلاث وسبعين وقد جاوزت مائة سنة (البدایة والنہایة ۸ ص ۳۴۶)

یعنی حضرت اسماء حضرت عائشہ سے دس سال بڑی تھیں سو سال سے ان کی عمر کچھ بڑھ چکی تھی جب ۷۳ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ پس وہ ۱۱ھ میں ستائیس سال سے کچھ زیادہ عمر رکھتی تھیں۔ لامحالہ حضرت عائشہ کی عمر ۱۱ھ میں سترہ سال سے کچھ زائد تھی۔

(۲) ابن جریر طبری نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ابو بکر نے بعثت سے پہلے جاہلیت یعنی زمانہ کفر میں دو عورتوں سے نکاح کیا تھا۔ اولاً قبیلہ سے جو عبد العزی کی بیٹی تھی۔ اس سے دو بچے ہوئے عبد اللہ اور اسماء۔ پھر اتم زمانہ بنت عامر سے اس سے عبد الرحمان و عائشہ پیدا ہوئے۔

فکل هؤلاء الاربعة من ولاده ولدوا من زوجتيه اللتين سمينا هما في الجاهلية.

یعنی ابو بکر کے یہ چاروں بچے اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں پیدا ہوئے تھے۔

(تاریخ ابن جریر طبری ۴ ص ۵۰)

پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بوقت نکاح تقریباً سولہ سال کی تھیں اور بوقت رخصت انیس سال کی۔

(۳) مدینہ منورہ آنے کے بعد حضرت عائشہ ڈیڑھ ماہ بخار میں مبتلا رہیں طویل بیماری میں سر کے بال جھڑ گئے تھے۔ بخار سے نجات ملی تو بال پھر سے اُگے۔ قوت عود نہ آئی۔ مسجد اور اس سے متصل حضور اکرم ﷺ کے لئے رہائشی گھر کے کمروں کی تعمیر ہو گئی ایک کمرے میں حضرت سودہ بنت زمعہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ رہنے لگے۔ حضرت عائشہ کا ہی بیان ہے کہ تب ابو بکر نے عرض کیا یا رسول اللہ ما یمنعک ان تبنی ما ھلک یعنی اب عائشہ کو اپنے پاس رکھنے میں کیا رکاوٹ ہے۔

تب آپ حضرت ابوبکرؓ کے یہاں ان کے مدنی گھر میں تشریف لے گئے اور حضرت عائشہؓ آپ کے یہاں آ گئیں۔

ظاہر ہے کہ اس وقت اگر وہ صرف نو سال کی ہوتیں تو ابوبکرؓ آپ سے ہرگز یہ نہ کہتے کہ ماہ منعک ان بنی باہلک“ اسی سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ گڑیوں سے سہیلیوں کے ساتھ کھیلنے کی بات بالکل غلط اور بے تکی ہے۔ مدینہ آ کر وہ تقریباً ڈیڑھ ماہ میعاد بخار ”ثانی فائیڈ“ میں مبتلا رہیں۔ ایسی حالت میں گڑیوں سے کھیلنے والی سہیلیاں کہاں سے مل گئیں۔ پھر سوچئے تو سہی اگر ایسی چند سہیلیاں تھیں تو ان میں سے ایک دو کا نام تو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا ضرور ذکر کرتیں۔ بات یہ ہے کہ ہشام نے اپنے والد عروہ سے حضرت عائشہؓ کا قول تزوجنی رسول اللہ ﷺ وانا بنت ست وبنی بی وانا بنت تسع سنہ سنا تھا۔ کم فہمی کی وجہ سے ست کو واقعی چھ سال اور تسع کو نو سال کے معنی میں سمجھ لیا۔ پھر یہ گمان کر لیا کہ لڑکیاں اس عمر میں گڑیوں سے کھیلتی ہیں۔ حضرت عائشہؓ بھی گڑیوں سے کھیلتی ہوں گی کیونکہ اس عمر کی بچی گھر سنبھالنے اور اپنے لئے اور شوہر کے لئے کھانا پکانے کا کام نہیں کر سکتی۔ ہشام نے اپنے اس گمان کو یقین کا درجہ دیکر حضرت عائشہؓ کی بیان کی ہوئی حدیث کی حیثیت سے روایت کر ڈالا۔ کچھ اسی انداز کی غلطی ہشام سے قصہ ام زرع کو حدیث عائشہؓ بنانے میں ہوئی ہے جیسا کہ تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔

(۷۹) بخاری کی تخریج کی ہوئی

ابن صیاد کے متعلق حدیث عبداللہ بن عباس

امام بخاری نے کہا ہے۔

حدثنا ابو الولید قال: ثنا سلم بن زویل قال سمعت ابا رجاء قال سمعت ابن عباس قال: رسول اللہ ﷺ لابن صائد قد خبات لك خبيناً فما هو؟ قال الدخ قال اخساً.

(صحیح بخاری ص ۹۹۱ کتاب الادب باب قول الرجل للرجل اخساً)

حضرت عبداللہ بن عباس نے بھی ابن میاد کو نہیں دیکھا کیونکہ ابن عباس ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد اپنے والدین کے ساتھ مکہ سے مدینہ آئے تھے اور ابن میاد اپنے والدین اور خاندان بنی قیصاع کے ساتھ شوال ۳ھ میں مدینہ سے نکل گیا تھا۔ اس وقت وہ نابالغ ہی تھا۔ پھر معلوم نہیں کہاں رہا ہاں حضرت عثمان کے بعد وہ ایک مسلمان کی حیثیت سے مدینہ آ گیا اور یزید بن معاویہ کے عہد میں مدینہ میں ہی اس کا انتقال ہوا۔ اور ابن عباس حضرت عثمان کے بعد حضرت علی کے ساتھ مدینہ سے نکل گئے تھے۔ ان ہی کے ساتھ رہے۔ علیؑ نے انہیں بصرہ کا حاکم بنادیا تھا تو بصرہ میں رہے پھر معزول ہونے کے بعد مکہ آ گئے۔ پھر ابن میاد کے متعلق یہ بات کیسے بیان کر سکتے تھے۔ اس کا راوی مسلم بن زریع عافقی عطاروی غیر ثقہ شخص تھا۔ اہل علم نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ علی بن موسیٰ نے کہا کہ اس کا سرمایہ علم بس دس حدیثیں ہیں ابن حبان نے کہا ہے لم یکن التحلیث من صناعته۔ یعطی خطأ فاحشا لا یجوز الاحتجاج به (تہذیب السنی) اس شخص نے ابورجاء عطاروی اور ابن عباس کی طرف اس کی اسناد کی نسبت غلط کر دی تھی۔ یہ قطعاً ابن عباس کی بیان کی ہوئی حدیث نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی شان اس سے بہت بلند تھی کہ آزمائش کی خاطر آپ ابن میاد سے پوچھیں کہ بتا میرے دل میں کیا ہے دل میں چھپی ہوئی بات کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا، آزمائش ممکن چیز میں ہو سکتی ہے ناممکن میں آزمائش نہیں ہوا کرتی۔۔۔ یہ حدیث بخاری کے افراد میں سے ہے کسی اور محدث نے اس کی تخریج نہیں کی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ بخاری ایسے نادان نہ تھے کہ مسلم بن زریع عافقی جیسے ضعیف و ناقابل اعتبار شخص کی روایت تخریج کرتے۔ کیا عجب ہے کہ بعد میں کسی نے صحیح بخاری میں اسے داخل کر دیا ہو۔ اگر فی الواقع بخاری نے ہی اس کی تخریج کی تھی تو سخت غلطی کی تھی۔

(۸۰) ابو ہریرہ سے مروی حدیث کہ زینب کا اصل نام برہ تھا

شعبہ نے عطاء بن ابی میمونہ سے روایت کی ہے اس نے ابورافع سے اس نے ابو ہریرہ

رضی اللہ عنہ سے :

ان زینب کان اسمها برة فقبل تزکی نفسها فسمها رسول

(صحیح بخاری ص ۹۱۴ کتاب الادب (باب تحویل الاسم الی اسم هو احسن منه)
مسلم و ابن ماجہ و دارمی نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ یعنی زینب کا اصل نام برہ تھا۔ اس
کے معنی ہیں بڑی نیک احسان کرنے والی۔ رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا کہ اس نام کی وجہ سے وہ
اپنی مدح سرائی کرتی ہے خود کو بہت بڑھیا سمجھتی ہے۔ تو آپ نے اس کا نام بدل کر زینب رکھ دیا۔
معلوم نہیں کہ زینب سے مراد کونسی خاتون ہیں۔ ام المؤمنین زینب بنت جحش یا ام
المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی زینب بنت ابی سلمہ۔ یا عبد اللہ بن مسعود کی بیوی زینب۔ یا
ان کے علاوہ کوئی اور زینب پھر اس کے متعلق آپ سے ترکی نفسھا کہنے والا کون تھا۔ اس کی یہ
بات تو بے تکلی ہے۔ کسی عورت کا نام صالح یا کریمہ یا رشیدہ ہو تو کیا یہ کوئی بری بات ہے۔ اس نام
والی عورت کیا اس وصف کی مدعی ہوتی ہے جس پر وہ نام دلالت کرتا ہے۔

پس درایۃ یہ حدیث صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ روایت اس کی صحت میں یہ کلام ہے کہ اس کے
راوی عطاء بن ابی میمونہ کے متعلق ابو حاتم نے کہا ہے انہ صالح لائن بخاری۔ ابن عدی کا قول
ہے کہ اس کی روایت کی ہوئی حدیثوں میں کچھ غلط باتیں ہوتی ہیں۔ فی احادیثہ بعض
ما ینکر علیہ (تہذیب التہذیب)

(۸۱) ابو ہریرہ سے مروی حدیث کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں اپنا ختنہ کیا تھا

ابو الزناد نے جس کا نام عبد اللہ بن ذکوان تھا اعرج یعنی عبد الرحمن بن ہرمز سے اور اس
نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اختنن ابراہیم علیہ السلام
وہو ابن ثمانین سنة بالقدوم (صحیح بخاری ص ۴۷۳ بدء الخلق اور ایک روایت میں ہے۔ ان
ابراہیم اختنن بعد ثمانین سنة واختنن بالقدوم) (صحیح بخاری ص ۹۳۱ کتاب الادب)

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر جب اسی سال ہو چکی تھی تو آپ نے مقام قذوم میں اپنی ختنہ کیا تھا۔

قذوم کنعان کے قریب ملک شام میں ایک جگہ کا نام بتایا گیا ہے۔ اور قذوم بڑھی کا ایک آلہ بھی ہے جسے ہندی میں بسولہ کہا جاتا ہے۔ اکثر اہل علم نے قذوم کو جگہ کے معنی میں سمجھا ہے اور بعض نے بمعنی آلہ خیال کیا ہے۔ اور یہ اختلاف فضول ہے کیونکہ فی الواقع یہ رسول اللہ ﷺ کی فرمائی ہوئی حدیث نہیں ہے بلکہ ابوہریرہ کا کعب احبار سے سنا ہوا قول ہے۔ کعب احبار ایک نو مسلم یہودی تھا۔ تورات اور صحف انبیاء کی طرف منسوب کر کے بہت سی لاطائل اور جھوٹی باتیں اولاً اسی نے مسلمانوں میں پھیلائی تھیں۔ پہلے ناظرین یہ جان لیں کہ سعید بن مسیب اور کیسان ابو سعید مقبری نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خمس من الفطرة (ای من فطرة الانبياء التي فطروا عليها) الختان والاستحداد ونف الابط وتقليم الاظفار وقص الشارب (صحيحين سنن ابی داؤد، سنن ترمذی سنن ابن ماجہ سنن نسائی، مسند احمد)

پانچ خصلتیں انبیائے کرام کی فطرت میں سے ہیں ختنہ، زیر ناف بالوں کی اور بغل کے بالوں کی صفائی اور ناخن تراشی اور مونچھ کترنا۔

پس یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ اسی سال تک حضرت ابراہیم کی ختنہ نہ ہوئی ہو، اور پوری جوانی اور ادھیڑ عمری کا وقت آنحضرت نے نبیوں کی اس فطرت و سنت کو پس پشت ڈال لے رکھا ہو۔ اب ذرا وہ پڑھ لیں جو کتاب مقدس عہد نامہ قدیم کے سفر تکوین میں حضرت ابراہیم کی ختنہ کے متعلق لکھا ہوا ہے۔ کہ خدا ابراہیم کو خاص طور سے اسحاق کی بشارت دینے کے لیے آیا۔ باتیں کرنے کے بعد اس کے پاس سے اوپر چلا گیا۔

”تب ابرہام نے اپنے بیٹے اسماعیل کو اور سب خانہ زادوں اور اپنے سب زرخیدوں کو یعنی اپنے گھر کے سب مردوں کو لیا اور اسی روز خدا کے حکم کے مطابق ان کا ختنہ کیا۔ ابرہام نائے برس کا تھا جب اس کا ختنہ ہوا اور جب اس کے بیٹے اسماعیل کا

ختنہ ہوا تو وہ تیرہ برس کا تھا ابرہام اور اس کے بیٹے اسماعیل کا ختنہ ایک ہی دن ہوا۔ اور اس کے گھر کے سب مردوں کا ختنہ خانہ زادوں اور اُن کا بھی جو پردیسیوں سے خریدے گئے تھے اس کے ساتھ ہوا۔“ (باب ۷ آیات ۲۲-۲۵-۲۶-۲۷)

اب یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ ختنہ کیا ہوا بچہ جب اس کا ختنہ ہوتا ہے تو کم از کم اس دن تو وہ چلنے کے لائق نہیں رہتا۔ بچہ کا زخم تو جلد ہی ٹھیک اور مندمل ہو جاتا ہے۔ پس اگر ابراہیم علیہ السلام اور ان کے گھر کے سب مردوں کا ختنہ ایک ہی دن ہوا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پورا گھر زخمیوں سے بھر گیا تھا۔ گھر کے کام کاج کس نے کیے ہوں گے موشیوں کی دیکھ بھال اور خود زخمیوں کی ضروری حاجتوں کی انجام دہی کیسے ہوئی ہوگی گھر میں باندیاں اور خادماں تو تھی نہیں۔

سفر تکوین میں تو یہ لکھا ہے کہ بوقت ختنہ حضرت ابراہیم بناوے سال کے تھے۔ مگر کعب احبار نے ۹۹ کی بجائے آنحضرت کی عمر ابو ہریرہ کو اسی بتائی تھی۔ یا تو اُس نے قصد سفر تکوین کے خلاف بات کہی تھی کیونکہ جھوٹ بولنے کی اسے عادت تھی یا بھول کر اور غلطی سے ۹۹ کی بجائے اسی سال بتادی تھی اس لئے کہ وہ تورات کا اور عہد نامہ قدیم کے صحیفوں کا حافظ نہ تھا کیونکہ حفظ تورات کا یہود کے یہاں رواج نہ تھا جیسا کہ بحمد اللہ مسلمانوں میں حفظ قرآن مجید کا رواج ہے۔ ابو ہریرہ اپنی سادگی طبع کی بنا پر کعب کو سچا آدمی اور اسرائیلی صحیفوں کا عالم سمجھتے تھے۔ اس لئے اس کی ذکر کی ہوئی باتوں کو ذہن نشین کر لیا کرتے۔ ابو ہریرہ اسے رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں سنایا کرتے اور وہ نہایت ہوشیاری سے ان سے سنی ہوئی ہر حدیث میں اپنی طرف سے کچھ کمی کچھ زیادتی کر کے ابو ہریرہ کو بتا دیتا کہ یہ مضمون ہمارے صحیفوں میں اس طرح بیان ہوا ہے۔ ایسی باتیں بھی انہیں سناتا جو موصوف نے کبھی کسی سے نہ سنی ہوتیں۔ ابو ہریرہ اپنے اصحاب کو رسول اللہ سے سنی ہوئی حدیثیں تو سناتے ہی تھے اور عموماً تصریح فرما دیتے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے اور کبھی ذائقہ بدلنے کے طور پر کعب سے سنی ہوئی باتیں بھی بیان کر دیتے کبھی اس کا نام لے کر کبھی نام لئے بغیر کعب سے سنی ہوئی جو باتیں ابو ہریرہ نے اس کا نام لئے بغیر اپنے اصحاب کو سنائی تھیں ان میں ہی یہ غلطی واقع ہوئی ہے کہ سننے والے یہ خیال کر کے کہ ابو ہریرہ رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی حدیثیں ہی بیان فرمایا کرتے تھے آپ کا ذکر اسناد میں کر کے اسے حدیث مرفوع

بتا دیا۔ ان ہی روایات میں سے یہ حضرت ابراہیم کے متعلق روایت ہے کہ آنحضرت نے اسی سال عمر ہو جانے پر اپنی ختنہ کی تھی۔

اگر رسول اللہ ﷺ نے یہ بات ذکر فرمائی ہوتی تو دیگر صحابہ کرام کے علم میں بھی آتی۔ حالانکہ ابو ہریرہ کے علاوہ کسی بھی صحابی سے یہ حدیث مروی نہیں ہے ابو ہریرہ سے بھی صرف اعرج نے اور اعرج سے صرف ابوالزناد نے اس کی روایت کی ہے۔ اسے حدیث نبوی بنانے کی غلطی ان دونوں میں سے کسی سے ہوئی ہے اور یہ غلطی قصدی و ارادی نہ تھی۔ نیز ظاہر ہے کہ یہ کوئی راز نہ تھا کہ ابو ہریرہ کے علاوہ کوئی صحابی اور اعرج پھر ابوالزناد کے علاوہ کوئی تابعی اس لائق نہیں سمجھا گیا کہ اسے اس سے آشنا کیا جائے۔

(۸۲) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب حدیث

جس کی امام بخاری نے کتاب الرقاق باب التواضع میں تخریج کی ہے۔

لکھا ہے:

حدثنا محمد بن عثمان قال ثنا خالد بن مخلد قال ثنا سليمان بن بلال قال ثنا شريك بن عبد الله بن ابي نمر عن عطاء عن ابي هريرة قال قال رسول الله ﷺ ان الله قال من عاذني لى ولياً قد اذننه بالحرب. وما تقرب اليّ عبدى بشئى احب اليّ مما افترضت عليه. ولا يزال عبدى يتقرب اليّ بالنوافل حتى احببته فكنت سمعه الذى يسمع به وبصره الذى يبصر به ويده التى يبطش بها ورجله التى يمشى بها. وان سألنى لأعطينه ولئن استعاذنى لأعبدنه وما ترددت عن شئى انا فاعله ترددى عن نفس المؤمن يكره الموت وانا اكره مساءته.

(صحيح بخارى ص ۹۶۳ كتاب الرقاق)

ہم سے محمد بن عثمان مروزی نے بیان کیا کہ ہم سے خالد بن مخلد قطوانی نے بیان کیا کہ ہم

سے سلیمان بن بلال مدنی نے بیان کیا عطاء بن یسار سے روایت کر کے اس نے ابو ہریرہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس شخص نے میرے کسی دوست سے دشمنی کی تو میرا اس سے اعلان جنگ ہو گیا۔ اور میرا بندہ میرا قرب جن اعمال کے ذریعہ حاصل کرتا ہے ان میں سب سے زیادہ مجھے پسند وہ فرائض ہیں جو میں نے اس کے ذمہ عائد کئے ہیں۔ اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میرا محبوب ہو جاتا ہے تب میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ چیزوں کو تھامتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے کچھ مانگے تو اسے ضرور ضرور دیدوں گا اور اگر مجھ سے پناہ طلب کرے تو ضرور ضرور اسے پناہ دوں گا اور جس کام کے کرنے کی میں نے ٹھان لی ہو اسے کر ڈالنے میں مجھے تردد نہیں ہوتا ہاں بندہ مؤمن کی روح قبض کرنے میں جو ہنوز مرنا نہیں چاہتا اور اس کی مہلت حیات پوری ہو چکی ہو مجھے تردد ہوتا ہے۔ یعنی جب اس کی مدت مقررہ تمام ہو گئی تو بغیر کسی تاخیر کے اس کا روح قبض ہونی چاہئے اور چونکہ اسے ابھی مرنا پسند نہیں ہے اور جو امر بندہ مؤمن کو ناپسند ہو وہ نہ ہونا چاہئے۔

اس حدیث کی اسناد میں دونہایت غیر ثقہ اور غلط گوراوی ہیں ایک خالد بن مخلد ابو الھشیم قتلوانی کوئی۔ کہ غلو پسند اور صحابہ کرام کو کھلم کھلا گالیاں بکنے والا رافضی اور غلط و منکر حدیثیں پھیلانے والا راوی تھا۔ دوسرا شریک بن عبد اللہ بن ابی نمر جو۔ بے حد غلط بیان شخص تھا ان دونوں میں سے ایک ہی اس کی اسناد میں ہوتا تب بھی سند کے لحاظ سے اسے غیر صحیح کہا جاتا۔ ابن عدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب الکامل میں کہا ہے ہذا حدیث غریب جدا لولا ہینۃ الصحیح لعدوہ من منکرات خالد بن مخلد یعنی محدثین پر صحیح بخاری کا رعب چھایا ہوا نہ ہوتا تو اسے خالد بن مخلد کی منکر یعنی غلط روایات میں سے شمار کرتے۔ (صحیح الباری)

میں اس نقد پر یہ اضافہ کرتا ہوں کہ اس کا راوی اول عطاء بن یسار بھی چنداں ثقہ نہ تھا۔ وعظ گو شخص تھا۔ متعدد غلط حدیثیں اس سے مروی ہیں۔ محض تابعی ہونے کی وجہ سے محدثین نے اسے ثقہ سمجھ لیا تھا۔ بہر کیف یہ ابو ہریرہ کی بیان کی ہوئی حدیث نبوی نہیں ہے ان ہی غیر ثقہ

اشخاص میں سے کسی کی گھڑی ہوئی ہے اور چونکہ ہم اسے حدیث نبوی ہی نہیں سمجھتے اس لئے اس کے معنی و مطلب کی وضاحت کرنے میں بھی وقت ضائع نہیں کریں گے۔ ابن حجر خلد قطوانی اور شریک بن عبد اللہ بن ابی نمر کی توثیق تو نہ کر سکے لیکن چند اور موضوع روایات کے بل پر یہ کہنے سے باز نہ آئے ”ولکن للحدیث طرق اخوی يدل مجموعها على ان له اصلاً۔ حالانکہ چند نجس چیزوں کی تائید سے کوئی نجس چیز پاک نہیں بن جاتی۔

(۸۳) عطاء بن یسار کی حضرت ابوسعید خدری سے روایت کی ہوئی حدیث کہ:

اہل جنت کو اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھ سے زمین کی روٹی بنا کر کھلائے گا

امام بخاری نے لکھا ہے کہ ہم سے بیان کیا یحییٰ بن بکیر نے کہ ہم سے بیان کیا لیث بن سعد نے خالد بن یزید ابو عبد الرحیم مصری سے روایت کر کے اس نے سعید بن ابی ہلال ابو العلاء مصری سے اس نے زید بن اسلم سے اس نے عطاء بن یسار سے اس نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تكون الارض يوم القيامة خبزة واحدة يتكفأها الجبار بيده كما يتكفأ احدكم خبزته في السفر نزلا لاهل الجنة. فأتى رجل من اليهود فقال: بارك الرحمن عليك يا ابا القاسم، الا اخبرك بنزل اهل الجنة يوم القيامة؟ قال بلى قال تكون الارض خبزة واحدة كما قال النبي ﷺ فنظر النبي ﷺ اليه ثم ضحك حتى بدت نواجذه. ثم قال الا اخبرك بادامهم؟ قال: ادامهم بالام ونون. قالوا وما هذا؟ قال ثور ونون يأكل من زادة كبدهما سبعون الفا.

(صحیح بخاری ص ۹۶۵ کتاب الرقاق (باب يقبض الله الارض)

زمین قیامت کے دن ایک روٹی بن جائے گی اُسے خدائے جبار اپنے ہاتھ سے ڈھالے گا جیسا کہ تم میں سے کوئی روٹی ڈھال کر (توے پر پکا کر آگ سے سینک کر) دسترخوان میں رکھتا ہے۔ یہ اہل جنت کی اولین ضیافت کا سامان ہوگا (یعنی جنت والے جنت میں داخل ہوتے ہی اسے تناول کریں گے) پس یہود میں سے ایک شخص آگیا تو آپ سے مخاطب ہوا کہ اے ابوالقاسم رحمان آپ پر برکت نازل فرمائے کیا میں آپ کو نہ بتاؤں کہ قیامت کے دن اہل جنت کی اولین ضیافت کیا ہوگی؟ فرمایا کیوں نہیں۔ ضرور بتاؤ۔ بولا زمین ایک روٹی بن جائے گی۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ پس نبی ﷺ ہماری طرف دیکھ کر ہنس پڑے یہاں تک کہ دندان مبارک نمایاں ہو گئے۔ پھر وہ یہودی بولا۔ کیا میں آپ کو نہ بتاؤں کہ ان کا سالن کیا ہوگا (جس سے وہ روٹی کھائی جائے گی) بولا باللام اور نون ان کا سالن ہوگا (حاضرین نون کے معنی تو جانتے تھے کہ بڑی مچھلی کونون کہتے ہیں لیکن باللام کے معنی نہیں جانتے تھے) بولے۔ یہ کیا ہے؟ بولا اس کے معنی ہیں بڑا بیل، بیل اور مچھلی کے جگر کی بالائی چربی (اس روٹی کا سالن ہوگا) اسے ستر ہزار شخص تناول کریں گے۔

یہ حدیث عطاء بن یسار کی محض گپ شپ ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ذکر کی ہوئی نہیں ہے۔

ابوسعید نے اس کو بیان کیا ہوتا تو اس یہودی کا نام و نسب ضرور بتاتے کہ وہ بنی نضیر یا بنی قینقاع یا بنی قریظہ یا باشندگان خیبر میں سے غلام شخص تھا جب اُس نے اُسی مجلس میں بروقت نبی ﷺ کی بتائی ہوئی بات کی تصدیق و تائید کی تھی تو ابوسعید وغیرہ نے اسے ضرور جانا پہچانا ہوگا۔ پھر اس کا نام ذکر کرنے سے کیا مانع تھا؟ پھر وہ یہودی یقیناً نبی نہیں تھا کہ اُسے وحی حق سے یہ بات معلوم ہوئی ہو۔ اسرائیلی صحیفوں میں سے کسی صحیفہ میں یہ بات اس نے پڑھی ہوگی۔ اور معلوم ہے کہ اسرائیلی صحیفے جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں یہود کے پاس تھے سب کے سب چھپ چکے ہیں۔ لیکن کسی بھی صحیفے میں یہ بات لکھی ہوئی کسی کو نہیں مل سکتی۔

فُزل وہ کھانے پینے کی چیزیں کہلاتی ہیں جو مہمان کو پہلے پیش کی جائیں۔ قرآن کریم

میں مومنین کے متعلق ارشاد ہوا ہے ولکم فیہا ماتشتہی انفسکم ولکم فیہا ماتدعون
نزلًا من غفور رحیم (حم السجدة) اور تمہارے لئے جنت میں من چاہی نعمتیں ہیں اور
تمہارے لئے جنت میں وہ ہے جس کی تمہیں طلب ہو۔ غفور رحیم کی طرف سے مہمانوں کو پیش کی
جانے والی چیزوں کے طور پر۔

اور ارشاد ہے ”ان الذین امنوا وعملوا الصلحت کانت لہم جنت
الفردوس نزلًا۔“

متعدد آیات شریفہ میں اہل جنت کے کھانے پینے کی اعلیٰ مرتبہ نعمتوں کا ذکر ہے تو کیا وہ
جنت میں جا کر جنت کی نہیں بلکہ زمین کی جس میں رہتے بستے تھے مٹی کھانے کی خواہش کریں
گے؟ معلوم نہیں کہ عطاء بن یسار کو یہ گپ ہانکنے کی کیوں سوچھی تھی اور بخاری نے لے کر اسے
درج صحیح کیوں کر ڈالا۔

(۸۴) یزید الرشک کی روایت کی ہوئی حدیث

عمران بن حصین جس کی بخاری وغیرہ نے کتاب القدر میں تخریج کی ہے
امام بخاری نے کہا ہے:

حدثنا آدم قال ثنا شعبه قال ثنا یزید الرشک قال سمعت مطرف
بن عبد اللہ بن الشخیخ یحدث عن عمران بن حصین قال قال رجل
یا رسول اللہ اُعرف اهل الجنة من اهل النار؟ قال نعم قال فلم
یعمل العاملون؟ قال کل یعمل لما خلق له او لما یسر له۔

(صحیح البخاری ص ۹۷۶ کتاب القدر باب جف القلم علی علم اللہ)

شعبہ نے کہا کہ ہم سے یزید الرشک نے بیان کیا کہ میں نے عبد اللہ بن شخیخ کے بیٹے
مطرف سے سنا وہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کر کے بیان کر رہے تھے کہ ایک شخص
نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا جنتیوں کو دوزخیوں سے الگ پہچانا جاتا ہے (کہ یہ اہل جنت کا گروہ

ہے اور یہ اہل جہنم کا گروہ ہے) فرمایا ہاں۔ اس نے کہا تو عمل کرنے والے کیوں عمل کرتے ہیں۔
فرمایا ہر ایک اُسی کے لئے عمل کرتا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا یا یہ فرمایا کہ ہر شخص اُس کے
لئے عمل کرتا ہے جو اس کے لئے آسان کیا گیا۔

مطرف سے یہ حدیث یزید الرشک نے سنی تھی۔ یہ بصرہ کا رہنے والا اور خاندان بنی
ضبیعہ کے آزاد کیئے ہوئے غلاموں میں سے تھا۔ زمین کے پیمائش کے کام میں ماہر تھا۔ امیر حجاج
بن یوسف ثقفی نے اس سے مکہ و بصرہ کی پیمائش کرائی تھی۔ رشک پیمائش کرنے والے کو کہتے
ہیں۔ اس کام کے علاوہ اسے روایت حدیث سے بھی خاصا تعلق تھا ابو حاتم و ابو زرعہ و ترمذی و ابن
سعد نے اسے ثقہ بتایا ہے مگر یحییٰ بن معین و ابن شاہین و اسماعیل بن علیہ اور ابو احمد الحاکم نے
ضعیف کہا ہے۔ اس کی یادداشت کچھ کمزور تھی۔ صحیح بخاری میں اس کی روایت کردہ صرف یہی
ایک حدیث ہے اور مجموعی لحاظ سے یہ حدیث مہمل و بے معنی ہے۔ کیونکہ اس کے دو جزء ہیں اول
یہ کہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا ايعرف اهل الجنة من اهل النار؟ آپ نے اس کا
جواب اثبات میں دیا یہ ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب اثبات میں ہی ہو سکتا ہے کیونکہ مؤمن آدمی
کا فرض شخص سے قطعاً ممتاز ہوتا ہے دنیا میں قول و عمل سے اور صورت سے قطعاً پہچان لیا جاتا ہے کہ یہ
آدمی مؤمن ہے اور یہ کافر ہے اور آخرت میں تو دونوں ایک دوسرے سے بالکل ممتاز ہوں گے
ہی میدانِ حشر میں بھی الگ الگ ہوں گے اور انجام میں بھی جدا جدا۔

تم نے ایک اجنبی آدمی کو دیکھا جس کے نام و نسب کا تمہیں علم نہیں لیکن تم نے سنا کہ وہ
کلمہ طیبہ یا کلمہ شہادت بول رہا ہے یا قرآن کریم کی تلاوت کر رہا ہے یا دیکھا کہ مسجد میں داخل
ہو کر نماز پڑھ رہا ہے تو تم سمجھ لیتے ہو کہ وہ مومن آدمی ہے۔ کسی کو کلمہ کفر بکتے ہوئے سنایا غیر اللہ
کی پوجا کرتے ہوئے دیکھا تو جان لیتے ہو کہ وہ کافر ہے۔ دو اجنبی شخص تمہارے سامنے بیٹھے
ہوئے ہوں ایک کے چہرے پر ایمان کا نور ہو۔ پیشانی پر سجدوں کا نشان ہو تو پتہ چل جاتا ہے
کہ یہ مومن ہے مستحقانِ جنت میں سے ہے۔ لیکن اہل جنت یعنی مومنین کا اہل نار یعنی کفار سے
الگ شناخت ہونا یہ تقاضا نہیں کرتا کہ اس پر فلم يعمل العاملون کہا جائے یہ سوال کیا جائے

کہ پھر عمل کرنے والے کیوں عمل کرتے ہیں؟ اگر رسول اللہ ﷺ کا قول یہ نقل کیا جاتا کہ اللہ نے بعض بندوں کو جنت کے لیے ہی اور بعض کو جہنم کے لیے ہی پیدا کیا ہے تو اس پر تو سوال لم يعمل العاملون اٹھ سکتا تھا۔ آپ نے تو یہ فرمایا تھا کہ اہل جنت اہل نار سے الگ پہچانے جاتے ہیں تو اس پر سوال لم يعمل العاملون اٹھنے کی کوئی تک نہیں اسی لیے میں نے کہا کہ مجموعی لحاظ سے یہ حدیث مہمل و بے معنی ہے۔ لہذا یہ عمران بن حصین کی بیان کی ہوئی نہیں ہے۔ غلط محض ہے نیز بخاری نے کہا ہے۔

حدثنا ابو معمر ثنا عبد الوارث ثنا يزيد الرشك ثنى مطرف بن عبد الله عن عمران بن حصين قال قلت يا رسول الله فيم يعمل العاملون قال كل ميسر لما خلق له

(صحیح بخاری ص ۱۱۲ کتاب التوحید)

عبد الوارث بن سعید نے یزید الرشک سے اس نے مطرف بن عبد اللہ بن ثخیر سے اس نے عمران بن حصین سے روایت کی ہے۔ عمران نے کہا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کام کرنے والے کس حالت میں کام کر رہے ہیں؟ حالت مجبوری میں یا ہالت خود مختاری میں۔ فرمایا ہر ایک شخص کرنے والا ہے اسی کے لیے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا۔

مطلب یہ ہے کہ انسانی کاموں کا دائرہ دنیا میں بہت وسیع ہے۔ کوئی بڑھئی ہے کوئی لوہار ہے کوئی سنار ہے کوئی درزی ہے کوئی کاشتکار ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو لوگ جو زندگی گزارنے کے لیے یہ طرح طرح کے مشغلے رکھتے اور اپنے اپنے مختلف کاموں میں مشغول رہتے ہیں۔ تو خود مختاری کی حالت میں ایسا کر رہے ہیں یا حق تعالیٰ کی طرف سے یہ مشاغل اختیار کرنے پر مجبور ہیں۔ عبد الوارث کی اس روایت میں ہے کہ سوال خود عمران بن حصین نے کیا تھا۔ عبد الوارث کی یہ روایت صحیح مسلم میں بھی ہے۔ (ج ۳ ص ۲۱۲ طبع مصر)

حماد بن زید نے بھی یزید الرشک سے اسی اسناد کے ساتھ یہی لفظ:

عن عمران بن حصين قال قيل يا رسول الله اعلم اهل الجنة من اهل النار؟ فقال نعم قيل ففيم يعمل العاملون؟ قال كل ميسر لما

خلق له.

(صحیح مسلم ص ۲۱۲ طبع مصر کتاب القدر) (سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب فی القدر)

اسماعیل بن علیہ نے بھی یزید الرشک سے اسی اسناد کے ساتھ:

عن عمران بن حصین قال قال رجل یا رسول اللہ اعلم اهل الجنة من اهل النار؟ قال نعم قال فیم يعمل العاملون قال اعملوا فکل میسر لما خلق له او کما قال. (مسند احمد ۲، ص ۴۱۲)

جعفر بن سلیمان نے بھی یزید الرشک سے اسی اسناد کے ساتھ (صحیح مسلم ص ۲۱۲) مگر مسلم نے اس کی روایت کا متن ذکر نہیں کیا۔ بس یہ اشارہ کیا ہے کہ اس کی روایت میں بھی سائل عمران کے علاوہ کوئی اور شخص ہے۔

پس یزید الرشک سے یہ حدیث شعبہ و عبد الوارث و حماد بن زید و اسماعیل بن علیہ و جعفر بن سلیمان نے روایت کی ہے۔ ان میں سے عبد الوارث کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ سائل خود عمران بن حصین تھے باقی چار اشخاص کی روایت میں یہ ہے کہ عمران کے علاوہ سائل کوئی اور شخص تھا دوسرا اختلاف یہ ہے کہ شعبہ کی روایت میں ہے کہ سائل نے کہا تھا فلم يعمل العاملون بقیہ چار کی روایت میں ففیم يعمل العاملون ہے۔

شعبہ کی روایت جو صحیح بخاری میں ہے اس کے متعلق میں واضح کر چکا ہوں کہ وہ مہمل و بے معنی ہے۔ شعبہ نے سوال میں اُعرف اهل الجنة من اهل النار کہا تھا۔ مگر حماد بن زید و اسماعیل بن علیہ کی روایت میں ہے کہ سائل نے صیغہ ماضی کے ساتھ اعلم اهل الجنة من اهل النار کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ فی الواقع یزید الرشک نے کیا بیان کیا تھا وہ جو شعبہ کی روایت میں ہے یا وہ جو ان دونوں کی روایت میں ہے۔

علم اهل الجنة من اهل النار کے معنی یہ ہیں کہ اہل جنت یعنی مؤمنین اور اہل نار یعنی کفار کے درمیان فرق و امتیاز کر دیا گیا۔ علم من کے صلہ کے ساتھ عربی زبان میں دو چیزوں یا دو شخصوں کے درمیان فرق و امتیاز کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے اعلم صديقك من

عدوک۔ اپنے دوست و دشمن کے درمیان امتیاز کر۔ پس علم اہل الجنة من اہل النار ان
 انسانوں پر صادق آتا ہے جو پہلے گزر چکے تھے کہ ان میں ہر شخص کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جان لیا
 تھا کہ فلاں کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے اور وہ جنتی ہے اور فلاں کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے اور وہ دوزخی
 ہے۔ لیکن نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کے بعد قیامت تک جو انسان یکے بعد دیگرے مرنے
 والے تھے ان پر علم اہل الجنة من اہل النار۔ بصیغہ ماضی صادق نہیں آتا ہے ان پر تو
 بعلم بصیغہ مضارع صادق آتا ہے۔ کیونکہ کسی شخص کا اہل جنت میں سے ہونا موقوف ہے اس پر
 کہ اس کا خاتمہ ایمان و صلاح پر ہو۔ اور کسی شخص کا اہل نار میں سے ہونا موقوف ہے اس پر کہ اس
 کی کتاب زندگی کفر پر ختم ہو۔ پس حماد بن زید و اسماعیل بن علیہ نے یزید الرشک سے روایت
 کر کے جو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا اعلم اہل الجنة من اہل النار اور
 آپ نے جواب میں فرمایا۔ نعم تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ تو صرف ان لوگوں پر صادق آتا ہے جو اس
 سوال و جواب سے پہلے گزر چکے اور مر چکے تھے۔ بعد کے لوگوں پر صادق نہیں آتا۔ ظاہر ہے کہ
 رسول اللہ ﷺ کی طرف ایسی کوتاہ بات کی نسبت نہیں کی جاسکتی پس یزید الرشک کی بیان کردہ یہ
 حدیث متن کے لحاظ سے مضطرب اور معنی کے لحاظ سے قاسد ہے۔ نہ وہ درست ہے جو شعبہ کی
 روایت میں ہے۔ نہ وہ صحیح ہے جو عبد الوارث کی روایت میں ہے نہ وہ ٹھیک ہے جو حماد و اسماعیل کی
 روایت میں ہے۔

حافظ ابن حجر وغیرہ نے علم اہل الجنة من اہل النار کا مطلب یہ بتایا ہے کہ انسان
 کو پیدا کرنے سے پہلے ہی اللہ کے علم میں تھا کہ اس نوع کے بے شمار گروہوں میں سے ہر ایک
 گروہ میں فلاں فلاں فلاں جنت میں سے ہوں گے۔ اور فلاں فلاں فلاں اہل نار میں سے۔
 آپ کے اس ارشاد نے سائل کو یہ سوال کرنے پر آمادہ کیا ”فلم يعمل العاملون یا فقیم
 بعمل العاملون“ یعنی اللہ کے علم میں جو انجام کسی کا ہونا ہے لامحالہ وہی اس کا انجام ہوگا۔ اس
 کا معلوم (جانا ہوا) اس کے علم کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ پس جس شخص کے متعلق اللہ کے علم میں
 ہے کہ وہ داخل جنت ہونے والا ہے۔ لامحالہ وہ داخل جنت ہوگا۔ اعمال اسلام پر کار بند ہو یا نہ
 ہو۔ اور جس شخص کے متعلق اس کے علم میں ہے کہ وہ جہنم میں گرنے والا ہے لامحالہ وہ جہنم میں

گرے گا اعمال کفر کرے یا نہ کرے۔ لہذا عمل بے سود ہے اور اعمال صالحہ کے اکتساب اور اعمال سیئہ سے اجتناب کا مطالبہ عبث۔ اس سوال کے جواب میں فرمایا کل ميسر لما خلق له یعنی عمل کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ دخول جنت کے بھی مناسب اعمال ہیں اور دخول نار کے بھی مناسب اعمال ہیں جسے اللہ نے جنت کے لیے پیدا کیا ہے اسے اسی کے مناسب اعمال کرنے کی توفیق ملتی ہے اور جسے جہنم کا ایندھن بننے کے لیے پیدا کیا ہے۔ اسے اسی کے مناسب اعمال آسان و مرغوب کر دیے جاتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ ابن حجر وغیرہ نے اس تقریر میں سوال کا جو غشائیا ہے۔ وہی فرقہ جبریہ کی قابل اعتماد دلیل ہے۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں جا بجا اس کا ذکر کیا اور اس کا نام برہان علم رکھا ہے۔ لیکن نہ سوچا کہ قرآن کریم میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ اللہ کو بندوں کے اعمال کا علم ہے جن کی انہیں جزا و سزا ملے گی تو صیغہ مستقبل کے ساتھ ہی ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ **فليعلمن الله الذين صدقوا و ليعلمن الكاذبين۔** نیز فرمایا ہے۔ **وليعلمن الله الذين آمنوا و ليعلمن المنافقين (سورة العنكبوت) و ليعلم الله الذين آمنوا . و يعلم الصابرين اور سورة التوبة میں ہے ام حسبتم ان تدخلوا الجنة و لما يعلم الذين جاہدوا منكم . ای لم يعلمهم للآن و سيعلمهم۔**

اور میں بتا چکا ہوں کہ علم بصلہ من ممتاز کرنے، چھاننے اور الگ الگ کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ ابن حجر وغیرہ نے علم اهل الجنة من اهل النار کے معنی کی جو تقریر کی ہے اس میں علم بصلہ من کے معنی کو نظر انداز کر دیا ہے۔

قرآن کریم سے جو ثابت ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اس کی مدت حیات، رزق، صحت و بیماری اور دنیا میں اس کے رہنے کی پوزیشن اور اس کی شخصی شکل و صورت کا الگ الگ تقرر کر دیا ہے اور کسی کو بھی ان مقدرات سے آگاہ نہیں فرمایا۔ نہ کسی کو مستقبل میں پیش آنے والے حالات و حوادث کا علم بخشا ہے۔ اور کسی کو یہ قدرت نہیں دی کہ وہ اللہ کی تقدیر کے احاطہ سے نکل سکے۔ مگر اسے نیک یا بد اعمال کرنے کی قدرت دی ہے۔ بھلے برے اور مفید و مضر میں امتیاز کرنے کے لیے اسے عقل عطا فرمائی اور اسے نیکیوں کی راہ دکھانے کے لیے انبیائے

کرام بھیجے ہیں اور کتابیں نازل فرمائی ہیں اور حکم دیا ہے کہ تنہا اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کریں اور نبی و قس کی اطاعت و پیروی میں لگے رہیں۔ لیکن اس نے انسان کو نہ ایمان و عمل صالح پر مجبور کیا ہے نہ کفر و معصیت پر ہاں نہایت وضاحت کے ساتھ دونوں راستوں کے انجام سے آگاہ کر دیا ہے۔

افسوس کہ خلفائے راشدین کے بعد مسلمانوں میں متعدد اعتقادی و عملی گمراہیاں پیدا ہو گئیں اور ان کے علم بردار فرقے پیدا ہو گئے۔ فرقہ قدریہ، فرقہ جبریہ، فرقہ رافضہ اہل تشیع، خوارج ان فرقوں میں ایسے شقی لوگ بھی تھے جنہوں نے اپنے اپنے فرقے کی تائید کے لیے اور عام مسلمانوں میں اپنے معتقدات کو مقبول بنانے کی خاطر جھوٹی حدیثیں گھڑ ڈالیں۔ شاید یزید الزکریا فرقہ جبریہ کا ہم نوا تھا۔ یہ غلط حدیث جو اس نے بواسطہ مطرف عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے روایت کی تھی اسی کی آئینہ دار ہے۔

(۸۵) شادی شدہ زانیہ کو سنگسار کرنے کا قصہ

جو بروایت شعبی حضرت علی سے مروی ہے

امام بخاری نے کہا ہے:

حدثنا آدم ثنا شعبه ثنا سلمة بن كهيل قال سمعت الشعبي يحدث عن علي حين رجم المرأة يوم الجمعة و قال قد رجمتها بسنة رسول الله ﷺ.

(صحيح بخارى ص ۱۰۰۶۔ كتاب المحاربيں۔ باب رجم المحصن)

ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا کہ ہم سے سلمہ بن کھیل نے بیان کیا کہ میں نے شعبی سے سنا علیؑ کے متعلق بیان کرتے ہوئے جب علیؑ نے جمعہ کے دن عورت کو سنگسار کیا تھا اور فرمایا تھا میں نے رسول اللہ کی سنت (یعنی آنحضور کی مقرر کی ہوئی

سزا کی وجہ سے اسے سنگسار کیا ہے۔ اس عورت کا شراب نام بتایا گیا ہے کونے میں کسی کی کنیز تھی اس نے آزاد کر کے ایک شخص سے اس کا نکاح کر دیا۔ وہ چند روز بعد اسے کوفہ میں چھوڑ کر ملک شام چلا گیا اور حضرت معاویہ کی فوج میں شامل ہو گیا۔ اس کہانی کو بیان کرنے والوں نے بتایا کہ شراب نامی اس عورت کو زنا کا حمل رہ گیا۔ حضرت علی نے اسے بہانے بھی تلقین کئے۔ ممکن ہے تیرا شوہر چھپ کر رات میں آ گیا ہو اور چونکہ وہ ہمارے دشمن کا آدمی ہے تو اس کا نام لینے سے ڈرتی ہو یا رات میں تو بے خبر سو رہی ہو گی اور چپکے سے کوئی فاسق آ گیا ہو اور تیری آبروریزی کر ڈالی ہو۔ یا کسی نے زبردستی تجھ سے یہ برا کام کیا ہو۔ لیکن اس نے کوئی تلقین قبول نہیں کی اور یہی کہا کہ میں قصداً زنا کی مرتکب ہوئی ہوں اور اس کی سزا بھگتنے پر آمادہ ہوں۔ تب اسے وضع حمل تک مہلت دی۔ بچہ ہو جانے اور نفاس وغیرہ سے فارغ ہو جانے کے بعد اسے حضرت علی کے پاس لایا گیا۔ جمعرات کا دن تھا حضرت علی کے حکم سے اسے سو کوڑے مارے گئے۔ دوسرے دن یعنی جمعہ کے دن اسے طلب کر کے سنگسار کرایا۔ پہلا پتھر خود علی نے مارا پھر تمام حاضرین نے پتھراؤ کر کے اسے ختم کر دیا اور حضرت علی نے لوگوں سے کہا جلد نہا بکتاب اللہ ورجمہا بسنة رسول اللہ ﷺ یعنی چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں زنا کی سزا سو کوڑے فرمائی ہے اس لیے میں نے اسے سو کوڑے لگوائے اور چونکہ رسول اللہ ﷺ نے شادی شدہ زانی اور زانیہ کو سنگسار کرایا تھا اس لئے میں نے اسے آج سنگسار کرایا ہے۔ اس طرح حضرت علی نے اس بے چاری کو دونوں سزائیں دی تھیں۔

لیکن شعبہ نے یہ حدیث ایسے بیان نہیں کی تھی جیسے بخاری نے اسے نقل کیا ہے۔ آدم کے علاوہ شعبہ سے یہ حدیث محمد بن جعفر غندر نے علی بن جعد نے ابو عامر عتدی نے وھب بن جریر نے حسین بن محمد نے روایت کی ہے۔ (غندر کی روایت) امام احمد نے کہا ہے:

حدثنا محمد بن جعفر ثنا شعبه عن سلمة بن كهيل عن الشعبي ان علياً جلد شراحة يوم الخميس و رجمها يوم الجمعة وقال اجلدها بكتاب الله و ارجمها بسنة رسول الله ﷺ . (مسند اس ۱۰۷)

(حسین کی روایت) احمد نے کہا ہے:

حدثنا حسين بن محمد ثنا شعبه عن سلمة و مجالد عن الشعبي انهما سمعاہ يحدث ان علياً حين رجم المرأة من اهل الكوفة. ضربها يوم الخميس و رجمها يوم الجمعة وقال الخ. (مسند ۱ ص ۹۳)

علی بن جعد کی روایت اسماعیلی نے تخریج کی ہے:

عن شعبه عن سلمة و مجالد عن الشعبي ان علياً أتى بامرأة زنت فضربها يوم الخميس و رجمها يوم الجمعة و قال جلدتها بكتاب الله و رجمتها بسنة رسول الله ﷺ. (فتح الباری ۱۱)

ابو عامر عقدی کی روایت:

حدثنا شعبه عن سلمة عن الشعبي قال جلد علياً شراحة يوم الخميس و رجمها يوم الجمعة وقال الخ.

(شرح معانی الآثار للطحاوی ۲ ص ۸۱)

وہب بن جریر کی اسناد ابن حجر نے فتح الباری میں یہ نقل کی ہے عن شعبه عن سلمة عن مجالد عن الشعبي عن ابيه عن علي۔ اس میں دو غلطیاں ہیں اول یہ کہ عن سلمة عن مجالد کہا ہے۔ حالانکہ سلمة بن کھیل نے یہ حدیث براہ راست شعبی سے روایت کی۔ وہب کی اسناد میں عن سلمة و مجالد عن الشعبي ہونا چاہئے تھا۔ دوم یہ کہ عن ابيه غلط کہہ دیا ہے حالانکہ شعبہ کے تلامذہ نے عن الشعبي عن علی کہا ہے۔ عصام بن یوسف نے شعبہ سے اس کی روایت کرنے میں یہ غلطی کی ہے کہ عن الشعبي عن عبدالرحمن بن ابی لیلی عن علی کہا ہے شعبی و علی کے درمیان عبدالرحمن کا ذکر غلط ہے۔

پس شعبہ سے یہ حدیث سات اشخاص نے روایت کی تھی ان میں سے غندر و حسین بن محمد و علی بن جعد و ابو عامر عقدی کی روایت درست ہے یعنی جس اسناد و متن کے ساتھ شعبہ نے یہ حدیث بیان کی تھی اسی اسناد و متن کے ساتھ ان چاروں حضرات نے اس کی روایت کی ہے بس اتنا فرق ہے کہ غندر و ابو عامر نے اسناد میں سلمہ کے ساتھ مجالد کا ذکر نہیں کیا اور حسین و علی نے سلمہ

کے ساتھ مجاہد کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور ان سات میں سے تین اشخاص کی روایت میں دھب بن جریر اور عصام بن یوسف نے اس کی اسناد میں غلطی کی ہے۔ اور آدم نے جس کی روایت بخاری نے درج صحیح کی ہے اس کے متن میں تقصیر کی ہے۔ نہ عورت کا نام ذکر کیا نہ یہ کہ حضرت علی نے جمعرات کے دن اسے کوڑوں کی سزا دی پس یہ ذکر کیا ہے کہ علیؑ نے اسے جمعہ کے دن سنگسار کیا اور فرمایا رجمتها بسنة رسول الله ﷺ حالانکہ شعبہ کے چھ تلامذہ نے متفقہ طور پر شعبہ کی بیان کی ہوئی اس حدیث میں یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے جمعرات کے دن اسے کوڑوں کی سزا دی اور جمعہ کے دن اسے سنگسار کیا اور دونوں سزاؤں کو جمع کرنے کی توجیہ میں یہ کہا کہ جلد تھا بکتاب الله و رجمتها بسنة رسول الله ﷺ۔

امام بخاری اپنے شیخ کی اس روایت کے قاصر ہونے سے خوب واقف تھے مگر چھ اشخاص کی تمام روایت پر ایک شخص کی قاصر روایت کو اس لئے ترجیح دی ہے۔ کہ جمہور اہل علم کی طرح امام بخاری بھی اسی کے قائل ہیں کہ شادی شدہ زانی و زانیہ کی دنیوی شرعی سزا صرف رجم ہے جلد کے بغیر یعنی اس مجرم کو کوڑوں کی سزا نہ دی جائے بس سنگسار کیا جائے یہ ہی رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپ کے متواتر الثبوت عمل سے ثابت ہے۔ آپ نے جس شادی شدہ زانی اور شادی شدہ زانیہ کو سزا دی ہے تو اسے سنگسار ہی کرایا ہے کسی کو بھی رجم سے پہلے کوڑے نہیں لگوائے۔ اور حضرت علی رسول اللہ ﷺ کے عہد میں پیش آنے پر واقعہ رجم میں موجود رہے ہیں لہذا اس میں بھول واقع ہونے کا امکان نہ تھا۔ پس علیؑ نے بھی اس عورت کو فقط رجم کی سزا دی تھی اور صراحت بتا دیا تھا کہ شادی شدہ زانیہ کو فقط رجم کرنا ہی سنت سے ثابت ہے یعنی اسے کوڑوں کی سزا نہ دی جائے گی آدم بن ابی ایاس نے شعبہ کی بیان کی ہوئی حدیث میں یہ ہی مضمون روایت کیا ہے لہذا بخاری نے اسے ہی صحیح قرار دیکر درج صحیح کیا ہے۔ رہیں آدم کے علاوہ شعبہ کے دیگر تلامذہ کی روایات جن میں یہ مذکور ہے کہ حضرت علی نے اس عورت کو جمعرات کے دن کوڑوں کی سزا دی اور جمعہ کے دن اسے رجم کرایا اور فرمایا کہ جلد تھا بکتاب الله و رجمتها بسنة رسول الله ﷺ تو وہ غلط ہیں کیونکہ نہ علی ایسا کر سکتے تھے نہ ایسا کہہ سکتے تھے۔ جب کہ حضرت علی نے کئی بار مشاہدہ کیا تھا کہ

رسول اللہ ﷺ نے شادی شدہ زانی یا زانیہ کو بس رحم کرایا۔ کوڑوں کی سزا نہیں دی تو یہ ہی تو آپ کی سنت ہوگی۔ پھر علی اس کے برخلاف اس مجرم کو دونوں سزائیں کیسے دے سکتے تھے۔ اور جلد تھا بکتاب اللہ اگر علی نے کہا ہوتا تو اس کا مطلب تو یہ ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ نے شادی شدہ زانی و زانیہ کو سزا دینے میں کتاب اللہ پر عمل نہیں کیا۔ پس یہ لرزہ بر اندام کر دینے والی بات علی کیسے کہہ سکتے تھے۔ لہذا امام بخاری نے شعبہ سے مروی ان روایات کو جو آدم بن ابی ایاس کے علاوہ دیگر صاحبان نے روایت کی ہیں غلط قرار دے کر نظر انداز کر دیا۔

میں کہتا ہوں کہ بلاشبہ یہ غلط ہے اور قطعاً جھوٹ ہے کہ علی نے شادی شدہ زانیہ پر سزائیں جمع کی ہوں پہلے اسے کوڑوں کی سزا دی ہو پھر اسے رحم کرایا ہو۔ مگر اس جھٹ کے ذمہ دار شعبہ کے یہ چھ تلامذہ نہیں ہیں ان میں سے کوئی بھی کذاب و مفترمی اور دروغ باف نہ تھا اور جب کہ ایک عالم کے چھ شاگرد یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم سے استاد نے یہ بتایا تھا اور ساتواں شاگرد ان کے خلاف بات بتاتا ہو تو عقل کا فیصلہ یہی ہے کہ چھ کی روایت ایک کی روایت پر راجح ہے۔ اور یہ ہی سمجھنا چاہئے کہ چھ شخص جو کہہ رہے ہیں عالم نے وہی کہا ہے۔ لہذا یہ ہی سمجھنا چاہئے کہ شعبہ نے وہی کہا تھا جو محمد بن جعفر و حسین بن محمد و علی بن جعد و ابو عامر عقدی اور وہب بن جریر و عصام بن یوسف نے ذکر کیا ہے۔ وہ نہیں جو تنہا آدم نے بتایا ہے۔

نو کیا یہ غلطی شعبہ کی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں کیونکہ حماد بن سلمہ نے بھی سلمہ بن کھیل سے یہ ہی روایت کی ہے جو شعبہ کی روایت کی بنسبت تام ہے۔ حماد نے کہا ہے:

انبأنا سلمة بن كهيل عن الشعبي ان عليا قال لشراحة لعلك استكرهت لعل زوجك اناك لعلك. لعلك قالت لا. فلما وضعت ما في بطنها جلدتها ثم رجمها. ففعل له جلدتها ثم رجمتها فقال جلدتها بكتاب الله و رجمتها بسنة رسول الله ﷺ.

(مسند احمد ۱ ص ۱۴۱ و ۱۵۳)

اور سلمہ بن کھیل بھی اس جھوٹی کہانی کا ذمہ دار نہیں ہے کیونکہ اور متعدد اشخاص نے بھی شعبی سے اس کی روایت کی ہے۔ از انجملہ حصین بن عبد الرحمن ہے جو سلمہ بن کھیل سے

افضل واثق تھا۔

ہشتم بن بشیر نے کہا ہے:

أَبَا نَا حُصَيْنٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ أَتَى عَلِيٌّ بِمَوْلَاةٍ لِسَعِيدِ بْنِ قَيْسٍ
مَحْصَنَةٍ (ای ذات زوج) قَدْ فَجَرَتْ. قَالَ: فَضْرَبَهَا مِائَةً ثُمَّ رَجَمَهَا ثُمَّ
قَالَ جَلَدْتُهَا بِكِتَابِ اللَّهِ وَرَجَمْتُهَا بِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.

(مسند احمد ۱ ص ۱۱۶، من الدار قطنی ص ۳۴۰ کتاب الحدود طبع ہند)

پس دراصل یہ قصہ شعبی کا بیان کیا ہوا ہے۔ شعبی نے حضرت علی کو نہ دیکھا تھا نہ ان سے کچھ
سنا تھا لیکن اہل رفض و تشیع نے یہ قصہ مسلمانوں میں خاص طور سے اہل کوفہ میں پھیلانے کی خوب
کوشش کی تھی یہ ان دروغ بانیوں میں سے ایک ہے جو ان لوگوں نے حضرت علی کے متعلق کی تھیں
مقصود ان کا مسلمانوں میں مذہبی اختلافات پیدا کرنا اور علی و آل علی کی طرف منسوب کر کے اپنے
لئے نیا دین و آئین گھڑنا تھا۔ ان ہی لوگوں سے شعبی نے یہ قصہ سنا اور روایت کر ڈالا تھا پس یہ شعبی
کی مرسل روایات میں سے ہے اور تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ شعبی کی مرسل روایات پر کاہ کی
برابر بھی وزن نہیں رکھتیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر روایت جانچنے پر کھنے سے غلط ہی ثابت ہوئی ہے۔
اور جب کہ شعبی کی روایت کی ہوئی یہ حدیث مرسل ہے متصل نہیں ہے تو لازماً صحیح
نہیں ہے کیونکہ اتصال سند حدیث صحیح حدیث کی لازمی شرطوں میں سے ہے۔

اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ مجالد بن سعید اور اسماعیل بن ابی خالد نے بھی شعبی سے
شرحہ کے رجم کئے جانے کا قصہ روایت کیا ہے اور صراحۃً بتایا ہے کہ شعبی اسے رجم کئے جانے کے
وقت موجود تھے بلکہ خود شعبی نے بھی اسے رجم کرنے میں حصہ لیا تھا۔

ہم مانتے ہیں کہ شعبی نے حضرت علی سے اور کوئی حدیث نہیں سنی لیکن یہ قصہ شعبی کا چشم
دید اور حضرت علی کا جلد تھا بکتاب اللہ و رجمتها بسنة رسول اللہ ﷺ کہنا گوش شنید
ہے لہذا شعبی کی یہ روایت مرسل نہیں بلکہ متصل ہے لیکن یہ جواب قطعاً ناصواب ہے کیونکہ مجالد خود
جھوٹا تھا اور اسماعیل بن ابی خالد کی طرف منسوب روایت بھی قطعاً گھڑی ہوئی ہے۔ مجالد کی

روایت یہ ہے امام احمد نے کہا ہے:

حدثنا يحيى بن زكريا بن ابى زائدة اخبرنا مجالد عن عامر الشعبي قال حملت شراحة وكان زوجها غائباً فانطلق بها مولاها الى عليّ. فقال لها عليّ لعل زوجك جاءك او لعل احداً استكرهتك عليّ نفسك؟ قالت لا. واقرت بالزنا فجلبدها يوم الخميس وانا شاهده ورجمها يوم الجمعة ونا شاهده فامر بها فحفر لها الى السرة ثم قال ان الرجم سنة من رسول الله ﷺ وقد كانت نزلت اية الرجم فهلك من كان يقرءها وآيا من القرآن باليمامة. (مسند ۱ ص ۱۲۳)

اس میں مذکور ہے کہ شعبی نے بیان کیا کہ علیؑ نے جمعرات کے دن شراحہ کو میرے سامنے کوڑوں کی سزا دی اور جمعہ کے دن میرے سامنے اسے سنگسار کیا حضرت علیؑ کے حکم سے اس کے لئے ناف تک گڑھا کھودا گیا تھا پھر علیؑ نے کہا کہ رجم رسول اللہ ﷺ کا مقرر کیا ہوا حکم ہے اور رجم کی آیت قرآن میں اتری تھی مگر جن لوگوں کو وہ یاد تھی اور اسے پڑھتے تھے ساتھ ہی اوچند آیتیں بھی وہ جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے۔ یعنی وہ آیتیں اور آیت رجم دیگر مسلمانوں کو نہ یاد تھی نہ ان کے پاس لکھی ہوئی تھیں اس لئے رجم کی آیت اور وہ آیتیں درج مصحف ہونے سے رہ گئیں۔ خود یہ روایت ہی مجالد بن سعید کے کذاب ہونے کا کافی بڑا ثبوت ہے۔ اگر علیؑ کو یہ معلوم تھا کہ آیت رجم قرآن میں تھی تو رجمتھا بکتاب اللہ کہتے اور اگر آیت رجم اور چند دیگر آیات کو یاد رکھنے اور پڑھنے والے جنگ یمامہ میں ہلاک ہوئے تھے جو حضرت ابوبکر کے عہد میں ہوئی تھی تو علیؑ نے یہ کوتاہی کیوں کی کہ ان آیات کو اور آیت رجم کو نہ یاد کیا نہ اپنے پاس لکھ کر رکھا۔ علیؑ تو لکھنا جانتے تھے نیز یہ روایت آتی ہے کہ جو قرآن اب مسلمانوں میں رائج ہے وہ ناقص ہے۔ معاذ اللہ مجالد خبیث نے جھوٹ بھی۔ لولا تو کتنا گندا کیا کوئی مسلمان جو جانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا پکا سچا وعدہ فرمایا ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے جو مجالد نے شعبی و علیؑ پر افترا کر کے کہا ہے۔

پس مجالد کی روایت سے استدلال کر کے یہ سمجھنا کہ شعبی اس عورت کو رجم کرنے کے موقع پر موجود تھے بالکل غلط اور نامعقول ہے۔

ربی اسماعیل کی روایت تو اس کی تخریج ابو عبد اللہ الحاکم صاحب مستدرک نے احمد بن یونس کے طریق سے کی ہے۔ احمد بن یونس نے کہا:

حدثنا جعفر بن عون ثنا اسماعیل بن ابی خالد قال سمعت الشعبي و
سئل هل رأيت أمير المؤمنين علي بن ابی طالب و قال رأيتہ ابيض
الراس و اللحية قیل فهل تذكر عنه شيئا و قال نعم اذكر انه جلد
شراحة يوم الخميس و رجمها يوم الجمعة فقال جللتها بكتاب الله و
رجمتها بسنة رسول الله.

(المستدرک ۴ ص ۳۶۵، کتاب الحدود طبع دائرة المعارف)

ہم سے جعفر بن عون نے بیان کیا کہ ہم سے اسماعیل بن ابی خالد نے بیان کیا کہ میں نے شعبی سے سنا جب کہ اس سے دریافت کیا گیا تھا کہ کیا آپ نے حضرت علی کو دیکھا ہے۔ کہاں ہاں میں نے انہیں سفید سر و سفید ریش دیکھا۔ کہا گیا کہ کیا آپ کو ان سے سنی ہوئی کوئی بات یاد ہے؟ بولے جی ہاں مجھے یاد ہے کہ حضرت علی نے جمعرات کے دن شراحہ کو کوڑے لگوائے اور جمعہ کے دن سنگسار کرایا اور فرمایا میں نے کتاب اللہ کی وجہ سے اسے کوڑوں کی سزا دی اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی وجہ سے اسے سنگسار کیا۔

حاکم نے حسب عادت لکھ دیا ہے ہذا اسناد صحیح حالانکہ اس کی سند منقطع ہے کیونکہ جعفر بن عون نے اسماعیل سے نہ صرف یہ کہ کچھ نہیں سنا بلکہ اسے دیکھا بھی نہیں۔ اسماعیل بن ابی خالد کی وفات ۱۴۶ھ (ایک سو چھیالیس) میں ہوئی اور جعفر بن عون نے ۲۰۷ھ (دو سو سات) میں انتقال کیا۔ دونوں کی موت کے درمیان ۶۱ سال کا فاصلہ ہے پس حاکم نے اس کی اسناد میں جعفر بن عون کا قول حدثنا اسماعیل غلط نقل کیا ہے۔

الغرض شعبی نے نہ حضرت علی سے کچھ سنا نہ انہیں دیکھا۔ یہ قصہ شعبی کی مرسل اور بے اصل روایت ہے۔ شراحہ نام کی کوفہ میں کوئی عورت نہ تھی جسے حضرت علی نے زنا کی سزا دی ہو۔ ذرا سوچئے تو سہی حضرت علی جب کوفہ میں تھے تو وہاں بہت سے اشخاص تھے جنہوں نے عبد اللہ بن

مسعود و سعد بن ابی وقاص و ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا تھا۔ مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں بہت سے صحابہ اور اہل علم تابعین تھے۔ اسی طرح بلاد شام خصوصاً دمشق میں صحابہ کرام و تابعین اور حضرت معاویہ و عمرو بن عاص اور تقریباً تمام اہل اسلام جو شام میں آباد تھے حضرت علی اور ان کے تابعین کے زبردست سیاسی حریف تھے جنہیں علی اپنا دشمن گردانتے تھے۔ اگر فی الواقع علی نے کسی شادی شدہ زانیہ کو پہلے کوڑوں کی سزا پھر دوسرے دن رجم کی سزا دی ہوتی تو بلاد اسلام میں ان کے خلاف زبردست ہلچل مچ جاتی۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ علی کی زندگی بھر کسی طرف سے بھی ان پر یہ اعتراض نہ ہوا۔ کیوں اس لیے کہ یہ قصہ سرے سے پیش ہی نہیں آیا یہ تو علی کے بعد تصنیف کیا گیا اور بتدریج مسلمانوں میں پھیلا یا گیا تھا۔

(۸۶) حضرت سعد بن ابی وقاص کی حدیث

اعظم المسلمین جرماً

زہری نے حضرت سعد کے فرزند عامر سے اس نے اپنے والد حضرت سعدؓ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

اعظم المسلمین جرماً من سأل عن شیء لم یحرم فحرم من اجل مسألته . (صحیح بخاری ص ۱۰۸۲، کتاب الاعتصام باب ۳)

زہری سے مقارب الفاظ کے ساتھ یہ حدیث عقیل بن خالد و سفیان بن عیینہ و معمر بن راشد و ابراہیم بن سعد و یونس بن یزید نے روایت کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر حرام نہیں کیا تھا۔ اس کے متعلق کوئی شخص کھود کرید کرے اور اللہ کے رسول سے پوچھے کہ فلاں چیز حلال ہے یا حرام۔ روا ہے یا ناروا۔ اس کے پوچھنے کی وجہ سے وہ چیز حرام کر دی جائے۔ اللہ کی طرف سے اس کی حرمت کا حکم آ جائے تو وہ پوچھ گچھ کرنے والا شخص مسلمانوں میں سے سب سے بڑا مجرم ہے۔ کھود کرید کا ذکر معمر کی روایت میں ہے۔ اس کے لفظ یہ ہیں ان من اکبر المسلمین فی المسلمین جرماً رجلاً سأل عن شیء و نفر عنه حتی

انزل فی ذلک الشیء التحریم من اجل مسئلتہ . (مسند احمد ۱ ص ۱۷۶)

یہ حدیث صرف زہری نے روایت کی ہے اور غور و فکر کرنے کے بعد بھی میں اس کا معنائے مراد نہیں سمجھ سکا ویسے یہ حدیث بخسین کی ہے۔ سنن ابی داؤد و مسند احمد اور ابن الجارود کی المستفی میں بھی ہے۔

اور میرا خیال ہے کہ جن راویوں نے اس کی روایت کی ہے اور جن محدثین نے اس کی تخریج فرمائی ہے وہ بھی اس کے معنی مراد سے نا آشنا تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وہ چیز بندوں پر حرام فرمائی ہے جو ان کے لینے مضر ہے اگر کوئی ناواقف آدمی کسی چیز یا کام کے متعلق اللہ کے نبی سے پوچھے کہ یہ حلال ہے یا حرام تو محض اس کے سوال کی وجہ سے اللہ کی طرف سے اس چیز کی حرمت کا حکم آ جانا سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے نہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں کوئی ایسا واقعہ پیش آیا نہ سابق انبیائے کرام میں سے کسی نبی کے عہد میں۔ جب کہ ہم جانتے ہیں کہ شراب خانہ خراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے ہی حضرت عمر اس کے خواہشمند تھے اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کرتے رہتے تھے کہ مسلمانوں کو منع فرمادیں کہ شراب نہ پیا کریں نیز حضرت عمر آپ سے کہتے رہتے تھے۔ احجب نساء ک یا رسول اللہ۔ آخر حکم حجاب نازل ہو گیا۔

(۸۷) بخاری نے کہا ہے:

وقد کتب عمر الی عاملہ فی الجارود (ص ۱۰۶ کتاب الاحکام)

یعنی حضرت عمر نے بحرین کے گورنر کو جارود بن معطلی کے بارے میں لکھا تھا کیا لکھا تھا اس کا بخاری نے ذکر نہیں کیا مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ بخاری کی بھول ہے حضرت عمرؓ نے اپنے عامل بحرین کو جارود کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہاں اپنے عامل کو قدامہ بن مظعون کے بارے میں تو لکھا تھا۔ قصہ یہ ہوا تھا کہ جارود بن معطلی جو کہ قبیلہ عبدالقیس کے معزز افراد میں سے تھے اور بحرین کے باشندگان میں سے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے چند روز

مدینہ میں رہ کر اسلام کے متعلق ضروری باتیں سیکھ کر آپ کی اجازت سے وطن واپس ہو گئے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں قدامہ بن مظعون کو جو بدری صحابہ مہاجرین میں سے تھے۔ بحرین کا عامل مقرر کیا کچھ مدت بعد جاوود نے بحرین سے مدینہ آ کر حضرت عمرؓ سے قدامہ کی شکایت کی کہ وہ شراب پینے کی وجہ سے مست دیکھے گئے ہیں حضرت عمرؓ نے بحرین سے قدامہ کو طلب کر کے اس کے متعلق پوچھا تو قدامہ نے اس کا اعتراف کیا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے قول لیس علی الذین آمنوا و عملوا الصالحات جناح فی ما طعموا کی بنا پر میں نے اسے جائز سمجھا تھا حضرت عمرؓ نے آیت کے معنی کے متعلق ان کی غلط فہمی واضح کی اور شراب نوشی کی سزا دی اور عمل سے معزول کر کے ایک اور صاحب کو بحرین کا عامل مقرر کر دیا۔ چونکہ قدامہ کے اہل و عیال بحرین میں تھے اس لئے قدامہ کو واپس بحرین جانے کی اجازت دیدی اور اپنے عامل لکھ دیا کہ قدامہ کی نگرانی کرنا۔ اگر وہ پھر شراب پیئے تو اس پر شراب نوشی کی حد نافذ کرنا۔

(۸۸) مجادلہ کے متعلق ام المومنین عائشہؓ کی حدیث

بخاری نے لکھا ہے:

وقال الاعمش عن تمیم عن عروۃ عن عائشۃ قالت الحمد لله الذی وسع سمعه الاصوات فانزل الله علی النبی ﷺ قد سمع الله قول التی تجادلک فی زوجها۔

(ص ۱۰۹۹ کتاب التوحید باب قوله و كان الله سمیعاً بصیراً)۔

یعنی اعمش نے تمیم بن سلمہ سے اس نے عروہ بن زبیر سے اس نے ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا حمد ہے اللہ کے لئے جس کی شنوائی نے آوازوں کو سمولیا ہے۔ (یعنی آوازیں خواہ بلند ہوں یا پست وہ سب کو سنتا ہے) پس اللہ نے نبی ﷺ پر نازل فرمایا: قد سمع الله قول التی تجادلک فی زوجها۔

امام بخاری نے یہ حدیث تعلیقاً ذکر کی ہے۔ اور یہ نہیں بتایا کہ کس راوی نے اعمش سے اس

کی روایت کی تھی۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ قاصر اور تقریباً مہمل ہے۔ پھر اسے نقل کرنے سے کیا فائدہ؟
نسائی وابن ماجہ نے یہ حدیث پوری ذکر کی ہے اور ابن ماجہ کی روایت زیادہ واضح و
تام ہے۔

نسائی کی روایت میں ہے کہ جریر بن عبد الحمید نے اعمش سے اس نے تمیم بن سلمہ سے اس
نے عروہ سے روایت کی کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا حمد ہے اللہ کے لئے جس کی شنوائی
نے آوازوں کو سمولیا ہے خولہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنے شوہر کی شکایت کرنے لئے آئی آہستہ
بولنے کی وجہ سے اس کا کلام مجھ پر پوشیدہ ہو رہا تھا میرے سننے میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہہ رہی ہے
پس اللہ نے نازل فرمایا قد سمع اللہ قول الی تجادلک فی زوجھا و تشتکی الی
اللہ واللہ یسمع تحاور کما۔ (سنن نسائی کتاب الطلاق آخر باب الظہار)

اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ ابو عبیدہ نے اعمش سے اسی اسناد کے ساتھ روایت کی
ہے کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا بڑی بابرکت ذات ہے وہ جس کی شنوائی نے ہر چیز کو سمولیا
ہے میں خولہ بنت ثعلبہ کی بات سن رہی تھی اور کچھ بات اچھی طرح کان میں نہ پڑ رہی تھی وہ رسول
اللہ ﷺ سے اپنے شوہر کی شکایت کر رہی تھی۔ کہہ رہی تھی یا رسول اللہ اس نے میری جوانی کھالی اور
میں نے اپنا پیٹ اس کے لئے جھاڑ دیا۔ یعنی اس کے بچے جنے یہاں تک کہ میں جب سن رسیدہ ہو
گئی اور مزید بچہ پیدا ہونے کی آس نہ رہی تو مجھ سے ظہار کر بیٹھا۔

یا اللہ میں بے چاری کیا کروں وہ آپ سے ہٹی نہ تھی کہ جبریل یہ آیات لیکر نازل ہو
گئے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۵۰ ابواب الطلاق باب الظہار)

(۸۹) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی حدیث:

کن فی الدنیا کأنک غریب

حدثنا علی بن عبد اللہ قال ثنا محمد بن عبد الرحمن ابو المنذر
الطفائی عن سلیمان الاعمش قال حدثنی مجاہد عن عبد اللہ بن

عمر قال اخذ رسول الله ﷺ بمنكبي فقال كن في الدنيا كأنك غريب او عابر سبيل. وكان ابن عمر يقول اذا امسيت فلا تنظر الصباح واذا اصبحت فلا تنظر المساء وخذ من صحتك لمرضك ومن حياتك لموتك.

(صحيح بخاری ۹۴۹ کتاب الرقاق باب ۳)

ہم سے علی بن مدینی نے بیان کیا ہے کہ ہم سے محمد بن عبدالرحمن طفاوی نے بیان کیا سلیمان بن مہران یعنی اعمش سے روایت کر کے اعمش نے کہا مجھ سے مجاہد نے بیان کیا عبداللہ بن عمر سے روایت کر کے۔ ابن عمر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا دنیا میں رہ گویا کہ تو پردیسی ہے یا ایک مسافر ہے۔ (نہ پردیسی اجنبی مقام میں کسی چیز سے یا کسی شخص سے دل لگاتا ہے نہ کسی ہوٹل یا سرائے یا مسافر خانہ میں یا بسوں کے اڈے یا اسٹیشن پر اترا ہوا مسافر کسی پر ایسا اعتبار و اعتماد کرتا ہے جیسا وطن میں اپنے خاص آدمیوں پر ہوتا ہے۔ پردیسی ہو یا مسافر دونوں کو اپنا وطن اور گھر کے لوگ یاد آتے رہتے ہیں۔ مومن کو دنیا میں آخرت اور جنت کا ایسا ہی مشتاق رہنا اور دنیا کے بکھیروں میں جی نہیں لگانا چاہئے۔ یہ تو ابن عمر کی بیان کی ہوئی حدیث نبوی ہوئی پھر مجاہد نے ابن عمر کا یہ قول نقل کیا کہ اے بندے تجھے دنیا میں شام ہو تو صبح کا انتظار نہ کر۔ یعنی توبہ کرنے اور اللہ کی طرف رجوع ہونے کی بات آئندہ صبح پر نہ ڈال۔ معلوم نہیں کہ وہ تجھے نصیب ہو یا نہ ہو۔ اور جب تو صبح کرے تو شام کا انتظار نہ کر اور اپنی تندرستی سے اپنی بیماری کے لئے کچھ حاصل کر لے۔ یعنی تندرستی کے زمانے میں عقلمند کو اتنا مال ضرور پس انداز کرنا چاہئے جو بیماری میں دوا و علاج میں صرف ہو سکے اور اپنی زندگی سے اپنی موت کے لئے کچھ لے لے۔ یعنی زندگی میں نیکیوں اور اعمال صالحہ کا سرمایہ جمع کر لینا چاہئے کہ مرنے کے بعد یہ سرمایہ برزخ پھر آخرت میں کام آنے والا ہے۔

عمر و انفاقد نے جو مسلم و بخاری کے شیوخ میں سے مثبت وثقہ محدث تھے علی بن مدینی کی اسناد پر اعتراض کیا ہے کہ علی نے اپنی اسناد میں اعمش کا قول حدیثی مجاہد غلط نقل کیا ہے۔ عن مجاہد کہنا چاہئے تھا کیونکہ اعمش نے مجاہد سے یہ حدیث نہیں سنی تھی بلکہ لیث بن ابی سلیم

سے سنی تھی اس نے مجاہد سے روایت کی تھی۔ چونکہ لیث بن ابی سلیم ضعیف و منکر الحدیث تھیں ہے اس لئے اعمش نے اسناد سے اس کا نام ساقط کر کے عن مجاہد کہا تھا۔ علی بن مدینی نے حدیثی مجاہد اعمش کی طرف غلط منسوب کر دیا۔ چنانچہ سفیان ثوری و ابو معاویہ و حماد بن زید نے اس کی روایت لیث بن ابی سلیم سے کی ہے۔ سفیان ثوری کی طریق سے امام احمد و ترمذی نے اس کی تخریج کی ہے۔ عن لیث عن مجاہد عن ابن عمر قال اخذ رسول الله ﷺ ببعض جسدي فقال يا عبدالله كن في الدنيا كأنك غريب او عابر سبيل و عد نفسك من الموتى (مسند ۲ ص ۲۴) ترمذی کی روایت میں ہے۔

و عد نفسك من اصحاب القبور. فقال لي ابن عمر اذا أصبحت فلا تحدث نفسك بالمساء واذا امسيت فلا تحدث نفسك بالصباح وخذ من صحتك قيل سقمك ومن حياتك قبل موتك فانك لا تدري يا عبدالله ما اسمك غداً.

(سنن الترمذی ۲ ص ۵۷ طبع ہند ابواب الزہد)

ابو معاویہ کی حدیث مسند میں ہے۔ اصحاب القبور تک (مسند احمد ۲۲ ص ۴۱) حماد بن زید کی حدیث سنن ابن ماجہ و سنن ترمذی میں ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۳۱۳ طبع ہند ابواب الزہد سنن ترمذی ۲ ص ۵۷)

پس اعمش کی روایت جس کی تخریج بخاری کی ہے۔ درج صحیح ہونے کے لائق نہ تھی۔ لیکن یہ حدیث فی نفسہ صحیح اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے امام احمد نے کہا ہے:

حدثنا ابو المغيرة ثنا الازاعي اخبرني عبدة بن ابی لبابة عن عبدالله بن عمر قال اخذ رسول الله ﷺ ببعض جسدي فقال أُعْبِدُ الله كأنك تراه و كن في الدنيا كأنك غريب او عابر سبيل. (مسند ۲ ص ۱۳۲)

(۹۰) حضرت ابی بن کعب کی طرف منسوب حدیث

امام بخاری نے کہا ہے:

وقال لنا ابو الوليد ثنا حماد بن سلمة عن ثابت عن انس عن ابی
قال كنا نرى هذا من القرآن حتى نزلت ألهام التكاثر.

(صحیح بخاری ص ۹۵۳ کتاب الرقاق باب ۱۰)

ہم سے ابو الولید یعنی ہشام بن عبد الملک طایسی نے کہا کہ ہم سے حماد بن سلمہ نے بیان
کیا ثابت بن اسلم بنانی سے روایت کر کے اس نے حضرت انس سے انہوں نے حضرت ابی بن
کعب سے روایت کی کہ ہم اس کو (یعنی رسول اللہ ﷺ) کے ارشاد لو ان لابن آدم وادیا من
ذهب احب ان یکون له وادیان و لن یملأ فاه الا التراب و یتوب الله علی من
تاب کو) قرآن کی آیت سمجھا کرتے تھے یہاں تک کہ سورۃ التکاثر نازل ہوئی۔ یعنی تب غلط نہیں
رفع ہوئی۔

یہ حدیث سند و متن دونوں کے لحاظ سے قطعاً غلط ہے سند کے اعتبار سے یوں غلط ہے کہ
حماد بن سلمہ نے اپنی بد حفظی کی وجہ سے اس کی اسناد میں ابی کا ذکر کر دیا تھا انس نے حضور ﷺ کا یہ
ارشاد خود آپ سے سنا ہے۔ چنانچہ شعبہ وابو عوانہ و علی بن جعد و سفیان بن عبد الرحمن نے قتادہ سے
روایت کی ہے کہ حضرت انس نے کہا:

كنت اسمع رسول الله ﷺ يقول . فلا ادرى اثنى نزل عليه ام
ثنى يقوله لو كان لابن آدم واديان من مال لا بتغى لهما ثلثا ولا
یملأ جوف ابن آدم الا التراب و یتوب الله علی من تاب .

(مسند ۳ ص ۱۲۲، صحیح مسلم ۱ ص ۳۳۵ کتاب الزکاة، مسند ۳ ص ۱۹۸ و ۲۳۸)

اور امام بخاری نے صالح بن کیسان کے طریق سے روایت کی ہے:

عن ابن شهاب (الزهری) قال اخبرني انس بن مالك ان رسول

اللہ ﷺ قال لو ان لابن آدم واديا من ذهب لاحتب ان يكون له واديان و لن يملأ فاه الا التراب و يتوب الله على من تاب .

(صحيح بخارى ص ۹۵۳ كتاب الرقاق باب ۱۰)

ابان بن يزيد العطار نے بھی حضرت انس سے اس کی روایت کی ہے ان نبی اللہ ﷺ کان يقول لو ان لابن آدم واديين من مال - قتاده کی طرح ابان نے بھی اس میں لا يملأ جوف ابن آدم الا التراب ذکر کیا ہے۔

(مسند ص ۱۹۲)

غرضیکہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد حضرت انس نے براہ راست آپ سے روایت کیا اور خود آپ سے سنا ہے حماد بن سلمہ نے خواہ مخواہ ابی بن کعب کا ذکر کر دیا ہے۔ متن اس کا یوں باطل ہے کہ ابی بن کعب مدنی انصاری صحابی ہیں اور سورۃ الحکاشان کے مسلمان ہونے سے کئی سال پہلے مکہ میں نازل ہوئی تھی اور بے وقوف حماد بن سلمہ کی یہ روایت یہ بتا رہی ہے کہ سورۃ الحکاشان مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔ پھر اس سورہ شریفہ میں کوئی آیت یا کوئی کلمہ ایسا نہیں ہے جس سے ابی بن کعب کی سمجھ میں آیا ہو کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مذکور قرآن کی کوئی آیت نہیں تعجب اس پر نہیں کہ حماد بن سلمہ نے یہ روایت کیسے کر دی کیونکہ وہ بے چارہ نہایت کم فہم بد حفظ اور اناپ شناس بیان کرنے کا عادی تھا۔ وہ حدیثیں روایت کرنے کا خوگر تھا اگرچہ محدث ہونے کا اہل نہ تھا تعجب تو بخاری پر ہے کہ اسے کیوں اور کیسے ذکر فرما دیا ہے اور اس میں ادنی تا مل سے بھی کام نہ لیا۔

(۹۱) نذر کے متعلق حضرت ابو ہریرہ کی ایک حدیث

بروایت ہمام بن منہ بخاری نے کہا ہے:

حدثنا بشر بن محمد قال اخبرنا عبد الله قال اخبرنا معمر عن همام بن منبه عن ابي هريرة عن النبي ﷺ قال لا يأتي ابن آدم النذر بشئ لم يكن قد قدرته و لكن يُلقيه القدر وقد قدرته له استخرج

بہ من البخیل۔ (صحیح بخاری ص ۹۷۸ کتاب القدر باب ۴)

ہم سے بشر بن محمد نے بیان کیا کہ ہمیں عبداللہ بن مبارک نے بتایا کہ ہمیں معمر بن راشد نے بتایا چھام بن منبہ سے روایت کر کے اس نے ابو ہریرہ سے کہ نبی ﷺ نے فرمایا نذر انسان کے پاس ایسی چیز نہیں لاتی جسے میں نے طے نہ کر دیا ہو مگر اسے طے شدہ امر سے ملواتی ہے حال یہ کہ میں نے اسے اس کے لئے طے کر دیا ہے۔ اس کے ذریعہ میں کچھ شخص سے مال نکلواتا ہوں۔

ظاہر عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ”قد قدرته“ کے قائل اور استخراج کے قائل خود رسول اللہ ﷺ ہیں حالانکہ یہ غلط ہے بندوں کے لئے جن میں سے ایک خود رسول اللہ ﷺ ہیں خیر و شر کی جو بات بھی طے ہوئی ہے اللہ تعالیٰ کے طے فرمانے سے ہی طے ہوئی تقدیر امور اور نذر کے بہانے بخیل سے استخراج مال تھا اسی کا کام ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ غلط حدیث درج صحیح ہونے کے لائق نہ تھی۔ اور امام احمد نے عبدالرزاق سے سنا ہوا بروایت معمر جو چھام بن منبہ کا صحیفہ نقل کیا ہے اس میں بھی یہ ہی غلطی ہے اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

لا یأتی ابن آدم النذر بشئ لم اکن قدرته له ولكن یلفته النذر بما قدرته له یستخرج به من البخیل. یؤتینی علیہ ما لم یکن اتانی علیہ من قبل۔ (مسند ۲ ص ۳۱۴)

اصل میں معمر یا خود چھام بن منبہ سے غلطی یہ ہوئی ہے کہ آغاز حدیث میں قال اللہ نہیں کہا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ یوں کہنا چاہئے تھا ”عن النبی ﷺ قال قال اللہ لا یأتی ابن آدم النذر بشئ لم اکن قدرته له الخ معمر سے اس کی روایت عبداللہ بن مبارک اور عبدالرزاق نے کی ہے عبداللہ کی روایت صحیح بخاری میں ہے اور عبدالرزاق کی روایت مسند احمد میں ہے۔ عبداللہ اور عبدالرزاق دونوں نے قال اللہ نہیں کہا اس لئے کہ معمر نے نہیں کہا تھا۔ مگر ان دونوں کو حدیث کے معنی و مطلب پر نظر کر کے معمر سے کہنا چاہئے تھا کہ آپ نے قال اللہ نہیں کہا حالانکہ حدیث اس کی مقتضی ہے مگر ان محدثین اور راویوں کی عام عادت تھی جس میں سب ہی مبتلا

تھے کہ معنی کی طرف دھیان ہی نہ دیتے پس سند اور لفظ حدیث کو من و عن ذہن نشین کرنے اور لکھنے میں لگے رہتے تھے۔

بعینہ یہ ہی غلطی اعرج کی روایت میں ہے بخاری نے کہا ہے:

حدثنا ابو اليمان قال اخبرنا شعيب ثنا ابو الزناد عن الاعرج عن ابي هريرة قال قال النبي ﷺ (قال الله) لا ياتى ابن آدم النذر بشئى لم اكن قدرته ولكنه يلقيه النذر الى القدر قد قدرته له فيستخرج الله به من البخيل فيؤتىنى عليه ما لم يكن يؤتىنى عله من قبل.

(ص ۹۹۰ کتاب الایمان والنذور باب الوفاء بالنذر)

اس کے متن میں دو غلطیاں ہیں۔ اول یہ کہ آغاز میں ”قال اللہ“ نہیں ہے حالانکہ اس کا ہونا ضروری ہے اسے میں نے جین القوسین لکھ دیا ہے دوم یہ کہ ”فیستخرج اللہ بہ“ کی جگہ فیستخرج بہ ہونا چاہئے جیسا کہ سیاق و سباق کا تقاضا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مثلاً زید کے لئے طے فرمادیا ہے کہ ماہ ربیع کی ۱۲ تاریخ بروز دوشنبہ اسے تجارت میں بیس ہزار کا نفع ہوگا حالانکہ اس کا کاروبار تجارت خسارے میں پڑا ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اس خسارے کے چکر سے نکلنے اور نفع حاصل ہونے کی برابر دعا کرتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اس نے نذر کر لی کہ اللہ نے مجھے نفع عطا فرمایا تو میں ۵۰۰ روپیہ صدقہ کروں گا وہ دن آگیا جو اللہ نے اس کے لئے طے فرمادیا تھا اور اسے بیس ہزار کا نفع حاصل ہو گیا۔ اب نذر کی وجہ سے اسے ۵۰۰ روپیہ صدقہ کرنا لازم ہے اسے خیال ہوتا ہے کہ میری نذر کی وجہ سے یہ نفع مجھے ملا ہے۔ حالانکہ وہ نفع تو اسے ملنا ہی تھا۔ نذر نہ کرتا تب بھی ملتا۔

اس پر یہ نہ کہا جائے کہ یہ نذر بھی اس کے مقدر میں تھی اللہ نے طے فرما رکھا تھا کہ میرے فلاں بندے کو فلاں دن یہ نذر کرنی ہے اس لئے فی الواقع وہ نذر کرنے پر مجبور تھا۔

نہیں یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ نذر بندے کا اختیاری عمل ہے اور مقدرات میں سے نہیں ہے جیسے ایمان اور نیکیاں یا کفر اور برائیاں بندے کے اختیاری اعمال ہیں اور مقدرات میں

سے نہیں ہیں۔ اختیاری عمل اور امر مقدر میں فرق یہ کہ امر مقدر کا بندے کو علم نہیں ہوتا اور اپنے وقت مقرر پر لامحالہ واقع ہوتا ہے کوئی اسے ٹال نہیں سکتا۔ اور بندے کا اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ اس کے وقوع سے نہ وہ ثواب کا مستحق ہوتا ہے نہ عذاب کا اور اختیاری عمل بندے کے علم میں ہوتا ہے۔ خواہ وہ اسے کرے خواہ نہ کرے اور اگر وہ طاعات کی جنس سے ہو تو بندہ اسے کرنے پر ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ اور گناہوں کی جنس سے ہو تو اسے کرنے پر عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔

(۹۲) ابریشم پہننے کے متعلق مسدد سے سی ایک حدیث

بخاری نے کہا ہے:

حدثنا مسدد ثنا يحيى عن التيمي عن ابي عثمان قال كنا مع عتبة فكتب اليه عمر ان النسي عليه السلام قال لا يلبس الحرير في الدنيا الا لمن لم يلبس في الآخرة منه. وأشار ابو عثمان باصبعيه المسبحة و
(صحيح بخاری ص ۸۶۷ کتاب اللباس باب لبس الحرير) الوسطی.

ہم سے مسدد بن مسرہد نے بیان کیا کہ ہم سے یحییٰ بن سعید قطان نے بیان کیا سلیمان بن طرخان تیمی سے روایت کر کے اس نے ابو عثمان نھدی سے روایت کی۔ ابو عثمان نے کہا ہم امیر عتبہ بن فرقہ کے ساتھ (یعنی ان کے زیر علم آذربائیجان میں) تھے حضرت عمر کا عتبہ کے پاس خط آیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دنیا میں ریشم نہ پہنے گا مگر اس شخص کے لئے جو آخرت میں اس سے نہ پہنے اور ابو عثمان نے اپنی دو انگلیوں سے اشارہ کیا جو انگوٹھے کے پاس ہوتی ہیں۔

کیا دنیا میں کوئی عقلمند ہے کہ بخاری کی درج صحیح فرمائی ہوئی اس اول جلول اور بے معنی و مبہل حدیث کا کوئی مطلب اس کی سمجھ میں آجائے کوئی اور تو کیا سمجھے گا خود بخاری نے بھی نہ سمجھا ہو گا مسدد نے بخاری کو یہ حدیث سنائی تھی تو موصوف کو شیخ مسدد سے اس کا مطلب بھی معلوم کرنا چاہئے تھا۔ مگر نہیں جو مسدد نے بیان کیا یاد کر لیا اور لکھ لیا پھر درج صحیح کر دیا۔ کیونکہ مسدد ثقہ محدث تھے کاش محدثین کا یہ نہایت غیر عاقلانہ طرز کار نہ ہوتا جو علم و طلب علم کے بالکل منافی ہے اصل

بات یہ ہے کہ مسدد کو اپنے شیخ یحییٰ بن سعید قطان سے سنی ہوئی یہ حدیث ٹھیک یاد نہ رہی یا سنتے وقت ٹھیک سے نہ سنی تھی اسے امام احمد نے یحییٰ بن سعید قطان سے ٹھیک سنا تھا پھر اس کو ٹھیک بیان کیا تھا۔ امام احمد نے کہا ہے:

حدثنا يحيى بن سعيد ثنا التيمي عن ابي عثمان قال كنا مع عتبة بن فرقد فكتب اليه عمرُ باشيء يحدثه عن النبي ﷺ فكان في ما كتب اليه ان رسول الله ﷺ قال لا يلبس الحرير في الدنيا الا من لبس له في الآخرة منه شئى الا هكذا وقال باصبعيه السبابة والوسطى. قال ابو عثمان فرأيت انها اذرار الطيالة حين رأينا الطيالة.

(مسند ۱ ص ۳۶)

ابو عثمان نھدی نے کہا کہ ہم عتبہ بن فرقد کے ساتھ تھے ان کے پاس حضرت عمرؓ امیر المؤمنین نے خط بھیجا جس میں رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی کئی حدیثیں ثبت تھیں از انجملہ یہ کہ دنیا میں ریشم وہی شخص پہنے گا جسے آخرت میں ریشم ذرا بھی نہ ملے گا (لہذا کوئی مرد ریشم نہ پہنے)۔ بجز ان دو انگلیوں کی مقدار کے آپ نے انگوٹھے سے متصل دو انگلیوں کے متعلق بتایا۔ یعنی کرنے میں دو انگلی ریشم کی پٹی لگائی جاسکتی ہے (گر بیان پر یا گلے پر) ابو عثمان نے کہا جب ہم نے طیلسان نامی پوشاکیں دیکھیں تو میں سمجھا کہ الاھکذا سے مراد طیلسان کے ٹکموں کی جگہ یعنی گریبان ہے۔ اس پر ریشم لگانے کی اجازت ہے پس یحییٰ بن سعید قطان سے یہ حدیث امام احمد بن حنبل اور مسدد نے روایت کی تھی امام احمد کی روایت درست اور بامعنی ہے اور مسدد سے اس میں کئی غلطیاں ہو گئیں۔

(۱) مسدد نے کہا لا یلبس الحریر فی الدنیا الا لمن لم یلبس فی الآخرة منه۔ یہ مہمل و بے معنی بات ہے اور امام احمد کی روایت میں ہے۔ لا یلبس الحریر فی الدنیا الا من لبس له فی الآخرة منه شئى۔ یہ درست اور بامعنی بات ہے مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ریشمی لباس پہننا کافر کی شان ہے کہ نہ وہ آخرت میں داخل جنت ہوگا۔ نہ اسے لباس جنت کی ہوا لگے گی مؤمن کی شان نہیں کیونکہ قرآن مجید کی تصریح ”ولباسہم

فیہا حویر“ کے مطابق اہل جنت ریشمی لباس پہنیں گے۔

(۲) مسدد نے الاھکذا ذکر نہیں کیا اس کے بغیر اصبعین سے اشارہ کا ذکر قطعاً بے معنی ہے۔

(۳) مسدد نے اصبعین سے اشارہ کرنے کا فاعل ابو عثمان کو بتا دیا ہے۔ اور احمد کی روایت میں

ہے کہ اشارہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا اور یہ ہی صحیح ہے۔

(۴) ابو عثمان نے جو کہا تھا اس کا مسدد نے ذکر نہیں کیا اور احمد کی روایت میں ہے کہ قال ابو

عثمان فرأیت انھا اذ رار الطیالسة ان صریح و فاش اغلاط کی وجہ سے مسدد کی

روایت مہمل و بے معنی ہو کر رہ گئی۔ بخاری نے ذرا بھی عقل سے کام لیا ہوتا تو ہرگز اسے

درج صحیح نہ کرتے۔

(۹۳) رسول اللہ ﷺ کے ولیمہ کے متعلق حدیث

بخاری نے کہا ہے:

حدثنا محمد بن يوسف ثنا سفیان عن منصور بن صفیة عن امه صفیة

بنت شیبہ قالت اولم النبی ﷺ علی بعض نسائه بمئةین من شعیر.

(صحیح بخاری ص ۷۷۷ کتاب النکاح باب من اولم باقل من شاة)

ہم سے محمد بن یوسف فریانی نے بیان کیا کہ ہم سے سفیان ثوری نے بیان کیا منصور سے

روایت کر کے اس نے اپنی والدہ صفیہ بنت شیبہ سے روایت کی صفیہ نے کہا نبی ﷺ نے اپنی

ایک بیوی کا ولیمہ دو مد جوئے کیا تھا یعنی نصف صاع سے۔

عبدالرحمن بن مہدی و کعب و روح بن عبادة و محمد بن کثیر عبدی اور یزید بن ابی حکیم نے بھی

سفیان ثوری سے اسی اسناد کے ساتھ اس کی روایت کی ہے۔

صفیہ بنت شیبہ مکہ کی رہنے والی تابعیہ ہے اس نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ نہیں پایا معلوم

نہیں کہ اس نے یہ بات کس سے سنی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے متصل نہیں ہے۔ اور

حدیث مرسل صحیح نہیں ہوتی۔ امام بخاری اسے اعلیٰ قاذف فرماتے تو کوئی حرج نہ تھا مسند حدیث کے طور پر اسے کیسے ذکر کر دیا جفیہ نے جس سے یہ بات سنی تھی اس سے یہ بھی نہ پوچھا کہ ازواج مظہرات میں کس ام المؤمنین کے نکاح میں ایسا ہوا تھا۔

(۹۴) ابن ابی ملیکہ کی تَلْقُونَهُ کے متعلق غلط بیانی

عبداللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ کی ایک تابعی تھا روایت حدیث کا اسے کافی شوق تھا۔ لیکن کم فہم بھی تھا اور جھوٹ بولنے سے بھی نہ چوکتا تھا۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ اور عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن زبیر کی طرف منسوب کر کے روایت کی ہیں جو کتب حدیث میں مذکور ہیں۔ اس کی جھوٹی روایتوں میں سے ایک یہ ہے جس کی اس سے نافع بن عمر جمحی اور ابن جریج نے روایت کی تھی۔ نافع نے ابن ابی ملیکہ سے روایت کی تھی کہ —

عن عائشہ کانت تقرأ اذ تلقونہ بالسنتکم وتقول الولق
الکذب۔ قال ابن ابی ملیکہ وکانت اعلم من غیرها بذلک لانه
نزل فیہا۔ (صحیح البخاری ص ۵۹ غزوة بنی المصطلق)

ابن ابی ملیکہ نے حضرت عائشہؓ کے متعلق بتایا کہ وہ اللہ کے ارشاد اِذْ تَلَقُّوْهُ بِالْسِّنَتِکُمْ وَتَقُولُوْنَ بِاَفْوَاهِکُمْ مَا لَیْسَ لَکُمْ بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسِبُوْنَہُ هِیْنَاوْ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ میں تَلْقُونَهُ پڑھا کرتی نہیں (قرآن شریف میں تلقونہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو یہ ہی سکھایا اور یہ ہی لکھایا تھا۔ تَلْقُونَهُ باب تفعّل سے جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ اصل میں تَتَلَقُّوْنَ تھا اور تَلْقَوْنَ باب ضرب سے جمع مذکر حاضر مضارع ہے۔ وَلَقِیْ وَلَقِیْ وَلَقِیْ اور کہتی تھیں کہ یہ وَلَقِیْ ہے جو جھوٹ کے معنی میں ہے) (ابن ابی ملیکہ کی اس روایت پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ ام المؤمنین نے بھی یہ آیت رسول اللہ ﷺ سے سن کر ہی یاد کی تھی جیسا کہ دیگر صحابہ کو آپ ﷺ نے ہی بتائی بھی اگر حضرت عائشہؓ سے تَلْقَوْنَ پڑھتی تھیں تو ان کی قراءت کو بھول پر حمل کرنا اور

صحابہ کرام کی قرأت کو ہی رائج و صحیح سمجھنا چاہئے۔ اس سوال کا جواب دینے کی غرض سے (ابن ابی ملیکہ نے کہا اور وہ دوسروں سے زیادہ اس کو جاننے والی تھیں کیونکہ اس کا نزول ان ہی کے بارے میں ہوا تھا۔ مطلب اس کا یہ تھا دیگر صحابہ کی قرأت پر ام المؤمنین کی قرأت رائج ہے۔

یعنی ابن ابی ملیکہ نے اپنے تراشے ہوئے ایک جھوٹ کو دوسرے جھوٹ کا سہارا دیا تھا تاکہ لوگ اس کے چکر میں آ کر قرآن میں تحریف لفظی کو گوارا کر لیں۔

اس کا یہ کہنا قطعاً دروغ بے فروغ اور حضرت ام المؤمنین پر بہتان و افترا ہے کہ وہ اس آیت میں تَلْقَوْنَ پڑھا کرتی اور اسے ولق سے مشتق بتاتی تھیں۔ ہرگز نہیں وہ قرآن کریم کے کسی لفظ میں تحریف کرنے والی نہ تھیں۔ خود ابن ابی ملیکہ کے دل میں شیطان نے یہ بات ڈالی کہ اس آیت میں تَلْقَوْنَ کی جگہ ام المؤمنین کے حوالہ سے تَلْقَوْنَ رائج کیا جائے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرما دیا ہے ورنہ تابعین و اتباع تابعین کے دور کے بعد محدثین اور راویان اخبار نے اس میں تحریفات کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ دوسرا جھوٹ اس نے یہ بولا ہے کہ سورۃ النور کی آیت کو جو دوسرے رکوع میں ہیں خود ام المؤمنین کے متعلق نازل شدہ بتایا ہے۔ بالفرض ایسا ہوتا بھی تو اس سے کب لازم آتا ہے کہ ام المؤمنین کو اور تمام صحابہ و صحابیات سے بڑھ کر ان آیات کا علم ہو۔

سورۃ الاحزاب کی آیت اذ تقول للذی انعم اللہ علیہ و انعمت علیہ امسک علیک زوجک و اتق اللہ۔۔۔ الآية یقیناً حضرت زید بن حارثہ و سیدہ زینب بنت جحش کے متعلق نازل ہوئی تھی تو کیا یہ کہنا درست ہو سکتا ہے کہ اس آیت کے لفظ و معنی کا تمام صحابہ سے بڑھ کر زید و زینب کو علم تھا؟

اور ابن جریج کی روایت یہ ہے:

قال ابن ابی ملیکہ سمعت عائشة تقرأ اذ تَلْقَوْنَہ بالستکم۔

(صحیح بخاری ص ۶۹۸ کتاب التفسیر سورۃ النور)

ابن جریج نے اس کی اسناد میں نہ یہ کہا حدیثی یا اخباری یا انبائی ابن ابی ملیکہ نہ عن ابن ابی ملیکہ کہا غرض تحمل روایت میں استعمال ہونے والا کوئی لفظ نہیں کہا "قال ابن

ابی ملیکہؓ کہا تھا اس لئے بخاری کو ابن جریج کی یہ بکواس ذکر کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے تھا۔ ابن جریج کا بیان ہے کہ ابن ابی ملیکہ نے کہا تھا کہ میں نے حضرت عائشہؓ کو تَلْفُونُہ (بروزن تَعْدُونُہ) پڑھتے ہوئے سنا تھا۔ اگر فی الواقع ابن ابی ملیکہ نے یہ کہا تھا تو قطعاً جھوٹ بولا تھا۔ نہ ام المؤمنینؓ نے ایسا پڑھا تھا نہ وہ ایسا پڑھ سکتی تھیں۔

میں نے اس پر غور کیا کہ آخر امام بخاری نے ابن ابی ملیکہ کی روایت صحیح میں کیوں درج کی ہے۔ ایک جگہ نہیں بلکہ دو جگہ کیا موصوف یہ ہی چاہئے تھے کہ اہل اسلام اس آیت میں تَلْفُونُ کی جگہ تَلْفُونُ پڑھا کریں؟ اور ابن ابی ملیکہ کی کی ہوئی تحریف کو قبول کر لیں؟

(۹۵) وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین

کے منسوخ ہونے کے متعلق سلمہ بن اکوع کی طرف منسوب حدیث

بخاری نے کہا ہے:

حدثنا قتيبة قال ثنا بکر بن مضر عن عمرو بن الحارث عن بکیر بن عبد اللہ قال عن یزید مولی سلمة بن اکوع عن سلمة قال لما نزلت وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین کان من اراد ان یفطر یفتدی حتی نزلت الآیۃ الّتی بعدها فنسختها.

(صحیح بخاری ص ۲۴۷ کتاب التفسیر سورة البقرة)

مسلم و نسائی و ابوداؤد نے بھی بعینہ اسی اسناد کے ساتھ قتیبہ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا کہ ہم سے بکر بن مضر نے بیان کیا عمرو بن سلمہ مصری سے روایت کر کے اس نے بکیر بن عبد اللہ سے اس نے حضرت سلمہ کے آزاد کردہ غلام یزید سے اس نے سلمہ بن اکوع سے سلمہ نے کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا قول وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین نازل ہوا تو اس کی رو سے جو شخص روزہ نہ رکھنا چاہتا وہ فدیہ ادا کر دیتا یعنی

ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا یہاں تک کہ جو آیت اس کے بعد ہے وہ نازل ہوئی (جس میں فمن شہد منکم الشهر فلیصمه) ہے تو اس نے اسے یعنی روزہ نہ رکھنے اور اسکی بجائے فدیہ ادا کرنے کی رخصت کو منسوخ کر دیا۔۔

عبداللہ بن دھب نے عمرو بن حارث سے اسناد مذکور کے ساتھ یہ حدیث بہ ایں لفظ روایت کی ہے:

”کنا فی رمضان عہد رسول اللہ ﷺ من شاء صام ومن شاء افطر
فافتدی بطعام مسکین حتی انزلت هذه الآية فمن شہد منکم
الشهر فلیصمه۔ (صحیح مسلم ۱ ص ۲۶۱ طبع ہند)

پس اس کی روایت میں عمرو بن حارث متفرد ہے۔ کسی اور شخص نے کبیر سے اس کی روایت نہیں کی۔ اور دراصل یہ حدیث نبوی یعنی رسول اللہ ﷺ کی فرمائی ہوئی بات نہیں ہے۔ اگر فی الواقع سلمہ بن اکوع نے یہ کہا تھا تو ان کا ذاتی قول تھا۔ ماہ رمضان کے روزے رکھنے کا حکم ۲ھ میں غزوہ بدر سے پہلے نازل ہوا تھا۔ اس وقت سلمہ بن اکوع اپنی عمر کے آٹھویں سال میں تھے۔ اکوع ان کے دادا کا لقب تھا اس کا اصل نام دھب یا قیس تھا اور سلمہ کے باپ کا نام عمرو تھا سلمہ بن اکوع ان کو دادا کی طرف منسوب کر کے کہا جاتا ہے۔ قبیلہ بنی اسلم جس میں سے سلمہ اور ان کے باپ دادا ہیں۔ مدینہ سے فاصلے پر آباد تھا۔ سلمہ کے باپ عمرو بن اکوع کے متعلق معلوم نہیں کہ مشرف بہ اسلام ہوا تھا یا نہیں۔ غرضیکہ یہ سات سال کا بچہ روزہ فرض ہونے کے زمانے میں مدینہ میں نہ تھا پھر اسے کیسے معلوم ہوتا کہ کچھ مسلمان ایسے بھی ہیں جو روزہ رکھنے کے بجائے فدیہ دیدیتے ہیں اور یہ اللہ کی طرف سے عطا کی ہوئی رخصت ہے جو بعد میں اٹھالی گئی ہے۔ اس لئے یہ حضرت سلمہ کی کہی ہوئی بات معلوم نہیں ہوتی۔ ان کے غلام یزید بن ابی عبید نے اپنے آقا کے متعلق یہ بے پرکی بات اڑائی ہوگی۔

حضرت سلمہ بن اکوع ایسی غلط بات کیسے کہہ سکتے تھے جس سے، یہ لازم آتا ہو کہ وہ آیت جس میں فمن شہد منکم الشهر فلیصمه ہے اس سے کم از کم ایک سال پہلے اوپر کی آیت

اتری ہو جس میں وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین ہے۔ حالانکہ دونوں آیتوں میں ایک سال تو کیا ایک گھنٹے بلکہ پانچ منٹ کا بھی فصل نہیں تھا یکے بعد دیگرے ان کا نزول ایک ساتھ ہی ہوا تھا خود ان آیتوں کی لفظی و معنوی شہادت یہ ہی ہے اس لئے کہ پہلی آیت کے آغاز میں فرمایا ہے یا ایہا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ایاماً معدودات یعنی اے اہل ایمان تم پر چند گئے چنے دنوں میں روزہ رکھنا فرض کر دیا گیا ہے۔ دوسری آیت شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ہدی للناس وبنات من الہدی والفرقان فمن شہد منکم شہراً فلیصمه میں ایاماً معدودات کا بیان ووضاحت ہے۔ یعنی وہ چند ایام جن میں روزہ رکھنا اہل ایمان پر فرض کیا گیا ہے۔ ماہ رمضان کے مبارک ایام ہیں یہ نظم کلام بتا رہا ہے کہ مہینے و بیان کے درمیان نزول میں فصل نہ تھا سلسلہ کے ساتھ دونوں آیتیں ایک ہی ساتھ نازل ہوئی تھیں۔

اسے منسوخ سمجھنا یوں بھی غلط ہے کہ اوپر ارشاد ہوا ہے فمن کان منکم مریضاً او علی سفر فعدۃ من ایام آخر یعنی جو شخص مرض یا سفر کے عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھے تو وہ بعد رمضان چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء کر کے گنتی پوری کر لے۔ پس اگر وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین کا مطلب یہ ہوتا کہ جو غیر معذور شخص روزہ نہ رکھے تو وہ فدیہ ادا کر دے ایک مسکین کو کھانا دیدے تو دونوں حکموں میں بڑی نامعقولیت ہو جاتی جب اس شخص پر چھوٹے ہوئے روزے کی قضا لازم ہے جو معذور ہو۔ بیمار یا مسافر ہو تو کوئی غیر معذور شخص روزہ نہ رکھے تو اس پر تو بدرجہ اولی قضا لازم ہونی چاہئے۔ اور اگر غیر معذور شخص فدیہ دیکر روزے کو چھوڑ سکتا تھا تو معذور شخص بدرجہ اولی اس رعایت کا مستحق تھا۔ کیا احکام شرعیہ میں ایسی نا معقولیت ہو سکتی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین کو منسوخ سمجھنے کی صورت میں ماننا پڑتا ہے کہ یطیقونہ کی ضمیر منصوب صیام کی طرف راجع ہے اور اس کے بعد ان لم یصوموا مقدر ہے تب ہی تو مطلب نکلے گا کہ ان لوگوں پر فدیہ لازم ہے جو روزہ رکھ سکتے ہوں اگر روزہ نہ رکھیں۔ ٹھیک ہے کلام میں مقدرات و محذوفات بھی ہوا کرتے ہیں مگر وہیں تو

جہاں کوئی لفظی یا معنوی قرینہ اس پر دلالت کرنے والا موجود ہو۔ لیکن یہاں تو کوئی بھی ایسا قرینہ نہیں ہے جو ان لم یصوموا کے مقدر ہونے پر دلالت کرتا ہو۔

چوتھی بات یہ ہے کہ کسی حکم شرعی کو منسوخ قرار دینے کے لئے شارع کی طرف سے تصریح لازم ہے جیسے رسول اللہ ﷺ نے زیارت قبور سے بھی فرمادی تھی اور تین دن سے زائد قربانی کا گوشت رکھنے کی ممانعت کردی تھی پھر تصریح کے ساتھ فرمادیا کہ اب تم سے وہ پابندی اٹھالی گئی ہے پس اگر حضور ﷺ نے فرمایا ہوتا یا قرآن کریم میں مذکور ہوتا وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین کو منسوخ کر دیا گیا ہے۔ تو اسے منسوخ سمجھنا بجا ہوتا۔

اس ارشاد کا صحیح مطلب یہ ہے کہ الذین یطیقونہ سے مراد وہ بیمار و مسافر لوگ ہیں جو چھوٹے ہوئے ہر روزے پر ایک مسکین کو کھانا کھلا سکیں۔ ان میں مالی فدیہ ادا کرنے کی سکت ہو تو وہ ایام رمضان میں تو فدیہ ادا کرتے رہے اور جب مریض شفا یاب ہو جائے اور مسافر اپنے وطن واپس آجائے یا کہیں مقیم ہو جائے تو بعد رمضان ان چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کر لے۔ پس فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین کا مطلب یہ ہے کہ رمضان میں مرض یا سفر کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے والا بعد رمضان چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کرے۔ اگر وہ فدیہ کی سکت نہ رکھتا ہو تو اس کے ذمہ بس قضا ہے۔ اور فدیہ کی سکت رکھتا ہو تو فدیہ بھی دے پھر قضا بھی کرے۔

اور یہ جو ایک اردو تفسیر میں اس کے مصنف نے لکھ دیا ہے کہ ۲ھ میں رمضان کے روزوں کا یہ حکم قرآن میں نازل ہوا مگر اس میں اتنی رعایت رکھی گئی کہ جو لوگ روزے کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتے ہوں اور پھر بھی روزہ نہ رکھیں وہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں بعد میں دوسرا حکم نازل ہوا اور یہ عام رعایت منسوخ کر دی گئی۔ اور پہلی آیت کے ختم پر لکھا ہے۔

یہاں تک وہ ابتدائی حکم ہے جو رمضان کے روزوں کے متعلق ۲ھ میں غزوہ بدر سے پہلے نازل ہوا تھا۔ اس کے بعد کی آیات اس کے ایک سال بعد نازل ہوئیں اور مناسبت مضمون کی وجہ سے اسی سلسلہ بیان میں داخل کر دی گئیں۔ تو یہ الٹ ٹپ اور غیر علمی و غیر تحقیقی بات ہے۔ روزے

کے متعلق آیات جو دوسرے پارے کے ساتویں رکوع میں ہیں سب ایک ساتھ نازل ہوئی تھیں۔
 پہلی آیت اور دوسری آیت کے درمیان نزول میں پانچ منٹ کا بھی فصل نہ تھا۔

(۹۶) ایک صحابی کی طرف منسوب قول کہ وان تبدوا ما
 فی انفسکم او تخفوه يحاسبکم به الله منسوخ ہے

بخاری نے کہا ہے:

حدثنا محمد قال ثنا النفيلي قال ثنا مسكين عن شعبة عن خالد
 الحذاء عن مروان الا صفر عن رجل من اصحاب النبي ﷺ وهو
 ابن عمر انها قد نُسِختْ ان تبدوا ما فی انفسکم او تبدوه اس کے
 بعد کہا ہے حدثنی اسحاق قال اخبرنا روح قال ثنا شعبة عن خالد
 الحذاء عن مروان الا صفر عن رجل من اصحاب النبي ﷺ قال
 احسبه ابن عمر ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوه قال قد نسختها
 الآية التي بعدها. (صحیح بخاری ص ۲۵۲ آخر تفسیر سورة البقرة)

شعبہ سے اس کی روایت روح بن عبادہ و مسکین بن بکیر خزانی نے کی ہے۔ مسکین کی
 روایت میں بغیر شک کے عبد اللہ بن عمر کا ذکر ہے یعنی یہ خود مسکین کا قول ہے اور روح کی روایت
 میں شک کے ساتھ۔ یہ شک شاید روح کی طرف سے ہے۔ شعبہ نے خالد بن مهران حذاء سے
 اس نے مروان اصر سے اس نے ایک صحابی سے جو شاید عبد اللہ بن عمر تھے روایت کی ہے کہ
 انہوں نے اللہ کے قول وان تبدوا ما فی انفسکم او تبدوه يحاسبکم به الله کے متعلق
 بتایا کہ یہ منسوخ ہے۔ بعد کی آیت میں جو لا یكلف نفسها الا وسعها آیا ہے اس نے اسے
 منسوخ کر دیا ہے۔

اس کا راوی مروان اصر بصرہ کا رہنے والا تھا ابو خلف اس کی کنیت تھی اس کے باپ کا
 نام کسی نے خاقان بتایا ہے کسی نے سالم ابو داؤد نے اسے ثقہ بتایا ہے۔ ابن حبان نے کتاب

الثقات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ تہذیب العہد یب میں اس کے متعلق بس یہ ہی لکھا ہے۔ لیکن یہ ہی روایت اس کی کم فہمی و بد حفظی پر دلالت کر رہی ہے۔

بد حفظی پر یوں کہ اس نے عن رجل من اصحاب النبی ﷺ کہا۔ اگر اس کا حافظہ اچھا ہوتا تو اسے صحابی کا نام یاد رہتا۔ جب کہ یہ بھی ممکن ہے وہ نامعلوم شخص فی الواقع صحابی نہ ہو۔ کسی وجہ سے مروان الاصفر نے اسے صحابی سمجھ لیا ہو۔ مسکین بن بکیر نے اپنی دانست میں مروان کے ذکر کردہ مجہول الاسم صحابی کو عبد اللہ بن عمر بتایا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ اس کا بے دلیل دعویٰ تھا اور روح بن عبادہ کا غالب گمان تھا کہ وہ عبد اللہ بن عمر ہیں۔ اس کے اس گمان کو بھی کوئی سہارا حاصل نہ تھا۔ اور سعید بن مرجانہ کی روایت بتا رہی ہے کہ وہ عبد اللہ بن عمر نہ تھے۔ اس کا ذکر آگے آ رہا ہے اور کم فہمی اس سے مروان اصفر کی یوں ظاہر ہو رہی ہے کہ نسخ کا وقوع احکام میں ہوتا ہے اخبار میں نہیں۔

میں کسی سے کہوں ”بازار جا اور میرے لئے فلاں چیز لے آؤ وہ جانے لگے تو کہہ دوں رہنے دے“ اس وقت بازار نہ جاتا میں نے وہ پہلا حکم منسوخ کر دیا۔ لیکن اگر میں کہوں کل میرے پاس زید آیا تھا پھر کچھ دیر بعد کہوں کل میرے پاس زید نہیں آیا۔ تو کوئی عقل مند یہ نہیں کہہ سکتا کہ دوسری بات نے پہلی بات کو نسخ کر دیا ہے بلکہ ہر شخص یہ ہی کہے گا کہ ان دو متضاد باتوں میں سے ایک سچی ہے اور ایک جھوٹی۔ یہ تو ماضی کے تعلق سے ہوا۔ اگر میں کہوں کل میں دہلی جاؤں گا۔ اور کچھ دیر کے بعد کہوں کل میں دہلی نہ جاؤں گا تو اسے بھی نسخ نہیں کہا جاسکتا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ”وان تبدوا ما فی انفسکم او نخفوه بحاسبکم بہ اللہ“ جملہ خبریہ ہے۔ امر یا نہی پر مشتمل کوئی حکم نہیں ہے لہذا اس کے منسوخ ہونے کے کوئی معنی نہیں۔ اسے منسوخ کہنا زری بے وقوفی۔ کم علمی اور کم فہمی کی بات ہے اسے ظالم مروان اصفر نے منسوب کر دیا ہے کسی صحابی کی طرف۔ اس پر احمق مسکین بن بکیر نے یہ غضب ڈھایا کہ اسے عبد اللہ بن عمر کا قول قرار دیدیا۔ اور بخاری نے یہ ستم فرمایا کہ مروان اصفر کی اس جاہلانہ روایت کو درج صحیح کر دیا۔ سعید بن مرجانہ سے زہری نے یہ روایت کی ہے میں عبد اللہ بن عمر کے پاس تھا عبد اللہ نے پڑھا وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوه بحاسبکم بہ اللہ پس فرمایا واللہ لئن

واخذنا الله بهذا لنهلكن: یعنی جو ہمارے دلوں میں چھپا ہوا ہو جس کا ہم نے اظہار نہ کیا ہو اگر اللہ اس پر بھی ہمارا مواخذہ فرمائے گا تو ہم تباہ ہو کر رہ جائیں گے۔ یہ کہہ کر زرارہ رو پڑے میں ان کے پاس سے اٹھ کر عبد اللہ بن عباس کے پاس پہنچا اور اس کا ذکر کیا تو کہا اللہ ابو عبد الرحمن (یعنی ابن عمرؓ) کی مغفرت فرمائے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تھی تو مسلمانوں کو ایسا ہی فکر و خوف لاحق ہوا تھا پس اللہ نے یہ ارشاد نازل فرمایا:

لا يكلف الله نفسا الا وسعها (فتح الباری بحوالہ طبری)

مجاہد سے بھی یہ قصہ مروی ہے کہ میں نے عبد اللہ بن عباس کے پاس جا کر ذکر کیا کہ میں عبد اللہ بن عمرؓ کے پاس تھا تو وہ وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوه يحاسبکم اللہ بہ پڑھ کر رو پڑے۔ ابن عباس نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی تھی تو اس نے صحابہ کو بہت مغموم کر دیا تھا بولے یا رسول اللہ ﷺ ہم تو تباہ ہو گئے کیونکہ ہمارے دل ہمارے ہاتھوں میں نہیں ہیں آپ نے فرمایا یہ کہو سمعنا و اطعنا صحابہ نے یہ ہی کہا ابن عباس نے کہا پس اسے اللہ تعالیٰ کے قول لا يكلف الله نفسا الا وسعها نے منسوخ کر دیا۔ اس روایت میں ابن عمرؓ کے بجائے ابن عباس کی طرف اسے منسوخ و ناسخ قرار دینے کی نسبت کر دی گئی ہے۔ حالانکہ ابن عباس ان آیتوں کے نزول کے وقت مکہ میں کمسن بچہ تھے۔ حقیقت یہ کہ نہ ابن عباس نے یہ بات کہی تھی نہ ابن عمرؓ نے نہ کسی اور صحابی نے یہ سب روایات جاہل اور اللہ سے نہ ڈرنے والے واعظین کی گھڑی ہوئی ہیں۔ ان لوگوں کو نہ اس کا پتہ تھا کہ نسخ احکام میں ہو سکتا ہے اخبار میں نہیں نہ یہ جانتے تھے کہ نسخ و منسوخ کے درمیان تعارض و تناقض ہوا کرتا ہے حالانکہ ان تبدوا ما فی انفسکم الخ اور لا يكلف الله الخ کے درمیان تناقض کا شائبہ بھی نہیں۔

(۹۷) دوران خطبہ آنے والے کو دو رکعت پڑھنے کے

متعلق حضرت جابرؓ سے مروی حدیث

شعبہ نے عمرو بن دینار سے روایت کی ہے کہ میں نے جابر بن عبد اللہ سے سنا کہ:

قال رسول الله ﷺ وهو يخطب اذا جاء احدكم والامام يخطب
او قد خرج فليصل ركعتين.

(صحيح بخاری ص ۱۵۱ کتاب التہجد باب ما جاء فی التطوع متنی متنی... حدیث ۵)

یہ آدم بن ابی ایاس نے شعبہ سے روایت کی ہے۔ یہ ہی ہاشم بن قاسم کی شعبہ سے
روایت ہے۔ مگر اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے یہ ارشاد خطبہ میں فرمایا تھا یعنی اس میں
وہو یخطب نہیں ہے (سنن دارمی ص ۱۹۲ طبع ہند)

محمد بن جعفر غندر نے بھی شعبہ سے اس کی روایت کی ہے بہ اس لفظ:

ان النبی ﷺ خطب فقال اذا جاء احدکم يوم الجمعة وقد خرج
الامام فليصل ركعتين. (صحيح مسلم ۱ ص ۲۸۷ طبع ہند)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص مسجد میں ایسے
وقت آئے کہ امام خطبہ کے لئے برآمد ہو چکا ہو یا خطبہ دے رہا ہو تو اسے چاہئے کہ دو رکعت پڑھ
لے۔ اس حدیث کی رو سے یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد فرمایا ہوا عام حکم اور قاعدہ کلیہ ہے۔

لیکن شعبہ کی روایت کی ہوئی یہ حدیث قطعاً غلط ہے۔ شعبہ کو عمرو بن دینار سے سنی ہوئی
بات یاد نہیں رہی تھی۔ کچھ کا کچھ کہہ دیا۔ اس لئے کہ سفیان بن عیینہ و حماد بن زید و ایوب سختیانی
و ابن جریج نے عمرو بن دینار سے دوسرے انداز سے اس کی روایت کی ہے۔

سفیان کی روایت یہ ہے:

عن عمرو بن دينار انه سمع جابرا قال دخل رجل يوم الجمعة
والنبي ﷺ يخطب فقال اصليت (ركعتين) قال لا قال قم فصل
ركعتين. (صحيح بخاری ص ۱۲۷ کتاب الجمعة باب ۳۲)

حماد بن زید و ایوب کی روایت بھی اسی طرح ہے (صحیح مسلم) یہ ہی ابن جریج کی روایت
کا مضمون ہے (صحیح مسلم۔ مسند احمد۔ سنن نسائی) یعنی رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن خطبہ ارشاد
فرما رہے تھے کہ ایک شخص آ کر بیٹھ گیا آپ نے اس سے پوچھا تو نے دو رکعت پڑھ لی ہیں وہ بولا
نہیں فرمایا اٹھ کر دو رکعت پڑھ لے۔ ان صاحب کا نام سلیک تھا غریب و مفلوک الحال تھے

پھٹے پرانے کپڑے جسم پر تھے آپ نے اسے دوران خطبہ مخاطب کر کے دو رکعت پڑھنے کی ہدایت فرمائی تاکہ وہ مسجد میں موجود سب نمازیوں کی نظر میں آجائے اور سب لوگ اس کی شکستہ حالی مشاہدہ کر لیں وہ دو رکعت پڑھ چکا تو آپ نے خطبہ پورا فرمایا اور لوگوں کو خاص طور سے کپڑوں کا صدقہ کرنے کی ترغیب دی حاضرین نے دل کھول کر کپڑوں کا صدقہ کیا۔ اچھا خاصا انبار جمع ہو گیا۔ آپ نے ان میں سے دو کپڑے سلیک کو عطا فرمائے۔ پس سفیان بن عیینہ و حماد بن زید و ایوب بن ابی تمیمہ و ابن جریج نے عمرو بن دینار سے اس واقعہ کی روایت کی ہے۔ عمرو بن دینار نے اسے حضرت جابرؓ سے سنا تھا۔ شعبہ کو عمرو بن دینار کا سنایا ہوا یہ قصہ تو یاد نہ رہا اور عمرو کی طرف منسوب کر کے رسول اللہ ﷺ کی حدیث حکم عام اور قاعدہ کلیہ کے طور پر نقل کر دی۔ بخاری و مسلم کو شعبہ کی یہ روایت درج صحیح نہ کرنی چاہئے تھی کیونکہ یہ کوئی شرعی حکم نہیں کہ خطبہ کے دوران میں آنے والا شخص دو رکعت پڑھا کرے۔ شعبہ کی اس غلط روایت کی بنا پر جن لوگوں نے اسے حکم شرعی قرار دیدیا ہے غلطی کی ہے۔ امام بخاری بھی ان ہی لوگوں میں سے ہیں کیونکہ اس حدیث پر امام صاحب نے یہ باب منعقد کیا ہے۔ باب اذا رأى الامام رجلا جاء وهو يخطب امره ان يصلى ركعتين۔

(۹۸) حضرت عمرؓ کی طرف منسوب حدیث

کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی ریس السنافقین کی نماز جنازہ پڑھی تھی امام بخاری نے کہا ہے:

حدثنا يحيى بن بكير ثنا الليث عن عقيل ابن شهاب (الزهرى) عن عبيد الله بن عبد الله عن ابن عباس عن عمر بن الخطاب انه قال لما مات عبد الله بن ابي ابن سلول دُعى له رسول الله ﷺ ليصلى عليه فلما قام رسول الله ﷺ وثبت اليه فقلت يا رسول الله اتصلى على ابن ابي وقد قال يوم كذا وكذا كذا وكذا اعدد عليه

قوله فتبسم رسول الله ﷺ فقال آخر عني يا عمر فلما اكثرت عليه قال اني خيّرْتُ فاخترت لو اعلم اني ان زدت على السبعين يغفر له لزدت عليها قال فصلّى عليه رسول الله ﷺ ثم انصرف فلم يمكث الا يسيرا حتى نزلت الآيتان من براءة ولا تصلّ على احد منهم مات ابدا ولا تقم على قبره انهم كفروا بالله ورسوله وماتوا وهم فاسقون. قال (عمر) فعجبت بعد والله من جرأتى على رسول الله ﷺ يومئذ والله ورسوله اعلم.

(صحيح بخارى ص ۱۸۲ كتاب الجنائز باب ما بكرة من الصلاة على المنافقين)

عبداللہ بن صالح اور حجاج بن ثنی نے بھی لیث بن سعد سے اسی اسناد اور بعینہ اسی متن کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے عبداللہ بن صالح کی روایت طحاوی نے مشکل الآثار میں (ج ۲ ص ۱۲) اور حجاج بن نساکی نے تخریج کی ہے (سنن نسائی کتاب الجنائز الصلاة على المنافقين) اور محمد بن اسحاق نے بھی زہری سے اسے اسناد کے ساتھ اسی طرح (مسند ص ۱۶)

ابن شہاب زہری نے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے اس نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ جب ابی اور سلول کا بیٹا مر گیا (ابی اس کا باپ تھا اور سلول ماں تھی) تو رسول اللہ ﷺ کو اس کی نماز جنازہ کے لئے بلایا گیا پس جب رسول اللہ ﷺ اس کی نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو میں نے جھپٹ کر عرض کیا آپ ابی کے بیٹے کی نماز جنازہ پڑھیں گے حالانکہ اس نے فلاں فلاں دن ایسا اور ایسا کہا تھا (آپ کا اور مسلمانوں کا بدترین دشمن اور سخت مخالف تھا) میں اس کی بے ہودگیاں گن گن کر بتانے لگا فرمایا اے عمر مجھ سے ہٹ کر پیچھے صف میں چلے جاؤ پس جب میں نے آپ سے اس کے متعلق اور زیادہ کہا تو فرمایا کہ مجھے اللہ کی طرف سے اختیار دیا گیا ہے کہ اے نبی استغفر لہم اولا تستغفر لہم منافقین کے حق میں دعائے مغفرت کر یا نہ کر۔ تو میں نے اس شخص کے لئے دعائے مغفرت کرنے کو اختیار کر لیا۔ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ ستر بار سے زائد میں اس کے لئے دعائے مغفرت کروں تو اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ تو میں ستر بار سے زائد اس کے لئے دعا کروں گا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز پڑھی پھر

واپس ہو گئے تو کچھ ہی بعد میں سورہ برآہ کی یہ دو آیتیں نازل ہوئیں۔ (اے نبی کسی بھی منافق پر جو مر گیا ہے ہرگز نماز نہ پڑھنا نہ اس کی قبر پر (دعا کے لئے) کھڑا ہونا۔ بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اس حالت میں مر گئے کہ وہ اللہ کی طاعت کے دائرے سے باہر ہیں یعنی توبہ کئے بغیر دنیا سے چلے گئے۔ یہ بیان کر کے حضرت عمرؓ نے کہا کہ بعد میں مجھے اپنے اوپر بڑا تعجب ہوا کہ اس دن میں نے رسول اللہ ﷺ سے کیسے اس دلیری کے ساتھ بات کر لی حالانکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ علم ہے۔ یعنی میں عبد اللہ بن ابی کی جو برائیاں گن گن کر ذکر کر رہا تھا اللہ و رسول تو انہیں مجھ سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

یہ حدیث عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ کی گھڑی ہوئی اور زہری کی نمک مرچ لگائی ہوئی کہانی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں سے یہ بھی ایک زبردست معجزہ ہے کہ ہر گھڑی ہوئی اور جھوٹی حدیث اپنے اندر سے خود بول دیتی ہے کہ میں جھوٹی ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی غافل شخص یا گروہ اس کی آواز نہ سنے بے شک لفظ اوکلام عرب میں متعدد معانی کے لئے آتا ہے ان میں سے ایک معنی تخیر ہے ایک معنی تسویہ ہے ایک معنی تقسیم ہے ایک معنی تردید ہے۔ قرینہ ان معانی میں سے جس معنی کو طے کر دے وہی معنی مراد ہوتا ہے۔ تخیر کا مطلب ہے دو یا دو سے زائد کاموں میں اختیار دینا کہ خواہ یہ کام کر لو خواہ یہ کام کر لو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ مثلاً کفارہ قسم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”اطعام عشرة مساکین من اوسط ما تطعمون اہلبکم او کسوتہم او تحریر رقبۃ“ دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا کھانا دینا یا انہیں لباس دیدینا یا ایک غلام آزاد کرنا۔ ان تینوں میں سے کوئی بھی کام کر لینے کا بندے کو اختیار حاصل ہے۔ اور تسویہ کا مطلب ہے دو یا دو سے زائد چیز کو برابری کا درجہ دینا جیسے ”ادعوا اللہ او اعدوا الرحمن“ اپنے رب کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر پکارو۔ دونوں برابر ہیں۔ اب دیکھئے اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق سرفربوک میں آپ سے فرمایا تھا۔ استغفر لہم اولا تستغفر لہم ان تستغفر لہم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لہم ذلک بانہم کفروا باللہ ورسولہ و

اللہ لا یہدی القوم الفاسقین ان کے لئے دعائے مغفرت کر یا مت کرا اگر تو ستر بار بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کرے تو اللہ ہرگز ان کی مغفرت نہ فرمائے گا۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا (وہ ایمان سے محروم اور مبتلائے کفر ہیں) اور اللہ ان لوگوں کو مغفرت اور عذاب آخرت سے نجات کی راہ نہیں دکھاتا جو دائرۂ طاعت و ایمان سے باہر ہیں۔

معمولی عقل کا آدمی بھی اس ارشاد کو سن کر یہ نہیں سمجھ سکتا کہ لفظ او اس میں تخییر کے لئے ہے اور اللہ نے اپنے رسول کو ان کے حق میں استغفار کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا تھا۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کے متعلق خیرت فاخترت فرمایا ہو۔ اور لفظ او کو تخییر کے معنی میں سمجھا ہو۔ معاذ اللہ جس بزرگ مرتبہ و برگزیدہ ہستی پر قرآن نازل ہوا ہو کیا وہ معنی کلام سے ایسی نا آشنا ہو سکتی ہے۔ واللہ العظیم نہ حضرت عمرؓ نے اس جھوٹی بات کی روایت کی نہ عبداللہ بن عباس نے۔ کاش بخاری وغیرہ نے کچھ سوجھ بوجھ سے کام لیا ہوتا اور اس باطل کو اس کو اس کے راوی کے منہ پر دے مارا ہوتا۔

اور سبعین مرۃ کا لفظ جو اس آیت میں آیا ہے یقیناً اس سے مراد گنتی میں آنے والا ستر کا عدد نہیں ہے یعنی میں کم سو۔ بلکہ مراد محض تکثیر ہے مطلب یہ ہے کہ ان کے حق میں مغفرت کی کتنی ہی دعائیں کی جائیں قطعاً غیر مقبول اور بے سود ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے فہم میں یہ بات نہ آئی ہو اور آپ نے اسے واقعی عدد کے معنی میں گمان کیا ہو؟

پھر تمام اہل علم اس پر متفق ہیں کہ عبداللہ بن ابی اس وقت مرا ہے جب رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں سمیت بخیر و عافیت تبوک سے مدینہ واپس آچکے تھے۔ وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر آپ کے ساتھ ہی بظاہر سفر تبوک کے لئے نکلا تھا۔ مدینہ سے نکل کر آپ نے قریب ہی پڑاؤ کیا تھا تا کہ باہر سے آنے والے جو مجاہدین ہنوز نہ آئے تھے آکر آپ سے آملیں۔ عبداللہ بن ابی بھی اپنے ساتھیوں سمیت آپ کی منزل سے ورے فروکش ہوا اور صبح کو یہ کہہ کر اپنے ساتھیوں سمیت جو غالباً اتنی نفر تھے۔ مدینہ واپس ہو گیا کہ ہم جانتے ہیں کہ محمد اور ان کے اصحاب میں سے کوئی زندہ واپس نہ آئے گا انہیں رومیوں کی تلواروں کا لقمہ بننا اور ان کے قید خانوں میں سزنا ہے۔ مقصد اس کا عام مسلمانوں میں خوف و ہراس پھیلانا اور بزدلی پر اکسانا اور سفر جہاد سے باز

رکھنا تھا۔ اس سفر جہاد کے دوران ہی سورہ براءہ کا ساتواں، آٹھواں، نواں، دسواں، گیارواں اور بارہواں رکوع نازل ہوا تھا۔ آیت استغفر لہم او لا تستغفر لہم دسویں رکوع میں ہے اور آیت ولا تصل علی احد منہم مات ولا تقم علی قبر گیارہویں رکوع میں ہے۔ دونوں آیتیں دوران سفر ہی اتری تھیں پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ اللہ کے حکم کے برخلاف آپ رئیس المنافقین کی نماز جنازہ پڑھیں۔

زہری اور اس کے شیخ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے کبھی سورہ توبہ سمجھ کر نہ پڑھی ہوگی تبھی تو اس روایت میں ذکر کر دیا ہے کہ آیت ولا تصل علی احد منہم مات ابدأ ولا تقم علی قبرہ۔ عبد اللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھ لینے کے بعد نازل ہوئی تھی۔ رہے زہری سے لے کر بخاری وغیرہ تک اسے روایت کرنے والے محدثین تو ان غریبوں کو پس شیخ سے سنی ہوئی سندیں اور حدیثیں یاد کر لینے لکھ لینے اور پھر روایت کرنے کے مشغلہ نے اتنی فرصت ہی نہ دی تھی کہ قرآن کو سمجھ بوجھ کر پڑھتے اور اپنی حاصل کی ہوئی حدیثوں کے صحیح معنی و مطلب سے واقف ہونے کی کوشش کرتے۔ کیا یہ غضب کی بات نہیں کہ تمام حفاظ قرآن جانتے ہیں اور امام مصاحف میں لکھا اور چھپا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ”ولا تصل علی احد منہم مات ابدأ ولا تقم علی قبرہ انہم کفروا باللہ ورسولہ وماتوا وہم فاسقون“ ایک آیت ہے مگر ناظرین دیکھ رہے ہیں کہ اس حدیث میں اس کے متعلق مذکور ہے ”فنزلت ہاتان الآیتان“ ان راویوں نے ایک آیت کو دو آیت قرار دیدیا ہے۔ غرضیکہ یہ بالکل غلط حدیث درج صحیح ہونے کے لائق نہ تھی۔

(۹۹) حضرت جابر کا اپنے والد شہید عبد اللہ رضی اللہ عنہ

کی لاش کو قبر سے نکال کر دوسری جگہ دفن کرنے کا قصہ بروایت بخاری

امام بخاری نے کہا کہ ہم سے مسدد نے بیان کیا ان سے بشر بن مفضل نے بیان کیا کہ ان سے حسین بن ذکوان معلم نے بیان کیا عطاء بن ابی رباح سے روایت کر کے، اس نے

حضرت جابر سے کہ حضرت جابر نے ذکر کیا کہ جنگ احد کے موقع پر میرے والد عبداللہ نے رات کو مجھے بلا کر کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ صبح کو جنگ میں سب سے پہلا شہید میں ہوں گا۔ رسول اللہ ﷺ کو متشکی کرنے کے بعد تو دنیا میں مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے جسے میں چھوڑوں گا۔ مجھ پر قرضہ ہے اسے ادا کرنا۔ اور میری اس وصیت کو قبول کر کہ اپنی بہنوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ واقعی ایسا ہی ہوا میرے والد ہی مسلمانوں میں سب سے پہلے مقتول تھے و دفنت معہ آخر فی قبرہ ثم لم تطب نفسی ان اترکہ مع اخر فاستخرجتہ بعد ستة اشهر فاذا هو کیوم وضعته غیر ہیۃ فی اذنه (صحیح بخاری ص ۱۸۰) کتاب الجنائز باب هل ینخرج المیت من القبر واللحد لعلہ جابر نے کہا ”اور میں نے اپنے والد کے ساتھ ان کی قبر میں ایک اور شخص کو بھی دفن کر دیا تھا پھر میرے دل نے گوارا نہ کیا کہ والد مرحوم قبر میں کسی کے ساتھ رہیں اس لئے میں نے چھ ماہ بعد ان کی لاش قبر سے نکالی تو ایسی ہی تروتازہ نکلی جیسی بوقت دفن تھی بس اُن کے کان میں تو ذرا سا نشان تھا۔ یعنی زمین سے متصل ہونے کی وجہ سے اس حدیث میں مذکور ہے کہ جابر کو اپنے والد کا دوسرے شہید کے ساتھ ایک قبر میں رہنا گوارا نہ ہوا؟

کیوں گوارا نہ ہوا۔ شروع میں ہی جابر نے ایسا کیوں کیا تھا کیونکہ اس میں جابر کا قول مذکور ہے ”و دفنت معہ اخر فی قبرہ۔ پھر یہ دوسرا شخص کوئی غیر نہ تھا عمرو بن جموح انصاری رضی اللہ عنہ تھے حضرت جابر کے ماموں بھی اور پھوپھا بھی جابر کے والد عبداللہ بن عمرو بن حرام اور عمرو بن جموح میں قرابت قریبہ کے علاوہ باہم نہایت گہری دوستی تھی۔ جابر کی والدہ عمرو بن جموح بن زید بن حرام کی بہن تھی اور جابر کی پھوپھی ہند عمرو بن جموح کی بیوی تھی۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے جنگ احد ختم ہو جانے کے بعد دیکھا کہ ہند بنت عمرو میدان جنگ سے اپنے شوہر عمرو بن جموح اور اپنے بھائی عبداللہ بن عمرو بن حرام کی لاشیں اونٹ پر لاد کر مدینہ لے چلیں تاکہ انہیں مدینہ کے قبرستان میں دفن کریں کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے منادی نے آگاہ کیا کہ مقتولین کو وہیں واپس لے جایا جائے جہاں وہ قتل ہوئے ہیں اور مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عبداللہ بن عمرو اور عمرو بن جموح کو ایک قبر میں دفن کرو فانہما کانا متصادقین فی الدنیا کیونکہ وہ دونوں دنیا میں باہم دوست تھے۔ پھر یہ کیسے صحیح ہو سکتا

ہے کہ حضرت جابر کو گوارا نہ ہوا ہو کہ ان کے شہید والد دوسرے شہید کے ساتھ ایک قبر میں رہیں اور جب خود رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن عمرو اور عمرو بن الجموح کو ایک قبر میں دفن کرنے کا ارشاد فرمایا تھا تو آپ سے اجازت لیے بغیر حضرت جابر اپنے والد کو چھ ماہ بعد نکال کر دوسری جگہ دفن کرنے کی جرات کئے کر سکتے تھے۔ یہ غلط حدیث حضرت جابر کی بیان کی ہوئی نہیں ہے۔ نہ عطاء بن ابی رباح نے حضرت جابر سے اس کی روایت کی تھی۔ اس لیے کہ معاذ بن ثنی نے بھی مسدود سے اس کی روایت کی ہے اور اسناد یہ بیان کی ہے "عن مسدد عن بشر بن المفضل عن سعید بن یزید عن ابی نصرۃ عن جابر (فتح الباری بحوالہ مستدرک) ابونضرہ کا نام منذر بن مالک بن قطعہ ہے۔ ضعیف و منکر الحدیث راوی تھا۔ ابونعیم نے ابوالاشعث کے طریق سے اس کی روایت کی ہے۔ عن بشر بن المفضل عن ابی سعید بن یزید عن ابی نصرۃ عن جابر (فتح الباری)

یعنی ابوالاشعث نے معاذ بن ثنی کی متابعت کی ہے۔ ابوداؤد نے ہوا۔ طہ سلیمان بن حرب حماد بن زید سے روایت کی ہے عن سعید بن یزید ابی سلمۃ عن ابی نصرۃ عن جابر قال دفن مع ابی رجل فکان فی نفسی من دلك حاجة فاخرجته بعد ستة اشهر ما انكرت منه شيئا الا شعرات كن فی نحيبته مما يلي الارض سنن ابی داؤد كتاب الجنائز باب فی تعويل الميت عن مرضعه لامر يحدث.

یعنی حماد بن زید نے اسناد میں ابوالاشعث کی موافقت کی ہے۔ ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ بخاری نے جو اس کی اسناد میں مسدد عن بشر بن المفضل عن حسین المعلم عن عطاء کہا ہے تو یہ وہم پر مبنی ہے۔ مسدد نے تو اس کی اسناد یہ بیان کی تھی عن بشر بن المفضل عن سعید بن یزید عن ابی نصرۃ ابوالاشعث اور حماد بن زید کی روایت سے بھی یہ ثابت ہے کہ سعید بن یزید نے ابونضرہ سے اس کی روایت کی تھی۔ پس اس کا راوی عطاء نہیں بلکہ ابونضرہ ہے۔

امام بخاری نے عطاء سے اس کی روایت کو ثابت کرنے کے لئے سعید بن عامر کے

طریق سے یہ روایت ثبت فرمائی ہے۔

حدثنا علی بن عبداللہ قال ثنا سعید بن عامر عن شعبة عن ابن
ابی نجیح عن عطاء عن جابر قال ذفن مع ابی رجل فلم تطب نفسی
حتی اخرجته فجعلته فی قبر علی حدة۔ (صحیح بخاری ص ۱۸۰ کتاب الجناز)

نسائی نے بھی بواسطہ عباس بن عبدالعظیم عنری سعید بن عامر سے اسی اسناد کے ساتھ اس
کی روایت کی ہے۔ (سنن نسائی کتاب الجنائز باب اخراج میت من القبر (بعد ان یدفن فیہ)

ابن ابی نجیح کا نام عبداللہ تھا اُحْنَس بن شریق کا آزاد کیا ہوا غلام تھا۔ روایت حدیث میں
ثقة سمجھا گیا ہے مگر تدلیس کے مرض میں مبتلا تھا یعنی کسی ضعیف شخص نے کسی ثقة شخص سے کوئی
روایت کی ہوتی اس ضعیف شخص سے وہ ابن ابی نجیح کو پہنچتی تو اسے روایت کرتے ہوئے اسناد میں
اس ضعیف کا ذکر گول کر جاتا مبادا جاننے والے لوگ اسے قبول نہ کریں۔ اور لفظ عن لا کر ثقة شخص کا
ذکر کر دیتا۔ تاکہ سننے والے اسے ثقة سے مروی حدیث قرار دیکر قبول کر لیں۔ اس طرح تدلیس
کرنے والا راوی لوگوں کو دھوکے میں ڈال کر ضعیف روایات پھیلانے کی کوشش کرتا تھا۔

بخاری کی ذکر کی ہوئی اس روایت میں ابن ابی نجیح مدلس نے عن عطاء کہا تھا۔ اس لیے یہ
یقین نہیں کیا جاسکتا کہ ابن نجیح نے عطاء سے یہ حدیث سنی ہو۔ اغلب یہ ہی ہے کہ کسی ضعیف اور
غیر ثقة سے سن کر اسے عطاء کی طرف منسوب کر دیا ہو۔ کیونکہ یہ بات فی نفسہ غلط اور نامعتول ہے
کہ حضرت جابر نے اپنے والد کی لاش محض اس وجہ سے قبر سے نکالی ہو کہ اپنے والد کا قبر میں کسی
اور میت کے ساتھ ہونا انہیں بھاتا نہ تھا۔ صحیح بات وہ ہے جو یحییٰ عنری نے حضرت جابر سے روایت
کی ہے کہ میرے والد نے مجھے جنگ احد میں شریک ہونے کی اجازت نہ دی تھی اور کہہ دیا تھا کہ
بس دور سے دیکھنے پر اکتفا کرنا۔ جنگ ختم ہو گئی اور میں ابھی وہیں تھا جہاں دور سے دیکھنے والے
کھڑے تھے کیا دیکھتا ہوں کہ میری پھوپھی میرے والد اور ماموں عمرو بن جموح کی لاشیں اونٹ
پر پورے میں ادھر ادھر ڈالے ہوئے لارہی ہے تاکہ ہمارے قبرستان میں وہ دفن کیے جائیں تب
ہی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بھیجے ہوئے منادی نے اعلان کیا کہ مقتولوں کو واپس ان کی قتل گاہ

میں لے جایا جائے۔ حسب حکم ہم نے دونوں کو ان کی قتل گاہ میں گنڈھا کھود کر دفن کر دیا۔ پس حضرت معاویہ کی خلافت کے زمانہ میں اچانک مجھے ایک شخص نے آ کر بتایا کہ معاویہ نے جو زیر زمین نہر جاری کی ہے اس کے پانی نے تمہارے والد کی قبر کا کچھ حصہ کھول دیا ہے اس کی وجہ سے ان کا جسم نمایاں ہو رہا ہے۔ میں نے جا کر انہیں نکالا تو ایسا ہی پایا جیسے وہ بوقت دفن تھے (مسند ۳ ص ۳۹۷) اسی کی تائید امام مالک کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ عمرو بن جموح اور عبداللہ بن عمرو انصاری سلمیٰ دونوں غزوہ احد میں شہید ہوئے اور ایک ہی قبر میں دفن کیے گئے۔ ۴۶ سال بعد پانی کے ریلے نے ان کی قبر کچھ کھول دی تو قبر کا بقیہ حصہ بھی ہٹا کر انہیں نکالا گیا تاکہ دوسری جگہ دفن کیے جائیں تو دونوں شہیدوں کے جسم جوں کے توں نکلے۔ ان میں سے ایک نے بوقت شہادت اپنے زخم پر اپنا ہاتھ رکھ لیا تھا۔ اسی حالت میں وہ دفن کیے گئے تھے۔ اب ان کا ہاتھ زخم سے ہٹا کر سیدھا کیا گیا تو وہ واپس حسب سابق زخم پر ہی پہنچ گیا۔

(موطأ ص ۷۷ طبع ہند آفر کتاب الجہاد)

الحاصل امام بخاری نے عطاء بن ابی رباح سے مروی جو حدیث اس کے متعلق درج صحیح فرمائی ہے وہ صحیح نہیں ہے راویوں نے عطاء کا ذکر غلط کر دیا تھا دراصل وہ ابو نضرہ کی روایت ہے اور فی نفسہ غلط ہے۔

(۱۰۰) قربانی کے متعلق

عبداللہ بن عوف کی روایت کی ہوئی غلط حدیث

عبداللہ بن عوف بن اربطبان بصری نے عامر بن شراحیل شعبی سے روایت کی ہے قال قال البراء بن عازب وکان عندهم ضیف فامر اہله ان یذبحوا قبل ان یرجع لیاکل ضیفهم فذبحوا قبل الصلاة فذکروا ذلک للنبی ﷺ فامرہ ان یعید الذبح فقال یا رسول اللہ عندی عناق جذع عناق لبن ہی خیر من شاتی لحم۔ یہ حدیث بیان کر کے ابن عوف کہتے تھے لا ادری ابلغت الرخصة غیرہ ام لا (صحیح بخاری ص ۳۰۹)

بقول عبداللہ بن عون شعبی نے ذکر کیا کہ براء بن عازبؓ نے بیان کیا کہ عید الاضحیٰ کے دن ان کے یہاں کوئی مہمان تھا تو نماز عید کے لیے نکلے وقت براء نے اپنے گھروالوں سے کہا کہ قربانی ذبح کر کے اس کا گوشت پکا لو تا کہ واپس آتے ہی مہمان کو کھانا مل جائے۔ گھروالوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا کہ ہم نے نماز سے پہلے ہی قربانی کر لی تھی۔ آپ نے براء کو حکم دیا کہ وہ قربانی نہیں ہوئی۔ دوبارہ قربانی کرو، براء نے عرض کیا میرے پاس ایک بڑی فرہہ پٹھیا ہے ایک سال سے کم عمر کی۔ وہ دو پوری بکریوں سے بھی بہتر ہے۔ یعنی کیا اس کی قربانی کر دوں۔ آپ نے اجازت دیدی۔

ابن عون کہتے تھے کہ میں نہیں جانتا کہ یہ رخصت عام ہے یا بس خاص براء بن عازب کے لیے ہی تھی۔

اس حدیث کا باب اذا حنت ناسیا فی الایمان سے کوئی تعلق نہیں پھر یہ حدیث بھی قطعاً غلط ہے۔ شعبی سے یہ حدیث زبید الیای منصور بن معتمر فراس بن تکسی مطرف عاصم احول اور داؤد بن ابی ہند نے روایت کی ہے جو صحیحین اور تمام کتب حدیث میں متعدد طرق کے ساتھ مذکور ہے ان سب کی روایات میں صراحۃً بیان ہوا ہے کہ براء بن عازب نے یہ قصہ اپنے ماموں ابو بردہ بن نیار کا بتایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز عید کے خطبہ میں جب ارشاد فرمایا کہ قربانی نماز کے بعد ہونی چاہئے۔ اگر کسی نے نماز عید سے پہلے قربانی کر لی ہو تو اس کی قربانی نہیں ہوئی اسے اب جا کر دوبارہ قربانی کرنی چاہئے۔ یہ سن کر ابو بردہ بن نیار نے اٹھ کر عرض کیا تھا یا رسول اللہ یہ غلطی مجھ سے ہوئی۔ میں نے سوچا تھا کہ گھروالوں اور پڑوسیوں کو جلد گوشت مل جائے۔ اب میرے پاس ایک بڑی فرہہ پٹھیا ہے۔ فرمایا جاؤ اسی کو قربان کر دو مگر یہ صرف تمہارے لیے ہے تمہارے سوا اور کسی کو قربانی میں ایک سال سے کم کی پٹھیا ذبح کرنا جائز نہ ہوگا۔

عبداللہ بن عون کو شعبی سے سنی ہوئی حدیث قطعاً یاد نہ رہی۔ کچھ کا کچھ ذکر کر دیا۔ امام بخاری بھی ابن عون کی اس روایت کے قطعاً غلط ہونے سے ضرور آگاہ ہوں گے تو پھر اس غلط حدیث کو درج صحیح کرنے کی کیا حاجت تھی؟

(۱۰۱) ایام معلومات اور ایام معدودات کے متعلق غلط قول

امام بخاری نے کتاب العیدین باب فضل العمل فی ایام التشریق میں کہا ہے وقال ابن عباس واذکروا اسم الله فی ایام معلومات ایام العشر والایام المعدودات ایام التشریق۔

(صحیح بخاری ص ۱۳۲)

”واذکروا اسم الله فی ایام معلومات“ غلط ہے قرآن کریم میں کہیں نہیں ہے۔ ہاں سورۃ الحج میں ہے: ”لشہدوا منافع لہم ویذکروا اسم الله فی ایام معلومات علی ما رزقہم من بہیمۃ الانعام (سورۃ الحج ع ۴) اور سورۃ البقرہ میں ہے: واذکروا الله فی ایام معدودات فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ ومن تاخر فلا اثم علیہ لمن اتقہ۔ (پارہ دوم ع ۹)

سورۃ الحج میں علی ما رزقہم من بہیمۃ الانعام قطعی طور پر بتایا ہے کہ ایام معلومات (جانے ہوئے چند دن) سے مراد قربانی کے ایام ہیں۔ یعنی ذی الحجہ کی دسویں، گیارہویں، بارہویں تیرہویں تاریخیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے حج کے موقع پر قربانی کے یہ ہی دن چلے آ رہے تھے اس لیے تمام اہل عرب کے جانے ہوئے تھے اور سورۃ البقرہ میں جو ایام معدودات آیا ہے (گنے ہوئے چند دن) تو اس سے طواف زیارت سے فارغ ہونے کے بعد منی میں قیام کرنے کے دن مراد ہیں یعنی گیارہویں بارہویں اور تیرہویں تاریخ اور بخاری نے جو ابن عباس کا قول نقل کیا ہے ایام معلومات ایام العشر ہیں (کیم ذی الحجہ سے دسویں ذی الحجہ تک) اور ایام معدودات ایام تشریق ہیں۔ یعنی ۹ ذی الحجہ سے ۱۳ ذی الحجہ تک۔ تو یہ عمرو بن دینار کی ابن عباس سے روایت ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ابن عباس کی طرف اس کی نسبت غلط ہے۔ کیونکہ ایام معلومات سے مراد ایام عشر سمجھنا آیت کی رو سے باطل ہے۔ پھر ابن عباس صراحتاً آیت کے خلاف کیوں کہتے؟

ابن ابی میتب نے اپنی سند کے ساتھ ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے الا ایام

المعلومات يوم النحر وثلاثة ايام بعده اس کی تخریج طحاوی نے کی ہے۔ یہ ہی صحیح ہے۔

(۱۰۲) حضرت ابن عمر کے قبر پر بیٹھنے کی روایت

امام بخاری نے کتاب الجنائز باب الجريد على القبر میں تعلقاً کہا ہے:

”وقال نافع كان ابن عمر يجلس على القبور۔ (صحیح بخاری ص ۱۸۲)

قبر پر بیٹھنا بڑی سنگدلی کی بات ہے۔ نافع سے اس کی روایت بکیر بن عبد اللہ بن اشج نے کی ہے (فتح الباری) میں کہتا ہوں کہ کسی راوی نے اسے لکھتے ہوئے لفظ لا چھوڑ دیا ہے۔ نافع نے کہا تھا کان ابن عمر لا يجلس على القبور۔ لا کو ساقط ہونے کی وجہ فعل منفی مثبت بن گیا۔ مگر بخاری کو اسے نقل کرتے ہوئے عقل سے بھی کام لینا چاہیے تھا۔ ابو بکر بن ابی شیبہ نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عمر کا یہ قول نقل کیا ہے لان اطاء على رصف احب الى من ان اطاء على قبر یعنی دہکتے ہوئے انگاروں پر پاؤں رکھنا مجھے کسی قبر پر پاؤں رکھنے سے زیادہ پسند ہے۔ اللہ کا جو متقی بندہ یہ فرمائے کیسے ممکن ہے کہ وہ قبر پر بیٹھنا گوارا کر لے۔

(۱۰۳) حضرت ابن عباس کی حدیث کہ ایک شخص

دوسرے شخص کو تمے یا رستی سے کھینچتے ہوئے طواف کر رہا تھا

امام بخاری نے ایک ہی اسناد کے ساتھ یہ حدیث دو جگہ درج صحیح فرمائی ہے

(۱) حدثنا ابراهيم بن موسى ثنا هشام ان ابن جريح اخبرهم قال

اخبرني سليمان الاحول ان طاؤسا اخبره عن ابن عباس ان النبي ﷺ

مر وهو يطوف بالكعبة بانسان ربط يده الى انسان بسير او بنخيط او

بشني غير ذلك فقطعه النبي ﷺ بيده ثم قال قد بيده۔

(صحیح بخاری ص ۲۱۹ کتاب المناسک باب الکلام فی الطواف)

ہم سے ابراہیم بن موسیٰ نے بیان کیا کہ ہم سے ہشام بن یوسف صنعانی نے بیان کیا کہ ابن جریج نے اپنے شاگردوں کو (جن میں ہشام بن یوسف بھی تھے) بتایا کہ مجھے سلیمان احوال نے بتایا کہ طاؤس یمانی نے اسے بتایا تھا ابن عباس سے روایت کر کے کہ نبی ﷺ خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے ایک شخص پر گزرے جس کا ہاتھ تھے یا تاگوں کی ڈور یا کسی اور چیز کے ساتھ دوسرے شخص سے بندھا ہوا تھا (وہ آگے اور یہ بندھا ہوا اس کے پیچھے طواف کر رہے تھے) تو نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اس تھے کو یا جو بھی چیز تھی کاٹ دیا پھر فرمایا اسے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر طواف کراؤ۔

(۲) پھر بعینہ اسی اسناد کے ساتھ بخاری نے یہ روایت کی ہے:

ان النبی ﷺ مرّ وهو يطوف بالكعبة بانسان يقود انسانا بخزامة في انفه فقطعها النبی ﷺ بيده ثم امره ان يقود بيده.

(صحیح بخاری کتاب الایمان والنور باب النذر فی مالا یملک وفي معصية حدیث ۴)

اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ پیچھے شخص کی ناک میں جانور کی طرح ٹکیل پڑی ہوئی تھی۔ اسے اگلے شخص نے اپنے ہاتھ میں تھام رکھا تھا اور طواف میں اسے کشاں کشاں لے چل رہا تھا جیسے ٹکیل پڑے ہوئے جانور کو اس کی ٹکیل پکڑ کر چلایا جاتا ہے۔ جب کہ پہلی روایت میں یہ مذکور ہے کہ پیچھے شخص کا ہاتھ تھے وغیرہ کے ساتھ اگلے شخص سے بندھا ہوا تھا۔

قصہ ایک۔ راوی صحابی ایک۔ شروع سے آخر تک سند ایک۔ پھر دونوں روایتوں میں یہ شدید اختلاف کیوں ہے ظاہر ہے پہلی روایت کا متن صحیح ہے تو دوسری روایت کا متن غلط ہے اور دوسری روایت کا متن صحیح ہے تو پہلی روایت کا متن غلط ہے۔

اب یہ دیکھیے کہ ہشام بن یوسف کے علاوہ اور کس کس محدث نے ابن جریج سے اس کی روایت کی ہے۔ یہ محدثین ابو عاصم نبیل و خالد بن عبداللہ و عبدالرزاق و حجاج بن محمد ہیں۔

بخاری نے کہا ہے:

حدثنا ابو عاصم عن ابن جریج عن سلیمان الاحول عن طاؤس عن ابن عباس ان النبی ﷺ رای رجلا يطوف بالكعبة بزمام او غیره

فقطعه۔ (صحیح بخاری ص ۲۲۰ کتاب المناسک ص ۹۹ کتاب الایمان والندور)

نسائی نے کہا ہے:

اخبرنا محمد بن عبد الاعلی ثنا خالد ثنا ابن جریح ثنی سلیمان
الاحول عن طاؤس عن ابن عباس قال مر رسول اللہ ﷺ برجل یقوده
رجل بشنی ذکرہ فی نذر فتاولہ النبی فقطعہ فقال انه نذر؟

(سنن النسائی کتاب المناسک۔ الکلام فی الطواف)

یعنی جب رسول اللہ نے اس سے پوچھا کہ تو اسے اپنے ساتھ باندھ کر کیوں طواف کر رہا
ہے تو اس نے کہا کہ اس نے یہ ہی نذر کی تھی۔ اس کی وجہ سے میں ایسا کر رہا ہوں تو آپ نے اس
کی رسی یا تسمہ کاٹ کر بطور انکار فرمایا۔ کیا یہ نذر ہے۔ یعنی نذر تو کسی عبادتی امر میں ہوتی ہے کسی
کے ساتھ بندھ کر چلنا تو کوئی عبادت نہیں ہے۔

امام احمد نے کہا ہے:

حدثنا عبدالرزاق اخبرنا ابن جریح قال اخبرنی سلیمان الاحول
ان طاؤسا اخبرہ عن ابن عباس ان النبی ﷺ مر وهو یطوف با
لكعبة بانسان ربط یدہ الی انسان اخر بسیر او بخیط او بشنی غیر
ذلک فقطعہ النبی بیدہ ثم قال قدہ بیدہ۔ (مسند ۱ ص ۳۶۴)

اس سے واضح ہوا کہ ابو عاصم و خالد و عبدالرزاق کی روایت هشام بن یوسف کی اس
روایت کی ہم معنی ہے جس کی تخریج بخاری نے کتاب المناسک میں کی ہے۔ بس ان چاروں کی
روایت ہم مضمون وہم معنی ہے۔

اور نسائی نے کہا ہے:

اخبرنا یوسف بن سعید قال ثنا حجاج عن ابن جریح قال اخبرنی
سلیمان الاحول ان طاؤسا اخبرہ عن ابن عباس ان النبی ﷺ مر
وهو یطوف بالكعبة بانسان یقود انسانا بخزامة فی انفہ فقطعہ النبی
ﷺ بیدہ ثم امرہ ان یقوده بیدہ۔

(سنن النسائی کتاب المناسک (الکلام فی الطواف)

ظاہر ہے کہ نسائی کی تخریج کی ہوئی حجاج کی یہ حدیث بعینہ وہی ہے جس کی بخاری نے کتاب الایمان والنذور میں هشام بن یوسف کے طریق سے روایت کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ بخاری نے اس کی اسناد میں وہم میں پڑ کر حجاج کی جگہ هشام کا ذکر کر دیا تھا۔ ان روایات کے ملاحظہ سے معلوم ہوا کہ ابن جریج نے اس حدیث کا جو مضمون روایت کیا تھا وہ ہے جو هشام بن یوسف، ابو عاصم نبل، خالد بن عبد اللہ اور عبد الرزاق نے بیان کیا ہے اور حجاج نے ابن جریج سے جو مضمون روایت کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ امام بخاری نے غلطی سے حجاج کی غلط روایت هشام بن یوسف کی طرف منسوب کر دی تھی۔

اور ایک بات جس کی طرف میں ناظرین کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ ابن جریج نے اپنے پانچوں شاگردوں سے یہ حدیث ذکر کرتے ہوئے اخبرنی سلیمان الاحول کہا تھا۔ احول کے معنی ہیں بھینکا ظاہر ہے کہ یہ ایک مذمت کا وصف ہے یہ سلیمان بن ابی مسلم کی ہے۔ ثقہ راوی ہے اور ابن ابی نجیح کا ماموں تھا۔ ابن جریج یعنی عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج کے شیوخ و اساتذہ میں سے ہے۔ ابن جریج شیعہ خیالی کا کثیر الحدیث محدث اور متعہ کے جواز کا قائل تھا۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ ابن جریج نے اپنی زندگی میں ستر عورتوں سے متعہ کیا تھا۔ (تہذیب التہذیب) متقی اہل علم پر لازم تھا کہ اس کی روایات سے اجتناب کرتے۔ اپنے استاد کو وصفِ احول کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے اسے کبھی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد یاد نہ آیا ”ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقباب۔ سلیمان الاحول کہنے کی بجائے سلیمان بن ابی مسلم کہتا تو اس کا کیا بگڑ جاتا۔

(۱۰۴) شریک کی روایت کی ہوئی حدیث معراج

شریک بن عبد اللہ بن ابی نمر نے کہا:

سمعت انس بن مالک یقول عن لیلۃ أُسری برسول اللہ ﷺ انه جاءه ثلاثۃ نفر قبل ان یوحی الیہ وهو نائم فی المسجد الحرام فقال اولہم ایہم هو؟ اوسطہم هو خیرہم فقال اخرہم خذوا خیرہم۔ فكانت تلک اللیلۃ فلم یرہم حتی اتوه لیلۃ اخری فی ما یری قلبہ وتنام عینہ ولا ینام قلبہ۔ وكذلك الانبیاء تنام اعینہم

ولا تنام قلوبهم. فلم يكلموه حتى احتملوه فوضعوه عند بئر زمزم
فتولاه منهم جبرئيل. (كتاب المناقب مختصراً كتاب التوحيد تاجاً)

میں نے حضرت انس کو اُس رات کے متعلق کہتے ہوئے سنا جس رات رسول ﷺ کو مسجد حرام سے لے جایا گیا تھا۔ یعنی شب معراج کے متعلق کہ آپ وحی آنے سے قبل (یعنی نبوت سے پہلے) ایک رات مسجد حرام میں سوئے ہوئے تھے آپ کے پاس تین شخص آئے ان میں سے پہلے نے کہا یہاں سوئے ہوئے لوگوں میں سے وہ کون شخص ہے (جسے اٹھانے اور سینہ چاک کرنے اور عالم بالا میں لے جانے کا حکم ہوا ہے) ان میں سے بیچ کا شخص بولا وہ ان سب میں بہتر شخص ہے۔ پچھلا شخص بولا اسی بہتر شخص کو لے لو۔ پس وہ رات ہو گئی۔ یعنی اس میں اور کچھ نہ ہوا وہ آپ کو نظر نہ آئے تا آنکہ وہ ایک دوسری رات آپ کے پاس آئے اس حالت میں کہ آپ کا دل دیکھ رہا ہے۔ اور آپ کی آنکھ سوتی تھی آپ کا دل نہ سوتا تھا۔ انبیائے کرام ایسے ہی ہوتے ہیں کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتے۔ پس انہوں نے آپ سے بات کئے بغیر آپ کو وہاں سے اٹھا کر چاہ زمزم کے پاس لا رکھا۔ ان میں سے جبریل نے آپ کا سینہ چاک کرنے کے کام کو اپنے ہاتھ میں لیا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ سب شریک بن ابی نمیر کی بکواس ہے۔ حضرت انس نے قطعاً اس کا ذکر نہیں کیا۔ شریک نے ان پر دروغ بانی کی تھی اور قصد رسول اللہ ﷺ کے متعلق غلط بیانی کر کے جہنم میں اپنا ٹھکانا بنایا تھا۔ حضرت انس سے حدیث معراج زہری و قتادہ و ثابت بنانی و حمید الطویل اور یزید بن ابی مالک نے روایت کی ہے۔ زہری و قتادہ و ثابت و حمید چاروں ثقہ ہیں۔ یزید غیر ثقہ ہے۔ مگر ان پانچوں میں سے کسی نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔ اور کوئی آدمی جس میں خدا ترسی و معقولیت کی کوئی رنق ہو ایسی غیر معقول اور ان ہوئی بات کہہ ہی نہیں سکتا۔

رسول اللہ ﷺ کو جب معراج کا شرف بخشا گیا تھا تو اُس زمانہ میں آپ مجرد نہ تھے۔ بیوی بچوں والے تھے۔ پھر اپنا گھر چھوڑ کر آپ مسجد حرام میں رات کو کیوں سوتے۔ وہ تین شخص جن کا آنا اور آپ کے متعلق باہم گفتگو کرنا مذکور ہے فرشتے ہی ہوں گے تو کیا وہ آپ کو پہچانتے نہ تھے کہ ان میں سے ایک نے ایہم ہو کہہ کر ساتھیوں سے آپ کے متعلق پوچھا ہوا اور دوسرے

نے آپ کی طرف اشارہ کرنے کی بجائے ہو خیر ہم کہہ کر بے تکا جواب دیا ہو اور جب تیسرے نے خذوا خیر ہم کہا ہو تو اس کے ساتھیوں نے سنی اُن سنی کر دی ہو۔ پھر بعد میں کسی اور رات خواب میں ہی وہ تینوں آئے ہوں جب کہ آپ کی آنکھیں سو رہی تھیں اور دل بیدار تھا تب آپ سے کچھ کلام کیے بغیر آپ کو اٹھا کر چاہ زمزم کے پاس لا رکھا ہو اور حضرت جبریل نے آپ کا سینہ چاک کرنے اور دل کو نکال کر دھونے کا عمل کیا ہو۔ اور جیسا کہ اس روایت میں صراحتاً مذکور ہے جب یہ نزول وحی سے پہلے کا قصہ ہے تو آپ کو کیسے پتہ چلا کہ یہ میرا سینہ چاک کرنے اور دل کو دھونے والا جبریل فرشتہ ہے۔ اور جب نزول وحی سے پہلے ہی اُس رات آپ جبریل کو جان پہچان گئے تھے تو غار حرا میں جب حضرت جبریل آپ کو سورۃ العلق کی ابتدائی آیتیں تلقین کرنے کے لیے آئے تھے انہیں کیوں نہ پہچانا اور انہیں دیکھنے سے کیوں دہشت زدہ ہو گئے تھے؟ اس کے بعد شریک نے اُلٹے سیدھے انداز سے قصہ معراج کی کم و بیش وہ تفصیلات ذکر کی ہیں جو دیگر روایات میں بھی آئی ہیں اور آخر میں کہا ہے

فاستيقظ وهو في المسجد الحرام یعنی معراج کا خواب دیکھ کر آپ مسجد حرام میں ہی بیدار ہوئے۔ (صحیح بخاری ص ۱۲۰ کتاب التوحید باب قول الله و كلم الله موسى تكليمًا۔ حدیث ۳

یعنی شریک بن ابی نمر نے قصہ معراج کو نبی ﷺ کا دیکھا ہوا خواب بتایا ہے جو آپ نے نبوت سے پہلے دیکھا تھا۔ مطلب یہ کہ وہ معراج کو جسمانی نہیں بلکہ صرف روحانی سمجھتا تھا۔ غضب اس نے یہ ڈھایا تھا کہ اپنی اس بے ہودہ اور نامعقول رائے کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنی ہوئی حدیث کے طور پر بیان کیا تھا۔ انس نے بعض اشخاص کی معراج کے متعلق یہ رائے سنی تھی کہ معراج روحانی ہوئی تھی جسمانی نہیں۔ آپ جسم سمیت نہ مسجد اقصیٰ کے نہ عالم بالا یعنی آسمانوں پر تشریف لے گئے تھے۔ آپ کا جسم مبارک مکہ میں آپ کی خوابگاہ میں ہی رہا۔ آپ کی روح کو مسجد اقصیٰ لے جایا گیا تھا اور عالم بالا کی سیر کرائی گئی تھی۔ بلفظ دیگر واقعہ معراج آپ کا دیکھا ہوا ایک سچا خواب تھا۔ کذاب شریک نے اس رائے کی حمایت میں حضرت انس کی بیان کی ہوئی حدیث معراج میں کچھ تصرفات کر کے اور اپنی طرف سے اس میں کچھ باتیں پیوند کر کے اس

کی روایت کرنے کا گناہ کمالیا۔ تو کیا امام بخاری کا بھی معراج کے متعلق یہ ہی عقیدہ تھا کہ وہ بس ایک خواب ہے جو آپ نے نبوت سے پہلے دیکھا تھا؟ اگر نہیں تو شریک کی یہ جھوٹی حدیث درج صحیح کیوں کی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے معراج کو روحانی وغیرہ جسمانی سمجھا ہے انہوں نے سورۃ الاسراء کی پہلی آیت کا مطلب نہیں سمجھا نہ سورۃ النجم کی ابتدائی آیات کا مطالعہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سبحان الذى اسرى بعبده ليلاً من المسجد الحرام الى المسجد الاقصى الذى باركنا حوله لنريه من ايننا.

(تسبیح کرو اس مالک کی جو اپنے بندہ خاص کو رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے ارد گرد کوہم نے برکت دی ہے تاکہ ہم اُس بندہ خاص کو اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔) لفظ سبحان سے اللہ تعالیٰ نے اُن مکذبین یعنی کفار کو جواب دیا ہے جو کہتے تھے کہ ایک ہی رات میں مکہ سے بیت المقدس جا کر لوٹ آنا ناممکن ہے۔ جواب یہ ہوا کہ محمد ﷺ خود تو نہیں گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ جو اپنی ذات و صفات میں ہر عیب و نقص سے منزہ ہے جس کی قدرت میں کسی قصور کا اور جس کی حکمت و حکومت میں کسی فتور کا تصور نہیں کیا جاسکتا آپ کو لے گیا تھا۔ اسی طرح لفظ سبحان نے ان لوگوں کے خیال کی بھی تردید کر دی جو معراج کو روحانی اور خواب کا معاملہ قرار دیتے ہیں۔ یہ واقعہ اگر خواب کا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس اہتمام کے ساتھ اس کا ذکر نہ فرماتا۔ یہ سفر آپ نے اپنی بشری قوت اور بشری وسائل سے طے نہیں کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہی اپنی قدرت کاملہ سے فوق البشری ذرائع سفر آپ کے لئے مہیا فرمائے تھے۔ اسی لئے آپ کو لے جانا اپنا فعل بتایا ہے۔ روشنی اور بجلی کی تیز رفتاری معلوم ہے اور اس پر کسی کو تعجب نہیں ہوتا تو برق طینت براق کے ذریعہ روح الامین کی معیت میں بحکم حق حضور اکرم ﷺ کا پلک جھپکنے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ پھر وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ جانا کیوں مستبعد سمجھا جائے۔

اگر یہ خواب کا معاملہ ہوتا تو مشرکین شہد کے ساتھ اسے نہ جھٹلاتے۔ خواب میں تو ہر

شخص بڑی حیرت انگیز چیزیں دیکھتا ہے اور کوئی سننے والا اسے نہیں جھٹلاتا۔ اور چونکہ اہل مکہ کے تجارتی قافلے ملک شام جاتے رہتے تھے اور ان میں سے متعدد اشخاص نے مسجد اقصیٰ دیکھی تھی اس لئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ مسجد اقصیٰ کے متعلق ہمارے سوالات کا جواب دیں تو ہم مان لیں کہ واقعی آپ وہاں گئے تھے۔ آپ بحکم حق انہیں جواب دینے کے لئے خانہ کعبہ کے پاس حجر یعنی حطیم میں کھڑے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ کے لیے نمودار کر دیا۔ اسے دیکھ دیکھ کر آپ نے ان کے ہر سوال کا صحیح جواب دیکر سب کو مبہوت کر دیا جیسا کہ حضرت جابر سے مروی حدیث میں ہے سمعت رسول اللہ ﷺ يقول لما كذبني قريش فمت في الحجر فجلى الله لي بيت المقدس وطفقت أخبرهم عن آياته وانا انظر اليه (صحیح بخاری ص ۵۴۸ باب حدیث الاسراء تاویل کرنے والوں کو یہ خیال کرنا چاہیے تھا کہ قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اسر بعبادی لیلاً میرے بندوں یعنی بنی اسرائیل کو رات میں سرزمین مصر سے لے جا۔ یقیناً اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انہیں خواب میں لے کر نکل جاؤ اور ان کے جسم وہیں مصر میں پڑے رہنے دو۔ اسی طرح اسری بعدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خواب میں لے گیا تھا اور آپ کا جسم مکہ میں ہی تھا۔

واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ سفر مبارک دو منزلہ تھا۔ پہلی منزل روئے زمین پر مسجد اقصیٰ تھی۔ اور دوسری منزل عالم بالا کی آخری حد جس کا نام سدرۃ المنتہیٰ ہے منزل اول کے سفر کو اسراء اور دوسری منزل کے سفر کو معراج کہتے ہیں۔ کبھی پورے سفر کو اسراء اور کبھی پورے سفر کو معراج بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ اسراء کا ذکر قرآن کریم میں آغاز سورۃ بنی اسرائیل میں ہے اور معراج کا ذکر سورۃ النجم کے اوائل میں بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں بھی معراج کی طرف اشارہ ہے۔ اس لئے کہ فرمایا ہے لنریہ من ایشاۃ آیات عظیمہ جن کا آپ کو مشاہدہ کرانا مقصود تھا اور جن کا آپ نے مشاہدہ فرمایا تھا عالم بالا میں تھیں چنانچہ سورۃ النجم میں ہے۔

لقد رأى من ابت ربه الكبرى

بس یہ خیال کرنا بھی بے جا ہے کہ معراج کے لئے آپ کا سفر مکہ سے مستقلاً ہوا تھا۔ صحیح

بات یہ ہی ہے کہ بحالتِ بیداری جسم اطہر کے ساتھ یہ سفر مبارک ایک ہی بار ہوا ہے اور یہ سفر دو منزلہ تھا اور یقیناً اسراء و معراج کا شرف عظیم آپ کو نبوت کے بعد بخشا گیا۔ امت مسلمہ کا ہر ہر فرد اسی کا معتقد ہے شریک کی یہ دروغ بانی کہ یہ قبل نبوت کا خواب تھا بھمکھٹا پاؤں نہ چل سکی۔ اللہ تعالیٰ ہی جانے کہ محمد بن اسماعیل بخاری کو کیا سوچھی تھی کہ صحیح بخاری میں اسے ثبت کر دیا۔
 غفر اللہ لہ ولنا انہ ہو الغفور الرحیم۔

(۱۰۵) صلاة الخوف کے متعلق حدیث ابن عباس

امام بخاری نے کہا ہے:

حدثنا حيوة بن شريح ثنا محمد بن حرب عن الزبيدي عن الزهري عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة عن ابن عباس قال قام النبي ﷺ وقام الناس معه فكبر وكبروا معه وركع وركع الناس منهم ثم سجد وسجدوا معه. ثم قام للثانية فقام الذين سجدوا وخرسوا اخوانهم وانت الطائفة الاخرى فركعوا وسجدوا معه. والناس كلهم في صلاة ولكن يحرم بعضهم بعضا.

(صحیح بخاری ص ۱۲۹ ابواب صلاة الخوف، باب يحرس بعضهم بعضا
 فی صلاة الخوف)

نسائی نے بھی بواسطہ عمرو بن عثمان محمد بن حرب سے اسی اسناد کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے (کتاب صلاة الخوف) محمد بن ولید زبیدی نے ابن شہاب زہری سے اس نے عبيد الله بن عبد الله بن عتبة سے اس نے عبد الله بن عباس سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نماز خوف پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھ لوگ بھی کھڑے ہو گئے۔ آپ نے اللہ اکبر کہا اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ اللہ اکبر کہا (کھڑے ہوئے اور تکبیر کہنے میں تو سب مجاہدین آپ کے ساتھ رہے) اور آپ نے رکوع کیا تو لوگوں میں سے ایک ٹولی نے آپ کے ساتھ رکوع کیا۔

پھر آپ نے سجدہ کیا تو اس ٹولی نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا پھر آپ دوسری رکعت کے لئے اٹھ گئے (تو وہ ٹولی جس نے رکوع و سجدہ نہ کیا آگے بڑھ آئی اور رکوع و سجدہ کر لینے والی ٹولی ان کی جگہ کھڑی ہو گئی۔ آپ کے ساتھ اس آگے بڑھ آنے والی ٹولی نے دوسری رکعت کا رکوع و سجدہ کیا۔ اس طرح سب لوگ نماز میں رہے مگر ایک دوسرے کی حفاظت کرتے رہے۔ ظاہر ہے کہ زہری کی روایت کردہ یہ حدیث کافی مبہم ہے۔

اور سفیان ثوری نے ابوبکر بن ابی الجہم سے (یہ ثقہ تابعی ہے اور دادا کی طرف منسوب ہے۔ یہ ابوبکر بن عبد اللہ بن ابی الجہم بن مخیر العدوی ہے۔ نام معلوم نہیں شاید کنیت ہی اس کا نام تھی) ابوبکر نے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے اس نے عبد اللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا:

صلى رسول الله ﷺ صلاة الخوف بذي قرد ارض من ارض
بنى سليم فصف الناس خلفه صفين. صف موارى العدو و صف خلفه
فصلى بالصف الذى يليه ركعة ثم نكص هؤلاء الى مصاف هؤلاء
وهؤلاء الى مصاف هؤلاء فصلى بهم ركعة اخرى. فكانت للنبي ﷺ
ركعتين ولكل طائفة ركعة. ولم يقضوا۔

(مسند احمد ص ۲۳۲ و ۳۵۷۔ سنن نسائی کتاب صلاة الخوف)

رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ بنی سلیم کے علاقہ میں ذو قرد نامی ایک مقام میں نماز خوف پڑھی۔ اپنے پیچھے مسلمانوں کو دو صفیں کیں آگے پیچھے۔ اگلی صف دشمن کے مقابل تھی۔ (یعنی اہل کفر کی فوج قبلہ کی جہت میں تھی ان کی پشت قبلہ کی طرف تھی اور رخ مسلمانوں کی جانب۔ اہل اسلام قبلہ رخ کھڑے تھے) تو اگلی صف کو آپ نے ایک رکعت پڑھائی پچھلی صف اپنی جگہ کھڑی رہی۔ ایک رکعت ہو چکنے کے بعد اگلی صف کے لوگ پچھلی صف کی جگہ آگے اور پچھلی صف کے لوگ اگلی صف کی جگہ چلے گئے۔ انہیں آپ نے دوسری رکعت پڑھائی۔ اس طرح نماز خوف رسول اللہ ﷺ کے لئے دو رکعت ہوئی اور تمام مسلمانوں کے لئے ایک ایک رکعت۔ ان

مسلمانوں نے چھوٹی ہوئی رکعت کی قضا نہیں کی۔ پس عبید اللہ بن عبد اللہ سے یہ ابن عباس کی حدیث زہری اور ابوبکر بن ابی الجہم نے روایت کی تھی زہری کی روایت بخاری نے تخریج کی ہے جو بہت محکم ہے اس میں صرف ایک بات ہے جو ابوبکر کی روایت میں نہیں ہے وہ یہ کہ اگلی اور پچھلی دونوں صفوں نے رسول اللہ کے ساتھ ہی تکبیر تحریمہ کہی تھی۔ باقی تفصیل ابوبکر کی روایت میں ہے۔ کوئی بخاری سے پوچھتا کہ آخر محکم روایت کو درج صحیح کرنے میں کیا فائدہ تھا؟ بخاری کو یہ بھی خیال کرنا چاہئے تھا کہ ابن عباس اس صلاۃ الخوف میں موجود نہ تھے۔ ابن عباس تو فتح مکہ کے بعد مدینہ آئے تھے اور کمن بچہ تھے۔ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کبھی ذوقرد کا سفر نہیں کیا۔ آپ ذوقرد دو بار مجاہدین کے ساتھ تشریف لے گئے تھے اولاً ربیع الاول ۴ھ میں قبیلہ بنی غطفان کے کچھ شریک اور فتنہ گر کفار سے مقابلہ کے لئے کفار جہت قبلہ میں تھے۔ اس موقع پر آنا سامنا ہوا آپ نے مسلمانوں کو نماز خوف پڑھائی۔ کفار مرعوب ہو کر لڑے بغیر بھاگ گئے اور آپ مجاہدین کے ساتھ مدینہ آ گئے۔

دوسری بار صلح حدیبیہ کے بعد اور غزوہ خیبر کے لے جانے سے تین دن پہلے جب تمیں غطفانی لٹیرے جنگل سے رسول اللہ کی اونٹنیاں پکڑ لے گئے اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے پا پیادہ ان کا تعاقب کر کے اپنے تیر کمان کے بل پر تمام اونٹنیاں ان سے واگزار کرائیں اور تمیں چادریں بھی انہیں چھوڑنی پڑیں۔ پیچھے سے رسول اللہ ﷺ بھی چند اصحاب کے ساتھ ذوقرد پہنچ گئے۔ سلمہ بن اکوع نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ان کا تعاقب کیا جائے تو آسانی سے سب ہاتھ آ سکتے ہیں۔ فرمایا اب جانے بھی دو۔ اور سب کے ساتھ مدینہ واپس ہو گئے۔ اس دوسرے سفر میں آپ کی کفار سے مدبھیڑ نہیں ہوئی نہ نماز خوف پڑھنے کی نوبت آئی پس ذوقرد میں نماز خوف پڑھنے کا قصہ عبید اللہ بن عباس نے کسی سے سنا ہوگا۔ وہ کون تھا؟ اس کا کوئی سراغ نہیں لگ سکتا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ابن عباس کو کسی نے نماز خوف کا یہ قصہ سنایا بھی نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے تو دور کعتیں پڑھیں اور آپ کے پیچھے ہر مسلمان نے ایک ہی رکعت پڑھی۔ جب ایسا ہوا ہی نہیں تو کوئی صحابی ابن عباس کو یہ ان ہوئی بات کیوں بتاتا اور ابن عباس جیسی ذکی و فہیم و ذی علم ہستی سے بھی یہ توقع نہیں کہ انہوں نے عبید اللہ بن عبد اللہ کو یہ ان ہوا قصہ سنایا ہو۔ یہ خود عبید اللہ کی ہی دھم

زاد روایت ہے۔ تابعی ہونے کی وجہ سے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ کو ثقہ سمجھ لیا گیا ہے مگر عبید اللہ سے مروی احادیث کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ بصبیب و بیخطئی۔ یعنی صحیح باتیں بھی اس نے روایت کی ہیں اور غلط باتیں بھی جیسا کہ تقریباً ہر ضعیف راوی کا حال ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ عبید اللہ کی بیان کی ہوئی یہ نماز خوف کے متعلق حدیث صحیح نہیں ہے۔ عبید اللہ کے وہم کا نتیجہ ہے۔

پھر حضرت ابن عباس سے اس کے قطعاً برخلاف بھی مروی ہے۔ محمد بن اسحاق نے عمرو بن عثمان کے آزاد کردہ غلام داؤد بن حصین سے اس نے عکرمہ سے روایت کی ہے کہ ابن عباس نے ذکر کیا:

ما كانت صلاة الخوف الا كصلاة احراسكم هؤلاء اليوم خلف
ائستكم. الا انها كانت عقبا. قامت طائفة وهم جمع مع رسول الله
ﷺ وسجدت معه طائفة ثم قام رسول الله ﷺ وسجد الذين
كانوا قياما لانفسهم ثم قام رسول الله ﷺ وقاموا معه جميعا ثم
ركع وركعوا معه جميعا ثم سجد فسجد الذين كانوا معه قياما اول
مرة وقام الآخرون الذين كانوا سجدوا معه اول مرة فلما جلس
رسول الله ﷺ والذين سجدوا معه في آخر صلاتهم سجد الذين
كانوا قياماً لانفسهم ثم جلسوا فجمعهم رسول الله ﷺ بالسلام .

(مسند ۱ ص ۲۶۵) (سنن نسائی کتاب صلاة الخوف)

جیسے محافظین یعنی باڈی گارڈز تہارے حکام کے پیچھے چوکے ہو کر نماز پڑھتے ہیں ایسے ہی صلاة الخوف ہے (کہ اہل اسلام جب کہ دشمن کے حملہ کا خطرہ ہو چوکے ہو کر نماز پڑھتے ہیں فرق یہ ہے کہ نماز خوف آگے پیچھے ہوتی ہے اور محافظین ایک ساتھ ہی پڑھتے ہیں۔ مجاہدین میں ایک گروہ (یعنی نصف فوج) نماز میں رسول اللہ ﷺ اور اگلی صف کے مسلمانوں کی حفاظت کے لئے کھڑا ہوا اور اگلی صف کے مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سجدہ کر کے رکعت پوری کر لی۔ ان کے سجدہ کر لینے کے بعد پچھلی صف کے مسلمان جو حفاظت کے لئے کھڑے ہوئے

تھے جبکہ گزار ہوئے۔ جبکہ سے فارغ ہو کر وہ پہلی صف کی جگہ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور وہ پہلی صف والے پیچھے آ کر چوکنے اور مستعد ہو کر کھڑے ہو گئے حضور ﷺ کے ساتھ جبکہ کر کے حالیہ پہلی صف والے فارغ ہو کر بیٹھ گئے تب حالیہ پچھلی صف والے جو کہ حفاظت کے لیے کھڑے تھے جبکہ کر کے بیٹھ گئے تب آپ نے اور سب نے سلام پھیرا۔

سند کے اعتبار سے یہ بھی ضعیف ہے ابن اسحاق اور اس کا شیخ داؤد بن حصین دونوں ضعیف و غیر ثقہ ہیں۔ مناسب لفظوں میں مفہوم بھی بیان نہ کر سکے۔

(۱۰۶) فترۃ الوحی کے متعلق زہری کی بیان کی ہوئی

ایک مرسل اور قطعاً باطل حدیث

زہری نے عروہ بن زبیر سے اور اس نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آغاز وحی کے متعلق جو طویل حدیث روایت کی ہے جسے بخاری نے صحیح میں پانچ جگہ ثبت کیا ہے بدء الوحی، کتاب الانبیاء باب واذ کرنی الکتاب موسیٰ کتاب التفسیر سورۃ العلق میں دو جگہ کتاب التفسیر اس میں مذکور ہے ”وفترۃ الوحی“ یعنی سورۃ العلق کی ابتدائی آیات کے بعد کچھ دنوں تک وحی نہ آئی۔ حضرت جابر سے مروی صحیح حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ فترۃ وحی یعنی وحی نہ آنے کی مدت ایک ماہ تھی اس کے بعد لگاتار وحی کا نزول ہوتا رہا۔

زہری نے ام المؤمنین دالی حدیث بیان کرنے کے بعد فترت وحی کے متعلق کہا تھا۔
 حتی حزن النبی ﷺ فی ما بلغنا حزنا غدا منه مرارا کی بتردی من
 رؤوس شواہق الجبال فکلما اوفی بذروۃ جبل لکی یلقی نفسہ منہ
 تبدی لہ جبرئیل فقال یا محمد انک رسول اللہ حقاً فیسکن
 لذلك جاشہ وتفر نفسہ فیرجع فاذا طالت علیہ فترۃ الوحی
 عدالمثل ذلک۔ فاذا اوفی بذروۃ الجبل تبدی لہ جبرئیل فقال لہ
 مثل ذلک۔ (صحیح بخاری ص ۱۰۳۳ کتاب التفسیر باب اول)

یعنی وحی نہ آنے کی وجہ سے نبی ﷺ کو جیسا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے شدید رنج ہوا اس رنج و غم کی شدت ایسی تھی کہ کئی بار آپ مکہ سے باہر پہاڑوں پر تشریف لے گئے کہ خود کو کسی پہاڑ کی چوٹی سے گرا کر ہلاک کر دیں۔ مگر جب بھی اس قصد سے کسی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے تاکہ خود کو گرا دیں جبریل علیہ السلام نمودار ہو کر آپ کو تسلی دیتے کہ اے محمد یقیناً آپ اللہ کے واقعی رسول ہیں۔ اس سے آپ کی طبیعت میں سکون اور دل کو قرار آ جاتا اور واپس آ جاتے پھر رنج و غم میں شدت ہوتی تو پھر جا کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے اور جبریل نمودار ہو کر آپ کو تسلی دیتے کہ اے محمد یقیناً آپ اللہ کے واقعی رسول ہیں۔

نہ معلوم زہری نے یہ کیوں اس کس سے سن لی تھی؟ اور اس دروغ بے فروغ کو نقل کرنے کی غلطی کیوں کی تھی۔ کسی بھی صحابی سے صحیح تو کیا ضعیف سند کے ساتھ بھی یہ قصہ مروی نہیں ہے۔ بلکہ حضرت جابر کی صحیح حدیث جس کی خود زہری نے بھی روایت کی ہے واضح طور پر بتا رہی ہے کہ فترت وحی کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ نے جبریل کو قطعاً نہیں دیکھا۔ زمانہ فترت میں جب آپ غار حراء میں جا کر معتلّف ہوئے اور مدت اعتکاف پوری ہونے کے بعد غار سے گھر واپس جاتے ہوئے بطن وادی میں پہنچے تب آپ کو ندا آئی۔ آگے پیچھے دائیں بائیں کوئی نظر نہ آیا اوپر نگاہ اٹھائی تو آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر وہی فرشتہ نظر آیا جس نے پہلی ملاقات میں آپ کو بھیجا تھا اور سورۃ العلق کی ابتدائی آیات کی تلقین فرما کر غائب ہو گیا تھا اور ورقہ بن نوفل نے یہ قصہ سن کر اسے ناموس حق بتایا تھا۔ زمین و آسمان کے درمیان اسے کرسی پر بیٹھا ہوا دیکھ کر آپ پر دہشت طاری ہو گئی اور بے ہوش ہو کر گر گئے افاقہ ہونے پر لرزتے کانپتے گھر پہنچے اور فرمایا مجھے کپڑا اڑھا دو کپڑا اڑھا دو۔ اور زہری کی یہ مرسل روایت بتا رہی ہے کہ فترت کے زمانے میں بارہا آپ نے جبریل کو دیکھا اور ان سے ”یا محمد انک رسول اللہ حقاً“ سنا تھا۔ ظاہر ہے کہ صحیح حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے یہ مرسل اور بے سرو پا روایت لائق التفات نہیں ہے۔ زہری نے یہ بھی نہ سوچا کہ خود کشی سخت کبیرہ گناہ ہے۔ اور کسی گناہ کے ارتکاب کا عزم کر لینا بھی گناہ ہے پھر رسول معصوم ﷺ کی ذات ستودہ صفات کی طرف خود کشی کا عزم کر لینے کی نسبت کیسے درست ہو سکتی ہے۔

نہ معلوم کتنے بے خبر اور علم فہم حدیث سے نا آشنا مؤرخین اور سیرت نگاروں نے صحیح بخاری کے حوالہ سے یہ روایت اپنی کتابوں میں نقل کرنے کی غلطی کی ہوگی۔

ہمارے زمانہ میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اپنی کتاب تفہیم القرآن تفسیر سورۃ المدثر میں بڑے طمطراق کے ساتھ صحیح بخاری کے حوالہ سے زہری کی بیان کی ہوئی یہ جھوٹی روایت نقل کی ہے۔ کاش بخاری نے کچھ سوجھ بوجھ سے کام لیا ہوتا اور زہری کی یہ مرسل روایت نظر انداز کر دی ہوتی۔

(۱۰۷) صلح حدیبیہ کی حدیث میں حضرت عمرؓ کے متعلق زہری کی یا وہ گوئی

زہری کی عادت تھی کہ لمبی حدیثوں کو روایت کرتے ہوئے ان میں وہ باتیں شامل کر دیا کرتے تھے جو موصوف نے اس شیخ سے نہ سنی ہوتیں جس سے وہ حدیثیں سنی تھیں۔ بلکہ وہ زہری کی اپنی بے سرو پا باتیں ہوتی تھیں زہری کے شاگردان رشیدان ان بے سرو پا باتوں سمیت ان حدیثوں کو لکھ لیتے پھر ان کی روایت کر ڈالتے فہم قرآن سے نہ زہری کو واسطہ تھا نہ ان کے شاگردوں کو۔ اسی قسم کی وہ بے سرو پا بات ہے جو صلح حدیبیہ کی لمبی حدیث میں زہری سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے اور نادان لوگوں نے اسے باور کر لیا ہے کیونکہ وہ صحیح بخاری میں مذکور ہے وہ یہ کہ جب صلح نامہ لکھا گیا اور رسول اللہ ﷺ ضدی مشرکین کی ہر بات مانتے چلے گئے۔ آپ نے کاتب سے فرمایا تھا لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بولے نہیں وہی لکھا جائے جو ہم میں اور ہمارے اسلاف میں رائج چلا آ رہا ہے یعنی ”باسمک اللہم“ فرمایا اچھا یہ ہی لکھ دو۔ اس کے بعد فرمایا لکھو یہ وہ معاملہ ہے جو محمد رسول اللہ اور اہل مکہ کے درمیان طے پایا تو بولے۔ ہرگز نہیں ہم نے آپ کو رسول اللہ مانا ہوتا تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا۔ نہیں اس کی بجائے محمد بن عبد اللہ لکھو۔ فرمایا چلو یہی لکھو میں محمد رسول اللہ بھی ہوں اور محمد بن عبد اللہ بھی ہوں۔ پھر پہلی دفعہ آپ یہ لکھانا چاہتے تھے کہ محمد اور ان کے اصحاب عمرہ کریں گے۔ بولے کہ امسال تو آپ کو یہیں سے

واپس جانا ہوگا۔ اگلے عمرہ کے لیے آسکتے ہیں صرف تین دن مکہ میں ٹھہریں پرتلوں اور میاںوں میں پڑی ہوئی تلواروں کے سوا کوئی ہتھیار آپ لوگوں کے پاس نہ ہوگا۔ اسے بھی آپ نے منظور فرمایا، پھر انہوں نے کہا یہ لکھو کہ مکہ والوں میں سے کوئی تمہارا دین قبول کر کے تمہارے پاس یشرب چلا جائے تو اسے واپس کرنا ہوگا اور تم میں سے کوئی تمہارا دین چھوڑ کر ہمارے پاس آ جائے تو ہم اسے واپس نہ کریں گے۔ آپ نے اسے بھی منظور فرمایا۔ معاہدہ کی ان دفعات سے عام مسلمانوں کو بزار خج ہوا کہ یہ کیا کہ کفار کی ہر بات مانی جا رہی ہے۔ خاص طور سے حضرت عمر کو تو بہت ہی طیش آیا زہری کا بیان ہے۔

قال: عمر بن الخطاب فاتيت نبي الله ﷺ فقلت الست نبي الله حقا؟ قال بلى. قلت السنا على الحق وعدونا على الباطل؟ قال بلى. قلت فلم نعطي الدنية في ديننا اذا؟ قال اني رسول الله ولست اعميه وهو ناصري قلت اوليس كنت تحدثنا انا سنأتي البيت فنطوف به؟ قال بلى فاخبرتكم انا ناتيهِ العام؟ قلت لا. قال فانك اتيه ومطوف به.

یعنی حضرت عمر نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کے پاس آ کر کہا کہ کیا آپ کے سچے اللہ کے نبی نہیں ہیں؟ فرمایا کیوں نہیں بے شک میں اللہ کا نبی ہوں میں نے کہا کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں۔ فرمایا کیوں نہیں بے شک ہم حق پر ہیں اور ہمارا دشمن باطل پر ہے۔ میں نے کہا تو پھر ہمیں ہمارے دین میں ذلت کیوں دی جا رہی ہے؟ فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کی نافرمانی نہ کروں گا۔ وہ مددگار ہے یعنی اسی کا حکم ہے کہ اس وقت ان مشرکین کی من مانی شرطیں قبول کر لی جائیں۔ میں نے کہا کیا آپ ہمیں یہ نہ بتاتے تھے کہ ہم خانہ کعبہ پہنچ کر اس کا طواف کریں گے؟ فرمایا تو کیا میں نے تمہیں یہ بتایا تھا کہ اسی سال تمہیں خانہ کعبہ کا طواف کرنا ہے میں نے کہا۔ یہ تو آپ نے نہیں فرمایا تھا۔ فرمایا تو مطمئن رہو تم خانہ کعبہ پہنچ کر اس کا طواف کرنے والے ہو۔

مگر رسول اللہ ﷺ کی بات سے عمر کو تشفی نہ ہوئی: —

فاتبت ابا بکر فقلت يا ابا بکر اليس هذا نبی اللہ حقاً؟ قال بلی۔
 قلت السنا علی الحق وعدونا علی الباطل؟ قال بلی قلت فلم نعطي
 الدنية فی دیننا قال ایها الرجل انه رسول اللہ وليس یعصى ربہ
 وهو ناصرہ فاستمسک مغرزه فواللہ انه علی الحق۔ قلت اليس
 کان یحدثنا انا سنائی البیت ونطوف به؟ قال بلی أفاخبرک انک
 ثابته العام؟ قلت لا قال فانک آتیه ومطوف به۔ قال الزهري قال
 عمر فعملت لذلك اعمالاً

(صحیح بخاری کتاب الشروط باب اول حدیث ۳)

حضرت عمرؓ نے کہا کہ پھر میں نے ابوبکر کے پاس ان سے بھی ایسی ہی باتیں کیں اور
 انہوں نے بھی ایسے ہی جوابات دیے اور مجھے نصیحت فرمائی کہ اودا دی بخدا بے شک وہ اللہ کے
 رسول ہیں۔ مضبوطی کے ساتھ ان کی رکاب تھامے رہ زہری کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ
 اس روز جوش غضب سے مغلوب ہو کر میں نے رسول اللہ ﷺ سے جو سفیہا نہ گفتگو کی تھی۔ اس
 کے کفارے کے لیے میں نے بڑے جتن کیے ہیں۔

زہری نے صلح حدیبیہ کی یہ طویل حدیث عروہ بن زبیر سے اور اس نے مسود بن محزمہ
 و مروان بن حکم سے روایت کی ہے لیکن حضرت عمرؓ کے متعلق جو بیان کیا ہے کہ پہلے انہوں نے خود
 نبی ﷺ سے اور پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ گفتگو کی تھی اور کہا تھا فعملت لذلك
 اعمالاً۔ تو یہ نہ عروہ نے بیان کیا تھا نہ مسور بن محزمہ اور مروان نے اس کا ذکر کیا تھا نہ کسی اور صحابی
 سے منقول ہے بلکہ خود زہری کی اڑائی ہوئی ہے پر بات ہے اور اس کی دلیل ہے کہ زہری نے
 سورۃ الفتح سمجھ کر نہیں پڑھی تھی۔ سورۃ الفتح کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے هو الذی انزل
 السکینۃ فی قلوب المؤمنین لیزدادوا ایماناً مع ایمانہم یعنی حق تعالیٰ نے ہی اہل
 ایمان کے دلوں میں صلح حدیبیہ کے موقع پر سکینت نازل فرمائی تاکہ ان کے ایمان میں مزید
 اضافہ ہو اس لئے بظاہر ناگوار ہونے کے باوجود تمام اہل ایمان رسول اللہ ﷺ کی عقد فرمائی ہوئی
 صلح پر مطمئن تھے اور یقین رکھتے تھے کہ اللہ کے رسول نے جو فیصلہ فرمایا ہے قطعاً حق ہے۔

پھر تیسرے رکوع میں ارشاد ہوا ہے:

اذ جعل الذين كفروا في قلوبهم الحمية حمية الجاهلية فأنزل الله سكينته
على رسوله وعلى المؤمنين والزهمهم كلمة التقوى وكانوا أحق بها وأهلها.

دو جگہ صراحتہ ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ نے تمام مؤمنین پر سکینت نازل فرمائی تھی اور انہیں اس
یقین و قرار قلب کی نعمت سے نوازا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو فیصلہ فرمادیا ہے سراسر حق ہے۔ اور
زہری نے یہ بکواس کی ہے کہ عموماً تمام مؤمنین کو اور خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ
کی عقد فرمائی ہوئی صلح پر اطمینان نہ تھا اور عمر نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے بڑی غلیظ گفتگو
کی تھی آپ کے جوابات سے تشفی نہ ہوئی تو ابو بکر کے پاس جا کر اپنے غم و غصہ کا اظہار کرتے ہوئے
ویسی ہی غلیظ گفتگو کی۔ بعد میں نادم ہوئے اور اس کے کفارے کے لیے بڑے جتن کیے۔ یقیناً
زہری نے جو کہا ہے وہ قطعاً جھوٹ اور بکواس اور قرآن کریم کو سمجھ کر نہ پڑھنے کا نتیجہ تھا۔ بخاری اور
دیگر محدثین پر لازم تھا کہ وہ زہری کی اس غلط بیانی کو مسلمانوں میں نہ پھیلائیں۔

(۱۰۸) طواف میں رمل کے شروع ہونے کی توجیہ

حدثنا سليمان بن حرب قال ثنا حماد هو ابن زيد عن ايوب عن
سعيد بن جبير عن ابن عباس قال قدم رسول الله ﷺ واصحابه
فقال المشركون انه يقدم عليكم وفد وهنهم حمى يثرب فامرهم
النبي ﷺ ان يزملوا الاشواط الثلاثة وان يمشوا ما بين الركبتين
ولم يمنعهم ان يامرهم ان يرملوا الاشواط كلها الا الابقاء عليهم .

(صحیح بخاری ص ۲۱۸ کتاب المناسک باب کیف کان بدء الرمل
وص ۶۱۱ کتاب المغازی باب عمرة القضاء)

ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی نے سعید بن جبیر سے اس نے حضرت عبداللہ بن عباس سے
روایت کی ہے کہ جب ۷ھ عمرة القضاء میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب مکہ پہنچے تو مشرکین
نے آپس میں کہا، تمہارے یہاں ایسے زائرین آرہے ہیں جنہیں یثرب کے بخار نے ناتواں

کر دیا ہے۔ پس (مشرکین کی اس غلط فہمی کو دور اور انہیں مرعوب کر دینے کی غرض سے) نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ پہلے تین چکروں میں رمل کریں یعنی کعبہ کے گرد حجر اسود سے لے کر تین ستموں میں داہنی بغل کے نیچے سے چار بائیں کندھے پر ڈال کر فوجی انداز سے مارچ کریں اور ایک سمت یعنی رکن یمانی سے حجر اسود تک عام انداز سے چلیں۔ ساتوں چکروں میں رمل کرنے کا حکم ان پر ترس کھانے کی وجہ سے نہیں دیا کہ بے چارے تھک جائیں گے۔

میں کہتا ہوں کہ عبداللہ بن عباس اس وقت تقریباً بیس سالہ کمسن بچہ تھے۔ ان کا مشرکین کی بات کو اور نبی کریم کے حکم رمل کو سننا سمجھنا اور یاد رکھنا مستبعد ہے اور مشرکین بدر واحد وغرہ و احزاب میں مسلمانوں سے جنگ کر چکے تھے۔ اور ان کے ہاتھوں اور بازوؤں کو خوب آزما چکے تھے۔ اب تلخ تجربات کے بعد وہ ان کے بارے میں وھنتھم حمی یثرب کیسے کہہ سکتے تھے جب کہ وہ یہ بھی بخوبی جان چکے تھے کہ چند ماہ قبل ان مسلمانوں نے خیبر فتح کر کے یہودی اقتدار کا عرب سے قطعاً خاتمہ کر دیا ہے۔

در اصل یہ بات سعید بن جبیر نے براہ راست ابن عباس سے نہیں سنی تھی کسی نے جو نہ معلوم کون تھا؟ ثقہ تھا یا نہیں۔ سعید کو ابن عباس کی طرف منسوب کر کے اسے سنا دیا تھا سعید نے بے سوچے سمجھے اسے روایت کر دیا کیونکہ اہل راویان اخبار کو رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کفٰی بالمرء کذباً ان یحدث بکل ما سمع کی پروانہ تھی پس اپنے علامہ ہونے کا ثبوت دینے کے لئے روایات بیان کرتے رہتے تھے اب سنیے ابوداؤد و ترمذی نے کہا ہے۔

حدثنا مسدد ثنا حماد بن زید عن ایوب عن سعید بن جبیر انه حدث عن ابن عباس قال قدم رسول الله ﷺ واصحابه مكة وقد وھنتھم حمی یثرب فقال المشرکون انه یقدم علیکم قوم قد وھنتھم الحمی ولقوا منها شراً فاطلع الله سبحانه نبیہ ﷺ علی ما قالوہ فامرھم ان یرملوا الاشواط الثلاثة وان یمشوا بین الرکنین فلما رأوھم رملوا قالوا هؤلاء الذین ذکرتم ان الحمی قد وھنتسھم. هؤلاء اجلد منا. قال ابن عباس ولم یأمرھم ان یرملوا

یعنی عطاء نے کہا ہے اگر روزہ دار شخص کلی کر کے جو کچھ اس کے منہ میں پانی ہے منہ سے باہر ڈال دے پھر اپنا تھوک اور جو اس کے منہ میں ہے اسے نکل لے تو اس سے روزہ خراب نہیں ہوتا بخاری کی ذکر کی ہوئی اس عبارت میں ریتہ معطوف علیہ ہے حرف عطف کے بعد موصول ہے جو صلہ سے مل کر معطوف ہے معطوف علیہ و معطوف مل کر فعل یزدرد کا مفعول ہے اس قول کی رو سے روزہ دار کے دانتوں میں کلی کرنے کے بعد روٹی یا بوٹی کا کوئی ٹکڑا یا اور کوئی کھانے کی چیز ابھی ہوئی رہ جائے تو اسے نکل جانے سے روزہ خراب نہ ہوگا۔

لیکن بخاری سے عطاء کا قول نقل کرنے میں فاش غلطی ہوئی ہے صحیح سند کے ساتھ ابن جریج سے مروی ہے کہ قلت لعطاء الصائم بمضمض ثم یزدرد ریتہ و هو صائم؟ قال لا یضرہ وماذا بقی فی فیہ؟ میں نے عطاء سے پوچھا روزہ دار شخص کلی کر کے اپنا تھوک نکلے۔ کہا کوئی حرج نہیں تھوک نکلنے سے اس کے روزے میں کوئی خرابی نہ آئے گی۔ اور اس کے منہ میں رہا ہی کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ جملہ استفہامیہ انکاریہ ہے یعنی اس کے منہ میں نہ کھانے کی کوئی چیز ہے نہ پینے کی۔ بخاری سے یہ غلطی ہو گئی شدید فاش غلطی کہ ذاکواڑا کرما کو موصولہ بنا دیا۔ حالانکہ عطاء کے قول میں ماذا کلمہ استفہام ہے۔

(۱۱۱) اپنے والد عبد اللہ کا قرضہ بے باق کرنے کے متعلق

حضرت جابرؓ کی حدیث

امام بخاری اور دیگر محدثین نے بجز امام مسلم کے حضرت جابر انصاری رضی اللہ عنہ کا یہ قصہ ذکر کیا ہے کہ ان کے والد عبد اللہ شہید احد کے ذمہ چند یہودیوں کا قرض تھا۔ فصل آنے پر اپنے نخلستان میں جابر کو اتنے کھجور نظر نہ آئے کہ ان کا قرض ادا ہو سکے۔ مہلت دینے پر وہ راضی نہ ہوئے۔ خدمت اقدس میں آ کر عرض کیا کہ آپ ان سے میری سفارش کر کے مہلت دلوادیں مگر انہوں نے آپ کی سفارش قطعاً نہ مانی۔ آخر حضور اکرم ﷺ کی دعا سے کھجوروں میں اتنی برکت

ہوئی کہ سارا قرض بھی بے باق ہو گیا اور بہت کچھ بچ بھی رہا یہ قصہ متعدد طرق سے مروی ہے امام بخاری نے صحیح میں ۱۳ جگہ یہ قصہ ذکر کیا ہے لیکن اس کی تفصیلات میں روایات بے حد مختلف و متعارض ہیں۔ جن میں تطبیق و ترجیح دونوں ناممکن ہیں۔ امام مسلم نے بحکم اذا تعارضت تساقطت تمام روایات کو نظر انداز کر دیا ہے ان روایات کا مطالعہ ہمیں اسی نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ یہ قصہ ایک اُن ہونی کہانی اور بے حقیقت افسانہ ہے تحفۃ القاری شرح صحیح بخاری ۸ میں ان روایات کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ دیکھئے ص ۲۷۶ تا ص ۲۸۴) یہاں میں اس کا خلاصہ ذکر کر رہا ہوں۔ یہ قصہ عامر بن شراحیل شعسی فرزند کعب بن مالک اور عبدالرحمن بن عبداللہ بن ابی ربیعہ و محمد بن وہب بن کیسان و ابراہیم بنکد روایا التوکل و عمار بن ابی عمار و یحییٰ بن عزی و ابو یزید سے مروی ہے۔

شعسی کی حدیث

شعسی سے فراس بن یحییٰ و مغیرہ بن مقسم و زکریا بن ابی زائدہ نے روایت کی ہے۔

فراس کی روایت یہ ہے کہ شعسی نے کہا:—

حدثنی جابر بن عبد اللہ الانصاری ان اباہ استشهد يوم احد وترك ست بنات وترك علیہ دینا فلما حضر جذاذا لنخل اتیت رسول اللہ ﷺ فقلت یا رسول اللہ قد علمت ان والدی استشهد يوم احد وترك علیہ دینا کثیراً وانی احب ان یراک الغرماء. فان اذهب فیلدز کل تمر علی ناحیة ففعلت ثم دعوتہ فلما نظروا الیہ اغروا بی تلک الساعة فلما رأی ما یصنعون طاف حول اعظمها بیدرا ثلاث مرات ثم جلس علیہ ثم قال ادع اصحابک فما زال یکیل لہم حتی ادی اللہ امانۃ والدی. وانا واللہ راضی ان یؤدی اللہ امانۃ والدی ولا ارجع الی اخواتی تمرۃ فسلم واللہ البیادر کلہا حتی انی انظر الی البیادر الذی علیہ رسول اللہ ﷺ کانه لم ینقص تمرۃ واحدة.

(صحیح بخاری ص ۱۳۹۰ آخر کتاب الوصایا، ص ۵۸۰ کتاب المغازی غزوہ احد)

نسائی نے بھی کتاب الوصایا میں اس کی روایت کی ہے مگر اس میں سقوط ہے۔

مغیرہ سے جریر بن عبد الحمید ابو عوانہ نے جریر کی روایت یہ ہے:

توفی عبد اللہ بن عمرو بن حرام وعلیہ دین فاستعنت النبی ﷺ
علی غرمانہ ان یضعوا من دینہ فطلب نبی اللہ ﷺ الیہم فلم یفعلوا۔
فقال لی النبی ﷺ اذهب فصف تمرک اصنافا۔ العجوة علی حده
وعذق ابن زید علی حدة ثم ارسل الی ففعلت ثم ارسلت الی النبی
ﷺ فجلس علی اعلاہ او فی وسطہ ثم قال کل للقوم فکلتہم حتی
اوفیتہم الذی لہم وبقی تمری کأنہ لم ینقص منہ شئی۔

(صحیح بخاری ص ۲۸۶ کتاب البیوع باب الکیل علی البائع والمعطی مسند احمد ص ۳۱۳۔

منن نسائی کتاب الوصایا وقضاء الدین قبل المیراث ابو عوانہ کی روایت میں ہے فقعد وکال
لکل رجل حتی استوفی، صحیح بخاری ص ۳۲۳۔ کتاب الاستقراض، باب ادا قرضہ الی احل مسمی
او اجلہ فی البیع)

جرید کی روایت میں ہے کہ حضرت جابر نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے قرض خواہوں
کو ناپ ناپ کر ان کا حق ادا کیا اور ابو عوانہ کی روایت میں فراس کی روایت کی طرح یہ مذکور ہے کہ
رسول اللہ ﷺ نے انہیں ناپ کر دیا۔

زکریا بن ابی زائدہ سے بواسطہ ابو نعیم امام احمد و بخاری نے روایت کی ہے ابو نعیم نے کہا:

حدثنا زکریا ثنی عامر (الشعبی) ثنی جابر ان اباہ توفی وعلیہ دین
فاتیت النبی ﷺ وقلت ان ابی ترک علیہ دینا ولیس عندی الا ما
یخرج نخله ولا یبلغ ما یشترک سدس ما علیہ فانطلق معی لکیلا
یفحش علی الغرماء فمشی حول بیدر من بیادر التمر فدعا وجلس
علیہ وقال ابن غرماء ہ فاوفاهم الذی لہم وبقی مثل الذی اعطاهم۔

(مسند ص ۳۶۵)

یعنی جابر نے نبی ﷺ کے پاس آکر عرض کیا کہ میرے والد نے اپنے اوپر قرض چھوڑا

ہے۔ میرے پاس بس وہی ہوگا جو نخلستان سے پیداوار ہو۔ اور نخلستان کے کھجور قرض کے چھٹے حصے کو بھی نہ پہنچیں گے (لامحالہ ادائے قرض کے لیے مجھے مہلت درکار ہے) آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں تاکہ قرض خواہ مجھ سے بدکلامی نہ کریں۔ آپ نے کھجور کے ڈھیروں میں سے ایک ڈھیر کے گرد چکر لگایا۔ دعا فرمائی اور اس پر بیٹھ گئے اور فرمایا قرض خواہ کہاں ہیں؟ پس آپ نے ان کا حق واجب پورا ادا کر دیا اور جتنا انہیں دیا تھا اتنا ہی جابر کے لئے بچ رہا۔ یہ امام احمد کی روایت ہے اور واضح المعنی ہے۔ بخاری کی روایت میں ہے:

ولا يبلغ ما يخرج سنين ما عليه“ فمشی حول بيدر من بيادر التمر
فدعا ثم اخرو ثم جلس عليه فقال انزعوه.

(صحیح بخاری ص ۵۰۶ کتاب المناقب، علامات النبوة فی الاسلام)

بخاری کی اس روایت میں کئی غلطیاں ہیں جن کی وجہ سے یہ حدیث مبہمل و بے معنی ہو گئی ہے۔ سدس کی بجائے سنین کہہ دیا ہے ثم اخرو کا اضافہ کر دیا ہے پھر انزعوه کہا ہے۔ ابو نعیم کی مجلس میں بخاری کو شاید آخر میں جگہ ملتی تھی اس لئے ابو نعیم کی بیان کی ہوئی حدیث کو سننے اور لکھنے میں بخاری سے بہت غلطیاں ہوئی ہیں۔

زکریا سے اسحاق الازرق نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے اس کی تخریج نسائی نے فرمائی ہے اس میں ہے:

فاتى رسول الله ﷺ يدور بيدراً بيدراً فسلم حوله ودعا له.

ثم جلس عليه ودعا الغرام فاوفاهم وبقى مثل ما اخذوا۔

(سنن نسائی۔ کتاب الوصايا باب قضاء الدين قبل الميراث)

اس میں يدور بيدراً بيدراً فسلم حوله غلط و مبہمل عبارت ہے۔

فرزند کعب بن مالک کی روایت۔ بخاری نے کہا ہے:

حدثنا عبدان انا عبد الله انا يونس وقال الليث حدثني يونس عن ابن شهاب۔

اس اسناد کا مطلب یہ ہے کہ ابن شہاب زہری سے یونس بن یزید نے اس سے عبد اللہ

بن مبارک ولیث بن سعد نے عبد اللہ بن مبارک سے عثمان بن جبہ مروزی نے جس کا لقب عبدان ہے اس سے موصولاً اور لیث سے تعلیقاً بخاری نے روایت کی ہے۔ زہری نے کہا:

حدثني ابن كعب بن مالك ان جابر بن عبد الله اخبره ان اباہ قتل يوم احد شهيدا فاشتد الغرماء في حقوقهم فاتيت رسول الله ﷺ فكلمته فسألهم ان يقبلوا ثمر حانطي ويحللوا ابي فابوا فلم يعطهم رسول الله ﷺ حانطي ولم يكسره ولكن قال ساغدو عليک. قال فغدا علينا حين اصبح فطاف في النخل فدعا في ثمره بالبركة فجددتها فقضيتهم حقوقهم وبقي لنا من ثمرها بقية ثم جئت رسول الله ﷺ وهو جالس فاخبرته بذلك فقال لعمر اسمع وهو جالس يا عمر. فقال عمر الا يكون قد علمنا انک رسول الله والله انک لرسول الله.

(صحیح بخاری ص ۳۵۴ کتاب الہبة باب اذا وهب دینا علی رجل)

مجھے کعب بن مالک کے بیٹے نے بتایا کہ جابر بن عبد اللہ نے اسے خبر دی کہ ان کے والد جنگ احد میں شہید ہو گئے تو قرض خواہوں نے سخت تقاضہ کیا میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق گفتگو کی۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ جابر کے باغ میں جو کھجور ہیں سب قبول کر کے جابر کے باپ کو قرض سے بری قرار دیدو۔ (ان کی نگاہ میں باغ کے کل کھجور ان کے مطالبات سے کم تھے اس لئے) انہوں نے اسے منظور نہ کیا اس لئے آپ نے ان سے باغ کی کل پیداوار پر معاملہ کیا نہ کسی جز پر بلکہ مجھ سے فرمایا کہ کل صبح تمہارے باغ میں آؤں گا حسب وعدہ تشریف لائے تو باغ میں چکر لگایا اور دعا کی کہ یا رب اس کے پھلوں میں برکت عطا کر۔ پس میں نے پھل توڑے تو ان سب کا قرض نمٹا دیا۔ اور کچھ پھل ہمارے لئے بھی بچ رہے پھر میں نے رسول اللہ کے پاس حاضر ہو کر اس کی خبر دی تو آپ نے عمر سے جو وہیں بیٹھے تھے فرمایا اے عمر سن لو۔ حضرت عمر نے عرض کیا یہ نہ ہوگا۔ یعنی یہ تو ہونا ہی تھا۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کی قسم آپ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ روایت بتا رہی ہے کہ قرض خواہوں کا قرض آپ کے

سامنے ادا نہیں کیا گیا تھا۔ آپ تو دعائے برکت فرما کر باغ سے واپس آ گئے تھے آپ کے بعد جابر نے پھل توڑے اور قرض خواہ کا قرض بے باق کیا پھر آ کر آپ کو اس کی خبر دی۔ ظاہر ہے کہ یہ حدیث شعبی کی حدیث کے قطعاً خلاف ہے۔ دونوں کے تناقض کو نہ تطبیق سے رفع کیا جاسکتا ہے نہ ترجیح سے۔

وہب بن کیسان کی روایت

وہب سے ہشام بن عروہ وعبید اللہ بن عمر بن حفص نے ہشام سے انس بن عیاض و شعیب بن اسحاق نے انس کی روایت یہ ہے کہ حضرت جابر نے وہب بن کیسان کو بتایا:

ان اباہ توفي وترك عليه ثلاثين وسقا لرجل من اليهود فاستظره جابر فابی ان ينظره فكلّم جابر بن عبد الله رسول الله ﷺ ليشفع له اليه فجاءه رسول الله ﷺ فكلّم اليهودي ليأخذ تمر نخله بالتى له فابی فدخّل رسول الله ﷺ النخل فمشى فيها ثم قال لجابر جد له فاوف له الذى له فجده بعد ما رجع رسول الله ﷺ فاوفاه ثلاثين وسقا وفضلت له سعة عشر وسقا فجاء جابر رسول الله ﷺ ليخبره بالذى كان فوجده يصلى العصر فلما انصرف اخبره بالفضل فقال اخر بذاك ابن الخطاب. فذهب جابر الى عمر فاخبره فقال له لقد علمت حين مشى فيها رسول الله ﷺ ليبا ركن فيها۔

(صحیح بخاری ص ۳۲۲ کتاب الاستقراض باب اذا قاض او جازفه فی الدین فهو جائز)

کہ ان کے والد کی وفات ہوئی اور ان پر ایک یہودی کے تیس وسق یعنی پندرہ سو صاع کھجور قرض تھے۔ جابر نے اس سے مہلت مانگی۔ اس نے نہ مانا۔ جابر نے رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی کہ آپ اس یہودی سے سفارش کر دیں آپ نے اس کے پاس جا کر بات کی کہ اپنے قرض کے عوض جابر کے نخلستان کے سب کھجور لے لے۔ اس نے نہ مانا تب آپ نے جابر کے باغ میں جا کر اس کی سیر کر کے جابر سے فرمایا کہ پھل توڑ کر اس کا پورا قرضہ چکا دو جابر نے رسول اللہ ﷺ کی واپسی کے بعد پھل توڑ کر اسے تیس وسق دیدے اور جابر کے لئے سترہ وسق یعنی ایک

ہزار اور بیس صاع۔ بچے رہے جابر اس کی خبر دینے کے لیے حاضر خدمت ہوئے تو آپ کو نماز عصر ادا کرتے ہوئے پایا۔ نماز سے فارغ ہو جانے پر آپ کو اس سے مطلع کیا۔ فرمایا عمر بن خطاب کو بھی جا کر یہ خبر سنا دو۔ جابر نے حکم کی تعمیل کی۔ حضرت عمر نے کہا جس وقت رسول اللہ ﷺ تمہارے باغ میں چلے پھرے ہیں تبھی میں نے جان لیا تھا کہ اس میں ضرور برکت دی جائے گی۔

اس میں بھی زہری کی روایت کی طرح یہ مذکور ہے کہ باغ سے آپ کی واپسی کے بعد ہی جابر نے پھل توڑے اور قرضہ نمٹایا پھر آ کر آپ کو اس کی خبر دی لیکن شعبی و زہری کی روایت کے برخلاف اس میں ہے کہ قرضہ ایک یہودی کا تھا اور تمیں و سق کھجور تھا۔ مگر زہری کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رسول اللہ کے پاس ہی بیٹھے تھے جب جابر نے آ کر آپ کو خوشخبری سنائی تھی تو آپ نے فرمایا اسمع یا عمر۔ اور اس میں ہے کہ عمر چلے گئے تھے آپ نے جابر سے فرمایا کہ جا کر عمر بن خطاب کو بھی یہ خبر سنا دو۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں قطعاً متعارض ہیں شعیب بن اسحاق کی روایت ابن ماجہ نے اسی طرح نقل کی ہے بس دو باتوں میں انس بن عیاض کی روایت سے مختلف ہے۔ شعیب کی روایت میں ہے کہ یہودی کو ۳۰ سق دیدینے کے بعد جابر کے لئے بارہ سق بچے تھے یعنی سات سو بیس صاع۔ اور اس میں ہے کہ جابر جب آنحضرت ﷺ کو خوشخبری سنانے کے لئے آئے تو آپ موجود نہ تھے کہیں تشریف لے گئے تھے۔ آپ کی واپسی پر خوشخبری سنائی (سنن ابن ماجہ ص ۷۷ طبع ہند ابواب الصدقات باب اداء الدين عن الميت)

عبید اللہ بن عمر بن حفص کی روایت یہ ہے

عن وهب بن كيسان عن جابر بن عبد الله قال توفي ابي وعليه دين فعرضت علي غرمائه ان يأخذوا التمر بما عليه ولم يروا ان فيه وفاء فاتيت النبي ﷺ فذكرت ذلك له فقال اذا جددته فوضعتہ فی الجعريد اذنت رسول الله. فجاء ومعه ابوبكر وعمر فجلس عليه فدعا بالبركة ثم قال ادع غرمائك فارفهم. فما تركت احدا له علي ابي دين الا فضيه وفضل ثلاثة عشر وسقا سبعة عجوة وستة لون اوستة عجوة وسبعة لون. فوافيت مع رسول الله ﷺ

المغرب فذكرت ذلك له فضحك فقال انت ابا بكر وعمر
فاخبرهما فقالا لقد علمنا اذ صنع رسول الله ﷺ ما صنع ان
سيكون ذلك. (صحيح بخاری ص ۳۷۲ او اخر كتاب الصلح)

اس میں تصریح ہے کہ قرض خواہ کئی تھے اور یہ کہ جب جابر نے پھل توڑ کر کھلیاں میں رکھ
دیے ہیں تب رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر و عمر کے ساتھ وہاں جا کر کھجوروں پر بیٹھ کر دعائے برکت
کی ہے باغ میں گھومنے یا کھجور کے گرد چکر لگانے کا ذکر نہیں ہے آپ دعا کر کے جابر کو ہدایت
فرما کر کہ قرض خواہوں کو بلا کر ان کا حق ادا کر دو واپس ہو گئے ادائے قرض کے بعد جابر کو ۳۰ سبق
بچ گئے یعنی سات سو اسی ضاع۔ جابر نے آپ کے پاس مغرب کے وقت آ کر بعد مغرب مطلع
کیا۔ فرمایا کہ ابو بکر و عمر کو بھی جا کر بتادو۔

وہب بن کیسان نے یہ قصہ ہشام بن عروہ کو اور عبید اللہ بن عمر کو الگ الگ انداز سے
سنایا تھا۔ حالانکہ قصہ ایک راوی ایک پھر اختلاف کے کیا معنی؟

ابراہیم بن عبد الرحمن کی روایت

ابو حازم سلمہ بن دینار نے ابراہیم بن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن ابی ربیعہ سے اور اس نے
حضرت جابر سے روایت کی ہے کہ:

كان بالمدينة يهودى و كان يسلفنى فى تمرى الى الجداد و كانت
لجابر الارض التى بطريق رومة فجلست فخلعاعما. فجاء نبي
اليهودى عند الجداد و لم اجذمنها شيئا فجعلت استنظره الى قابل
فيا بى فاخبر بذلك النبي ﷺ فقال لاصحابه امشوا نستنظر
لجابر من اليهودى فجاؤونى فى نخلى فجعل النبي ﷺ يكلم
اليهودى فيقول ابا القاسم لا انظر فلما راه النبي ﷺ قام فطاف فى
النخل ثم جائه فكلم فابى فقمت فجلست بقليل رطب فوضعت بين
يدى النبي ﷺ فاكل ثم قال ابن عريشك يا جابر فاخبرته فقال

افرش لی فیہ ففرشت له فدخل فرقد ثم استيقظ فجنته بقبضة
 اخرى فاكل منها ثم قام فكلّم اليهودى فابى عليه فقام فى الرطاب
 فى النخل الثانية ثم قال يا جابر جدواقض فوقف فى الجذاذ
 فجددت ما قضيته وفضل مثله فخرجت حتى جنت النبی ﷺ
 فبشرته فقال اشهد انى رسول الله.

(صحیح بخاری ص ۸۱۸ کتاب الاطعمة باب الرطب والتمر)

ابراہیم بن عبد الرحمن مخزومی حضرت ابو بکر کے نواسے ہیں اور ام المؤمنین حضرت عائشہ
 رضی اللہ عنہا کے بھانجے۔ ان کی والدہ ام کلثوم بنت ابی بکر تھیں۔ ابو حازم کا بیان ہے کہ جابر نے
 ابراہیم بن عبد الرحمن کو بتایا تھا کہ مدینہ میں ایک یہودی مجھے ادھار کھجور دیا کرتا تھا۔ میں فصل پر
 اسے ادا کر دیتا۔ ایک سال میں ادا نہ کر سکا۔ پھر جب فصل آئی اور پھل توڑنے کا وقت آیا تو وہ
 یہودی میرے پاس آیا ہنوز میں نے پھل نہ توڑے تھے میں آئندہ فصل تک کے لئے اس سے
 مہلت مانگنے لگا وہ راضی نہ ہوتا تھا۔ اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ملی تو آپ نے اپنے اصحاب سے
 فرمایا چلو یہودی سے جابر کے لئے مہلت مانگیں۔ چنانچہ میرے باغ میں تشریف لے آئے
 یہودی سے بات کرنے لگے وہ کسی طرح مہلت دینے پر آمادہ نہ ہوا یہ حال دیکھ کر آپ کھڑے
 ہوئے نخلستان میں چکر لگایا۔ آکر پھر یہودی سے بات کی۔ اس نے نہ مانا۔ میں نے اٹھ کر
 تھوڑے سے تازہ کھجور لا کر آپ کے سامنے رکھے۔ تناول فرما کر پوچھا تمہاری جھونپڑی کہاں
 ہے۔ اس میں میرے لئے بستر بچھا دو۔ آپ نے آرام فرمایا بیدار ہوئے تو میں ایک منھی تازہ
 کھجور اور لے آیا۔ اس میں سے بھی کچھ کھایا۔ اٹھ کر پھر یہودی سے بات کی۔ اس نے قطعاً انکار
 کر دیا آپ دوبارہ نخلستان میں گھومے پھر آکر فرمایا جابر پھل توڑ کر اس کا قرض نمٹا دو۔ میں نے
 قرض بھی نمٹا دیا اور اتنا ہی مجھے بچ بھی رہا میں نے آکر آپ کو خوشخبری سنائی فرمایا میں گواہی دیتا
 ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

بخاری کی اس حدیث میں جابر کے والدہ کا ذکر نہیں۔ یہ مذکور ہے کہ خود جابر پر یہودی کا
 قرضہ تھا۔ اور ایک ہی یہودی کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ حدیث دیگر حدیثوں سے بالکل مختلف ہے۔

محمد بن منکدر کی روایت

شعبہ سے ابوالولید اور بشر بن مفضل نے روایت کی ہے کہ محمد بن منکدر نے کہا:
سمعت جابرا يقول اتيت النبي ﷺ في دين كان علي ابى فذقت
الباب فقال من ذا؟ فقلت انا فقال انا انا كانه كرهها.

میں ایک قرض کے بارے میں جو میرے والد پر تھا گزاری کرنے کے لئے نبی ﷺ کے پاس آیا۔ آپ گھر میں تھے۔ دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے فرمایا کون ہے؟ میں نے کہا میں ہوں (یہ نہیں کہا کہ جابر ہے) فرمایا میں میں یعنی آپ کو یہ پسند نہ آیا۔

ابوالولید کی روایت صحیح بخاری ص ۹۲۳ کتاب الاستیذان میں ہے اور بشر بن مفضل کی روایت سنن ابی داؤد کتاب الادب میں ہے (باب فی الاستیذان)

یہ حدیث صحیح ہے مگر اس میں ”فی دین کان علی ابی“ غلط ہے ابوالولید اور بشر بن مفضل نے وہاں کہہ دیا ہے۔

کیونکہ عفان بن مسلم وسعید بن ربیع اور وکیع ونضر بن شملیل وابو عامر عقدی و وہب بن جریر و بھز بن اسد و عبد اللہ بن ادریس نے بھی شعبہ سے اس کی روایت کی ہے۔ ان آٹھوں ثبت وثقہ حضرات میں سے کسی نے بھی ”فی دین کان علی ابی“ ذکر نہیں کیا۔

عفان کی روایت مسند احمد میں ہے (ج ۳ ص ۳۶۳) سعید بن ربیع کی سنن داری میں (ص ۳۵۱ طبع ہند کتاب الاستیذان بقیہ چھ اشخاص کی روایت صحیح مسلم میں ہے (ج ۳ ص ۳۵۱ طبع مصر) اس قصہ کے یہ طرق تو صحیح بخاری میں ہیں۔ رہی ابوالمتوکل ناجی کی روایت تو وہ مسند احمد میں ہے (مسند ۳ ص ۳۷۳) اور عمار بن ابی عمار کی روایت مسند احمد و سنن نسائی میں ہے۔ (مسند ۳ ص ۳۹۱ سنن نسائی کتاب الوصایا، قضاء الدین قبل الممات)

یحییٰ عزمی کی روایت داری و احمد نے تخریج کی ہے۔ (سنن داری ص ۱۲ طبع ہند مسند ۳ ص ۳۹۷) ابو یزید کی روایت بھی مسند میں ہے (ج ۳ ص ۳۹۵) یہ روایات چونکہ صحیح بخاری میں

نہیں ہیں اس لیے میں انہیں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا یوں بھی ان کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ با نام بوجہ متعارض ہونے کے ساتھ یہ سب موضوع ہیں۔ نہ ان کی سندیں لائق التفات ہیں نہ ان کی متون میں صحت کا شائبہ ہے۔

(۱۱۱) حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے متعلق

ابو ہریرہ سے مروی حدیث

یہ حدیث عبدالرحمان بن ہریرہ عرج اور محمد بن سیرین نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

عرج کی روایت

عرج سے ابوالزناد یعنی عبداللہ بن ذکوان نے اس سے شعیب بن ابی حمزہ اور ورقاء بن عمر شکرانی نے۔ شعیب کی روایت صحیح بخاری میں ہے:

حدثنا ابو الیمان اخبرنا شعیب قال اخبرنا ابو الزناد عن الاعرج عن ابي هريره قال قال النبي ﷺ هاجر ابراهيم بسارة فدخل بها قرية فيها ملك من الملوك او جبار من الجبابرة. فقبل دخل ابراهيم بامرأة هي من احسن النساء فارسل اليه ان يا ابراهيم من هذه التي معك. قال اختي ثم رجع اليها فقال لا تكذبي حديثي فاني اخبرتهم انك اختي. والله ان على الارض من مؤمن غيري وغيرك فارسل بها اليه فقام اليها فقامت توضأ وتصلي فقالت اللهم ان كنت امنت بك وبرسولك واحصنت فرجى الاعلى زوجى فلا تسلط على الكافر فقط حتى ركض برجله قال الاعرج قال ابو سلمة بن عبدالرحمن ان ابا هريرة قال قالت اللهم ان يمت

یقل ہی قتل فارسلہ ثم قام الیہا فقامت توضاً وتصلی وتقول
 اللہم ان کنت آمنت بک وبرسولک واحصنت فرجی الاعلی
 زوجی فلا تسلط علی هذا الکافر فقط حتی رکض برجلہ قال
 عبدالرحمن قال ابو سلمة قال ابوہریرۃ فقالت اللہم ان یمت یقل
 ہی قتلہ فارسل فی الثانیۃ او فی الثالثۃ. فقال واللہ ما ارسلتم الی
 الاشیطانا. ارجعوہا الی ابراہیم واعطوہا اجر. فرجعت الی
 ابراہیم فقالت اشعرت ان اللہ کبت الکافر واخدم ولیدۃ.

(ص ۲۹۵، کتاب البیوع باب شری الملوک من الحربی وھبتہ وعیقہ)

بخاری نے کہا ہم سے بیان کیا ابو الیمان حکم بن نافع نے کہ ہمیں بتایا شعیب نے کہ ہمیں
 بتایا ابو الزناد نے عبدالرحمن اعرج سے روایت کر کے۔ اس نے ابوہریرہ سے۔ کہا کہ فرمایا نبی ﷺ
 نے کہ حضرت ابراہیم اپنی بیوی کو سارہ کے ساتھ لے کر وطن سے نکل گئے تو ایک بستی میں داخل
 ہوئے جس میں ایک بادشاہ تھا یا یہ فرمایا کہ اس میں ایک ظالم حکمران تھا۔ اس سے کہا گیا کہ
 ابراہیم نامی ایک پردیسی ایک نہایت خوبصورت عورت کے ساتھ یہاں وارد ہوا ہے (اس ظالم
 حکمران نے شہر کے دروازے پر تعینات لوگوں کو حکم دے رکھا تھا کہ کوئی پردیسی کسی خوبصورت
 عورت کے ساتھ آئے جو اس کی بیوی ہو تو اسے قتل کر کے عورت کو ہمارے پاس لے آؤ اور بہن
 ہو تو اسے قتل نہ کرنا بس عورت کو اس سے لے کر ہمارے پاس پہنچا دو۔ ایک دورات اسے اپنے
 پاس رکھ کر ہم اسے اس کے بھائی کو واپس دیدیں گے) اسی دستور کے مطابق اس ظالم نے چکھوایا
 کہ اے ابراہیم یہ عورت جو تیرے ساتھ ہے تیری کیا لگتی ہے (حضرت ابراہیم کو اس ظالمانہ قانون
 کا علم ہو گیا تھا اپنی جان بچانے کی غرض سے) کہہ دیا کہ میری بہن ہے (کہا گیا کہ تو یہیں رک
 اسے ہم بادشاہ کے پاس لے جائیں گے) حضرت ابراہیم نے سارہ کو صورت حال سے آگاہ
 کر کے فرمایا کہ مجھے نہ جھٹلانا میں نے تمہیں اپنی بہن بتایا ہے اللہ کی قسم روئے زمین پر میرے اور
 تمہارے سوا کوئی مؤمن نہیں ہے یہ فہمائش کر کے سارہ کو اس کی طرف روانہ کر دیا۔ وہ (خلوت گاہ
 میں) ان کی طرف اٹھا تو وہ اٹھ کر وضو کرنے اور نماز پڑھنے لگیں تو اللہ سے عرض کیا میرے معبود

اگر میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں اور پارسا رہی ہوں تو اس کافر کو مجھ پر قابو نہ دے
 یکا یک اس ظالم کا گلا بھنچ گیا۔ (آواز بھی نہ نکل سکی) حتیٰ کہ اس نے زمین میں پاؤں مارے یعنی
 تڑپنے لگا۔ اس کا حال زار دیکھ کر سارہ گھبرا کر بولیں۔ میرے معبود اگر یہ مر جائے گا تو یہ ہی کہا
 جائے گا کہ اس عورت نے اسے قتل کیا ہے سارہ کے یہ کہنے سے وہ غیبی گرفت سے چھوڑ دیا گیا وہ
 دوبارہ ان کی طرف برے ارادہ سے اٹھا وہ اٹھ کر وضو کرنے اور نماز پڑھنے لگیں اور اللہ سے وہی
 بات عرض کی کہ اے معبود اگر میں تجھ پر اور تیرے نبی پر ایمان لائی ہوں اور پارسا رہی ہوں تو اس
 کافر کو مجھ پر قابو نہ دے۔ وہ فوراً پھر غیبی گرفت میں آ گیا حتیٰ کہ پاؤں زمین پر مارنے لگا۔ اس کا
 حال زار دیکھ کر سارہ نے پھر کہا خدا یا مر جائے گا تو یہ ہی کہا جائے گا کہ اس عورت نے اسے قتل
 کر دیا۔ غیبی گرفت نے پھر اسے چھوڑ دیا ایسا دوبار یا تین بار ہوا۔ آخر اس نے زچ ہو کر اپنے
 لوگوں سے کہا تم نے تو میرے پاس ایک شیطان بھیج دیا ہے۔ اسے لے جا کر ابراہیم کے حوالہ
 کر دو اور وہ ہمارے محل میں اجر نام کی جوڑی کی ہے اسے دیدو۔ سارہ نے ابراہیم علیہ السلام کے
 پاس جا کر کہا کیا آپ کو پتہ ہے (یعنی آپ کو معلوم ہونا چاہئے) کہ اللہ نے کافر کو ذلیل کر دیا اور
 اس نے خدمت کے لیے ایک باندی دیدی۔

شروع سے آخر تک یہ پورا قصہ غلط ہے۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ یہ نبی ﷺ کا ذکر فرمایا ہوا
 قصہ نہیں ہے۔ اس قصہ کے ترجمہ میں قوسین کے درمیان میں نے جو عبارت لکھی ہے۔ وہ اس
 حدیث میں لفظاً مذکور نہیں ہے لیکن اس کے بغیر قصہ بنتا نہیں ہے اس قصہ کے باطل ہونے پر
 دلالت کرنے والے نہایت واضح دلائل یہ ہیں۔

(۱) اس میں تصریح ہے کہ یہ قصہ حضرت ابراہیم کے ہجرت کر جانے یعنی وطن چھوڑ دینے
 کے بعد پیش آیا تھا اب ذرا سوچئے تو سبھی اللہ کا جو بزرگ مرتبہ بندہ اپنے وطن شہر میں وہاں کے
 عظیم الشان بادشاہ نمرود اور اس کی فوجوں سے وطن کے تمام چنڈتوں پر وہتوں اور مذہبی پیشواؤں
 سے قطعاً مرعوب نہ ہوا تھا جس نے بھرے دربار میں نمرود کو اپنی حجت سے مبہوت و ششدر کر دیا
 تھا جو آگ کے بھڑکائے ہوئے زبردست الاؤ سے جو اسے زندہ جلاڈالنے کے لیے تیار کیا گیا تھا

ذرا بھی خوفزدہ نہ ہوا تھا جس کی پامردی و استقامت اور پرزور دعوت و تبلیغ کے نتیجہ میں اسے سچے بچے اور حق کوش متبعین کی ایسی زبردست۔ غرر اور مخلص جماعت مل گئی تھی جسے باطل و اہل باطل سے بیزاری و دشمنی اختیار کرنے میں حق تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے صحابہ کرام کے سامنے بطور نمونہ ذکر فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ تم مؤمنین کے لیے اس جماعت کے کردار میں اسوۂ حسنہ ہے (سورہ ممتحنہ) ممکن نہیں کہ وہ ایک ظالم حکمران سے اتنا خوفزدہ ہو جائے کہ خود بھی جھوٹ بول کر بیوی کو اپنی بہن بتائے اور بیوی کو بھی اس جھوٹ میں اپنی موافقت کرنے کی تاکید کرے اور اس ظالم کے اس خبیث قانون کے خلاف کوئی احتجاج کرنے اور پسند و نصیحت فرمانے کے بجائے اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام جب مصر پہنچے ہیں جہاں کا یہ قصہ بتایا جاتا ہے تو ان کی بیوی سارہ رضی اللہ عنہا کی عمر پینسٹھ سال ہو چکی تھی ایسی سن رسیدہ عورت خواہ صحت مند ہو اور جوانی میں حسن و جمال کے لحاظ سے یکتائے روزگار رہی ہو لیکن ظاہر ہے کہ ایک عیاش بادشاہ اس کا گرویدہ نہیں ہو سکتا تھا۔

(۳) اس میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم نے بیوی کو بہن بتانے کی وجہ میں حضرت سارہ سے قسم کھا کر کہا تھا واللہ ان علی الارض مؤمن غیری و غیرک زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی مؤمن نہیں ہے۔ یہ کیسے درست ہو سکتا ہے لوط علیہ السلام جو حضرت ابراہیم کے بھتیجے تھے اس سفر میں ساتھ ہی تھے کیونکہ مصر سے کنعان پہنچنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت لوط کو سدوم کی طرف بھیجا تھا۔ پھر شاید ابوہریرہ کو سورۃ الممتحنہ یاد نہ تھی یا اس آیت سے ذہول ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین سے خطاب کر کے فرمایا ہے قد کانت لکم اُسوة حسنة فی ابراہیم والذین معہ اذ قالوا لقومہم انا برئاء منکم ومما تعبدون من دون اللہ کفرنا بکم وبداینا بکم العداوة والبغضاء ابدأ حتی تؤمنوا باللہ وحدہ۔ تمہارے لیے اچھی پیروی ہے ابراہیم اور ان مسلمانوں میں جو اس کے ساتھ تھے۔ جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ ہم تم سے اور اس سے جسے تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بیزار ہیں

ہم نے تمہارا انکار کیا ہے۔ (یعنی نہ تمہارے قول کو صحیح مانتے ہیں نہ تمہارے فعل کو نہ تمہارے اقتدار کو) اور ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور شدید بغض ہمیشہ کے لئے آشکارا ہو چکا ہے یہاں تک کہ تم اللہ پر ایمان لے آؤ جو اکیلا ہے۔

یقیناً ان مؤمنین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہی ہجرت کی تھی سفر میں آنحضرت کی کوئی منزل نہ تھی بکریاں اور گائیں ساتھ تھیں جہاں سبزہ زار آتا وہاں ڈیرے ڈال دیتے۔ دوران ہجرت جو انسانی آبادیاں پڑتیں۔ ہر بستی کے باشندوں کی اصلاح فرماتے، دعوت و تبلیغ و اصلاح کا کام کرتے ہوئے رفتہ رفتہ مصر پہنچ گئے۔ غرضیکہ حضرت ابراہیم و سارہ تنہا نہ تھے ان کے ساتھ کافی تعداد میں مؤمنین تھے۔ حضرت ابراہیم کے اپنے مولیٰ اور مؤمنین کے مولیٰ تھے مختلف علاقوں سے گذرنے اور دعوت و اصلاح کا مسلسل کام کرنے کی وجہ سے آپ کافی مشہور و معروف ہو چکے تھے۔ پھر آپ اپنی بیوی سارہ سے قسم کھا کر یہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی مؤمن نہیں ہے۔

(۳) اس میں مذکور ہے کہ جب بھی وہ بادشاہ سارہ کی طرف اٹھا تو وہ اٹھ کر وضو و نماز میں اور پھر دعا میں مصروف ہو گئیں۔ تسلسل کے ساتھ یہ تین بار ہوا۔ تو کیا ان کا وضو اتنی جلدی ٹوٹ جاتا تھا؟ گرفت تو اس کی دعا کے بعد ہوئی۔ تو پہلی بار کے تجربہ کے بعد بھی وہ دوبار مزید انہیں وضو و نماز کی مہلت دیتا رہا؟

(۴) اعرج کی اس روایت میں تو یہ مذکور ہے کہ وہ جب بھی غیبی گرفت میں آ کر بے بس ہوا تو حضرت سارہ نے اس خیال کے تحت اللہ سے اس کی جاں بخشی چاہی کہ مر جائے گا تو یہ ہی کہا جائے گا کہ اس عورت نے اسے قتل کر دیا ہے۔ حالانکہ وہ مر جاتا تو کسی کو اس کے جسم پر نہ کوئی زخم نظر آتا نہ چوٹ لگی ہوئی دکھائی دیتی پھر حضرت سارہ اس خیال کے تحت اللہ سے اس کی جاں بخشی کیوں چاہتیں۔

یہ تو اعرج کی روایت میں ہے اور محمد بن سیرین کی روایت میں جو آ رہی ہے یہ ہے کہ جب وہ غیبی گرفت میں بے بس ہوا تو اس نے جان لیا کہ یہ اس کی بددعا کا نتیجہ ہے اس لئے التجا

کی کہ اللہ سے میری مخلصی کی دعا کیجئے میں آپ کو کوئی تکلیف نہ دوں گا۔ ادعی اللہ لی ولا اضربک، حضرت سارہ نے مخلصی کی دعا کی اس نے بد عہدی کی اور آمادہ شر ہوا پھر گرفت میں لے لیا گیا تین بار ایسا ہی ہوا۔ قصہ ایک ہے اعرج وابن سیرین دونوں نے ابو ہریرہ سے اس کی روایت کی تھی لامحالہ دونوں کی روایت میں مطابقت ضروری ہے، اعرج کی بہ نسبت ابن سیرین کی روایت کے اس جزء میں معقولیت ہے۔ اعرج کی ذکر کی ہوئی بات نامعقول ہے۔

(۵) اس بادشاہ کا سارہ رضی اللہ عنہا کے متعلق اپنے آدمیوں سے ما ارسلتم الی الا شیطانا۔ کہنا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس نے سارہ کو بری سمجھا تھا کہ انہیں شیطان صفت جادوگرنی قرار دیا لیکن آجرنامی کینز انہیں عطا کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ان کی بزرگی و خدا رسیدگی کا معتقد ہو گیا تھا۔ تعجب ہے کہ ابو ہریرہ کو یہ نقل کرتے ہوئے اس میں تضاد محسوس نہ ہوا۔ حق یہ ہے کہ نہ اس نے ما ارسلتم الی الا شیطانا کہا تھا نہ اعطوہا اجر کہا تھا جیسا کہ میں انشاء اللہ واضح کروں گا۔

یہ تو شعیب کی ابو الزناد سے سنی ہوئی حدیث تھی۔ رہا ورقاء بن عمر شکاری تو اس کی روایت مسند احمد میں امام احمد نے کہا ہے:

حدثنا علی بن حفص ثنا ورقاء عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی هريرة قال: قال رسول الله ﷺ لم يكذب ابراهيم الا ثلاث كذبات قوله حين دعى الى آلهتهم انى سقيم وقوله بل فعله كبيرهم هذا وقوله لسارة انها اختى قال ودخل ابراهيم قرية الخ باقى حديث بخارى کی روایت کی طرح ہے۔ (مسند ۲ ص ۴۰۳)

ورقاء کی روایت کا یہ اضافہ بھی قطعاً غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو خطاب کر کے سورہ مریم میں فرمایا ہے واذکر فی الكتاب ابراهيم انه كان صديقاً نبیاً اس میں حضرت ابراہیم کو صدیق بتایا ہے۔ نہایت راست گو یہ مبالغہ کا صیغہ ظاہر ہے کہ اللہ نے جس بندہ کے صدیق ہونے کی شہادت دی ہے ناممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کے متعلق یہ فرماتے کہ اس

بندہ برگزیدہ نے تین جھوٹ بولے تھے ہمیں یقین ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لم یکذب
 ابراہیم الا ثلاث کذبات ہرگز نہیں کہا۔ پھر اس جاہل و رقاء بن عمر بشکری نے ان تین دروغ
 گویوں میں سے پہلی دروغ گوئی یہ بتائی ہے کہ ابراہیم نے انی سقیم (میری طبیعت خراب
 ہے۔ میں بیمار ہوں) کہا تھا جب ابراہیم کو ان کے معبودوں کی طرف بلایا گیا تھا معروف بات تو
 یہ ہے کہ پوری قوم ایک تہوار مناتی تھی۔ مرد و عورت جوان، بوڑھے بچے سب اچھے اچھے کپڑے
 پہن کر شہر سے باہر ایک جگہ جمع ہوتے اور تفریحی مشغلوں میں مصروف رہتے۔ حضرت ابراہیم نے
 بھی ان کے گھر والوں اور اعزاء و اقربا سے تہوار میں شرکت کے لیے چلنے کو کہا۔ آپ نے انی
 سقیم کہہ کر معذرت کر دی۔ ان راویوں کو شیطان نے یہ وحی کر دی کہ فی الواقع ابراہیم بیمار نہ
 تھے۔ ان کی طبیعت بالکل ٹھیک تھی انی سقیم کہہ کر انہوں نے جھوٹا بہانہ بنایا تھا۔

دوسرا جھوٹ راویوں نے جہل و بد فہمی کی بنا پر یہ بتایا کہ بتوں کو توڑا تھا حضرت ابراہیم
 نے اور جب ان سے پوچھا گیا تو کہہ دیا ”بل فعلہ کبیر ہم هذا“ بلکہ یہ کام ان کے اس
 بڑے نے کیا ہے حضرت ابراہیم کے اس قول کو جھوٹ قرار دینا ان راویوں کے جہل و بد فہمی کا نتیجہ
 ہے۔ غلط روی و غلط فکری میں پڑے ہوئے شخص سے ایسی بات کہنا جو اسے غلط فکری سے نکالنے
 والی اور غلط روی سے باز رکھنے والی ہو بڑا عمدہ حکیمانہ اسلوب ہے۔ ایک رشوت ستاں افسر کو کسی
 نے سمجھایا کہ رشوت لینا حرام ہے اس سے تو بہ کر لینی چاہیے۔ بولا بچوں کی پرورش اس پر مجبور
 کر رہی ہے۔ اصل تنخواہ سے مصارف پورے نہیں ہوتے۔ ناصح نے کہا ہاں یہ واقعی مجبوری ہے
 میں نے سنا ہے کہ آپ کے ہر بچے نے پیدا ہونے سے پہلے ہی آپ سے کہہ دیا تھا کہ میں اس
 شرط پر ماں کے پیٹ سے باہر آؤں گا کہ آپ رشوت لیا کریں۔ مجھے اللہ کی رزق رسانی پر
 اطمینان نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ناصح کی اس حکیمانہ بات کو کوئی عقلمند جھوٹ نہیں کہہ سکتا۔ پنڈتوں
 اور پجاریوں نے عوام کو باور کرا رکھا تھا کہ ان مورتیوں میں بڑی شکتیاں ہیں اور ہم سے ان کا
 خاص تعلق ہے۔ ہمیں خاص خاص باتیں بتاتے رہتے ہیں ابراہیم علیہ السلام نے شرک و بت
 پرستی کو گمراہی بتایا۔ دعوت توحید دی اور فرمایا ونا اللہ لا کیدن اصنامکم بعد ان تولوا
 مدبرین • اور بخدا میں یقیناً تمہارے بتوں کو نقصان پہنچانے کی تدبیر کروں گا تمہارے چلے

جانے کے بعد ”چنانچہ جب وہ لوگ میلے میں چلے گئے تو آپ بڑے مندر میں پہنچے بتوں کے سامنے قسم قسم کی مٹھائیاں اور عمدہ غذائیں رکھی تھیں۔ زہر خند کرتے ہوئے فرمایا کھاتے کیوں نہیں تم تو بولتے بھی نہیں۔ فجعلہم جذاذاً الا کبیراً لہم لعلہم الیہ یرجعون۔ پس انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ بجز ان کے ایک بڑے بت کے۔ اس امید پر کہ وہ اس کی طرف لوٹیں گے۔ یعنی آپ یہی چاہتے تھے کہ لوگ واپس آ کر آپ سے بت شکنی کے متعلق پوچھیں اور آپ انہیں اچھی طرح قائل کر دیں۔ واپس آ کر انہوں نے اعیان شہر کو بلا کر ان کے سامنے ہی پوچھا کہ ابراہیم کیا تو نے ہی ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ فرمایا بل فعلہ کبیرہم ہذا فاسئلوہم ان کانوا ینطقون۔ بلکہ یہ کام ان کے اس بڑے نے کیا ہے پس تم ان سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہوں۔ یعنی دیکھو یہ بڑا بت تو صحیح و سالم ہے۔ اس کے گرد و پیش جو بت ہیں وہی مضروب ہیں بظاہر تو یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی بات پر خفا ہو کر بڑے نے ہی ان کی یہ گستاخانی ہے اس سے پوچھو گے تو نہیں بتائے گا کیونکہ خطا کار عموماً اپنی غلطی کا اقرار نہیں کرتا۔ ان سے ہی پوچھو یہ تو امر ہیں بس زخمی ہی تو ہو گئے ہیں اور آپ لوگ کہتے ہی ہیں کہ پروہتوں اور خاص سیوکوں کو یہ بہت سی باتیں بتا دیا کرتے ہیں۔ تو اگر واقعی یہ بولا کرتے ہیں تو خود ہی حادثہ کی تفصیل بتا دیں گے۔

اس طرح ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کو یہ باور کرانے کی کامیاب تدبیر فرمائی تھی کہ بت پرستی صریح گمراہی ہے۔ بتوں میں کوئی شکتی نہیں۔ نفع یا نقصان پہنچانے کی کوئی قدرت نہیں اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتے پھر تمہاری کیا حمایت کر سکتے ہیں۔ اپنا حال بتانے سے بھی قاصر ہیں تمہاری کیا فریادری کریں گے۔

ترمذی نے ابوالزناد کی بیان کی ہوئی یہ باطل و بے ہودہ حدیث محمد بن اسحاق کے طریق سے روایت کی ہے:

”عن ابی الزناد عن عبدالرحمن الاعرج عن ابی ہریرہ قال قال رسول اللہ ﷺ لم یکذب ابراہیم فی شئی قط الا فی ثلاث قوالہ انی سقیم ولم یکن سقیماً وقولہ لسارة اختی وقولہ بل فعلہ کبیرہم

ہذا۔ ترمذی نے کہا: ہذا حدیث حسن صحیح۔

(سنن الترمذی سورۃ الانبیاء)

حالانکہ اس غلط کہانی کا صحت سے ذرا بھی تعلق نہیں ہے۔ ابوالزناد سے اس کی روایت شعیب بن ابی حمزہ نے ورقاء بن عمر نے اور ابن اسحاق نے کی ہے۔ شعیب کی روایت صحیح بخاری میں ہے ورقاء کی مسند احمد میں اور ابن اسحاق کی ترمذی کی کتاب میں۔

محمد بن سیرین کی روایت

ابن سیرین سے ایوب سختیانی و حشام بن حسان نے روایت کی ہے ایوب سے جریر بن حازم و حماد بن زید و عمر بن راشد نے۔

جریر کی روایت بخاری و مسلم دونوں نے تخریج کی ہے لیکن بخاری نے جریر و حماد دونوں کی اسناد الگ الگ ذکر کی ہے اور متن یکجا بیان کیا ہے اور مسلم نے جریر بن حازم کی ذکر کی ہوئی اسناد کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہو متن بھی پورا نقل کیا ہے اس لیے میں صحیح مسلم میں درج شدہ متن نقل کر رہا ہوں:-

عن محمد بن سیرین عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال لم یکذب ابراهیم النبی علیہ السلام قط الا ثلاث کذبات ثنین فی ذات الہ قولہ انی سقیم وقولہ بل فعلہ کبیرہم ہذا و واحدۃ فی شأن سارہ۔ فانہ قدم ارض جار ومعه سارۃ وکانت احسن الناس فقال لہا ان ہذا الجبار ان یعلم انک امرأتی یغلبنی علیک۔ فان سالتک فاخبریہ انک اختی فانک اختی فی الاسلام فانی لا اعلم فی الارض مسلما غیری وغیرک۔ فلما دخل ارضہ راہا بعض اہل الجبار فاتاہ، فقال لہ لقد قدم ارضک امرأۃ لا ینبغی ان تكون الا لک۔ فارسل الیہا فأتی بہا فقام ابراهیم علیہ السلام الی الصلاۃ۔ فلما دخلت علیہ لم یتماک ان یسط یدہ الیہا فقبضت یدہ قبضۃ شدیدۃ فقال لہا ادعی اللہ ان بطلق یدی ولا اضربک۔

ففعلت. فعاد فقبضت اشد من القبضة الاولى فقال لها مثل ذلك ففعلت وأطلقت يده. فعاد فقبضت اشد من القبضتين الا وليين فقال ادعى الله ان يطلق يدي فلك الله ان لا اضرك ففعلت واطلقت يده ودعا الذى جاء بها فقال له انك انما اتيتنى بشيطان ولم تأتني بانسان فاخرجها من ارضي واعطها اجر. قال فاقتبلت تمشى. فلما راها ابراهيم عليه السلام انصرف فقال لها مهيم. قالت خيرا كفى الله يد الفاجر واخدم خادما. قال ابو هريره فتلك امكم يا بنى ماء السماء.

(صحيح مسلم ۴ ص ۸۹ طبع مصر كتاب الفضائل)

حماد بن زید کی روایت صحیح بخاری میں ہے۔ عن ایوب عن محمد بن سیرین عن ابی ہریرہ قال لم یکذب ابراهیم الا ثلاث کذبات الخ.

(صحیح بخاری ص ۴۷۴ کتاب الانبیاء ذکر ابراهیم علیہ السلام)

یعنی حماد بن زید نے ایوب سے اور اس نے محمد بن سیرین سے اس نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے۔ ابو ہریرہ نے کہا کہ حضرت ابراہیم نے بس تین جھوٹ بولے تھے۔ حماد بن زید کی روایت کے مطابق یہ قصہ حدیث مرفوع یعنی نبی ﷺ کا بیان کیا ہوا نہیں ہے بلکہ ابو ہریرہ کا بیان کیا ہوا ہے۔ ابو ہریرہ نے یہ نہیں بتایا کہ انہیں یہ قصہ کسی سے معلوم ہوا تھا۔

بخاری نے جریر بن حازم و حماد بن زید دونوں کی اسناد ذکر کر کے طالبان حدیث کی یہ بجا رہنمائی فرمائی ہے کہ جریر بن حازم چونکہ بہ حفظ اور کثیر الخطا راوی تھا۔ اور حماد بن زید مثبت وثقہ ہے۔ جریر سے بدرجہا فائق و افضل ہے اس لیے حماد کی اسناد ہی صحیح و قابل اعتماد ہے۔ سمجھنا چاہیے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ ابو ہریرہ کی ذکر کی ہوئی کہانی ہے۔ جریر بن حازم نے وہم و غلطی سے اسے حدیث مرفوع قرار دیدیا ہے۔ یعنی اس کی اسناد میں قال رسول اللہ ﷺ کہتا جریر بن حازم کی غلطی ہے۔ معمر کی اسناد بھی حماد بن زید کی طرح ہے معمر نے بھی یہ قصہ ابو ہریرہ کی کہی ہوئی کہانی کے طور پر نقل کیا ہے (فتح الباری ج ۶)

ہشام بن حسان سے عبدالوہاب بن عطاء خفاف (موزہ فروش) نے روایت کی ہے جو سنن ابی داؤد میں ہے کہا ہے:

حدثنا محمد بن المثنی ثنا عبدالوہاب ثنا ہشام عن محمد بن سبرین عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ ان ابراہیم علیہ السلام لم یكذب الا ثلاثا الخ.

(سنن ابی داؤد کتاب الطلاق باب فی الرجل یقول لامراتہ یا اختی)
اس کی اسناد میں عن النبی ﷺ عبدالوہاب کی غلط بیانی ہے۔ عبدالوہاب بن عطاء ضعیف و غیر ثقہ شخص تھا (تہذیب التہذیب)

پس ابو ہریرہ سے یہ قصہ عبدالرحمن بن ہرمز اعرج نے اور محمد بن سیرین نے روایت کیا ہے۔ اعرج نے اسے حدیث مرفوع بتایا ہے اور ابن سیرین نے اسے خود ابو ہریرہ کا ذکر کیا ہوا قصہ ابن سیرین اعرج سے بدرجہا افضل اور زیادہ ثقہ تھے بس یہ سمجھنا بجا ہے کہ اسے حدیث مرفوع قرار دینا اعرج یا اس کے شاگرد ابو الزناد کا وہم ہے۔ اعرج و ابن سیرین کے بیان میں بھی اختلاف ہے۔ اعرج کی روایت زیادہ نامعقول باتوں پر مشتمل ہے۔ اور گواہ ابن سیرین کی روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ ابو ہریرہ نے یہ قصہ کس سے سنا تھا لیکن معلوم ہے کہ ابو ہریرہ کی نو مسلم یہودی کعب احبار سے دوستی تھی۔ وہ مسلمانوں میں اسرائیلی صحیفوں اور تورات کے حوالہ سے طرح طرح کی معقول و غیرہ معقول باتیں بیان کرتا تھا اس کی ان روایات کی وجہ سے عام مسلمان اسے قدیم کتب انبیاء کا قبح عالم سمجھتے تھے۔ عام مسلمانوں کے پاس اس کی کہنی ہوئی باتوں کے جھوٹ سچ کو پرکھنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا کیونکہ وہ کتابیں یونانی یا عبرانی زبان میں تھیں عربی زبان میں ہنوز ان میں سے کسی کتاب کا ترجمہ نہ ہوا تھا اس کے علمی تبحر کے قائل ہو جانے کی وجہ سے ہی لوگ اُسے حبر نہیں بلکہ احبار کہا کرتے تھے یعنی وہ ان کی نظر میں ایک عالم نہیں بلکہ بہت سے علماء کا مجموعہ تھا۔ جب اسرائیلی صحیفے دوسری زبانوں میں ترجمہ ہو کر چھپ کر منظر عام پر آ گئے تب پتہ چلا کہ اس کی اڑائی ہوئی بہت سی روایات سرے سے ان صحیفوں میں ہیں ہی نہیں اور جو ہیں تو کعب

نے انہیں صحیح نفل نہیں کیا۔ اناپ شاپ کا کچھ کا کچھ کہہ ڈالا۔ حضرت ابو ہریرہ اور کعب دونوں بیٹھ جاتے ابو ہریرہ کعب کو نبی ﷺ سے سنی ہوئی حدیثیں سناتے اور کعب ان سے اسرائیلی روایات بیان کرتا۔ سادگی طبع کی بنا پر ابو ہریرہ اس کی باتوں کو باور کر لیتے۔ پھر ابو ہریرہ سے یہ غلطی ہوئی کہ کعب سے سنی ہوئی باتیں بھی ان لوگوں سے بیان کر دیتے جو حدیثیں سننے کے لئے ابو ہریرہ کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ ابو ہریرہ ان روایات کو بیان کرتے ہوئے کبھی کبھی کعب کا نام بھی نہ لیتے تھے۔ ایسی ہی روایات میں ابو ہریرہ کے شاگردوں کو دھوکا لگا ہے کہ یہ سمجھ لیا کہ ابو ہریرہ نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوگی۔ انہوں نے اسے روایت کرتے ہوئے گمان کو یقین کا درجہ دیکر ”قال رسول اللہ ﷺ کہہ کر دیا عرج سے اس قصہ کو روایت کرنے میں یہی غلطی ہوئی تھی یہ قصہ ابو ہریرہ نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں بلکہ کعب احبار سے سنا تھا۔ بابل کے سفر تکوین یعنی کتاب پیدائش میں یہ قصہ مذکور ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ ابراہیم لوط اپنی بیوی اور اپنے ساتھ کے ادیوں اور مویشیوں کو لے کر حاران سے رفتہ رفتہ کنعان میں پہنچے۔

اور اس ملک میں کال پڑا اور ابرام (یعنی ابراہیم) مصر کو گیا کہ وہاں نکار ہے کیونکہ ملک میں سخت کال تھا اور جب مصر میں داخل ہونے کو تھا تو اپنی بیوی سارہ سے کہا کہ دیکھ میں جانتا ہوں کہ تو دیکھنے میں خوبصورت عورت ہے۔ مصری مجھے دیکھ کر کہیں گے کہ یہ اس کی بیوی ہے سو وہ مجھے تو مار ڈالیں گے اور تجھے زندہ رکھیں گے سو تو یہ کہہ دینا کہ میں اس کی بہن ہوں تاکہ تیرے سبب سے میری خیر ہو اور میری جان تیری بدولت بچی رہے اور جب ابرام مصر میں آیا تو مصریوں نے اس عورت کو دیکھا کہ وہ نہایت خوبصورت ہے۔ اور فرعون (یعنی بادشاہ مصر) کے امرانے اسے دیکھ کر فرعون کے حضور میں اس کی تعریف کی اور وہ فرعون کے گھر میں پہنچائی گئی اور اس نے اس کی خاطر ابرام پر احسان کیا اور بھیڑ بکریاں، گائے بیل، گدھے غلام اور لونڈیاں، گدھیاں اور اونٹ اس کے پاس ہو گئے۔ پھر خداوند نے فرعون اور اس کے خاندان پر سارہ کے سبب سے بڑی بڑی بلائیں نازل کیں۔ تب فرعون نے ابرام کو بلا کر کہا تو نے مجھے کیوں نہ بتایا کہ یہ تیری بیوی ہے۔ تو نے یہ کیوں کہا کہ یہ میری بہن ہے اسی لئے میں نے اسے اپنی بیوی بنانے کے لئے لے لیا تھا۔ سو

دیکھ تیری بیوی حاضر ہے اس کو لے اور چلا جا اور فرعون نے حکم دیا اُس کے آدمیوں نے اسے اور اس کی بیوی کو سب مال کے ساتھ روانہ کر دیا کتاب پیدائش باب ۱۲- آیات ۹ تا ۲۰) وہاں سے روانہ ہو کر ابرام و سارہ و لوط کنعان پہنچے ابرام اور لوط کے ساتھ اپنا مال نقد اور مویشی اس قدر تھا کہ دونوں ساتھ نہ رہ سکے۔ ابرام اور لوط کے چرواہوں میں جھگڑا ہوا تو ابرام نے لوط سے کہا مناسب یہ ہے کہ تو یہاں سے اپنے مال کو لے کر چلا جائے تاکہ ہمارے درمیان جھگڑا نہ ہو۔ اس کے مطابق لوط سدوم و غمورہ کی طرف چلا گیا۔ (پیدائش باب ۱۳- آیات ۱ تا ۱۳)

سارہ بے اولاد تھی۔ اس نے کنعان میں اپنی مصری لونڈی جس کا نام ہاجرہ تھا ابرام کو دیدی کہ اس سے صحبت کر ممکن ہے کوئی بچہ ہو جائے ہاجرہ حاملہ ہو گئی تو سارہ اس پر سختی کرنے لگی وہ اس کی سختیوں کی تاب نہ لا کر بھاگ گئی رات کو خواب میں اسے فہمائش کی گئی کہ اپنی مالک کے پاس واپس جائے۔ آخر ہاجرہ کے بطن سے اسماعیل بیٹا پیدا ہوا (پیدائش باب ۱۶)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کی مصری بیوی کے بطن سے تھے جن کا نام ہاجرہ تھا ان کے تقریباً گیارہ سال بعد پہلی بیوی سارہ کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے حضرت اسماعیل کی اولاد تو مکہ مکرمہ اور حجاز کے دیگر علاقوں میں آباد ہوئی اور حضرت اسحاق کی نسل جو ان کے فرزند یعقوب اسرائیل کی نسبت سے بنی اسرائیل کہلاتی ہے اولاد کنعان میں رہی پھر مصر منتقل ہو گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بدولت انہیں مصر سے چھٹکارا ملا کچھ مدت بعد انہیں ملک شام میں حکمرانی نصیب ہوئی پھر مختلف ممالک میں پھیل گئے۔ پس بنی اسماعیل و بنی اسرائیل یوں تو ایک ہی درخت کی دو شاخ ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کے عہد رحمت تک دونوں میں علم کے لحاظ سے زبردست فرق رہا ہے بنی اسماعیل ان پڑھ لوگوں کی امت رہے ہیں۔ لکھنے پڑھنے سے نا آشنا اور بنی اسرائیل ہمیشہ پڑھے لوگوں کی قوم رہی ہے بنی اسرائیل خوب جانتے تھے کہ بنی اسماعیل نسل ابراہیم ہونے میں ان کے شریک ہیں لیکن چاہتے تھے کہ انہیں عالیٰ نبی میں بنی اسماعیل سے بہتر و برتر مانا جائے۔ فتنہ و فساد پھیلانے اور دروغ بانی کرنے میں بنی اسماعیل تو کیا دنیا کی کوئی بھی قوم کبھی ان کی ہم پلہ نہیں ہوئی۔ پس بنی اسماعیل کو

نسب کے لحاظ سے بنی اسرائیل کے مقابلہ میں گھٹیا ثابت کرنے کے لئے اسرائیلی علماء و مورخین اور صحیفہ پیدائش (سفر تکوین) کے مؤلفین نے جھوٹی تاریخ سازی کا گھناؤنا جرم کیا۔ حضرت ابراہیم اور انبیاء کے تذکرے جو بائبل اور اسرائیلی صحیفوں میں ہیں مطالعہ کرنے والوں کو اس عظیم جدوجہد اور محنت و مشقت کے ذکر سے خالی ہی ملیں گے جو دعوت و تبلیغ حق اور اصلاح خلق کے لئے ان حضرات نے کی تھی ہاں فضول و بے سود باتوں کی بھرتی ان میں ضرور ہے۔ غلط کہا ہے کہ آنحضرت کنعان میں کال پڑ جانے کی وجہ مصر گئے۔ دیگر سفروں کی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ سفر بھی دعوتی و تبلیغی تھا۔ اللہ نے آپ کو امام الناس بنایا تھا مصر پہنچے تو اعیان مصر زیارت کے لئے آئے آپ نے شرک و معصیت سے بچنے اور تنہا حق تعالیٰ کی عبادت کرنے کی تبلیغ و پراثر نصیحتیں فرمائیں مصر کا بادشاہ اور اکثر عوام و خواص آپ پر ایمان لے آئے مخلص بادشاہ نے سوچا کہ آنحضرت سے قرابت قریبہ کا شرف حاصل ہو جائے۔ ہاجر نام کی اس کی ایک بہن تھی نہایت شریف و پاکیزہ خصال اسے آپ کی زوجیت میں دیدیا اور نصیحت کر دی کہ آنحضرت کی پہلی بیوی حضرت سارہ کا مقام و مرتبہ ملحوظ رکھنا ان کی خدمت گار بن کر رہنا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرزند جلیل اسماعیل عطا فرمایا۔ وہ شیر خوار ہی تھے کہ حکم ہوا ماں بیٹے کو یک دتھا مکہ میں چھوڑ آؤ۔ پڑھے لکھے حق دشمن یہودیوں نے اس سادہ تاریخی واقعہ کو قطعاً جھوٹے قصے میں بدل کر سفر تکوین میں ثبت کر دیا تاکہ اسے پڑھنے سننے والے جان لیں کہ اسماعیل کی ماں آزاد اور حبیب نجیب نہ تھی۔ سارہ کو ملی ہوئی مصری نوٹھی تھی۔ لامحالہ بنی اسماعیل نسب کے لحاظ سے بنی اسرائیل سے گھٹیا ہیں۔

بنی اسماعیل میں کسی کو بھی پتہ نہ چل سکا کہ ان پر بنی اسرائیل نے کیسا تاریخی ظلم کیا ہے۔ اس لئے کہ وہ لکھنے پڑھنے سے اور کتابوں کے مطالعہ سے نا آشنا تھے، اور اہل عرب دیگر تمام قوموں کی طرح نسب کو فخر کی چیز سمجھتے تھے کہتے تھے کہ ہم آسمان کے پانی کی اولاد ہیں۔ یعنی زمین پر گرنے سے پہلے بارش پانی جیسے خالص اور بے آمیز ہوتا ہے ایسے ہی ہمارے نسب میں بھی کوئی کھوٹ نہیں۔ ایک شاعر کا مشہور شعر ہے

ونحن بنو ماء السماء فلا نرى

ولا نفسنا من دون مملكة قصرا

ابو ہریرہ نے ابراہیم و سارہ کا یہ بیان کر کے لوگوں سے کہا تھا فتلک امکم یا بنی ماء السماء یعنی اے اہل عرب تم جو اپنے نسبوں پر فخر کرتے ہوئے نحن بنو ماء السماء کہتے ہو تو تمہاری ماں ایک مصری لونڈی تھی۔ پھر تمہارے لئے فخر کا کیا مقام ہے۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو نسب پر فخر نہ کرو سادگی طبع کی بنا پر ابو ہریرہ نے کعب احبار سے سنے ہوئے اس قصہ کو باور کر لیا تھا۔ اس قصہ کے باطل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ سفر تکوین میں جس طرح یہ قصہ لکھا ہوا ہے ابو ہریرہ کا بیان کیا ہوا قصہ اس سے کئی باتوں میں مختلف ہے۔

پھر بائبل کی کتاب پیدائش باب ۲۰ میں آیت ۱۵ تک فلسٹیوں کے بادشاہ ابی ملک کے یہاں حضرت ابراہیم کے جانے کا اور سارہ کو اپنی بہن بتانے کا ذکر ہے۔ ابی ملک نے سارہ کو اپنے یہاں بلوایا مگر اسے چھوٹے ہی پیشتر خواب میں خداوند نے اس سے کہا کہ یہ شوہر دار عورت ہے ابراہیم کی بیوی ہے تو نے اسے رکھا تو تباہ ہو جائے گا اسے واپس کر دے۔ علی الصباح اس نے ابراہیم کو بلا کر ملامت آمیز انداز میں شکایت کی کہ مجھ سے غلط بیانی کیوں کی۔ بیوی کو بہن کیوں بتایا۔ ابراہیم نے جواب دیا مجھے اندیشہ ہوا کہ میں اسے بیوی بتاؤں گا تو تیرے آدمی مجھے مار ڈالیں گے اور درحقیقت وہ میرے باپ کی بیٹی ہے اگرچہ میری ماں کی بیٹی نہیں اس لیے وہ میری بہن ہے (یعنی علانی بہن) میری بیوی وہ بعد میں بنی ہے ابی ملک نے سارہ واپس دیدی اور ابراہیم کو کافی مال و متاع دیا۔

صحیح بات یہ ہے کہ سارہ رضی اللہ عنہا حضرت ابراہیم کے چچا کی بیٹی تھیں ان کے باپ آزر کی بیٹی نہ تھیں۔ بائبل میں انہیں ابراہیم کے باپ کی بیٹی جو بتایا ہے تو قطعاً غلط ہے پس بائبل کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیم جا بجا بیوی کو بہن بتانے کی غلطی کرتے تھے۔ واللہ العظیم بہ حضرت ابراہیم پر سراسر بہتان ہے۔

(۱۱۲) عزل کے متعلق ابوسعید خدری کی حدیث

محمد بن یحییٰ بن حبان سے مروی ہے کہ عبد اللہ بن محرز جمحی نے بیان کیا کہ:

دخلت المسجد فرأيت ابا سعيد الخدري فجلست اليه فسألته
عن العزل. قال ابو سعيد خرجنا مع رسول الله ﷺ في غزوة بني
المصطلق فاصنا سبيا من سبي العرب فاشتبهنا النساء فاشتدت
علينا العزبة واحببنا العزل ما اردنا ان نعزل وقلنا نعزل ورسول الله
ﷺ بين اظهرنا قبل ان نسأله فسألناه عن ذلك فقال ما عليكم ان
لا تفعلوا ما من نسمة كائنة يوم القيامة الا وهي كائنة.

(صحیح بخاری ص ۵۹۳ غزوة بنی المصطلق کتاب المغازی)

میں مسجد میں داخل ہوا تو میں نے ابوسعید خدری کو بیٹھا ہوا دیکھا تو میں ان کے پاس آ کر
بیٹھ گیا تو میں نے ان سے عزل کے متعلق پوچھا (عزل کا مطلب ہے جماع میں عورت کی فرج
سے ذکر کو نکال کر انزال کرنا تاکہ اسے حمل نہ ٹھہرے) ابوسعید نے کہا ہم غزوہ بنی المصطلق میں
رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے تو ہمیں غنیمت میں گرفتار شدہ عورتیں ملیں۔ ہمیں عورتوں سے ملنے
کی خواہش ہوئی کیونکہ بیویوں سے جدائی ہمیں بھاری محسوس ہوئی تھی اور ہم نے مال چاہا یعنی یہ
سوچا کہ ان باندیوں کو بیچ دیں گے مگر جماع میں وہ حاملہ ہو جاتیں تو ان کا بیچنا جائز نہ رہتا اس لئے
ہم نے عزل کرنے کا ارادہ کیا (صحیح بخاری میں ہے واحببنا العزل فاردنا ان نعزل العزل
غلط ہے "واحببنا المال" صحیح ہے لیکن ان راویوں کو معنی پر غور کرنے کی توفیق ہی نہ ملتی تھی) اور
ہم نے کہا یعنی سوچا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان موجود ہیں تو آپ سے پوچھے بغیر ہمیں
عزل نہ کرنا چاہیے۔ پس ہم نے آپ سے پوچھا فرمایا کہ ایسا نہ کرو تو تمہارا کیا حرج ہے۔ قیامت
تک جو کوئی بھی روح پیدا ہونے والی ہے وہ اپنے وقت پر پیدا ہو کر رہے گی۔ (عزل کرو یا نہ کرو)
اس حدیث میں ایک لفظی غلطی تو یہ ہے کہ احببنا المال کی بجائے بخاری یا اوپر کے کسی

راوی نے ”احیانا العزل“ نقل کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ بڑی بھاری معنوی غلطی یہ ہے کہ یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مجاہدین کے ساتھ ۲ شعبان ۶ھ میں مدینہ سے بنی مصطلق کی طرف روانہ ہوئے اس سفر میں عبداللہ بن ابی ابن سلول پھر اپنے ساتھیوں سمیت آپ کے ساتھ تھا۔ اور ۵ یا ۶ شعبان کو سالماً و غانماً مدینہ واپس ہو گئے مال غنیمت آپ نے نہ فتح سے فارغ ہو کر بنی مصطلق کی سرزمین میں تقسیم فرمایا نہ رات میں فتح سے فارغ ہو کر آپ عبداللہ بن ابی کے اٹھائے ہوئے ایک فتنہ کی وجہ سے بڑی تیزی کے ساتھ مدینہ روانہ ہوئے تھے ایک انصاری اور ایک مہاجر میں کچھ جھگڑا ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی بروقت مداخلت سے وہ ختم ہو گیا مگر عبداللہ بن ابی اسے ن کر بہت برہم ہوا تھا اور کہا تھا کہ مدینہ پہنچ کر ہم ان مہاجرین کو مدینہ سے نکال دیں گے اور انصار سے کہا تھا کہ اب تک تم لوگ جوان کی مدد کرتے رہے ہو آئندہ کے لئے اس سے ہاتھ کھینچ لو۔ اس کی یہ نازیبا باتیں آپ کے علم میں آئیں اس سے پوچھا تو قسم کھا کر انکار کر دیا مہاجرین کو اس پر غصہ تھا۔ اندیشہ تھا کہ مہاجرین و انصار میں باہم لڑائی نہ ہونے لگے اس لئے آپ نے نہایت تیزی کے ساتھ کوچ فرمایا کہ تکان کی وجہ سے لوگوں کو باہم گفتگو کا موقع نہ ملے۔

مجاہدین تقریباً ۱۵ دن مدینہ سے غیر حاضر اور اہل و عیال سے جدا رہے۔ اس صورت حال میں ابوسعید خدری یہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ طالت علينا العزبة و اسشتھینا النساء الخ مدینہ پہنچ کر لوگ اپنی بیویوں کے پاس پہنچ گئے وہاں مطمئن ہو کر آپ نے جنگ میں گرفتار عورتیں ان میں تقسیم فرمائیں اور بنی مصطلق کے سردار حارث کی دختر نیک اختر جو یہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ یہ معلوم ہوتے ہی تمام مسلمانوں نے اپنے حصے میں آئی ہوئی عورتوں اور بچوں کو آزاد کر دیا کہ یہ رسول اللہ کے رشتہ دار ہو گئے ہیں ادھر حارث بنی مصطلق کے سربراہ اور وہ اشخاص کا وفد لے کر مدینہ معافی مانگنے کے لیے حاضر ہوا اور تمام آزاد شدہ گرفتارین جنگ ان کے ساتھ اپنے علاقہ کو چلے گئے۔ پس اس غزوہ میں عزل کا سوال اٹھنے کی کوئی تک نہیں تھی اس لیے یہ حدیث یقیناً غلط ہے۔

یہ حدیث محمد بن یحییٰ بن حبان نے عبداللہ بن محرز سے روایت کی ہے۔ اور زہری نے

عبداللہ بن محیریز سے اس کی روایت دوسرے ڈھنگ سے کی ہے۔ زہری کا بیان ہے:

اخبرني عبد الله بن محيريز الجمحي ان ابا سعيد الخدري
اخبره انه بينما هو جالس عند رسول الله ﷺ جاء رجل من الانصار
فقال يا رسول الله انا نصيب سببا ونحب المال كيف ترى في العزل.
فقال رسول الله ﷺ او انكم تفعلون ذلك. لا عليكم ان لا تفعلوا فانه
ليست نسيمة كتب الله ان تخرج الا وهي كائنة.

(صحیح بخاری ص ۶۷۹ کتاب القدر باب قوله وكان امر الله قدرا مقدورا)

مجھے عبداللہ بن محیریز جمحی نے بتایا کہ اسے ابوسعید خدری نے بتایا تھا کہ وہ نبی ﷺ کے
پاس بیٹھے تھے کہ ایک انصاری شخص نے آ کر عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں غنیمت میں اونٹیاں مل جاتی
ہیں۔ ہم انہیں فروخت کر کے مال حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان سے عزل کر لینے میں آپ کی کیا
رائے ہے؟ (تاکہ وہ حاملہ نہ ہونے کی وجہ سے فروخت ہو سکیں) فرمایا اچھا تم ایسا کرتے ہو؟ یہ نہ
کرو تو تمہارا کیا حرج ہے۔ کیونکہ اللہ نے جسے پیدا فرمانا طے کر دیا ہے وہ تو پیدا ہونے والا ہی
ہے۔ اللہ ہی جانے کہ عبداللہ بن محیریز نے یہ حدیث اُس طرح ذکر کی تھی جس طرح محمد بن یحیٰ
بن حبان نے بیان کی ہے یا اس طرح روایت کی تھی جیسے زہری نے نقل کی ہے یا اسے ابوسعید
خدری سے سنی ہوئی حدیث ٹھیک یاد نہ تھی۔ محمد بن یحیٰ سے کچھ بیان کر دیا اور زہری سے کچھ یہ
حدیث جملہ روایات کے ساتھ ہم نے تحفۃ القاری ۸ میں ذکر کی ہے ص ۳۸۳ تا ۳۹۰۔

(۱۱۳) تورات میں رسول اللہ ﷺ کی صفت مذکور ہونے کے متعلق حدیث

امام بخاری نے بواسطہ محمد بن سنان فلیح بن سلیمان سے روایت کی ہے کہ ہم سے حلال
نے بیان کیا عطاء بن یسار سے روایت کر کے عطاء نے کہا میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص
سے کہا:

اخبرنی عن صفة رسول الله ﷺ فی التوراة قال اجل والله انه لموصوف فی التوراة ببعض صفته فی القرآن یاایها النبی انا ارسلناک شاهدا ومبشرا ونذیرا وحرزا للامیین. انت عبدی ورسولی سمیتک المتوکل لیس بفظ ولا غلیظ ولا ضحاب فی الاسواق. ولا يدفع بالسیئة السیئة ولكن یعفو ویغفر ولن یقبضه الله حتی یقیم به الملة العوجاء بان یقولوا لا اله الا الله. وتفتح بها اعین عمی واذان صم وقلوب غلف.

(صحیح بخاری کتاب البیوع باب کراهیة الضحب فی السوق ص ۲۸۵)

احمد نے بواسطہ موسیٰ بن داؤد و یونس بن محمد ^{فلپی} سے اسی اسناد کے ساتھ اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ عطائے کہا لقیث کعب الاحبار فسالته فما اختلفا فی حرف (مسند ص ۱۷۴) میں نے کعب احبار سے پوچھا کہ تورات میں رسول اللہ ﷺ کی کیا صفت مذکور ہے تو جو عبد اللہ بن عمرو نے بتایا تھا بعینہ وہی کعب نے بتایا کہ تورات میں آپ کی صفت یہ لکھی ہے۔

عبد العزیز بن ابی سلمہ نے ہلال بن ابی ہلال سے روایت کی ہے:

عن عطاء بن یسار عن عبد الله بن عمرو بن العاص ان هذه الآية التي في القرآن "ياايها النبی انا ارسلناک شاهدا ومبشرا ونذیرا قال فی التوراة یا ایها النبی انا ارسلناک شاهدا ومبشرا ونذیرا وحرزا للامیین انت عبدی ورسولی سمیتک المتوکل لیس بفظ ولا غلیظ ولا ضحاب بالاسواق ولا يدفع السیئة بالسیئة ولكن یعفو ویصفح ولن یقبضه حتی یقیم به الملة العوجاء بان یقولوا لا اله الا الله فیفتح بها اعینا عمیا واذانا صما وقلوبا غلفا.

(صحیح بخاری ص ۷۱۷ سورة الاحزاب)

اور خالد بن یزید نے اس کی سند یہ بیان کی ہے:

عن سعید هو ابن ابی هلال عن هلال بن اسامة عن عطاء بن یسار

عن ابن سلام (عبد اللہ بن سلام الصحابی الشہیر) انه كان يقول
 انا لنجد صفة رسول الله ﷺ انا ارسلناك شاهدا و مبشرا ونذيرا
 و حرز اللاميين. انت عبدى ورسولى سميته المتوكل ليس بفظ
 ولا غليظ ولا صخاب بالاسواق ولا يجرى بالسينة مثلها (هذا
 خطأ والصواب ولا يجرى السينة بمثلها ولكن يعفو ويتجاوز ولن
 اقبضه حتى نقيم الملة العوجاء بان تشهد ان لا اله الا الله. يفتح به
 اعينا عميا واذانا صما وقلوبا غلفا. قال عطاء بن يسار واخبرنى ابو
 واقد الليثى انه سمع كعبا يقول مثل ما قال .

(مقدمہ سنن دارمی ص ۴ طبع الہند)

ہلال بن علی بن اُسامہ عامر کو ہلال بن اُسامہ اور ہلال بن ابی ہلال اور ہلال بن ابی
 میمونہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس حدیث کا مدار یہ ہی ہے اس سے فلیح بن سلیمان و عبد العزیز بن ابی سلمہ
 اور سعید بن ابی ہلال نے روایت کی ہے۔ فلیح و عبد العزیز کی اسناد کے مطابق ہلال نے عطاء بن
 یسار سے اور عطاء نے عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے اس کی روایت کی تھی اور سعید کی اسناد کے
 مطابق عطاء نے عبد اللہ بن سلام سے اس کی روایت کی تھی۔ یعنی ہلال نے جب فلیح و عبد العزیز
 کو یہ حدیث سنائی تو بتا دیا کہ عطاء بن یسار نے عبد اللہ بن عمرو سے بھی یہ حدیث سنی تھی اور کعب
 احبار سے بھی دونوں نے بتایا کہ تورات میں رسول اللہ ﷺ کی یہ صفت مذکور ہے لیکن جب ہلال
 نے یہ حدیث سعید بن ابی ہلال سے بیان کی تو اسے یہ بتا دیا کہ عطاء بن یسار نے یہ عبد اللہ بن
 سلام سے سنی تھی پھر بے چارہ عطاء بن یسار کی طرف منسوب کر کے یہ بکواس کر دی کہ عطاء نے
 ابو ذر قریشی سے اور اس نے کعب احبار سے اس کو سنا تھا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ عبد اللہ بن عمرو
 بن عاص نے تورات میں یہ صفت پڑھی ہوتی تو وہ اسے متعدد لوگوں سے بیان کرتے۔ کیا وہ اس
 سے صرف عطاء بن یسار کو ہی آگاہ کرتے۔ یہ ہی عبد اللہ بن سلام کے متعلق سوچئے۔ اگر عبد اللہ
 بن سلام نے تورات میں یہ پڑھا ہوتا تو وہ متعدد لوگوں کو اس سے آگاہ کرتے۔ کیا انہیں بھی عطاء
 بن یسار کے علاوہ کوئی اس کا اہل نظر نہ آیا جسے یہ بات بتائیں؟ فی الواقع اس کی اسناد میں عطاء

بن یسار کا پھر کبھی عبد اللہ بن عمرو اور کبھی عبد اللہ بن سلام کا ذکرنا حلال بن اسامہ کی محض دروغ بانی تھی نہ عبد اللہ بن عمرو بن عاص نے اسے بیان کیا نہ عبد اللہ بن سلام نے نہ عطاء بن یسار نے دراصل کعب احبار ہی مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے اسے بیان کیا کرتا تھا۔ کعب سے متعدد اشخاص نے اسے سنا تھا جیسا کہ مقدمہ سنن داری میں ان کی روایات مذکور ہیں۔ کعب کی ذکر کی ہوئی یہ بات حلال بن ابی میمونہ نے بھی سن لی۔ اسے رائج کرنے کی خاطر اس کی اسناد گھڑ کر ذکر کر دی۔ حلال کی یہ روایت مزید بحث و تفصیل کے ساتھ تحفۃ القاری ۸ میں درج ہے ص ۲۷۲ تا ۲۷۴

(۱۱۴) حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا
اور عروہ بن زبیر کے متعلق روایت کہ وہ ایام منی میں روزہ رکھتے تھے
امام بخاری نے لکھا ہے:

”وقال لی محمد بن المثنی ثنا یحیی (القطاف) عن هشام (هو ابن
عروہ) اخبرنی ابی (عروہ) كانت عائشة تصوم ایام منی وکان ابوہ
يصومها. (صحیح بخاری ص ۲۶۸ کتاب الصوم باب صیام ایام التشریق)
حالانکہ خود بخاری نے اس کے بعد زہری کی روایت ذکر کی ہے:

عن عروہ عن عائشة وعن سالم عن ابن عمر قال لا لم یرخص فی
ایام التشریق ان یصمن الا لمن لم یجد الہدی. (صحیح بخاری ص ۲۶۸)

یعنی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین نے اور حضرت عبد اللہ بن عمر نے کہا ہے کہ ایام
تشریق میں روزہ رکھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ہاں اس متمتع یا قارن کو اجازت ہے جو قربانی
کرنے کی مالی سکت نہ رکھتا ہو۔ زہری کی اس روایت کے متعلق دو باتیں اچھی طرح سمجھ لینا
چاہیے۔ اول یہ کہ ایام التشریق پانچ ہیں۔ نو دس گیارہ بارہ تیرہ ذی الحجہ نو کو روزہ رکھنا جائز ہے۔
دس گیارہ بارہ تیرہ کو روزہ رکھنا ناجائز ہے۔ یہ چار دن ایام منی کہلاتے ہیں۔ زہری کی اس روایت

میں ایام التشریق سے مراد یہ ہی چار ایام منیٰ ہیں۔ ان کے متعلق ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ ان میں روزہ رکھنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ زہری کو حدیثوں میں اور راجح کرنے یعنی اپنی بات گھسیڑ دینے کی عادت تھی ام المؤمنین و ابن عمر کا یہ قول نقل کر کے آخر میں اپنی طرف سے کہہ دیا الا لمن لم يجد الهدى یہ زہری کا اپنا قول اور غلط فتویٰ ہے ابن عمر و ام المؤمنین کی کہی ہوئی بات نہیں ہے۔ اور بالفرض ہو بھی تو نہ ام المؤمنین پر یہ استمنا صادق آتا ہے نہ ابن عمر پر کیونکہ ابن عمر بے نوا و مفلس تھے نہ امیر المؤمنین کہ حج تمتع یا حج قرآن کریں اور انہیں قربانی کرنے کی سکت نہ ہو پس خود ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے قول کے مطابق انہیں ایام منیٰ میں روزہ رکھنا جائز نہ تھا۔ پھر یہ کہنا محض غلط ہی تو ہوا کہ وہ ایام منیٰ میں روزہ رکھا کرتی تھیں۔ اگر محمد بن ثنی نے یحییٰ بن سعید قطان کے حوالہ سے بخاری کو هشام بن عروہ کا یہ قول سنایا تھا کہ میرے والد عروہ ایام منیٰ میں روزہ رکھتے تھے اور میرے والد عروہ نے مجھے بتایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ایام منیٰ میں روزہ رکھتی تھیں تو بخاری نے محمد بن ثنی سے کیوں نہ کہا کہ آپ تو ام المؤمنین کے متعلق یہ بتا رہے ہیں لیکن زہری نے بواسطہ عروہ ام المؤمنین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ایام منیٰ میں روزہ رکھنا جائز نہیں ہے کیا بخاری کی سمجھ میں دونوں روایتوں کا تباہ فیض نہیں آیا تھا؟ ایام منیٰ میں روزہ ناجائز ہونے کی حدیث بڑی معروف اور صحابہ کرام کے جم غفیر سے مروی حدیث ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عبد اللہ بن عمر، نسیہ ہذلی، کعب بن مالک، عمرو بن عاص، ابو ہریرہ، بشر بن حکیم، علی بن ابی طالب، سعد بن ابی وقاص، عقبہ بن عامر جہنی، یونس بن شداد و عبد اللہ بن حذیفہ رضی اللہ عنہم اس کے راوی ہیں۔ ان میں سے ام المؤمنین و ابن عمر و نسیہ و کعب بن مالک و سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم سے مروی حدیثیں بے غبار اور معیاری ہیں۔

زہری ابن شہاب نے غلط فہمی کی وجہ سے یہ فتویٰ دیا تھا کہ تمتع یا قارن جو قربانی کرنے کی سکت نہ رکھتا ہو ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ کو روزہ رکھ سکتا ہے۔ غلط فہمی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فمن تمتع بالعمرة الى الحج فما استيسر من الهدى فمن لم يجد فصيام ثلاثة ايام في الحج وسبعة اذا رجعتم تلك عشرة كاملة پس جو شخص عمرہ سے بہرہ منہ ہو حج کے ساتھ ملا کر۔ یعنی ایک ہی سفر میں عمرہ بھی کرے پھر حج بھی۔ تو اس پر قربانی واجب ہے جو بھی

اُسے میسر ہوا ونٹ یا گائے یا بھیڑ یا بکری یا دنبہ۔ پس جسے قربانی کی سکت نہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ ایام حج میں تین روزے رکھے اور سات جب حج سے بالکل فارغ ہو جائے۔ یہ ملا کر کل دس روزے ہیں۔ اس ارشاد میں فی الحج کا مطلب ماہ شوال و ماہ ذی قعدہ اور نو ذی الحجہ تک کے ایام ہیں۔ اس پوری مدت میں جب چاہے اور جیسے چاہے تین روزے رکھ لے۔ اکٹھے یا الگ الگ۔ ۱۰ ذی الحجہ اس مدت سے خارج ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ۱۰ ذی الحجہ کو روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے زہری بھی تمام مسلمانوں کی طرح ۱۰ ذی الحجہ کو روزہ رکھنا ناجائز و ممنوع قرار دیتے تھے۔ ۱۱، ۱۲، ۱۳ کے متعلق زہری نے سمجھا کہ یہ تین دن بھی فی الحج ہیں یعنی ایام حج میں داخل ہیں کیونکہ ان دنوں حج گزار کو منی میں جمرات کی ری کرنی ہوتی ہے لہذا ان تین دنوں میں روزہ رکھا جاسکتا ہے۔ مگر یہ نہ سوچا کہ جیسے رسول اللہ ﷺ کی نبی کی وجہ سے ۱۰ ذی الحجہ کو روزہ رکھنا ناروا ہے اسی طرح آپ کی نبی کی وجہ سے ان تین دنوں میں بھی روزہ رکھنا ناروا ہے۔ زہری نے اپنا یہ قول حضرت عائشہ و حضرت ابن عمر کے قول میں اس طرح ٹانک دیا کہ پڑھنے سننے والوں کو وہ حضرت عائشہ و ابن عمر کے قول کا تہمہ محسوس ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ فقہی مسائل میں ابن شہاب زہری کے بڑے پکے مقلد تھے۔ اس لئے زہری کے اس غلط فتویٰ میں موصوف ان کے ہمنوا ہیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تحفۃ القاری ص ۸ تا ۱۳۲ تا ص ۱۴۱)

(۱۱۵) بعض اصحاب کو قیامت کے دن حوض سے ہٹائے جانے کی حدیث

بخاری نے کہا ہے:

قال احمد بن حنبل بن سعيّد الحبطي ثنا ابي عن يونس عن ابن شهاب عن سعيّد بن المسيّب عن ابي هريرة انه كان يحدث ان رسول الله ﷺ قال يرد على يوم القيامة رهط من اصحابي فيحلون عن الحوض فاقول يا رب اصحابي فيقول انك لا علم لك بما احدثوا بعدك انهم ارتدوا على ادبارهم الفهري.

(ص ۹۷۴ کتاب الحوض)

قیامت کے دن حوض کوثر پر پینے کے لیے میرے اصحاب میں سے ایک گروہ آئے گا تو انہیں حوض سے دھکیل دیا جائے گا تو میں کہوں گا اے رب یہ تو میرے اصحاب ہیں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تجھے اس کا کوئی علم نہیں جو انہوں نے تیرے بعد فتنہ انگیزی کی تھی۔ تیرے بعد یہ لوگ دین حق سے برابر الٹے پاؤں ہٹتے رہے۔

زہری سے یہ حدیث یونس بن یزید ایلی وشعیب بن ابی حمزہ وسقیل بن خالد ایلی اور زبیدی نے روایت کی ہے۔ چاروں کی روایت اسناد میں الگ الگ ہے۔ یونس سے شعیب بن سعید جبلی اور عبد اللہ بن وہب نے مسیب کی اسناد عن الزہری عن سعید بن المسیب عن ابی ہریرہ ہے اور ابن وہب کی اسناد عن الزہری عن سعید بن المسیب عن الاصحاب ہے۔ اس نے ابو ہریرہ کا ذکر نہیں کیا۔

اور شعیب و عقیل نے نہ ابو ہریرہ کا ذکر کیا نہ اصحاب کا۔ بس یہ کہا ہے عن الزہری عن النبی ﷺ انه قال۔ یعنی شعیب و عقیل کی اسناد کے مطابق یہ زہری کی مرسل روایت ہے۔

اور زبیدی کی اسناد یہ ہے عن الزہری عن محمد بن علی عن عبید اللہ بن ابی دافع عن ابی ہریرہ۔ پس زہری سے مروی یہ حدیث کوئی حقیقت نہیں رکھتی معلوم نہیں کہ زہری نے فی الواقع کس سے سنی۔ پھر بخاری کو یہ باطل حدیث درج صحیح کرنے سے کیا حاصل ہوا؟

(۱۱۶) حضرت ابو ہریرہ کی حدیث دخلت بنو اسرائیل

یزحفون علی استاہم

ہام بن منہ نے ابو ہریرہ سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قیل لبني اسرائيل ادخلوا الباب سجدا فدخلوا يزحفون علی استاہم وقالوا حبة فی شعرة.

(صحیح بخاری ص ۳۸۳ کتاب الانبیاء)

تفسیر سورۃ البقرہ و تفسیر سورۃ الاعراف میں بھی بخاری نے اس کی روایت کی ہے۔ ترمذی کی روایت میں حیۃ فی شعیرة ہے اور یزحفون کی بجائے مترخصین ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل نے علم جہاد بلند کیا اور شہر یروشلم پر حملہ آور ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی وقت یوشع بن نون کے ذریعہ انہیں فتح کی بشارت دی اور نصیحت فرمائی کہ ادخلوا الباب سجدا و قولوا حطة نغفر لکم خطایا کم اس شہر کے دروازے میں (اللہ کے حضور) جھکے ہوئے داخل ہونا اور (باشندگان شہر سے) کہنا (ہمارا کام تمہارے لئے) تخفیف ہے۔ اللہ نے فرمایا ہم تمہارے گناہوں کو معاف فرمائیں گے۔

سجداً متواضعین کے معنی میں ہے یعنی تمہارا شہر میں داخلہ ایسا نہ ہو جیسا کہ مغرور و متکبر اور ظالم فاتحین کا ہوتا ہے کہ مفتوحہ شہر میں اینڈ تے اکڑتے داخل ہوتے ہیں اور وہاں کے عوام کو لوٹنے کھسوٹنے اور بے آبرو کرنے میں لگے جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ مکہ میں اپنے اصحاب کے ساتھ پھر حضرت عمر فلسطین میں اپنے رفقاء کے ساتھ حضرت ابو عبیدہ بن جراح و حضرت خالد بن ولید بلاد شام میں حضرت سعد بن ابی وقاص شہر مدائن میں حضرت عمرو بن عاص مصر میں مجاہد بن کے ساتھ جس انداز سے داخل ہوئے تھے وہی انداز ادخلوا الباب سجدا کی عملی تفسیر تھی۔ اور حطہ کی واسقاط کے معنی میں ہے اس کا مبتدا مقدر ہے امرنا۔ یعنی قولوا لاهل القرية امرنا حطۃ مطلب یہ ہے کہ باشندگان شہر سے کہنا۔ اعلان عام کرو یا کہ سابق حکمرانوں کی طرح ہم تمہیں زیر بار نہ کریں گے۔ ہمارا کام ظلم کے بوجھ کو گرانا ہے۔ قرآن شریف میں مذکور ہے کہ ان میں جو ظالم لوگ تھے انہوں نے اُس بات کو جو ان سے کہی گئی تھی چھوڑ کر دوسری بات کہی۔ (اس کی پوری وضاحت تفسیر مفتاح القرآن البقرہ، میں پڑھیے) تو بتلائے عذاب ہوئے اس حدیث میں مذکور ہے فدخلوا یزحفون علی استاہم وہ سرینوں کے بل۔ چتر یوں گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے۔ زحف علی الاست کے معنی ہیں چتر یوں گھسٹنا آگے کو سرکنا۔ زحف الصبی علی استہ بچہ چتر یوں آگے کو سرکا۔ دوسروں کو دیکھ کر اس کا جی چلنے کو چاہتا ہے۔ کھڑا نہیں ہو سکتا تو چتر یوں آگے کو گھسٹتا ہے حتیٰ کہ کھڑا ہونے لگتا ہے تب کھڑا ہو کر چلتا ہے۔ گرتا ہے اٹھتا ہے آخر پاؤں چلنے کے لائق ہو جاتا ہے۔ جو ان فاتح اسرائیلیوں کا شہر یروشلم کے دروازے میں

چتر یوں سرک سرک کر آگے بڑھنا بے معنی وغیر معقول بات ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایسا لفظ کہا ہوگا جس کے معنی سرینوں کو مٹکا مٹکا کر چلنا ہوں گے۔ ہمام بن منہ کو وہ لفظ یاد نہ رہا۔ اس کی بجائے یزحفون علی استاہم نقل کر دیا۔ دوسری بات اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ حطہ کہنے کی بجائے انہوں نے حبة فی شعرة کہا (دانہ ہے بال میں۔ شعرة کے معنی میں سر یا ڈاڑھی وغیرہ کا ایک بال اور حبة کے معنی ہیں دانہ۔ حبة فی شعرة مہمل و بے معنی بات ہے۔ ابو ہریرہ نے ایسا لفظ کہا ہوگا جس کا مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے اہل شہر سے گیہوں اور جو کا مطالبہ کیا تھا۔ یعنی انہوں نے ان کے غلات پر دست تپاول دراز کیا تھا۔ ہمام نے اس کی بجائے حبة فی شعرة نقل کر دیا۔ اس حدیث کی اسناد تو صحیح ہے لیکن اس کا متن غلط ہے۔ یہ حدیث صحیح الاسناد و فاسد المتن ہے۔

(۱۱۷) دجال کے وصف میں ابراہیم بن سعد کی غلطی

ابراہیم نے زہری سے اس نے سالم سے اس نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے۔ اس میں دجال کو اعدور عینہ الیمنی کہا ہے یہ غلط ہے۔

(صحیح بخاری ص ۲۸۹ کتاب الانبیاء)

اور شعیب و عقیل نے زہری سے اسی اسناد کے ساتھ ان کی روایت میں اعدور العین الیمنی ہے۔ یہ بھی صحیح ہے صحیح بخاری ص ۱۰۴۰ کتاب التعمیر باب الطواف بالکعبۃ فی المنام و ص ۱۰۵۴ کتاب الفتن باب ذکر الدجال حدیث ۷ اس حدیث کی روایات میں یہ بھی ثابت ہے۔

(۱۱۸) زید بن عمرو بن نفیل کے حنیف بننے کا قصہ

امام بخاری نے محمد بن ابی بکر مقدی سے اس نے فضیل بن سلیمان نمیری سے اس نے موسیٰ بن عقبہ سے اس نے سالم سے اس نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے

کہ ان کے نانا زید بن عمرو بن نفیل سچے مذہب کی تلاش میں ملک شام گئے۔ وہاں ایک یہودی عالم سے یہودی مذہب کے متعلق پوچھا کہ مجھے اسے سمجھائیے شاید میں اسے اختیار کر لوں۔ اس نے کہا ہمارا مذہب اختیار کر کے تجھے اللہ کے غضب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ زید نے کہا میں تو اللہ کے غضب سے بچنے کی راہ کا جو یا ہوں تو مجھے کوئی اور مذہب بتائیے۔ کہا حنیف بن جا۔ زید نے کہا حنیف بنے کا کیا مطلب ہے؟ کہا ابراہیم کا دین اختیار کر لے وہ نہ یہودی تھے نہ عیسائی تھے۔ وہاں سے نکل کر زید نے ایک عیسائی عالم سے ملاقات کی کہ میں تمہارا مذہب سمجھنا اور اختیار کرنا چاہتا ہوں وہ بولا ہمارا مذہب اختیار کر کے تو اللہ کی لعنت میں پھنسے گا۔ زید نے کہا میں تو اللہ کی لعنت سے بچنا چاہتا ہوں مجھے کوئی اور مذہب بتائیے۔ بولا حنیف بن جا یعنی دین ابراہیم اختیار کر وہ نہ یہودی تھے نہ عیسائی تھے۔ اللہ کے عبادات گزار بندے تھے۔ وہاں سے نکل کر زید نے کہا یا اللہ میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میں دین ابراہیم پر ہوں۔

(صحیح بخاری میں ۵۳۹ کتاب المناقب باب حدیث زید بن عمرو بن نفیل)

میں کہتا ہوں کہ یہ قصہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان کیا ہوا نہیں ہے۔ وہ متقی باپ کے متقی بیٹے ایسے نہ تھے کہ جو بات انہیں قطعاً معلوم نہ تھی اسے بیان کرتے۔ ان کی پیدائش سے برسوں پہلے ان کے نانا زید کی وفات ہو چکی تھی۔ اس لیے عبداللہ بن عمر کو یہ قصہ معلوم ہونے کی کوئی صورت نہ تھی۔ خود زید نے کسی سے اس کا ذکر کیا ہوتا اور وہ عبداللہ بن عمر کو اسے سناتا۔ یا کوئی زید کے ساتھ ہوتا اور اس کے سامنے یہودی عالم پھر عیسائی عالم سے زید کی یہ گفتگو ہوئی ہوتی پھر اس نے عبداللہ سے اس کا ذکر کیا ہوتا۔ اور ایسا ہوتا تو عبداللہ اس کا حوالہ دیتے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے نہ تمام یہودی گمراہ تھے نہ تمام عیسائی۔ دونوں فرقوں میں نیک و صالح لوگ موجود تھے۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ قصہ فضیل بن سلیمان نسیری کی کہی ہوئی کہانی ہے۔ وہ ایک واعظ آدمی تھا اور معلوم ہے کہ واعظوں کی کہی ہوئی کہانیاں عموماً زیب داستان کے لیے اور غیر علمی ہوا کرتی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مکہ سے زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل اور طائف سے امیہ بن

اہلک طلب حق میں ملک شام گئے تھے۔ ورقہ تو عیسائی ہو گئے۔ ان کی جوانی شام میں ہی بسر ہوئی بوڑھے ہو گئے تو مکہ واپس آ گئے۔ زید کو نہ یہودی مذہب پسند آیا نہ عیسائی مذہب۔ معتبر لوگوں سے سنا تھا کہ بانی کعبہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام موحداور اللہ کے عبادت گزار بندے تھے۔ ان کی ذریت نے ان کا دین ضائع کر دیا۔ زید نے اس دین کی بجی کبھی تعلیمات اپنائیں اور شام سے واپس آ کر پیرو دین ابراہیم کی حیثیت سے پوری زندگی مکہ میں گذاردی۔ بخاری نے جو قصہ درج صحیح کیا ہے وہ روایت و درایت کے اعتبار سے غلط ہے۔

(۱۱۹) اللہ تعالیٰ کے ارشاد والذین يتوفون منكم و يذرون

ازواجاً کے متعلق عبداللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ کی غلط بیانی

بخاری کی روایت نقل کرنے سے پہلے میں یہ بتادینا چاہتا ہوں کہ یہ ارشاد سورة البقرة میں دو جگہ آیا ہے

(اول) و الذین يتوفون منكم و يذرون ازواجاً يتربصن بانفسهن اربعة اشهر و عشرأ۰ فاذا بلغن اجلهن فلا جناح عليكم فی ما فعلن فی انفسهن بالمعروف . (سورة البقره ۳۰)

اور تم میں سے جو لوگ مرجائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں۔ یعنی ان کی بیویاں زندہ ہوں تو وہ بیویاں اپنے آپ کو چار ماہ اور دس دن روکیں (یعنی نہ اپنا نکاح کریں نہ سنگھار نہ خوشبو لگائیں، نہ مہندی رچائیں) پس جب ان کی یہ مدت پوری ہو جائے تو تمہارا اس کام میں کوئی حرج نہیں جسے شریعت کے مطابق وہ اپنے متعلق کریں، یعنی عدت گذر جانے کے بعد بیوہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ جائز زیب و زینت میں دلچسپی لے سکتی ہے۔۔۔ اس ارشاد میں بیوہ کی عدت مذکور ہے کہ وہ چار ماہ دس دن ہے۔

(ثانی) و الذین يتوفون منكم و يذرون ازواجاً وصية

لازواجهم متاعا الى الحول غير اخراج • فان خرجن فلا جناح عليكم

في ما فعلن في انفسهن من معروف • (سورہ البقرہ ۳۱)

یہ آیت قرآن مجید میں پہلی آیت سے پانچ آیات بعد ہے۔ اور تم میں سے جو لوگ مرجائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو (وہ وصیت فضول ہے) اگر وہ (عدت مقررہ۔۔۔ چار ماہ دس دن گزار کر) شوہر مرحوم کے گھر سے باہر آ جائیں تو وہ اپنے حق میں کوئی بھی بھلائی کا کام کریں اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے۔

اس آیت میں بیوہ کی عدت کے متعلق جاہلیت کی ایک ظالمانہ رسم کا ابطال کیا گیا ہے۔ خاوند کے مرجانے کے بعد اس کی بیوہ سال بھر تک ایک تاریک کوٹھری میں میلی کچیلی پڑی رہتی۔ اس عرصہ میں گھر والے بس اسے قوت لایموت دیتے تھے۔ سال پورا ہو جانے پر وہ اس قید سے آزاد ہو کر نکاح ثانی کر سکتی تھی۔ گھر والوں کی اس دوران میں اس کے ساتھ جو قابل ذکر مراعات ہوتی تھی وہ اس یہ تھی کہ اسے نکالتے نہ تھے۔ مرنے والا بھی اس کی وصیت کر جاتا تھا کہ میرے بعد میری بیوی کو سال بھر تک میرے سوگ اور ماتم میں مصروف رکھا جائے گھر سے نہ نکالا جائے۔ اللہ نے بتایا کہ ایسی وصیت باطل و غیر موثر ہے۔ چار ماہ دس دن کے بعد وہ اس شوہر کے گھر سے نکل سکتی ہے۔

عبداللہ بن ابی ملیکہ اور ایسے ہی کچ فہم لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ اس دوسری آیت میں بھی بیوہ کی عدت کا بیان ہے جو اللہ نے پہلے رکھی تھی۔ کہ وہ ایک سال عدت گزار دے۔ پھر اللہ نے اسے منسوخ کر کے اس کی عدت چار ماہ دس دن طے کر دی جیسا کہ پہلی آیت میں ہے۔

ابن ابی ملیکہ نے کچ فہمی پر مبنی اس خیال کو حضرت عثمان و عبداللہ بن زبیر کے سرگادیا ہے جیسا کہ بخاری نے بیان کیا ہے۔ بخاری نے امیہ بن بسطام اور عبداللہ بن ابی الاسود سے اس کو سنا تھا۔ امیہ کی روایت یہ ہے۔

حدثنا يزيد بن زريع عن حبيب عن ابن ابي مليكة قال ابن

الزبير قلت لعثمان بن عفان و الذين يتوفون منكم و يذرون ازواجاً

وصية لازواجهم. قد نسختها الآية الاخرى فلم تكتبها او تدعها؟ قال يا

ابن اخي لا اغير شيئا منه من مكانه.

(صحيح بخاری ص ۶۵۰ کتاب التفسیر)

مطبوعہ صحیح بخاری میں قد نسختها سے پہلے قال چھپا ہوا ہے جو قطعاً غلط ہے۔

مطلب اس روایت کا یہ ہے کہ عبد اللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ نے کہا کہ عبد اللہ بن زبیر نے کہا (عبد اللہ بن زبیر ان چار حضرات میں سے ایک تھے جنہیں امیر المومنین عثمان نے نقل مصاحف کے عظیم الشان کام پر مامور کیا تھا) کہ میں نے حضرت عثمان سے کہا کہ یہ آیت (جو رکوع ۳۱ میں ہے) اسے دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہے (جو رکوع ۳۰ میں ہے)۔ پھر اس منسوخ آیت کو آپ کیوں نکھوار ہے میں یا یہ کہا کہ اسے آپ مصحف میں درج شدہ کیوں چھوڑ رہے ہیں یعنی اسے تو قلم زد کر دینا اور مصحف سے منادینا چاہئے۔ حضرت عثمان نے کہا اے بھتیجے میں مصحف میں سے کوئی چیز یعنی کوئی آیت یا کوئی لفظ اس کی جگہ سے نہ ہٹاؤں گا۔ یعنی مصحف مقدس اجماعی ہے۔ میں اس میں ایک لفظ کا بھی رد و بدل نہیں کر سکتا۔

عبد اللہ بن الاسود کی روایت یہ ہے:

حدثنا حميد بن الاسود و يزيد بن زريع قالا حدثنا حبيب بن السهيد عن ابن ابي مليكة قال قال ابن الزبير قلت لعثمان هذه الآية التي في البقرة و الذين يتوفون منكم و يذرون ازواجا وصية لازواجهم متاعاً الى الحول غير اخراج • قد نسختها الاخرى فلم تكتبها؟ قال دعها يا ابن اخي لا اغير شيئا منه من مكانه.

(صحيح بخاری ص ۶۵۱ کتاب التفسیر)

یعنی عبد اللہ بن زبیر نے یہ سمجھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بیوہ کی عدت ایک سال رکھتی تھی۔

عالم تھا کہ عدت کید و ران اسے شوہر کے گھر سے نہ نکالا جائے۔ پھر اس حکم کو منسوخ کر کے اللہ نے بیوہ کی عدت چار ماہ دس رات مقرر فرمائی جیسا کہ اس آیت میں ہے جو رکوع ۳۰ میں ہے۔ پس قرآن میں منسوخ آیت کو لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت عثمان نے عبد اللہ بن زبیر کی

تردید نہیں کی۔ یہ نہیں کہا کہ تو نے غلط سمجھا ہے۔ اللہ نے بیوہ کی عدت ایک سال نہیں رکھی تھی۔ بلکہ یہ کہا کہ چونکہ ابو بکر والے مصحف میں جو تمام مسلمانوں کا اجماعی مصحف ہے یہ آیت لکھی ہوئی ہے اس لیے میں اسے ہٹا نہیں سکتا نہ اس کی کتابت ترک کر سکتا ہوں۔ مجھے تو امت کے ہاتھوں میں وہی اجماعی مصحف جوں کا توں تھما نا ہے۔ گویا حضرت عثمان نے عبد اللہ بن زبیر کے اس کہنے سے اتفاق کیا تھا کہ یہ آیت جو رکوع ۳۱ میں ہے منسوخ ہے ار وہ آیت جو رکوع ۳۰ میں ہے اس کی ناسخ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ بخاری کی ان دونوں روایتوں میں سے کسی روایت کی اسناد میں یہ مذکور نہیں کہ ابن ابی ملیکہ نے حدثنی یا اخبرنی یا ذکر لی ابن الزبیر یا سمعت ابن الزبیر کہا تھا۔ یعنی اس نے یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ عبد اللہ بن زبیر نے مجھے بتایا تھا کہ میں نے عثمان سے یہ کہا اور عثمان نے یہ جواب دیا تھا۔ پھر بخاری نے کس دلیل سے سمجھ لیا کہ ابن ملیکہ کی یہ روایت متصل السند ہے اور ابن ابی ملیکہ نے براہ راست عبد اللہ بن زبیر سے یہ بات سن لی تھی۔ کاش ابن ابی ملیکہ کو بے سوچے سمجھے الٹی سیدھی روایات بیان کرنے کا شوق نہ ہوتا یا بخاری نے ہی کچھ عقل و فہم سے کام لیا ہوتا۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت درج صحیح کرنے کے قابل نہ تھی۔ عبد اللہ بن زبیر اتنے کم فہم یا کج فہم نہ تھے کہ سمجھ لیتے کہ رکوع ۳۱ والی آیت میں بیوہ کو ایک سال عدت گزارنے کا حکم ہوا تھا۔ عبد اللہ بن زبیر اور حضرت عثمان ہم سے بڑھ کر یہ علم رکھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں سینکڑوں مسلمان عورتیں بیوہ ہوئی تھیں لیکن کسی بھی مسلمان بیوہ نے حکم شرعی کے طور پر ایک سال عدت نہیں گزاری۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ قرآن کا حکم ہوتا تو اس پر عمل کیا جاتا۔ قطعی طور پر اس پر عمل نہ ہونا اس کی دلیل ہے کہ یہ حکم تھا ہی نہیں۔ نہ ہی عبد اللہ بن زبیر ایسے نادان تھے کہ اس آیت کو منسوخ اور چند آیات پہلے جو آیت مذکور ہے اسے ناسخ قرار دے دیتے۔ ہر شخص جو ابن ابی ملیکہ اور اس سے سن کر یہ روایت نقل کرنے والے راویوں کی طرح عقل سے کور نہ ہو جانتا ہے کہ منسوخ حکم پہلے ہوتا ہے ناسخ حکم بعد میں آتا ہے۔ اور ان علم و دانش سے بے بہرہ لوگوں کو تو کیا کہا جائے جنہوں نے یہ دیکھ کر بخاری نے ابن ابی ملیکہ کی یہ روایت درج صحیح فرمائی ہے۔ یہ مفتر یا نہ توجیہ کر ڈالی کہ رکوع ۳۰ والی آیت بعد میں نازل ہوئی تھی

اگرچہ مصحف میں پہلے لکھی ہوئی ہے اور رکوع ۳۱ والی آیت پہلے اتری تھی جو مصحف کے اندر بعد میں لکھی ہوئی ہے۔ میں ابن ملیک کی اس روایت کو دروغ بے فردغ سمجھتا ہوں شاید کسی جاہل نے ابن زبیر کی طرف منسوب کر کے یہ بات ابن ابی ملیک کو سنادی تھی۔ اس نے بے سوچے سمجھے اس کی روایت کر ڈالی۔

(۱۲۱) والمحصنات من النساء الا مملکت ایمانکم

کے تحت حضرت انسؓ کی طرف منسوب ایک غلط فتویٰ

بخاری نے کہا ہے:

قال انس و المحصنات من النساء ذوات الازواج الحرائر حرام
الا ما مملکت ایمانکم لا یری باسا ان ینزع الرجل جاریته من عبده.
(صحیح بخاری ص ۷۶۴ کتاب النکاح باب ما یحل من النساء و ما یحرم)

یعنی سورۃ النساء کے چوتھے رکوع میں بیان محرمات کے آخر میں جو المحصنات من النساء آیا ہے تو اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو شوہر دار اور آزاد ہوں کسی کی مملوکہ نہ ہوں۔ اور نسب یا رضاعت کی جہت سے حرام نہ ہوں۔ پس آزاد اجنبی عورت سے جو شوہر والی ہو نکاح کرنا حرام ہے۔ ہاں اگر وہ شوہر دار نہیں ہے۔ مثلاً بیوہ ہو جائے تو عدت و فاق گزر جانے پر اس سے نکاح کرنا جائز ہے یا شوہر نے اسے طلاق دیدی ہو تو عدت طلاق پوری ہو جانے پر اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ لیکن اگر شوہر دار عورت کسی مرد کی مملوکہ ہو جس کا اس نے اپنے مملوک غلام سے نکاح کر دیا ہو اور وہ مالک اپنی اس مملوکہ سے مباشرت کرنا چاہے تو وہ اسے اپنے اس مملوک غلام سے داگزار کر کے پھر اپنے بستر کی زینت بنا سکتا ہے۔ جیسے غلام کے نکاح میں دینے سے پہلے وہ اس مملوکہ سے مباشرت کر سکتا تھا ایسے ہی اب کر سکتا ہے کیونکہ وہ عورت شوہر دار تو ہے مگر حرہ نہیں ہے اپنے مالک کی مملوکہ ہے۔ اس سے وطنی کا حق اس کے مالک کو حاصل تھا۔ مالک نے اپنے مملوک سے اس کا نکاح کر کے حق وطنی اس مملوک کو دے دیا تو وہ اس حق کو سلب کر سکتا ہے۔ اور اگر مالک

نے اپنی مملوکہ کا نکاح اس شخص سے کیا ہو جو اس کا مملوک نہیں ہے تو اس شوہر سے اسے حق و طہی واپس لینے کا حق نہیں ہے۔ ہاں وہ مرجائے یا طلاق دے دے تو حق و طہی اس عورت کے مالک کی طرف واپس ہو جائے گا۔ یہ ہے وضاحت اس بے ہودہ فتویٰ کی جسے بخاری نے حضرت انس کا قول بتایا ہے۔ اور بخاری کا طرز بیان بتا رہا ہے کہ یہ ہی فتویٰ بخاری کا مختار ہے لیکن اگلے پچھلے تمام علمائے امت میں سے کوئی بھی اس فتویٰ سے اتفاق نہیں رکھتا۔ تمام اہل علم اس کے قائل ہیں کہ اس ارشاد میں المحصنات کے معنی ہیں شوہر دالیاں۔ آزاد ہوں یا کسی کی مملوکہ ہوں۔ کسی مسلمان نے حرۃ سے نکاح کرنے کی استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے کسی مملوکہ مومنہ سے اس کے مالک کی اجازت کے ساتھ نکاح کر لیا تو وہ بھی المحصنات کے زمرے میں آگئی جیسا کہ قرآن کریم میں تصریح ہے۔ اور الا ما ملکتم ایمانکم سے مراد کفار سے جنگ میں گرفتار ہونے والی وہ عورتیں ہیں جو مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی ہوں جس کے حصہ میں ایسی عورت آجائے اس کا مالک بن جانا ہے اور اسے بدون نکاح اس سے مباشرت کرنے کا حق ہے خواہ وہ اپنی قوم میں شادی شدہ رہی ہو یا غیر شادی شدہ ہو۔ شادی شدہ ہو تو خواہ اس کا وہ کافر شوہر اپنے یہاں زندہ ہو جو وہ مر گیا ہو۔ بہر کیف اس سے اس کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے۔ پس الا ما ملکتم ایمانکم سے مراد اہل کفر میں سے وہ شوہر دار عورتیں ہیں جو جنگ میں گرفتار ہو کر مجاہدین کے حصے میں آجائیں۔ اس ارشاد کی یہ ہی تفسیر ہے اور یہ ہی صحیح ہے۔ حضرت انس کی طرف بخاری نے جو تفسیر منسوب کی ہے وہ قطعاً غلط ہے۔ مزید وضاحت یہ ہے کہ حق مباشرت ملنے کے اللہ نے دو سبب مقرر کیے ہیں نکاح اور ملک یمین مگر نکاح زیادہ قوی سبب ہے۔ نکاح سے حاصل ہونے والا حق مباشرت کسی مرد کو حاصل ہو تو ملک یمین سے حاصل ہونے والا حق مباشرت باطل ہو جاتا ہے۔ مثلاً زید نے اپنی مملوکہ کا بکر سے نکاح کر دیا تو زید کو مالک ہونے کی وجہ سے جو حق مباشرت حاصل تھا باطل ہو گیا اب یہ حق صرف بکر کو ہے پس اگر زید اپنی اس مملوکہ کو جو بکر کی منکوحہ ہے عبد اللہ نامی شخص کے ہاتھ فروخت کر دے تو عبد اللہ کو اس سے مباشرت کرنے کا حق نہیں ہے وہ تو اس کے شوہر بکر کے لیے مختص ہے۔ دوسری ضروری اور اہم بات یہ سمجھ لیجئے کہ

حق مباشرت خواہ نکاح سے حاصل ہو یا ملک یمین سے بہر حال جسے یہ حق حاصل ہوا ہو وہ خود تو اس سے متمتع ہو سکتا ہے لیکن اس حق کا مالک نہیں ہوتا۔ اس لیے بطور عاریت یا بطور اجارہ وہ کسی کو یہ حق نہیں دے سکتا۔ کسی شوہر کو جائز نہیں کہ دیوٹ بنے اور اپنی بیوی سے کسی اور کو مباشرت کرنے دے۔ نہ کسی مالک کو جائز ہے کہ کسی کو اپنی مملوکہ سے مباشرت کرنے دے پس جب مالک اپنی مملوکہ کا کسی سے نکاح کر دے تو وہ اسے حق مباشرت عطا نہیں کرتا کیونکہ وہ اس حق کا مالک نہ تھا۔ البتہ نکاح کی وجہ سے اس مملوکہ کے شوہر کو اللہ کی طرف سے حق مباشرت ملتا ہے۔ پس جب کہ آقا جس نے اپنی مملوکہ کا نکاح کر کے خود کو حق مباشرت سے محروم کر لیا ہے اس حق کو واپس لینے کا حق نہیں رکھتا کیونکہ اللہ نے اسے اس حق کا مالک نہیں بنایا تھا۔ نکاح کی وجہ سے اس کا حق باطل ہو چکا ہے۔ تو اس بیان سے روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت انس کی طرف منسوب اس فتویٰ کی جو بنیاد ہے وہی باطل ہے۔ اس فتویٰ کی بنیاد تو یہ ہی ہے کہ آقا کے متعلق سمجھا گیا ہے کہ وہ اپنی مملوکہ سے مباشرت کرنے کے حق کا مالک ہے اور اس نے مملوکہ کا نکاح کر کے اپنا حق مباشرت اس کے شوہر کو دے دیا ہے۔ ہم نے واضح کر دیا ہے کہ کوئی انسان حق مباشرت نہیں دے سکتا کیونکہ کوئی انسان اس کا مالک ہی نہیں ہوتا نہ آقا نہ شوہر نہ خود عورت۔ حق مباشرت تو اللہ کی طرف سے ملنے والی چیز ہے۔

امام بخاری فقیہ نہ تھے اور فقہائے کرام کی باتوں کو سمجھنے سے بھی بسا اوقات قاصر رہتے تھے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حضرت انس سے یہ فتویٰ ابو مجلز لاحق بن حمید نے اور اس سے سلیمان نسیمی نے روایت کیا تھا۔ اگر ابن حجر کی یہ بات صحیح ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ فتویٰ خود ابو مجلز کی عقل نارسا کا جنما ہوا ہے۔ حضرت انس کی طرف اس نے اس کی نسبت غلط کر دی تھی اور اس سے بڑھ کر غلطی بخاری نے کی ہے کہ جزم و یقین کے ساتھ اسے حضرت انس کا قول بتا دیا ہے۔

(۱۲۱) جنت میں داخل ہونے اور جہنم سے نجات پانے والے آخری شخص کے متعلق حدیث

بخاری نے کہا ہے:

حدیثی عثمان بن ابی شیبہ ثنا جریر عن منصور عن عن ابراہیم عبیدہ عن عبد اللہ قال قال النبی ﷺ انی لا علم آخر اهل النار خروجاً منها و آخر اهل الجنة دخولاً، رجل يخرج من النار حبواً فيقول: الله اذهب فادخل الجنة فيأتيها فيخيل اليه انها ملأى فيرجع فيقول: يا رب وجدتها ملأى فيقول: اذهب فادخل الجنة فيخيل اليه انها ملأى فيرجع فيقول: يا رب وجدتها ملأى. فيقول اذهب فادخل الجنة فيخيل اليه انها ملأى فيرجع فيقول يا رب وجدتها ملأى. فيقول اذهب فادخل الجنة فان لك مثل الدنيا و عشرة امثالها او ان لك مثل عشر امثال الدنيا. فيقول تسخر مني او تضحك مني و انت الملك فلقدر رأيت رسول الله ﷺ ضحك حتى بدت نواجذه .

(صحیح بخاری ص ۹۷۲ آخر کتاب الرقاق)

مجھ سے بیان کیا عثمان بن ابی شیبہ نے کہ ہم سے بیان کیا جریر بن عبد الحمید نے منصور بن معتمر سے روایت کر کے اس نے ابراہیم نخعی سے اس نے عبیدہ بن عمرو سلمانی سے اس نے عبد اللہ بن مسعود سے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں سب سے آخر میں جہنم سے نجات پانے اور سب سے آخر میں جنت ہونے والے شخص کو جانتا ہوں۔ وہ ایک شخص ہوگا جو جہنم سے سرین کے بل گھسٹتا ہوا نکلے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا جا جنت میں داخل ہو جا۔ وہ اندر جائے گا تو محسوس کرے گا کہ مکینوں سے بھری ہوئی ہے۔ واپس آ کر عرض کرے گا اے رب وہ تو بھری ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ دوبارہ فرمائے گا جا جنت کے اندر جا۔ وہ واپس آ کر پھر وہی عرض کرے گا۔ تین بار ایسا ہی

ہوگا چوتھی بار اللہ اس سے فرمائے گا جنت کے اندر پہنچ تو سہی تجھے دنیا سے دس گنی زاید نعمتیں اور کشادگیاں ملیں گی۔ وہ کہے گا اے رب تو بادشاہ ہو کر مجھ سے مذاق کر رہا ہے۔ ابن مسعود نے کہا کہ یہ ذکر فرما کر رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے۔ یہ حدیث اسی اسناد کے ساتھ صحیح مسلم و سنن ابن ماجہ میں بھی ہے۔

(صحیح مسلم ۱ ص ۱۰۵ کتاب الایمان احادیث الشفاعة طبع ہند۔ اوآخر سنن ابن ماجہ ص ۳۳۲ طبع ہند)

جبریک کی طرح اسرائیل بن یونس و شیبان بن عبدالرحمن نے بھی منصور سے یہ حدیث روایت کی ہے اسرائیل کی روایت صحیح بخاری میں ہے (ص ۱۱۱۹ کتاب التوحید باب کلام الرب مع الانبیاء وغیرہم اور شیبان کی مسند احمد میں (ج ۱ ص ۴۶۰) اور منصور کی طرح اعمش نے بھی ابراہیم نخعی سے اس کی روایت کی ہے۔ اس کے آخر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے فرمائے گا:—

اتذكر الزمان الذي كنت فيه؟ فيقول نعم ، فيقال له تمن
فيتمنى فيقال له لك الذي تمنيت و عشرة اضعاف الدنيا. فيقول
اتسخر بي و انت الملك.

(صحیح مسلم ۱ ص ۱۰۵، سنن ترمذی ابواب صفة جہنم)

سوال یہ ہے کہ وہ شخص جو سرین کے بل جہنم سے گھسٹتا ہوا نکلے گا کیا خود کوشش کرے گا نکل آئے گا یا اللہ کے حکم سے فرشتے اسے نکالیں گے۔ پہلی صورت تو ہو نہیں سکتی دوسری ہوگی تو فرشتے اسے اس انداز سے کیوں نکالیں گے۔ پھر جہنم سے نکل آنے کے بعد کیا وہ ایسے ہی سرین کے بل گھسٹتا ہوا جنت کی طرف روانہ ہوگا۔ جنت و جہنم کے درمیان تو بہت ہی فاصلہ ہوگا۔ پھر اس حدیث میں مذکور ہے کہ حق تعالیٰ اس سے فرمائے گا جنت میں داخل ہو جا۔ معقول بات تو یہ ہوتی کہ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اسے جنت میں لے جاؤ اور فلاں محل میں اسے جاتا دو۔۔۔ اس میں مذکور ہے کہ وہ تین بار جنت کو بھری ہوئی محسوس کر کے واپس جا کر حق تعالیٰ سے عرص کرے گا کہ جنت میں تو جگہ ہی نہیں ہے وہ تو بھری ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ جنت سے باہر کہاں تشریف

فرما ہوں گے۔ مجھے تو شروع سے آخر تک یہ حدیث عبیدہ بن عمرو سلمانی کی گپ شپ ہی معلوم ہوتی ہے۔ تابعی ہونے کی وجہ سے اسے ثقہ سمجھا گیا ہے لیکن اسے باطل اور بے سرو پا روایات بیان کرنے کا شوق تھا۔ سورۃ البقرہ میں جو مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبی اسرائیل کو ایک گائے ذبح کرنے کا ارشاد فرمایا تھا تو اس گائے کے متعلق نہایت نامعقول قطعاً جھوٹا اور بے ہودہ قصہ گھڑ کر روایت کرنے کا جرم اسی شخص نے کیا تھا۔ ایسے ہی یہ حدیث بھی اسی کی گھڑی ہوئی ہے۔

(۱۲۲) غزوہ تبوک میں حضرت علی کے استخلاف کی حدیث

بخاری نے کہا ہے:

حدثنا مسدد ثنا يحيى عن شعبة عن الحكم عن مصعب بن سعد عن ابيه ان رسول الله ﷺ خرج الى تبوك و استخلف عليا فقال اتخلفني في الصبيان و النساء؟ قال لا ترضى ان تكون منى بمنزلة هارون من موسى الا انه ليس بعدي نبى.

(صحیح بخاری ص ۶۳۳، کتاب المغازی غزوہ تبوک)

ہم سے مسدد نے بیان کیا کہ ہم سے یحییٰ بن سعید قطان نے بیان کیا شعبہ سے روایت کر کے اس نے حکم بن عتیبہ سے اس نے مصعب بن سعد سے اس نے اپنے والد سعد بن ابی وقاصؓ سے کہ نبی ﷺ نے مدینہ سے تبوک کے لیے روانگی کے وقت علی سے پیچھے رہ جانے یعنی مدینہ میں ہی رہ جانے کو کہا (کہ تم بچوں اور عورتوں کی نگہداشت کرنا) علی نے کہا کیا آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑ رہے ہیں؟ فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ مجھ سے اس مرتبہ میں رہو جس مرتبہ میں ہارون موسیٰ سے تھے؟ مگر یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

یحییٰ بن سعید قطان کی طرح محمد بن جعفر غفور و معاذ عمری و ابوداؤد طیالسی نے بھی شعبہ سے اسی اسناد کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے۔ ان تینوں کی روایت میں ہے ”و خلف علیا“ یعنی

رسول اللہ ﷺ نے علی کو سفر میں ساتھ نہ لیا مدینہ میں ہی رہنے کا حکم دیا۔ خلف کے معنی ہیں پیچھے چھوڑنا۔ غفور کی روایت صحیح مسلم و مسند احمد میں ہے۔

(مسند اص ۸۱ صحیح مسلم کتاب الفضائل فضائل علی)

معاذ کی روایت بھی صحیح مسلم میں ہے۔ ابو داؤد کی مسند ابی داؤد طیالسی میں مگر یحییٰ بن سعید کی روایت میں جس کی تخریج بخاری نے کی ہے خلف کی بجائے استخلف علیا ہے (یعنی قائم مقام بنایا) یہ روایت بھی غلط ہے اور واقعہ بھی غلط ہے۔ شعبہ نے تو اس حدیث میں خلف کہا تھا۔ بخاری یا ان کے شیخ مسدد یا اس کے شیخ یحییٰ بن سعید نے اس کی بجائے استخلف غلط کہہ دیا ہے یہ تو روایت کے لحاظ سے غلطی تھی۔ اور واقعہ کے لحاظ سے یہ لفظ یوں غلط ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے محمد بن مسلمہ انصاریؒ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام اور نائب بنایا تھا۔ عام اہل مدینہ کی دیکھ بھال اور نمازوں کی امامت ان ہی کے سپرد فرمائی تھی۔ وہ بڑے بیدار مغز ہوشیار اور جری و دلیر صحابی تھے۔ اندیشہ تھا کہ عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھی منافقین آپ کے بعد کوئی فتنہ برپا کریں تو محمد بن مسلمہ انصاریؒ اسے بہتر طریق سے فرو کر سکتے تھے۔ اس موقع پر علی بن ابی طالبؓ کو رسول اللہ ﷺ نے اپنا نائب مقرر نہیں کیا تھا۔ بلکہ اور کسی موقع پر بھی انہیں یہ اعزاز نہیں دیا گیا۔ اسی لیے میں نے بخاری کی روایت میں یہ توجیہ کی ہے کہ استخلف کو طلب منہ ان لا یذهب معہ ویقیم بالمدينة کے معنی میں ہے تاکہ یہ روایت شعبہ کے دیگر تلامذہ کی روایت اور واقعہ کے مطابق ہو جائے۔

شعبہ نے حکم بن عتیبہ کے علاوہ سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف سے بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔ اس میں لفظاً تبوک کا ذکر نہیں ہے۔ اس کی تخریج بھی بخاری نے کی ہے۔ کہا ہے:

حدثني محمد بن بشار ثنا شعبه عن سعد بن ابراهيم قال

سمعت ابراهيم بن سعد عن ابيه (سعد بن ابي وقاص) قال قال النبي

ﷺ لعلي اما ترضى ان تكون مني بمنزلة هارون من موسى.

(صحیح بخاری ص ۵۱۶، کتاب المناقب)

ابراہیم بن سعد بن ابی وقاص سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمن کے ماموں تھے۔ ابراہیم بن عبد الرحمن کی بیوی حضرت سعد بن ابی وقاص کی بیٹی اور مصعب بن سعد و ابراہیم بن سعد وغیرہما کی بہن تھیں۔ یہ حدیث سنن ابن ماجہ صحیح مسلم و مسند احمد میں بھی ہے۔

(مقدمہ سنن ابن ماجہ۔ صحیح مسلم کتاب الفہما کل، مسند اص ۱۷۵)

پس شعبہ کو رسول اللہ ﷺ کا حضرت علی سے یہ فرمانا الا ترضی ان تكون منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ دو شخصوں سے معلوم ہوا تھا۔ حکم بن عقیب کو فی سے اور سعد بن ابراہیم کو فی سے۔ حکم نے اس کے بعد الا انہ لا نبی بعدی ذکر کیا تھا اور بتایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات غزوہ تبوک کے لیے روانگی کے موقع پر حضرت علی کو تسلی دینے کی غرض سے کہی تھی کیونکہ علی مرد میدان تھے سفر جہاد میں آپ کے ساتھ جانا چاہتے تھے مگر آپ نے حضرت فاطمہ اور ان کے چھوٹے بچوں کی دیکھ بھال اور نگہداشت کے لیے علی کا مدینہ میں ہی رہنا ضروری سمجھا تھی جیسے غزوہ بدر میں حضرت عثمانؓ کو اپنی بیٹی اور ان کی بیوی رقیہؓ کی دیکھ بھال اور تیمارداری کے لیے مدینہ میں ہی چھوڑا تھا۔ مگر نہ غزوہ بدر کے بدر کے موقع پر آپ نے حضرت عثمانؓ کو مدینہ میں اپنا نائب بنایا تھا نہ غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت علیؓ کو۔ سوال یہ ہے کہ پھر آپ کا حضرت علی سے اما ترضی ان تكون منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ الا انہ لیس بعدی نبی کہنا کیا معنی رکھتا تھا؟ اگر آپ نے اس موقع پر علیؓ کو مدینہ میں اپنا نائب بنایا ہوتا تو یہ فرمانا بجا ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق تورات لانے کے لیے مناجات گاہ طور پر تشریف لے گئے تو اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اہل و عیال کی نگرانی کے لیے نہیں بلکہ تمام بنی اسرائیل پر اپنا نائب بنایا تھا جیسا کہ قرآن کریم میں صراحتاً مذکور ہے۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے تو غزوہ تبوک کے موقع پر محمد بن مسلمہ انصاری مدینہ میں اپنا نائب بنایا تھا لہذا وہی بمنزلہ ہارون من موسیٰ کے مصداق تھے نہ کہ علیؓ۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ حکم بن عقیب نے غلط کہا تھا کہ غزوہ تبوک کے موقع پر آپ نے علی سے یہ کہا تھا۔ ”اما ترضی الخ“، یہ حدیث حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی بیان کی ہوئی اور رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی نہیں ہے۔ اس کے

غلط ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ تمام اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے بعد نبی نہیں ہوئے تھے۔ وہ تو شروع سے ہی حضرت موسیٰ کے معاون نبی تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک سال پہلے میدان تیار میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ پھر اس حدیث میں جس کی تخریج بخاری نے کی ہے رسول اللہ ﷺ کا الا انہ لیس بعدی نبی فرمانا کیسے درست ہو سکتا ہے حکم بن عتبہ کو فی رافضی تو نہ تھا لیکن شیعہ ضرور تھا۔ شیعہ ہونے کی وجہ سے ہی اس نے یہ غلط حدیث نقل کی تھی جو کسی شیعہ کی ہی گھڑی ہوئی ہے۔ رہی شعبہ کی سعد بن ابراہیم سے روایت کی ہوئی حدیث جس کی تخریج بخاری نے کتاب المناقب میں کی ہے تو اگرچہ اس میں لفظ تبوک کا ذکر نہیں ہے بس اطلاق کے ساتھ یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی سے فرمایا تھا ”اما ترضی ان نکون منی بمنزلة ہارون من موسیٰ“ مگر لفظ اما ترضی بتا رہا ہے کہ آپ نے علی کو تسلی دینے کی غرض سے یہ بات کہی تھی اور ظاہر ہے کہ تسلی دینے کا موقع غزوہ تبوک کے لیے روانگی کا ہی وقت تھا۔ پس جو کلام حکم کی روایت میں ہے وہی سعد بن ابراہیم کی روایت میں ہے۔ بہر طریق یہ حدیث باطل اور اہل تشیع کی گھڑی ہوئی ہے۔ حضرت سعد کی بیان کی ہوئی نہیں ہے۔ بخاری نے اس غلط حدیث کو درج صحیح کرتے ہوئے اس حقیقت واقعہ کو نظر انداز کر دیا کہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد جب مفسدین کی سعی و کوشش سے اہل مدینہ نے حضرت علی سے بیعت کی تو عبد اللہ بن عمرو اسامہ بن زید وغیرہما کی طرح سعد بن ابی وقاص بھی علی سے بیعت کرنے پر راضی نہ ہوئے جب حسن بن علی و معاویہ میں صلح ہو گئی تو سعد بن ابی وقاص نے بغیر کسی تردد کے حضرت معاویہ سے بیعت کر لی۔ اور حضرت عمر کے بعد بوقت انتخاب حضرت سعد نے علی کی بجائے عثمان کے حق میں اپنی رائے دی تھی۔ ظاہر ہے کہ اگر حضرت سعد نے رسول اللہ ﷺ سے علی کے متعلق اما ترضی ان نکون منی بمنزلة ہارون من موسیٰ سنا ہوتا تو بوقت انتخاب عثمان کی بجائے علی کے حق میں رائے دیتے اور حضرت عثمان کے بعد علی سے بیعت کر لینے سے باز نہ رہتے۔ صحیح مسلم میں سعید بن مسیب اور بکیر بن مسمار کے طریق سے بھی یہ حدیث سعد مروی ہے جو قطعاً موضوع ہے اس پر مفصل کلام ”صحیح مسلم کا مطالعہ“ نامی کتاب میں ہوگا۔ ان شاء اللہ!

خاتمہ

بحمد للہ ”صحیح بخاری کا مطالعہ“ جزء اول پورا ہو گیا۔ اس میں صرف وہ حدیثیں زیر بحث آئی ہیں جنہیں درج صحیح کرنے میں امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے میری نظر میں کلی چوک ہوئی ہے۔ کئی سال پہلے اس کی قسط اول شائع ہوئی تھی جس میں صرف تین حدیثیں مذکور تھیں۔ یہ دوسری قسط ہے۔ اس میں بقیہ حدیثیں آگئی ہیں۔ اسے پڑھنے والوں کے دلوں میں یہ خلش ضرور پیدا ہوگی کہ صحیح بخاری بڑی معروف و مستند اور مقبول عام کتاب ہے۔ جب سے یہ کتاب معرض وجود میں آئی ہے ہر دور میں ہزاروں اہل علم اسے پڑھنے میں مصروف چلے آ رہے ہیں۔ خاص ہندوستان میں ہی ہر سال ہزاروں کی تعداد میں طلبہ علم مدارس دینیہ میں صحیح بخاری پڑھنے سننے کا شرف حاصل کر کے فارغ التحصیل ہوتے اور سند و ستار فضیلت پاتے ہیں بلند پایہ علمائے کرام کے جم غفیر نے یکے بعد دیگرے اس کی مبسوط شرحیں لکھی ہیں۔ لیکن کسی شارح کسی محشی اور کسی مستند عالم نے یہ کہنے کی جسارت نہیں کی کہ اس اصح الکتاب بعد کتاب اللہ میں بے سرو پا اور باطل حدیثیں بھی ہیں۔ جو بات متقدمین و متاخرین علمائے عظام میں سے کسی پر نہیں کھلی وہ اس کس میرس شخص شبیر احمد ازہر میرٹھی پر کیسے کھل گئی؟

لیکن درج ذیل حقائق کو سمجھ لینے کے بعد انشاء اللہ خلش دور ہو سکتی ہے۔

(۱) مشہور ہے کہ امام بخاری نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے یہ حدیثیں منتخب کی تھیں جو صحیح بخاری میں مذکور ہیں۔ مکررات کے ساتھ ان کی گنتی سات ہزار دو سو پچھتر ہے۔ مکررات کو حذف کر دیجئے تو تقریباً چار ہزار حدیثیں ہیں۔ صحیح بخاری کی تالیف سولہ سال میں ہوئی۔ چھ لاکھ حدیثوں کے عظیم انبار میں سے یہ انتخاب کر کے اور یہ کتاب لکھ کر جس میں بس وہ حدیثیں مذکور ہیں جو بخاری کے نزدیک صحیح تھیں۔ یعنی ان کی اسناد متصل تھی۔ روایت سب ثقہ تھے اور وہ شذوذ و غلت سے خالی تھیں۔ امام بخاری نے یہ شدید و شاق محنت کر کے گویا خنزف ریزے چھانٹ کر موتی نکالے تھے اور علم و تحقیق کی بلند پایہ مثال قائم فرمادی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک فرد کی کوشش و

محنت تھی آنے والے اہل علم و نظر کو بخاری کی اس مثال سے فائدہ اٹھانا اور علم و تحقیق کے کام کو اسی نہج سے آگے بڑھانا چاہئے تھا۔ اور سوچنا چاہئے تھا کہ ہو سکتا ہے کہ صحیح بخاری میں درج کی ہوئی کسی حدیث کو بخاری نے متصل السند گمان کر لیا ہو اور فی الواقع وہ منقطع یا مرسل ہو، متصل السند ہو۔ اور ممکن ہے کہ بخاری نے کسی روای کو ثقہ سمجھ لیا ہو اور فی الواقع وہ ثقہ نہ ہو اور ممکن ہے کہ متن حدیث میں واقع کسی لفظ کو بخاری نے محفوظ قرار دیا ہو حالانکہ فی الواقع وہ شاذ ہو یا بخاری کے علم و نظر میں وہ علت قاذحہ نہ آئی ہو جو فی الواقع اس میں پڑی ہوئی ہے اور اس حدیث کو باطل قرار دے رہی ہے۔ میں نے جب صحیح بخاری کی ایک ایک حدیث کو پرکھا۔ تو یہ احتمالات واقعات ثابت ہوئے۔ ٹھیک ہے کہ مجھ سے پہلے کسی نے اول سے آخر تک صحیح بخاری کی ہر حدیث کو اس انداز سے نہیں پڑھا۔ اسی طے کوئی صاحب نظر ان اغلاط سے واقف بھی نہیں ہوا جن سے میں واقف ہوا ہوں۔ دیگر اہل علم نے بھی اس کی ہر حدیث کو پرکھا ہوتا تو کیا عجب تھا کہ ان کے علم میں اور زیادہ غلطیاں آجائیں۔ عموماً اہل علم و نظر کو صحیح بخاری کی حدیثوں کو پرکھنے سے تین وجوہ نے روکا ہے۔

اول: یہ کہ کسی نے اس کے متعلق یہ مبالغہ آمیز بات کہہ دی تھی کہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری۔ ایسی ہی مبالغہ آمیز بات پہلے امام مالک کی موطا کے متعلق کہی گئی تھی مگر صحیح بخاری کے متعلق کہی گئی بات زیادہ پھیل گئی۔ بے علم و اعظین اور غیر محتاط مصنفین نے اسے خوب ہوا دی۔ مزید زور دار بنا کر یہ ہی بات یوں کہی گئی ماتحت ادیم السماء کتاب اصح من کتاب البخاری۔ ایک مستند محدث عالم سے خود میں نے سنا تھا کہ فلاں بزرگ مرتبہ عالم نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے صحیح بخاری کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے۔ میں خوب جانتا تھا کہ ان صاحب نے اس بزرگ مرتبہ عالم کو کبھی نہیں دیکھا۔ الغرض یہ مبالغہ آمیز جملہ نہ صرف پڑھے لکھے بلکہ تمام دیندار مسلمانوں کے دلوں میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس لیے اور تو اور علماء کے تصور میں بھی نہیں آتا کہ صحیح بخاری میں کوئی ایسی بھی حدیث ہو سکتی ہے جس کی صحت میں کلام کرنے کی گنجائش ہو۔ کسی حدیث کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ وہ صحیح بخاری میں ہے علی الفور اس کی صحت کا یقین کر لیا جاتا ہے۔

(۲) اسی کا یہ برانٹجہ نکلا ہے کہ صدیوں سے صحیح بخاری کو رحمت و برکت کے حصول اور دعاؤں کی پذیرائی کا تیر بہدف ذریعہ اور نقد و نظر سے بالاتر مقدس کتاب مانا جاتا ہے مشکل مقامات میں کامیابی اور مایوس العلاج بیمار کی شفا یابی کی غرض سے ختم صحیح بخاری کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

(۳) صحیح بخاری کی حدیثوں کے معنی و مطلب سے خود علماء کرام کے بے توجہی کا حال بھی بڑا ماتم انگیز ہے۔ ہندوستان کے بہت سے دینی عربی مدارس میں مفتی طلبہ کو صحیح بخاری پڑھائی جاتی ہے۔ مگر کیسے؟ پڑھنے والے طلبہ پڑھتے ہیں۔ شیخ الحدیث صاحب سنتے ہیں۔ معنی تو دور کی چیز ہے۔ پڑھنے والا عموماً آدھی سطر بھی صحیح نہیں پڑھتا۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کو اس کی پروا نہیں ہوتی کہ یہ منصرف کو غیر منصرف۔ مرفوع کو مجرور اور مجرور کو منصوب کیوں پڑھ رہا ہے۔ ہاں دھوم دھام سے جلسہ ختم بخاری ضرور منعقد کیا جاتا ہے جس میں کوئی مشہور مقرر صحیح بخاری کی آخری حدیث کے متعلق وعظ فرما دیتا ہے۔

(۴) خود امام بخاری کے حفظ و ضبط کی اعجازی قوت اور تیقظ کے متعلق بھی تذکرہ نویسوں نے افراط و غلو میں گندھی ہوئی حکایتیں وضع کر ڈالی ہیں جو صحیح بخاری کی درست کے آغاز میں طلبہ کو سنائی جاتی ہیں۔ حالانکہ خود صحیح بخاری کی شہادت یہ ہے کہ اس لحاظ سے امام بخاری کوئی غیر معمولی شخص نہ تھے۔ وہ ایک ثقہ محدث تھے۔ اور دیگر ثقہ محدثین کی طرح بخاری کے یہاں بھی بھول چوک اور قصور بیان و غلط فہمی کی سینکڑوں مثالیں ملتی ہیں۔ الغرض امام بخاری صحیح بخاری کے متعلق پھیلانی ہوئی مبالغہ آرائیوں کی وجہ سے عرب و عجم کے اہل علم و نظر صحیح ڈھنگ سے صحیح بخاری کا مطالعہ کرنے سے قاصر رہے اور ابواب و تراجم کی عقدہ کشائی اور ابواب کے تحت ذکر کی ہوئی حدیثوں اور ابواب کے درمیان وجوہ مطابق تلاش کرنے میں ہی سرکھپاتے رہے۔

اس کے بعد اللہ کو منظور ہوا تو ناظرین کے ہاتھوں میں ”صحیح بخاری کا مطالعہ حصہ دوم“ پہنچے گا جس میں وہ حدیثیں مذکور ہیں جن میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے جزوی غلطیاں ہوئی ہیں وہ حدیثیں فی الواقع صحیح ہیں۔ بحمد اللہ اس حصہ دوم کی تسوید بھی ہو چکی ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین